تاریخ ائمہ

مصنّفہٗ

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ طاب ثراہ

دوسرا ایڈیشن

قیمت پانچ روپیہ

مثل کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمّیٰ بہ مختصر

تاریخ ائمہ

جسمیں بفضلہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے مختصر اور ائمہ طاہرین کے ضروری حالات زندگی اور علمی و عملی نیز دینی و دنیوی کارنامے کمال تحقیق سے جمع کیے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ طاب ثراہ

ابن

دہر فخر المحققین سید المتکلمین ظہیر الملۃ والدین زین العلماء المجتہدین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا
آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ

المتوفی ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوا میں مطبوع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۶۶ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الانبیاء والمرسلین
لاسیما علی اشرف الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین سیدنا
ومولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین
من یومنا ہذا الی یوم الدین ۔

خدا کے فضل و کرم سے اردو زبان میں اسلامی علوم و فنون کی کتابیں کثیر تعداد میں شائع ہو چکی ہیں اور برابر ان میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے مگر ایک نہایت ضروری کتاب کی کمی افسوسناک اور نقصان رساں ہے حضرت رسول خدا صلعم نے بار بار ارشاد فرمایا ہے انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الآخر کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیہما فانہما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض مسلمانو میں اب دنیا سے جا رہا ہوں (مگر) تم لوگوں کے درمیان اپنا دو قائم مقام چھوڑے جاتا ہوں جب تک تم ان دونوں کی پیروی کرتے رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ دونوں بڑے عظیم الشان ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ قرآن مجید اور میری عترت میرے اہلبیت ہیں۔ اب تم لوگ دیکھو کہ میرے بعد ان سے کیا برتاؤ کرتے ہو۔ یہ بھی جان لو کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ تک پہنچ جائیں۔ (منتخب کنز العمال جلد ۵ ص ۹۵ تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۶۰ وغیرہ) اس سبب سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے قرآن مجید و اہلبیت کو جانے اور انکی معرفت حاصل کرے۔ اس کے بعد دونوں کی پیروی میں کوشاں رہے۔ قرآن مجید تو مسلمانوں کے گھر گھر موجود ہے اور اس کی معرفت آدمی خود غور و فکر اور تامل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے وہ خود کہتا ہے افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ قرآن مجید میں لوگ غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو یقین حاصل ہو جائے گا کہ یہ کتاب الہی اور معجزہ حضرت رسول خدا صلعم ہے کیونکہ اگر یہ خدا کے پاس سے نہیں آئی ہوتی تو لوگ اس میں بہت کثرت سے اختلاف پاتے (پ ۵ ع ۸) لیکن حضرات اہلبیت و عترت رسول کی معرفت حاصل ہونے کا کوئی آسان ذریعہ اردو زبان میں اب تک نہیں ہوا ہے بے شک ان حضرات کی مفصل سوانح عمری لکھی گئی مگر کوئی ایسی مختصر لیکن جامع کتاب نہیں مرتب ہوئی جو قرآن مجید کی طرح ایک ہی جلد میں ہو جس کے مطالعہ سے بارہ کل حضرات معصومین دین و پیشوایان مذہب کے ضروری حالات پیش نظر ہو سکے رہیں اور جس کے پڑھنے سے ان کے علم

بچوں کو ان حالات سے بھی سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے جس میں عبارت آرائی انشا پردازی پر زور نہ دیا گیا ہو بلکہ خالص واقعات کو سیدھے سادھے طور پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور جو قابل ہوں کہ مومنین و مومنات خود نیز انکے وہ لڑکے جو کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں بلکہ کمسن بچے اور لڑکیاں تک اس کو آسانی سے پڑھکر اپنے بزرگان دین کے سوانح حیات معلوم کر سکیں اور اسکو برابر اپنے پاس رکھکر ہر وقت ان حضرات کی سیرت کا مرقع ملاحظہ کرتے رہیں جس میں زیادہ تر فضائل و مصائب کے تذکرے نہ ہوں بلکہ انکی تہذیب مکارم اخلاق، تزکیہ نفس، اشاعت علوم ترویج دین خدمت خلق ارشاد ناس، ہدایت بنی آدم، حمایت اسلام و مسلمین، کفالت ایتام و مساکین وغیرہ اوصاف جن کی پیروی کی کوشش ہم لوگ آسانی سے کر سکتے ہیں، واضح طور پر بیان کیے گئے ہوں اور جس سے معلوم ہو سکے کہ خدا نے ان حضرات کو دنیا میں کن اغراض و مقاصد کے لیے بھیجا اور ان حضرات نے انکو کس خوبی اور صبر و استقلال سے انجام دیا۔

اس قسم کی کتاب کی شدید ضرورت مدت دراز سے محسوس ہو رہی تھی۔ چونکہ خدائے کریم نے محض اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے بندہ احقر کو ضخیم کتاب مجالس خاتون بتصویر عزا و سوانح عمری خلیفہ اول کی جمع و ترتیب سے فارغ کیا۔ مناسب معلوم ہوا کہ اسی قادر علی الاطلاق و حی و قیوم سے اسکی توفیق و تائید و حمایت کا سوال کرکے اب اس بہت ضروری اور نہایت اہم دینی خدمت کے انجام دینے کی ہمت بھی کرے اور السعی منی والاتمام من اللہ کو پیش نظر رکھکر اسکی تکمیل پر آمادہ ہو جائے۔ اور چونکہ یہ کتاب اس کے محبوب بندوں کا مرقع مقاصد ہوگی اس وجہ سے اسکی بھی توقع امید ہے کہ وہ اپنی مدد و نصرت ہمارے شامل حال رکھے گا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ وھو حسبی و نعم الوکیل و نعم المولی و نعم النصیر۔ اور چونکہ حضرات ائمہ طاہرین کے بزرگ حضرات انبیاء کرام تھے اس سبب سے اس کتاب میں انشاء اللہ پہلے ان حضرات کے مختصر حالات لکھے جائیں گے اسی وجہ سے اس کتاب کے دو مقدمے اور چودہ باب قرار دیے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(پہلا مقدمہ) حضرات انبیاء کرام کے مختصر حالات (دوسرا مقدمہ) حضرت رسول خدا کے مختصر حالات اس میں انشاء اللہ حضرت کے مشہور بزرگوں اور عزیزوں مثلاً جناب قصی، جناب عبد مناف، جناب ہاشم، جناب عبدالمطلب، جناب اسد (جناب امیر کے نانا) جناب عباس بن عبدالمطلب، جناب حمزہ، جناب عبداللہ، جناب ابو طالب، جناب طالب، جناب عقیل، جناب جعفر، جناب قاسم، جناب ابراہیم وغیرہ اور مشہور صحابہ مثلاً جناب ابوذر، جناب سلمان، جناب مقداد، جناب عمار، جناب جابر وغیرہ اور ازواج مثلاً جناب خدیجہ، جناب عائشہ، جناب حفصہ، جناب زینب، جناب ام سلمہ وغیرہ کے حالات بھی ہوں گے

(پہلا باب) حالات حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس میں آپ کی ازواج مثلاً جناب سیدہ و جناب ام البنین اور ان کی اولاد مثلاً جناب محمد حنفیہ و جناب عباس علمدار اور اصحاب مثلاً جناب قنبر جناب مالک اشتر، جناب حجر بن عدی، جناب رشید ہجری جناب طرماح وغیرہ کے حالات بھی ہوں گے۔

(دوسرا باب) حالات حضرت امام حسنؑ۔ اس میں انشاء آپکی اولاد خصوصاً جناب حسن مثنیٰ و جناب قاسم کے حالات بھی ہوں گے۔

(تیسرا باب) حالات حضرت امام حسینؑ۔ اس میں حضرتؑ کے فرزندان جناب علی اکبر و جناب علی اصغر و شہدائے کربلا کے مختصر حالات بھی ہوں گے۔

(چوتھا باب) حالات جناب امام زین العابدین علیہ السلام اس میں انشاء جناب زید جناب یحییٰ بن زید و جناب عیسیٰ بن زید اور جناب مختار کے کارنامے بھی ہوں گے

(پانچواں باب) حالات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(چھٹا باب) حالات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس میں انشاء آپ کے صاحبزادے جناب اسمٰعیل اور خلفاء فاطمین نیز بوہرے و آغاخانی حضرات اور آپ کے مشہور اصحاب جناب زرارہ جناب ابو بصیر جناب مومن الطاق و جناب ہشام بن الحکم وغیرہ کے حالات بھی ہوں گے

(ساتواں باب) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات

(آٹھواں باب) حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حالات

(نواں باب) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات

(دسواں باب) حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے حالات

(گیارہواں باب) حضرت امام حسن عسکری کے حالات

(بارہواں باب) حضرت حجۃ العصر کے حالات

(تیرہواں باب) حضرات ائمہ اثنا عشر کے مجموعی فضائل اور ان کے آئمہ حق ہونے کے دلائل و براہین

(چودھواں باب) فرقہ اثنا عشریہ کے ناجی اور برحق ہونے کے ادلہ قاطعہ کی تفصیل۔

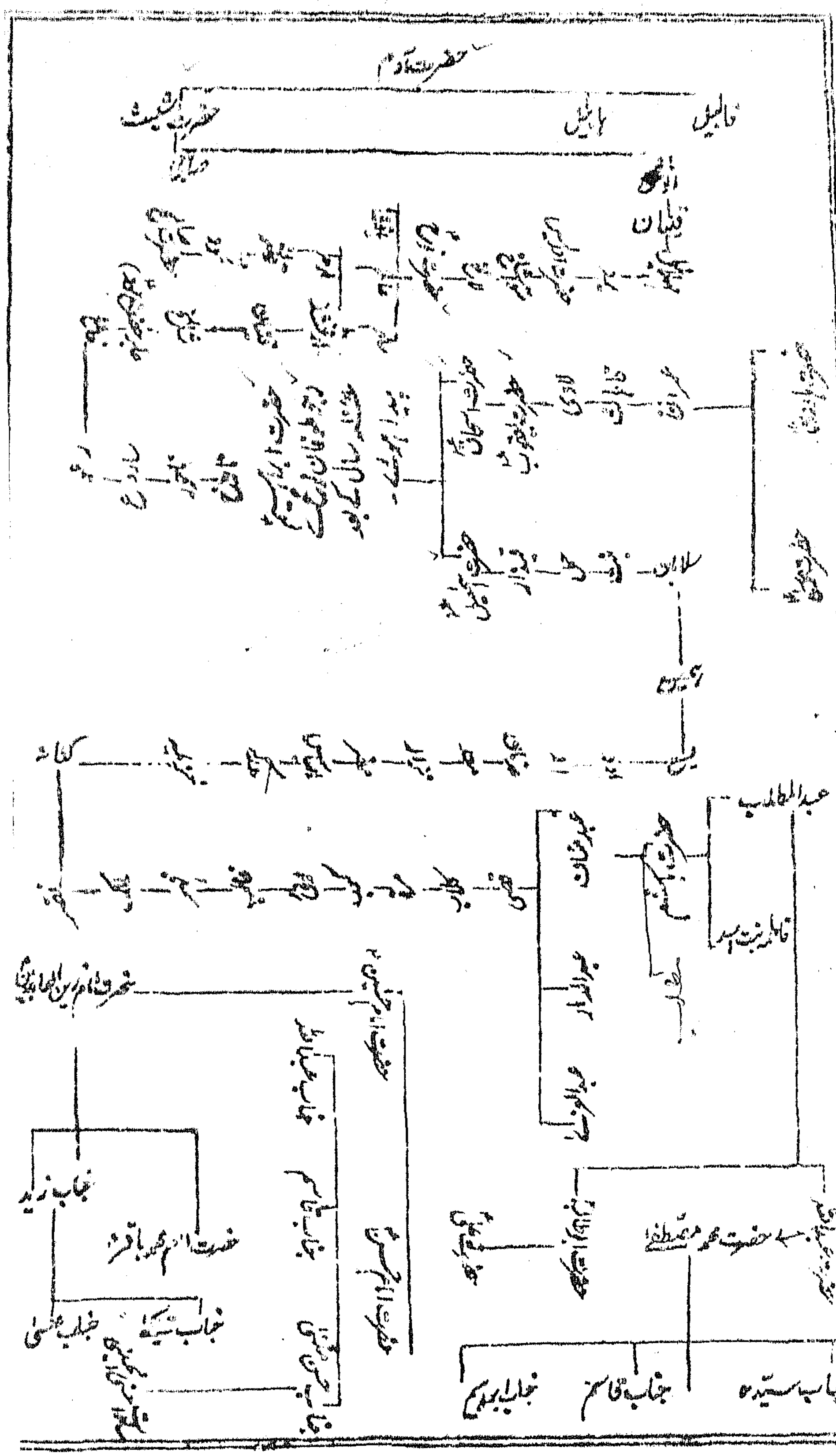
انشاء اس امر کی خاص کوشش کی جائے گی کہ ہر بزرگ کے ضروری حالات مختصر عبارت میں درج کیے جائیں تاکہ ۸۰۰ صفحوں میں پوری کتاب تمام ہو جائے اور کوئی ضروری مضمون رہ بھی نہ جائے مفصل حالات لکھنے کا ارادہ نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ کتاب اپنے اصل مقصد سے خارج ہو جائے گی اور تفصیلی حالات کی سوانح عمریاں تقریباً کل حضرات کی شائع ہو چکی ہیں جن حضرات کو زیادہ حالات مطلوب ہوں گے وہ انکی طرف رجوع کر لیں گے۔

پہلا مقدمہ

حضرات انبیاء کرام کے مختصر حالات

حضرت آدم ؑ | کل انبیاء و مرسلین کے بزرگ اور ہر انسان کے جدِ اعلیٰ حضرت ہی ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کی تاریخ کے متعلق مؤرخین نے بہت کچھ اختلافات ذکر کرنے کے بعد اپنی اپنی تحقیق بھی مختلف لکھی ہے علامہ ابوالفداء نے لکھا ہے فیکون بین الهجرة وبين هبوط آدم ستة آلاف سنة ومائتان و ست عشرة سنة و هذا القدر هو المختار وعليه نبنی کتابنا حضرت آدم ؑ کے زمین پر تشریف لانے سے حضرت سید المرسلین صلعم کی ہجرت تک حساب کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۶۲۱۶ برس گذرے ہیں اور یہی حساب ہمارے خیال میں ارجح ہے اور اسی پر ہم اپنی کتاب (تاریخ ابوالفدا) کی بنیاد قائم کرتے ہیں (ابوالفدا جلد اول) مگر حضرت آدم ؑ کی وفات حضرت نوح ؑ کے طوفان سے ۲۲۴۲ سال قبل بتائی جاتی ہے اور طوفان نوح ؑ کا سال بعض محققین فرنگ نے ۲۳۴۸ اور بعض نے ۳۰۰۰ سال قبل از حضرت مسیح ؑ لکھا ہے اس حساب سے حضرت آدم دنیا میں آج سے ۶۰۲۶ یا ۷۶۶۸ سال پہلے تشریف لائے تھے (مگر ان اقوال سے کسی پر بھی قلب کو اطمینان نہیں ہوتا ہے)

شجرہ نسب | مؤرخین کی تحقیق کے مطابق حضرت آدم سے حضرت رسول خدا صلعم تک کا شجرہ یہ معلوم ہوتا ہے۔


حضرت آدم
قابیل
ہابیل
حضرت شیث
حضرت نوح
حضرت ادریس
کنانہ
عبدالمطلب
فاطمہ بنت اسد
حضرت محمد مصطفیٰ
جناب سیدہ
جناب قاسم
حضرت امام حسن
حضرت امام حسین
جناب حسن مثنیٰ
جناب عبداللہ
جناب زید
حضرت امام محمد باقر

حضرت امام محمد باقر ع

حضرت امام جعفر صادق ع

جناب اسمٰعیل	حضرت امام موسیٰ کاظم ع
خلفائے فاطمیین و خوجے و بوہرے حضرات	حضرت امام علی رضا ع حضرت امام محمد تقی ع حضرت امام علی نقی ع

حضرت امام حسن عسکری ع	جناب جعفر کذاب
حضرت حجۃ اللہ امام مہدی ع	سادات نقوی

تنبیہ اس امر کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جس طرح حضرت آدم سے اس وقت تک کی مدت میں کہ زمانہ پر شدید اختلاف ہے اسی طرح جناب محمد صلعم سے قریش کے بزرگ فہر تک (جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے) کے سلسلہ نسب میں بھی شدید اختلاف ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا سلسلہ نسب کو قطعی اور ہر طرح سے خالی از غلطی نہ سمجھنا چاہیے۔

خلقت حضرت آدم جب خدا نے آپ کو پیدا کرنا چاہا تو ایک فرشتہ عزرائیل نامی کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے آئے۔ مٹی الگ الگ قسموں کی تھی سخت و نرم اور سیاہ و سفید و سرخ و زرد۔ غرضیکہ ہر قسم کی زمین سے ایک ایک مٹھی لے گئے۔ اس سے خدا نے حضرت آدم کا پتلا بنایا اور اس میں روح پھونک دی۔ اسی طرح مختلف قسم کی مٹی کے مجموعے سے حضرت آدم پیدا ہوئے۔ اسی سبب سے آپ کی اولاد میں سرخ، سیاہ، زرد اور گورے آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ جب خدا آپ کو پیدا کر چکا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ سب آپ کے سامنے سجدہ کریں۔ سب نے اس حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس (شیطان) نے تکبر سے انکار کر دیا اس سبب سے وہ بہشت سے نکال دیا گیا۔ اور حضرت آدم کو جگہ دی گئی۔ پھر خدا نے اسی مٹی سے جو حضرت آدم کا پتلا بنانے سے بچ گئی تھی حضرت حوا کو پیدا کیا جن سے حضرت آدم کی شادی ہوئی اور یہ دونوں میاں بیوی آرام سے بہشت میں رہنے لگے۔ خدا نے ایک درخت کے بارے میں دونوں حضرات کو حکم دیا تھا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا مگر شیطان نے (جو بہشت میں کچھ دیر کے لئے پہنچ گیا تھا) ان حضرات کو آمادہ کیا کہ اس درخت کا پھل کھا لیں اور ان حضرات سے یہ امر جو گناہ تو نہیں تھا لیکن جس کا ترک کرنا اولیٰ تھا سرزد ہو گیا۔ اس پر خدا کی طرف سے حضرت آدم کو وحی ہوئی کہ تم نے وہ کام کیا جس کا کرنا تھا

لیے مناسب نہیں تھا۔ اب تم دونوں بہشت سے اُتر کر زمین پر چلے جاؤ۔ چنانچہ دونوں بزرگ زمین پر آگئے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ حضرات زمین پر کس جگہ اترے۔ غرض زمین پر آپکی اولاد اور نسل بڑھنے لگی جب حضرت آدمؑ و حوا زمین پر آئے تو آپکے دو بیٹے تھے ایک قابیل جو خدا پرست نہیں تھا۔ دوسرا ہابیل جو بہت نیک اپنا نذرانہ اور خدا پرست تھا۔ ہابیل و قابیل نے قربانی کی مگر ہابیل کی قربانی قابیل کی قربانی سے اچھی تھی۔ اس سبب سے وہ خدا کے دربار میں قبول کر لی گئی اور قابیل کی قربانی اس شرف سے محروم رہی۔ اس پر قابیل کو ہابیل پر حسد ہوا اور اُس نے اُن کو قتل کر دیا جس کا حضرت آدمؑ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپنے اُن پر نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ مؤرخ ابن اثیر و طبری وغیرہ نے لکھا ہے

قال علی بن طالب صلوٰۃ اللہ علیہما لما قتل ابن آدم اخاہ بکاہ آدم فقال:

حضرت علیؑ نے لکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ ہابیل پر روتے تھے اور یہ نوحہ پڑھتے تھے ؎

تغیرت البلاد و من علیہا　　فلون الارض مغبرّ قبیح

تغیر کل ذی طعم و لون　　وقل بشاشۃ الوجہ الملیح

شہروں میں اور جو لوگ اس زمین پر آباد ہیں ان سب میں تغیر پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے عالم کا رنگ غبار آلودہ بُرا ہو رہا ہے۔ ہر مزے اور رنگ والی چیز متغیر ہو گئی اور اچھے چہروں والوں کی بشاشت (تازہ روئی) بھی کم ہو گئی۔

اس کے جواب میں حضرت آدمؑ سے کہا گیا ؎

ابا ھابیل قد قتلا جمیعا　　وصار الحی کالمیت الذبیح

وجاء بشرۃ قد کان منہا　　علی خوف فجاء بہا یصیح

اے ہابیل کے باپ سب قتل کر دیے گئے اور زندہ مثل ذبح شدہ مردے کے ہو گیا۔ اور اس قابیل نے ہابیل پر ایسا حسد کیا جس سے خود ہی خوف میں مبتلا ہو گیا۔ غرض وہ اس کا ارتکاب کر کے چیخ نکلا۔

(تاریخ طبری جلد ۱ ص ۶۸ تاریخ کامل جلد ۱ ص ۱۵ وغیرہ)

حضرت آدمؑ کا لقب خلیفۃ اللہ و صفوۃ اللہ اور کنیت ابو البشر تھی۔ آپ کو خدا نے جب پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ میں زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ اس سے یہی جیسے معلوم ہوا کہ حضرت آدم کی خلقت سے پہلے ہی خدا نے اسکو بھی طے کر دیا تھا کہ زمین میں خلیفہ وہی بنائیگا اور یہ خاص اسی کا فعل ہے۔ کسی اور کو خدا نے اسکا اختیار دیا ہی نہیں ہے یہاں تک کہ معصومین بھی ایسا نہیں کر سکتے۔

---

(۱) دوست معلوم ہوا کہ جو عزیزہ محبوب ظلم سے قتل کر دیا جائے اس پر رونا اور نوحہ کرنا شروع سے چلا آرہا ہے اور فطرت کا ابتدائی امر ہے جس کو ہم زمانہ کے بزرگ حضرت آدم صفی اللہ نے بھی عمل کیا۔ بالکل اسی طرح حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر بھی حضرت رسول خدا صلعم نے گریہ کیا اور جو واقعہ شہادت کے بعد دنیا کا اکثر مسلمان بلکہ غیر مسلم قومیں بھی حضرت پر رونے کیلئے اپنے دل سے مجبور ہو جاتی ہیں، کہ [illegible]

اگر خدا کے سوا کوئی شخص یا کوئی جماعت اپنے انتخاب یا اجماع یا شوریٰ یا اختلاف وغیرہ سے کسی کو خلیفہ بنا سکتی
تو خدا فرشتوں سے جو معصومین کا طبقہ ہے فرما دیتا کہ تم لوگ اپنی رائے یا اپنی پسند سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے
اسکو خلیفہ بنا لو۔ یا فرشتے خود ہی ملکر کسی کو اپنے انتخاب سے خلیفہ بنا لیتے۔ اور جب فرشتوں نے کہا اتجعل فیہا من
یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو
اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا حالانکہ ہم لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم تیری حمد و ثنا
کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (پ ۱ ع ۴) تب بھی خدا نے ان فرشتوں تک کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار
نہیں دیا اور خود ہی حضرت آدم کو خلیفہ مقرر کر دیا [1] جب حضرت آدم کی عمر ۱۳۰ سال کی ہوئی تو آپ کے فرزند
حضرت شیث پیدا ہوئے حضرت آدم نے ۹۳۰ سال کی عمر میں دنیا سے انتقال فرمایا اور آپ کے ایک سال بعد
حضرت حوا نے بھی انتقال کیا۔ جب حضرت آدم کی وفات کا وقت آیا تو باوجودیکہ آپ کی اولاد اور پوتے
پر پوتے وغیرہ کی تعداد چالیس ہزار تک ہو گئی تھی مگر آپ نے ان لوگوں کو بغیر اپنے خلیفہ کے نہیں چھوڑا۔ اور
نہ اس کا موقع دیا کہ وہ لوگ اپنا سردار خود ہی مقرر کر لیں بلکہ لما حضرت آدم الوفاۃ دعا ابنہ شیثا
فعہد الیہ وکتب وصیتہ [illegible] جب حضرت آدم کی وفات کا وقت آیا تو اپنے فرزند حضرت شیث کو اپنے پاس
بلایا اور انکو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اس مضمون کا وصیت نامہ بھی لکھ دیا (تاریخ طبری جلد اول) ان آدم علیہ السلام
مرض قبل موتہ احد عشر یوما واوصی الی ابنہ شیث علیہ السلام وکتب وصیتہ
ثم دفع کتاب وصیتہ الی شیث وامرہ ان یخفیہ من قابیل وولدہ لان قابیل قد
کان قتل ہابیل حسدا منہ [2] حضرت آدم علیہ السلام وفات سے گیارہ روز پہلے مریض ہوئے [illegible]
اور اپنے بیٹے حضرت شیث کو اپنا وصی کر کے اس مضمون کا وصیت نامہ لکھا [illegible]
انھیں حکم دیا کہ اسکو قابیل اور اس کی اولاد سے چھپائیں [3] کیونکہ اس نے حسد سے ہابیل کو قتل کر دیا تھا (تاریخ طبری)

---

[1] اسی طرح بعد میں بھی خدا ہی لوگوں کا خلیفہ مقرر کرتا رہا ۱۲

[2] حضرت رسول خدا صلعم نے بھی اسی طرح اپنی وفات سے پہلے کاغذ اور قلم دوات طلب کیا کہ اپنے وصی کے لئے وصیت نامہ لکھ دیں
جو مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کا ضامن ہو مگر حضرت عمر نے کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ ان الرجل لیہجر یعنی کتاب خدا کافی ہے یہ شخص
ہذیان بک رہا ہے (صحیح بخاری [illegible] تاریخ طبری [illegible])

[3] اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدم تقیہ پر عمل کرتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت شیث نبی کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید کی کیونکہ
وصیت نامہ کا چھپانا اسی تقیہ کی وجہ سے تھا کہ دشمن [illegible]
[illegible]
[illegible] الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان [illegible]
[illegible] الا ان تتقوا منہم تقاۃ [illegible]
[illegible]

جلد ۱ صفحہ ۹۷ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۱۸ وغیرہ)

حضرت شیث ع جب حضرت آدم ۲۳۰ سال کے ہوئے تو آپ کے فرزند جناب شیث پیدا ہوئے حضرت آدم ع کی کل نسل آپ ہی سے پھیلی آپ کے زمانہ میں حضرت آدم ع کی اولاد دو گروہ میں ہو گئی۔ ایک قابیل کی پیرو جو بت پرست ہوئی۔ دوسری حضرت شیث ع کی پیرو جو خدا پرست رہی۔ حضرت شیث ع کی عمر اکثر مورخین کے قول کے مطابق ۹۱۲ سال کی ہوئی۔ جب آپ کی وفات کا وقت پہونچا تو آپنے بھی اوصیٰ الی ابنہ انوش و مات اپنے فرزند انوش کو اپنا وصی مقرر کیا اسکے بعد انتقال فرما گئے سلہ ولد انوش قینان و نفرا کثیرا و الیہ الوصیۃ فولد قینان مھلائیل و نفرا معہ والیہ الوصیۃ نولد مھلائیل یرد و ھو الیارد و نفرا معہ والیہ الوصیۃ فولد یرد خنوخ و ھو ادریس النبی ع انوش کے ہاں قینان اور بہت سے لڑکے پیدا ہوئے مگر انوش نے اپنا وصی قینان کو مقرر کیا۔ پھر قینان کے ہاں مہلائیل اور بہت سی اولاد ہوئی مگر ان کے وصی مہلائیل ہوئے۔ پھر مہلائیل کے ہاں یرد یا یارد اور کئی بیٹے پیدا ہوئے اور مہلائیل نے اپنا وصی یرد یا یارد کو مقرر کیا۔ پھر یرد یا یارد کے ہاں خنوخ پیدا ہوئے یہی حضرت ادریس پیغمبر تھے (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) فکان وصی ابیہ و خلیفتہ فی ما کان والدہ مھلائیل اوصیٰ الی مہلائیل واستخلفہ علیہ بعد وفاتہ یہی حضرت ادریس اپنے باپ (یرد یا یارد) کے وصی اور خلیفہ ان کل امور میں ہوئے جن کے متعلق مہلائیل کے والد نے مہلائیل کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا تھا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۸۵ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۲۰ وغیرہ) سلہ آپکے ایک بیٹے صابی تھے جن کی طرف مذہب صابی منسوب ہے۔

حضرت ادریس ع اکثر مورخین کی تحقیق کے مطابق آپ حضرت آدم ع کی ساتویں پشت میں ہوئے ہیں آپکا نام اخنوخ بھی تھا قلم سے لکھنا کپڑا سینا۔ علم نجوم میں غور و فکر کرنا آپ ہی نے ایجاد کیا۔ کوفہ کے قریب رہتے تھے جب آپ کے زمانہ والوں نے آپ کی اطاعت نہیں کی تو سات سال تک خدا کا عذاب نہ نے ان لوگوں پر نازل کیا۔ پھر ان کے توبہ کرنے پر پانی برسا۔ ۳۶۵ سال دنیا میں رہے محققین فرنگ کے بیان کے مطابق حضرت آدم ع کی پیدائش سے ۶۲۲ سال کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ پر ۳۰ صحیفے نازل ہوئے۔ آپ بھی جب دنیا سے اٹھنے لگے تو اپنے صاحبزادے متوشلخ کو (فاستخلف خنوخ علیٰ امر اللہ و اوصاہ دین خدا کے متعلق خود ہی اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۸۶ وغیرہ) فلما حضرت متوشلخ الوفاۃ استخلف

سلہ باوجودیکہ آپکے زمانہ میں قابیل کے پیرو بت پرستی کرتے تھے مگر آپ نے ان لوگوں کو زبردستی خدا پرست بنانے کے لئے ان سے جہاد نہیں کیا۔ ان کو قتل نہیں کیا۔ ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا۔ نہ ان کو گرفتار کرکے قیدی بنایا۔ نہ کوئی سزا دی نہ کسی طرح خود سے مقابلہ کیا ۱۲

سلہ ان حضرات کے بارے میں کبھی نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کے منکرین یا بت پرستوں سے اس سبب سے لڑائی چھیڑی ہو کہ وہ خدا کو کیوں نہیں مانتے اور بت پرستی کیوں کرتے ہیں۔ بلکہ شروع سے کل ہادیان دین کا یہی عملی قول تھا کہ لکم دینکم ولی دین۔ تمہارے لئے تمہارا اور ہمارے لئے ہمارا مذہب ہے ۱۲

لمک علی امرہ واوصاہ بمثل ما کان اباءہ یوصون بہ جب متوشلخ کی وفات کا وقت آیا
تو انھوں نے بھی اپنے آباء و اجداد کے قاعدے کے مطابق اپنے فرزند لمک کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اور ان کل باتوں
کی وصیت کر دی جو آپ کے بزرگوں نے آپ کی کی تھیں (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۸۴) ان لمک کا نام لامخ بھی تھا
لمک عمر ۷۹۰ سال کی ہوئی اور انکی وفات طوفان نوحؑ سے ۹۳۰ سال پہلے بیان کی جاتی ہے ۔

حضرت نوحؑ

انھیں لمک یا لامخ کے صاحبزادے حضرت نوحؑ ہوئے جن کی ولادت لمک کے ۱۸۲ سال کے ہونے پر ہوئی آپ حضرت آدمؑ کی دسویں پشت میں تھے۔ جب ۴۸۰ سال کے ہوئے تو خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا جس کے بعد ۱۲۰ سال تک لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے پھر خدا نے نافرمانوں پر عذاب نازل کرنے اور اس سے آپ کو اور دوسرے مطیع بندوں کو بچانے کے لیے کشتی بنانے کا حکم آپ کو دیا۔ جب وہ تیار ہو چکی تو نہایت شدید طوفان آیا ۴۰ شب و روز سخت بارش ہوئی تمام انسان اور حیوان سوائے ان کے جنھیں نوحؑ نے حکم خدا سے اپنی کشتی میں بٹھا لیا تھا ڈوب گئے۔ طوفان کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ طوفان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شہر کوفہ میں یا ملک شام کے شہر عین الوردہ میں ایک تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا۔ ۱۰ رجب سے طوفان شروع اور ۱۰ محرم کو ختم ہوا۔ اس کا پانی پہاڑوں پر ۴۰ گز اونچا چڑھ گیا تھا۔ اس طوفان سے اولاد حضرت آدمؑ سے صرف حضرت نوحؑ آپ کے تین بیٹے سام۔ حام۔ یافث انکی بی بیوں اور ان ۸۰ آدمیوں نے جنھیں حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھ اپنی کشتی میں بٹھا لیا تھا نجات پائی باقی سب بنی آدم غرق ہو گئے۔ ۱۰ محرم کو یہ کشتی گھومتی پھرتی ہوئی کوہ جودی (شاید ارارات) پر جا کر ٹھہری۔ اس کے بعد طوفان ختم ہو گیا۔ اس وقت دنیا میں جس قدر آدمی ہیں یہ سب حضرت نوحؑ کے انھیں تینوں بیٹوں میں سے (جو کشتی میں سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ گئے) کسی کی نسل سے ہیں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور نوحؑ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال کی مدت گزری تھی۔ آپ نے ۹۵۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی قبر کوفہ میں اور بعض روایات کے مطابق شام کے شہر کرک میں ہے۔ بعض مورخین یورپ نے حضرت نوحؑ کی پیدائش ۲۹۴۸ سال قبل مسیح لکھی ہے مگر کسی قول پر یقین نہیں ہوتا۔ ۱؎ مورخین نے تصریح کی ہے مابین نوح الی آدم من الآباء کانوا علی الاسلام حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک جس قدر بزرگ ہوئے وہ سب اسلام پر تھے (طبری جلد ۱ صفحہ ۹۹) جب حضرت نوحؑ کشتی سے دوبارہ زمین پر آئے تو آپ نے زمین کے تین حصے کر کے اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیئے (۱) سام کو زمین کا وسطی حصہ دیا جس میں ملک شام دریائے نیل و فرات دجلہ و سیحان و جیحان و فیشون وغیرہ کے اطراف و جوانب تھے (۲) حام کو دریائے نیل کے مغرب کا کل حصہ دیا اور (۳) یافث کو فیشون اور اس کے اطراف کا حصہ دیا۔ اس طرح ملک عرب و ایران وغیرہ کے باشندے سام کی اور [illegible]

۱؎ حضرت ادریس کے زمانہ میں سرکشان بنی آدم پر قتال کیا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان کا عذاب خدا ہی سے نازل کیا گیا مگر خود ان حضرات نے اپنے مخالفین کو زبردستی مطیع بنانے کے لیے ان سے جہاد نہیں کیا۔ اور نہ ان کو فتح کرنے کے لیے ان کی طرف فوج کشی کی۔ نہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے قید کیا اور نہ ان کو کوئی سزا دی بلکہ اپنا فرض صرف تبلیغ احکام خدا سمجھتے رہے ۔

کے مغربی حصوں حبشہ وغیرہ کے باشندے حام کی اور ترک و یورپ وغیرہ کے باشندے یافث کی اولاد ہیں (طبری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ وغیرہ) سام کی اولاد مختلف ملکوں میں پھیلتی گئی یہاں تک کہ ان کی ۱۹ زبانیں ہو گئیں۔ حام کی اولاد بھی مختلف اطراف میں پھیلی اور ان کی بھی ۱۸ زبانیں ہو گئیں مگر یافث کی اولاد اتنی پھیلی کہ ان کی زبانیں ۳۶ تک پہنچ گئیں (طبری جلد ۱ صفحہ ۱۰۰)

حضرت ہود علیہ السلام یمن اور حضرموت میں علاقہ احقاف کی طرف ایک قوم عاد آباد تھی۔ خدا نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت ہود یا عابر بن شالخ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ سام کے بیٹے ارفخشد کے پوتے تھے۔ لوگوں نے آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ کو بہت اذیت ہوئی اور خدا نے ان لوگوں کے لئے سات رات آٹھ روز تک ایسی تیز آندھی بھیجی کہ سوائے حضرت ہود اور آپ کے ایمان دار ساتھیوں کے جو وہاں سے علیحدہ ہو کر ایک خطیرہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے سب ہلاک ہو گئے۔ جناب ہود نے وہیں انتقال کیا اور حضرموت یا مکہ معظمہ کے مقام حجر میں دفن کئے گئے۔ جب قوم عاد قحط کی مصیبت میں گرفتار ہوئی تو طلب باران کے لئے اپنا ایک وفد مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا اس میں مرثد بن سعد بن عفیر کی ... ایک شخص تھا جو ... مسلمان تھا مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھا (طبری جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

حضرت صالح علیہ السلام آپ ثمود بن عاثر بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔ قوم ثمود جو شام اور یمن کے درمیان حجاز و حجر میں آباد تھی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی قوم نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو خدا نے آپ کی تصدیق کے لئے پہاڑ سے ایک اونٹنی اس کے بچے کے ساتھ نکالی جو اس قدر دودھ دیتی کہ سب لوگ سیر ہو جاتے تھے۔ اس پر بھی بہت کم شخصوں نے ایمان قبول کیا اور دو بدبختوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کر دیا جس کے بعد اس قوم پر بجلی کڑک اور زلزلہ کا عذاب نازل ہوا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت صالح فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے آخر وقت مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں انتقال فرمایا اور حجر میں دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی اور ۲۰ سال تک لوگوں کی ہدایت کرتے رہے (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) آپ کا زمانہ حضرت ہود کے بعد اور حضرت ابراہیم کے پہلے ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مورخین نے آپ کا نسب اس طرح لکھا ہے: ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن

۱؎ عرب، ایشیا ۲؎ سام کی اولاد۔ افریقہ ۳؎ حام کی اولاد اور یورپ وغیرہ کے لوگ یافث کی اولاد ہوئے۔ اور دوسرے حصوں کے لوگ ... ان کے وطن سے قریب تھے ... روایات ... بہت ... ۱۲

... اپنا مذہب ... اور تقیہ ... کرتے تھے ۱۲

[illegible]

[illegible]

ساروغ بن ارغو ابن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح (طبری جلد ا صفحہ ۱۱۹
وابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۱) اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر جو بت پرست تھا آپ کا والد نہیں (بلکہ چچا)
تھا۔ چونکہ عربی زبان میں چچا کو بھی اب کہتے ہیں اس سبب سے کچھ لوگ آزر کو بھی ابو ابراہیم (ابراہیمؑ کا باپ) کہنے لگے۔
اس کے متعلق علماء حدیث و سیر و تفسیر و تاریخ نے بڑی لمبی بحثیں لکھی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر تھا یا نہیں اور قرآن مجید
میں آپ کے جس باپ کا ذکر ہے اس سے درحقیقت باپ ہی مراد ہے یا چچا۔ مگر علماء محققین نے طے کر دیا ہے کہ اس سے مراد باپ
نہیں بلکہ چچا تھا۔ بحر العلوم علامہ شبلی العلوی صاحب نے لکھا ہے۔ و اما آزر فالصحیح انہ لم یکن ابا ابراہیم بل ابوہ تارخ
ھکذا صحح فی بعض التواریخ و انما کان آزر عم ابراہیم علیہ السلام و رباہ اللہ تعالیٰ فی حجرہ
والعرب یسمی العم الذی ولی تربیۃ ابن اخیہ اباہ وعلی ھذا التاویل قولہ تعالیٰ و اذ قال ابراہیم
لابیہ آزر۔ آزر کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا کیونکہ حضرت کے باپ تو تارخ تھے جیسا کہ
بعض تاریخوں میں تحقیق کر کے صحیح قول لکھا گیا ہے۔ اور آزر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا جس کی گود میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ
کی پرورش کرائی تھی۔ عرب کا دستور یہ تھا کہ جو چچا اپنے بھتیجے کی پرورش کرتا تھا اس کو اس کا باپ کہنے لگتے تھے۔ اسی اصول
کے مطابق خدا نے بھی قرآن مجید میں کہا اذ قال ابراہیم لابیہ۔ جب ابراہیمؑ نے اپنے اب سے کہا (پ ۷ ع ۵) جس سے مراد
حضرت ابراہیمؑ کا چچا ہی ہے (شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۸۸) اور علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے فان تمسکوا علی
فساد ھذا المذھب بقولہ تعالیٰ واذ قال ابراہیم لابیہ آزر قلنا الجواب عنہ ان لفظ الاب قد
یطلق علی العم کما قال ابناء یعقوب لہ نعبد الٰھک و الٰہ آبائک ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق
فسموا اسمٰعیل اباہ مع انہ کان عما لھم و قال علیہ السلام ردوا علی ابی یعنی العباس ویحتمل ایضاً
ان یکون متخذ الاصنام اب امہ فان ھذا قد یقال لہ الاب قال تعالیٰ و من ذریتہ داؤد وسلیمان
الی قولہ وعیسیٰ فجعل عیسیٰ من ذریۃ ابراہیمؑ مع ان ابراہیمؑ کان جدہ من قبل الام۔ ہماری
تحقیق کے خلاف اگر کوئی کہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو بت پرست کہا ہے تو ہم جواب دیں گے کہ باپ کا لفظ
چچا کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت یعقوبؑ کے فرزندوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا کہ ہم آپ کے معبود نیز آپ کے
آباء حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کرتے ہیں (پ ۱ ع ۱۶) اس میں حضرت یعقوبؑ کے فرزندوں نے
حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی حضرت یعقوبؑ کا باپ کہا۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ آپ کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے
اور حضرت رسول خدا نے بھی فرمایا تھا کہ تم لوگ اسے میرے باپ یعنی جناب عباسؓ کو واپس کر دو جس میں آپ نے اپنے
چچا کو اپنا اب کہا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے جس بت پرست بزرگ کا یہاں ذکر ہے اس سے آپ کا نانا
مراد ہو کیونکہ عربی زبان میں نانا کو بھی باپ کہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ انکی ذریت سے داؤد و سلیمان ہیں یہاں تک کہ
عیسیٰ بھی انکی ذریت سے ہیں (پ ۷ ع ۱۷) اس آیت میں خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں شمار
کیا حالانکہ معلوم ہے کہ عیسیٰ صرف ماں کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے نواسے تھے (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ تحت آیۃ و اذ قال ...)

عشیرتک الاقربین الآیۃ)
کوثی (عراق) کے اطراف میں ایک قریہ کوثا ہے وہیں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور بعضوں نے اہواز اور بعضوں نے بابل میں آپکی پیدائش لکھی ہے (ابوالفدا جلد ا صفحہ وغیرہ) اُس وقت کے بادشاہ نمرود سے نجومیوں نے کہا تھا کہ آپ کے قریہ میں ایک لڑکا ابراہیم پیدا ہوگا جو آپ کے بتوں کو توڑ کر آپ کے مذہب کو مٹانے کی کوشش کریگا۔ اس پر نمرود نے ہر حاملہ عورت کو اپنے ہاں قید کرلیا مگر حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا معاملہ پوشیدہ رہ گیا جب ان کو درد زہ شروع ہوا تو وہ رات کو بستی کے باہر ایک غار کی طرف نکل گئیں وہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے جس کے بعد آپ کی ماں غار میں آپکو بحفاظت چھپا کر چلی آئیں۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ بہت تیزی سے بڑھنے لگے جب ذرا چلنے کے ہو گئے تو اچھی طرح بولنے لگے اور ماں سے کہا اب مجھے یہاں سے نکالو تو دیکھوں باہر کیا ہے۔ ماں نے رات کے وقت آپکو باہر نکالا تو آپ نے فرمایا جس ذات نے مجھے پیدا کیا مجھے اب تک رزق دیتا ہے مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ یقیناً وہی میرا رب اور معبود ہے۔ اس کے سوائے میرا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر آسمان کی طرف نظر کی اور ایک ستارہ دیکھا تو اس زمانہ کے لوگوں پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا ھذا ربی (کیا یہی میرا رب ہو سکتا ہے؟) مگر کچھ دیر میں وہ ستارہ ڈوب گیا فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں کرتا ہوں (پھر وہ میرا رب کیسے ہو سکتی ہیں؟) اسکے بعد ماہتاب نکلا فلما رای القمر بازغا قال ھذا ربی جب آپ نے چاند کو خوب چمکتا دیکھا تو پوچھا کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟ کچھ دیر کے بعد وہ بھی غروب ہو گیا فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین پھر جب چاند بھی غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہ راست نہیں دکھائے گا تو بے شک میں بھی گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا اس کے بعد رات ختم ہوئی دن نمودار ہوا تو آفتاب طالع ہوا۔ آپ نے اسکی بڑائی اور چمک دیکھی اور معلوم ہوا اس کا نور سب سے بڑھا ہوا ہے۔ فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یاقوم انی بریٓء مما تشرکون۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو پوچھا کیا یہی میرا پروردگار ہے؟ کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم لوگ خدا کا شریک کرتے ہو میں تو ان سب سے بے تعلق ہوں۔ میں نے تو ایک ہی اللہ کا ہو کر اپنا رخ اسی ذات پاک کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں تو مشرکوں سے نہیں ہوں (پ ۷ ع ۱۵) غرض اس طرح حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم والوں کی غلطی اور بے دینی واضح کرکے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر آپ کے گھر والے بھی بہت خوش ہوئے آپکا چچا بھی بہت مسرور ہوا۔ جب آپ اور بڑے ہوئے اور تمام چلنے پھرنے لگے تو آپ کا چچا آزر جو بت سازی کا پیشہ کرتا تھا بت بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا کرتا کہ جاکر ان سب کو بازار میں بیچ آ کر۔ حضرت ابراہیمؑ لیجا کر لوگوں سے کہتے من یشتری ما یضرہ ولا ینفعہ کون شخص ایسی چیز مجھ سے خریدتا ہے جو اس کو نقصان ہی نقصان

پہونچا ئیگی اور کسی طرح نفع نہیں دے سکتی۔ لوگ یہ سنتے تو آپ سے نفرت کرتے اور کوئی بھی آپ سے بت نہیں خریدتا تھا۔
اس طرح جب وہ کل بت آپ کے پاس پڑے رہتے اور کوئی بھی اُن کو نہیں پوچھتا تو آپ سب کو دریا پر لے جا کر پانی میں اُنکا
سر جھکا دیتے اور بطور مزاح کے فرماتے تم سب دیر سے پیاسے ہو پانی پی لو۔ پھر حضرتؑ نے اپنے چچا آزر سے کہا اے چچا آپ
اُس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھتی نہ سنتی اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہونچاتی ہے؟ اُس نے کہا کیا تم میرے
بتوں سے نفرت کرتے ہو؟ اگر تم اس سے باز نہیں آئے تو میں تمہیں ضرور سنگسار کر دوں گا اور میرے سامنے سے چلے جاؤ
(پ۱۶ ع ۶) ایک دفعہ کسی جشن کے دن لوگوں نے آپ کو ساتھ لے جانا چاہا تو آپ نے فرمایا انی سقیم میرا مزاج خوش
نہیں ہے۔ لوگ آپکو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ نے تنہائی کا موقع پا کر سب بتوں کو توڑ ڈالا۔ اس کی خبر اُس وقت
کے بادشاہ نمرود بن کوش کو ہوئی جو عراق عرب کا جابر بادشاہ تھا اور اپنی خدائی کا دعویٰ رکھتا تھا۔ اس نے آپکو
کو بلایا جب آپ تشریف لائے تو سب نے ملکر پوچھا اے ابراہیمؑ کیا ہمارے بتوں کو تم ہی نے اس طرح توڑا پھوڑا ہے؟ آپ
نے فرمایا بلکہ اُس نے توڑا ہے جو ان سب سے بڑا ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان بتوں ہی سے دریافت کر لو۔ اسپر
وہ سب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ بڑا افسوس ہے تم لوگ ان بتوں
کو کیوں پوجتے ہو جو نہ کچھ تمہارا بگاڑ سکیں نہ بنا سکیں۔ خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے۔ نمرود نے پوچھا تمہارا خدا کیسا ہے؟ آپ نے
فرمایا۔ ربی الذی یحیی و یمیت میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا میں بھی زندہ
کرتا اور موت دیتا ہوں۔ فرمایا کس طرح؟ اس نے کہا جو مجرم مستحق قتل ہے اس کو چھوڑ دوں گا یہ اُس کو زندہ کرنا ہوا
اور دوسرے بے قصور کو مار ڈالوں گا یہ اُس کو موت دینا ہوا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا فان اللہ یاتی
بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب۔ اچھا میرا اللہ ایسا ہے کہ آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے۔ اگر تو بھی
خدا ہے تو اُس کو پچھم سے نکال کر دکھا دے۔ اس پر نمرود مبہوت ہو گیا۔ اسکے بعد سب نے رائے کی کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ
میں ڈال دیئے جائیں۔ اُس وقت آپکی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ نمرود نے منجنیق میں رکھ کر آپکو آگ کے بہت بڑے ڈھیر میں
پھینکوا دیا آپ چار روز تک اُس آگ میں رہے مگر خدا نے اس کو حکم دیا یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم
اے آگ ابراہیمؑ کے لیے تو ٹھنڈک اور سلامتی بن جا کہ ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہونچے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
(پ۱۷ ع ۵) کچھ دنوں بعد آپ اس آگ سے باہر نکل آئے اور نمرود اپنی شکست سے بہت شرمندہ ہوا۔ اسکے بعد اس قوم کے
بہت سے لوگ نمرود سے چھپکر (تقیہ کر کے) حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔ اور آپ کی بیوی سارہ نے بھی جو آپ کے چچا
ہاران کی بیٹی تھیں ایمان قبول کر لیا۔ نمرود نے آپ کا اثر بڑھتا دیکھ کر آپ کو اور آپکی بیوی اور پیروؤں کو وہاں سے
جلاوطن کر دیا۔ یہ حضرات حران میں جا کر کچھ دنوں تک رہے۔ پھر وہاں سے مصر چلے گئے۔ وہاں کے بادشاہ فرعون
کا نام سنان یا طلیس تھا۔ اس نے سنا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ بڑی خوبصورت ہیں تو اُن کو اپنے دربار
میں بلا کر حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا یہ کون ہیں حضرت ابراہیمؑ نے تقیہ کر کے فرمایا یہ میری بہن ہیں۔ تب اس نے انکی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا جو فوراً خشک
ہو گیا۔ وہ ڈر گیا اور فوراً اپنی اس حرکت سے توبہ کر لی تو اُسکا ہاتھ بھی اچھا ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے جناب سارہ کو

ایک لڑکی مسماۃ ہاجرہ بطور تحفہ پیش کی اور ان حضرات کو وہاں سے رخصت کیا حضرت ابراہیمؑ جناب سارہ و جناب ہاجرہ کے ساتھ مصر سے شام میں تشریف لائے اور رملہ و ایلیا کے درمیان قیام کیا اس وقت تک جناب سارہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس سبب سے آپ نے ہاجرہ کو جناب ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا جس کے بعد جناب ہاجرہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال کی ہو چکی تھی۔ جناب اسمٰعیلؑ کی ولادت پر جناب سارہ اپنے بارے میں محزون و مغموم رہنے لگیں کہ کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس پر خدا نے آپ کو بھی بیٹا دیا جن کا نام اسحاق رکھا جو حضرت ابراہیمؑ کی ۹۰ سال کی عمر میں پیدا ہوئے اور حضرت اسمٰعیل سے ۴ سال چھوٹے تھے۔ اب جناب سارہ کو جناب ہاجرہ سے رشک پیدا ہوا تو جناب ابراہیمؑ نے دونوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر جناب سارہ و اسحاق کو شام میں چھوڑ کر جناب ہاجرہ و اسمٰعیل کو حجاز میں لائے اور شہر مکہ میں رکھ کر شام واپس تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ میں خدا کی قدرت سے آبادی ہونے لگی۔ مختلف اطراف کے لوگ آ کر بسنے لگے اور حضرت اسمٰعیلؑ نے وہیں قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس طرح شام میں حضرت اسحاقؑ کی اور مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل بڑھنے لگی۔ کچھ دنوں بعد مکہ میں جناب ہاجرہ کا انتقال ہو گیا اور جناب ابراہیمؑ پھر وہاں تشریف لائے تو آپ نے اور جناب اسمٰعیلؑ نے مل کر خانہ کعبہ کو بنایا۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی ہو چکی تھی۔

پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اپنے لڑکے کو ذبح کرو۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے فرزند حضرت اسحاق کو شام میں ذبح کرنا چاہا یا حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں مگر صحیح یہی ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کو ذبح کرنا چاہا۔ اسی وجہ جناب رسول خدا فرماتے تھے انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں (ایک حضرت اسمٰعیلؑ اور دوسرے حضرت عبداللہ کا فرزند ہوں) حضرت ابراہیمؑ اُن کو زمین پر لٹا کر چھری پھیرنا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے فرمایا یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم اے ابراہیم بے شک تم نے اپنے خواب کی تصدیق کر دی۔ نیک بندوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ یہی بلا مبین ہے اور ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا (پ۲۳ ع ۷) پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی چند باتوں میں آزمائش کی جن کو آپ نے پورا کر دکھایا اس پر خدا نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما اے ابراہیم میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا ومن ذریتی اے خدا کیا میری اولاد میں سے بھی لوگوں کو تو امام بنائے گا؟ خدا نے فرمایا لا ینال عہدی الظالمین ہاں بناؤں گا مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں ملے گا (پ۱ رکوع ۱۵) [1] لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں جن میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی

[1] خدا کے ان ارشادات سے واضح ہوا کہ کسی شخص کو حقیقی امام بنانا انسان کا کام نہیں بلکہ اسکو خدا نے محض اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ تم کو لوگوں کا امام بھی میں ہی بناؤں گا [illegible] تم بھی [illegible] معین کرنے سے امام نہیں ہو سکتے یعنی جس طرح بغیر میرے بنائے ہوئے کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر میرے مقرر کئے کوئی شخص امام برحق نہیں ہو سکتا یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا ہر شخص کو یہ عہدہ نہیں دیتا بلکہ [illegible] دیتا ہے [illegible] نہ کبھی کوئی مسلم

کی آزمائش کی۔ کچھ نے بیان کیا ہے کہ ان میں شارب لینا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، ناخن کٹوانا، بغل کے بال صاف کرانا، ختنہ کرانا، زیر ناف بال کا صاف کرنا، قربانی کرنا بھی تھا (طبری جلد ۱ صفحہ ۱۳۸) حضرت ابراہیم نے ۸۰ سال کے ہونے کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنا ختنہ کر لیا تھا (جلد ۱ صفحہ ۱۴۲) مہمانی کرنا بھی آپ کا مشہور کرم ہے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے ختنہ کیا۔ مہمان کی ضیافت کی اور لنگی یا پائجامہ پہننے کا دستور جاری کیا (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰) آپ نے ۱۷۵ سال کی عمر پا کر انتقال کیا اور قدس جلیل میں دفن کیے گئے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ کی پیدائش حضرت عیسیٰ مسیح سے ۱۹۹۶ سال قبل اور وفات ۱۸۲۱ سال پہلے ہوئی اور حضرت نوح و حضرت ابراہیم کے درمیان ۱۲۴۲ سال کا فاصلہ ہے۔ بعض مورخین فرنگ نے حضرت آدم کی پیدائش سے ۲۰۰۰ سال پہلے حضرت ابراہیم کی ولادت اور ۳۱۸۳ سال کے بعد وفات لکھی ہے۔ حضرت ابراہیم انبیاء اولوالعزم میں تھے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور خدا کے ہاں آپ کا یہ درجہ تھا کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو حضرت ابراہیم کی شریعت قائم رکھنے کا حکم دیا۔ فرماتا ہے وقالوا کونوا ھودا او نصاری تھتدوا قل بل ملۃ ابراہیم حنیفا لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ اے پیغمبر تم ان لوگوں سے کہو نہیں بلکہ ہم حضرت ابراہیم کی شریعت پر ہیں جو ایک خدا کے ہو رہے تھے (پارہ ۱) (۱)

حضرت لوط

حضرت ابراہیم کے حقیقی بھتیجے تھے۔ آپ اپنے چچا حضرت ابراہیم پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کر گئے اور پھر حضرت کے ساتھ شام واپس آئے تھے۔ خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر سدوم والوں کی طرف بھیجا جو کفر اور فحش کے خوگر ہو گئے تھے۔ ان کی قوم لڑکوں سے لواطہ (اغلام) کرنے کی عادی ہو گئی تھی۔ حضرت لوط ان کو بہت سمجھاتے اور اس خلاف فطرت امر سے منع کرتے رہتے مگر انھوں نے آپ کی بات نہیں مانی تو خدا نے فرشتوں کو بھیجا جنھوں نے سدوم اور اس کی پانچ بستیوں کو الٹ دیا (شہر سدوم کنعان میں بحیرۂ لوط کے کنارے واقع تھا) یہ واقعہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے سے ۳۳۴۲ سال کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت لوط کی زوجہ بھی ان کافروں کی طرفدار تھیں اس سبب سے وہ بھی ایک پتھر سے ہلاک کر دی گئیں۔ جو لوگ ان بستیوں میں نہیں تھے ان پر آسمان سے پتھر برسے اور اس طرح وہ لوگ بھی ہلاک کر دیے گئے۔ اسی کو خدا فرماتا ہے۔ فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل۔ پھر جب ہمارا حکم عذاب آ پہنچا تو اے پیغمبر ہم نے قوم لوط کی بستی کے اوپر کے حصہ کو اس کے نیچے کا حصہ کر دیا۔ اور اوپر سے اس پر تہ بہ تہ کھرنجے کے پتھر برسائے (قرآن مجید پ ۱۲ ع ۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶)

نہیں کیا جو اور ابدی کا نام بھی ظالموں کی فہرست میں نہیں لکھا گیا ہو لیکن ایک دفعہ بھی کوئی شخص ظالم ہو گیا تو پھر وہ امام نہیں ہو سکتا۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو شخص ظالم ہو اسکے ذمہ لوگوں کی امامت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ امام بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص دوسروں کی ہدایت کرے اور انھیں جہالت سے نکالے۔ پس گمراہ ظالم کیا ہدایت کر سکتا ہے۔ ۱۲

(۱) خوش قسمتی کم دست گرا رہب ی کتب ۱۲

(تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۵۶ وغیرہ)

حضرت اسمٰعیلؑ

اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ سے رشک کیا اور دونوں میں نباہ نہ ہو سکتا تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے جناب ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کو شام سے حجاز میں لاکر مکہ معظمہ میں اتارا اور دونوں ماں بیٹے کو یہاں آباد کرکے آپ شام واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد جناب ہاجرہ اس چٹیل میدان میں حیران و پریشان پھرتی تھیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ تھوڑا سا کھانا پانی ساتھ لائے تھے وہ پانی جو ساتھ تھا ختم ہوگیا اور جناب اسمٰعیل پیاس کی مصیبت سے تڑپنے لگے۔ جناب ہاجرہ سے برداشت نہیں ہو سکا آپ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتی پھریں سات مرتبہ کوہ صفا اور سات مرتبہ کوہ مروہ کی چوٹیوں تک جاتی آتی رہیں۔ اتنے میں جناب اسمٰعیل کے رونے کی آواز سنی۔ دوڑ کر گئیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل زمین پر پڑے اپنے پاؤں مار رہے ہیں اور ان کے نیچے سے پانی کا ایک چشمہ جوش مار رہا ہے۔ جناب ہاجرہ کی خوشی کا کیا بیان ہو۔ ان کا دل کھل گیا۔ پانی سے انہوں نے بچے کو بھی سیراب کیا اور خود بھی سیراب ہوئیں۔ اس کے پانچویں دن جرہم قبیلہ کا ایک گروہ ادھر سے گزرا۔ وہ لوگ قریب گئے تو پانی کا چشمہ دیکھ کر سب وہیں اتر پڑے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ جناب اسمٰعیل نے انہیں لوگوں میں پرورش پائی۔ انہیں سے عربی زبان سیکھنے لگے اور انہیں میں شادی بھی کرلی۔ اس چشمہ کے چاروں طرف مینڈھ باندھ دی گئی جس سے وہ چاہ زمزم لوگوں کی زندگی کا ذریعہ ہوگیا۔ جناب اسمٰعیل ۱۴ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب ہاجرہ نے انتقال کیا اور حضرت اسمٰعیل نے انکو مقام حجر میں دفن کردیا۔ اس کے بعد خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا تو آپ مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کو اس طرح بنانے لگے کہ حضرت اسمٰعیل پتھر اور گارا اٹھا کر دیتے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار اٹھاتے تھے جب دیوار کچھ اونچی ہوگئی تو ایک پتھر پر کھڑے ہوکر دیوار اٹھانے لگے اسی کو اب مقام ابراہیم کہتے ہیں پھر آپ نے حجر اسود نصب کرکے مقام رکن پورا کیا جب خانہ کعبہ بن گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کرکے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور شام کی طرف واپس تشریف لے گئے مگر ہر سال حج کرنے وہاں آیا کرتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل نے ۱۳۰ سال کی عمر میں یہیں انتقال کیا اور حجر اسمٰعیل کے قریب دفن کیے گئے۔ چونکہ خدا کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم نے آپ کو ذبح کرنا چاہا پھر خدا نے آپ کو بچا کر آپ کی جگہ ایک دنبہ رکھ دیا جو ذبح کیا گیا اسی وجہ سے اس نے قربانی کرنا سنت قرار پایا۔ قول مورخین کے مطابق یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے ۳۳۳۴ سال بعد کا ہے۔ اور مورخین فرنگ کی تحقیق سے اسمٰعیل کی ولادت حضرت مسیح سے ۱۹۱۱ سال پہلے ہوئی تھی۔

حضرت اسمٰعیل کا یہ خاصہ بتایا جاتا ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے مکہ معظمہ آباد ہوا چاہ زمزم نکلا۔ خانہ کعبہ بنا حج خانہ کعبہ کی بنیاد قائم ہوئی اور دنیا میں قربانی کی رسم جاری ہوئی۔

حضرت اسحاقؑ

حضرت ابراہیم کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو حضرت کی پہلی بیوی جناب سارہ سے اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیمؑ ۱۰۰ سال کے ہوچکے تھے اور حضرت سارہ

بھی نہایت درجہ بوڑھی ہو کر اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں مگر خدا نے اس بڑھاپے میں اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو بھی نعمت اولاد بخشی۔ آپ شام ہی میں پیدا ہوئے اور درجۂ نبوت پر فائز ہوئے۔ اس طرح آپکی امت اور اولاد کا حلقہ اثر ملک شام اور اس کے اطراف تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی امت اور اولاد کا حلقہ اثر ملک حجاز وغیرہ رہا۔ آپکی عمر ۱۸۰ سال ہوئی اور مؤرخین فرنگ کے مطابق آپ حضرت عیسٰیؑ سے ۱۸۹۰ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پاس ہی دفن کیے گئے۔

آپ کے قبل کل انبیاء اپنا خلیفہ اور وصی خود مقرر کرکے جاتے تھے چنانچہ حضرت آدمؑ کا جناب شیثؑ کو اور جناب شیثؑ کا انوش کو انوش کا قینان کو قینان کا مہلائیل کو۔ مہلائیل کا یرد کو۔ یرد کا حضرت ادریس کو حضرت ادریس کا متوشلخ کو اور متوشلخ کا لمک کو اپنا خلیفہ و وصی مقرر کرنا پہلے مذکور ہو چکا۔ حضرت نوحؑ نے بھی اپنا قائم مقام خود ہی اپنے فرزند سام کو بنایا (تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۲۱) حضرت ابراہیمؑ نے شام میں اپنا خلیفہ اور ولی عہد حضرت اسحاق کو مقرر کیا (روضۃ الصفا جلد ا صفحہ ۵۴) اور حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے وان اسمٰعیل لما حضرتہ الوفاۃ اوصیٰ الیٰ اخیہ اسحاق ان یزوج ابنتہ من العیص ابن اسحاق جب حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو اپنے بھائی حضرت اسحاق کو آپنے اپنا وصی مقرر کر دیا اور اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے عیص سے کر دی (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۵۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحاقؑ کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات تھے اور دونوں بھائی باوجود دو مختلف اطراف پر رہنے کے دل سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے حجاز وغیرہ میں اپنا خلیفہ اور وصی اپنے فرزند قیدار کو مقرر کیا۔ (تاریخ روضۃ الصفاء جلد ا صفحہ ۱۵۳)

حضرت ایوبؑ

مؤرخین نے آپ کو روم کی نسل سے شمار کیا ہے اور شجرہ نسب اسطرح لکھا ہے ایوب بن موص بن رازح بن عیص ابن اسحاق بن ابراہیمؑ[۱] آپ دمشق علاقہ شام میں رہتے تھے۔ آپکی بیوی مسماۃ رحمۃ بڑی مالدار تھیں۔ پھر خدا نے آپ کو آفات میں مبتلا کیا جس سے آپ کی کل دولت زائل ہو گئی یہاں تک کہ بالکل فقیر ہو گئے مگر خدا کی عبادت اور شکر اسی طرح بجا لاتے رہے۔ پھر خدا نے آپ کی کل اولاد بھی تلف کر دی۔ اس پر بھی آپ نے صبر و شکر کیا۔ پھر خدا نے آپ کے جسم مبارک کو مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ تمام بدن پھوٹ گیا۔ جذام ہو گیا[۲] عضو عضو میں کیڑے پڑ گئے۔ لوگوں نے آپ کو اٹھا کر ایک مزبلہ پر ڈال دیا۔ وہاں آپ کے جسم سے ایسی بدبو پھیلی کہ کوئی شخص ادھر سے راستہ نہیں چل سکتا تھا مگر آپکی بیوی رحمۃ برابر آپکی خدمت کرتی رہیں اور ہر حالت میں وہ بھی اپنے شوہر کی طرح خدا کا شکر بجا لاتی اور مصائب پر صبر کرتی رہیں۔ اور حضرت ایوبؑ [illegible] کیا کہ [illegible] ذات سے نجات دی۔ [illegible] سال ہو گیا اولاد اور دولت بھی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اولاد کی تعداد ۲۶ بیٹے لکھی ہے۔ مؤرخین نے آپکی عمر ۹۳ سال

[۱] اس طرح آپ حضرت اسحاق کے پوتے تھے۔ لہٰذا آپ کا ذکر حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ کے بعد ہونا چاہیے مگر ہم نے تاریخ طبری کی ترتیب قائم رکھی۔ [۲] یہ قول اہلسنت کا ہے شیعوں کا اعتقاد ہے کہ انبیاء ایسے مرض سے بھی محفوظ رہتے ہیں جس سے لوگوں کو نفرت ہو۔ ۱۲

لکھی ہے۔ ان ایوب صار ثلاثا و تسعین سنۃ و انہ اوصی عند موتہ الی ابنہ حومل۔ حضرت ایوب ۹۳ سال کے ہوئے اور مرتے وقت اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی بنا گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۱ ص ۱۶۴)

حضرت ذوالکفل

آپ کا نام بشر اور لقب ذوالکفل تھا۔ حضرت ایوب کے صاحبزادے تھے۔ خدا نے حضرت ایوب کے بعد آپ کو نبی مقرر کیا اور حکم دیا کہ لوگوں کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں۔ آپ زندگی بھر ملک شام ہی میں رہے اور وہیں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی وان بشرا اوصی الی ابنہ عبدان۔ جناب ذوالکفل نے بھی اپنا وصی حسب حکم خدا اپنے بیٹے عبدان کو مقرر کیا (تاریخ طبری جلد ۱ ص ۱۶۵)

حضرت شعیب

حضرت ذوالکفل کے بعد خدا نے حضرت شعیب کو پیغمبر بنایا۔ حضرت ابراہیم کے فرزند مدین کے بیٹے میکائیل کے صاحبزادے تھے اس طرح حضرت ابراہیم آپ کے پردادا ہوئے اور بعضوں نے کہا کہ آپ حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں بلکہ ان لوگوں میں سے کسی کی اولاد میں تھے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لاکر آپ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کرکے گئے تھے [illegible] آپ نے اپنی بیٹی صفورہ کا نکاح حضرت موسیٰ سے کیا تھا آپ بہت دنوں تک اپنی امت کو تبلیغ کرتے اور خدا کی نافرمانی سے روکتے رہے مگر وہ کسی طرح نہ مانے تو سات دن تک شب و روز گرم آندھی چلی۔ آسمان سے آگ برسی اور زمین کو زلزلہ ہوا جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ بعض مورخین کے قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے سے ۳۲۱۰ سال بعد کا ہے۔

حضرت یعقوب

حضرت اسحاق کے دو بیٹے جناب یعقوب اور عیص توام (جڑواں) پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت اسحاق ۱۰۰ سال تک زندہ رہے۔ آپ نے انتقال کے قریب حضرت یعقوب کو اپنا ولیعہد اور خلیفہ مقرر کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۶۳) آپ کو بھی خدا نے نبوت کے درجہ پر مشرف کیا۔ آپ کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جہاں جہاں بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے وہاں حضرت یعقوب ہی کی اولاد مراد ہے۔ یہودی بھی آپ کی اولاد ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو بھی بنی اسرائیل کہنے لگے۔ مورخین فرنگ کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ سے ۱۸۳۶ سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے ۱۲ بیٹے تھے۔ آپ کی اولاد بہت بڑھی۔ آپ اپنے [illegible] فرزند حضرت یوسف سے بہت محبت رکھتے تھے اسی وجہ سے آپ کے دوسرے فرزندوں نے حضرت یوسف سے حسد کرکے ان کو [illegible] جناب یعقوب حضرت یوسف کے فراق میں اس قدر روئے کہ نابینا ہوگئے۔ قرآن مجید میں ہے وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يَا اَسَفٰی عَلٰی يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ حضرت یعقوب بیٹوں کے پاس سے الگ بیٹھے اور یوسف کو یاد کرکے کہنے لگے ہائے یوسف۔ اسی غم کے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی تھیں قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ حضرت یعقوب (بیٹوں سے) فرماتے تھے جو پریشانی اور صدمہ مجھ کو ہے اس کی فریاد خدا کو کرتا ہوں اور مجھ کو وہ باتیں معلوم ہیں جن کو تم نہیں جانتے (پ ۱۳ ع ۳)

جب حضرت یعقوب ۱۹۰ سال کے ہوگئے تب آپ پر حضرت یوسف کے فراق کی مصیبت نازل ہوئی تھی اس وقت حضرت یوسف کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اور ۲۱ سال تک دونوں باپ بیٹے جدا رہے اس کے بعد حضرت یعقوب مصر گئے

تو وہاں حضرت یوسف کو پایا۔ حضرت یعقوب نے ۱۴۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت عیسیٰ سے ۱۸۳۷ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کی وفات حضرت عیسیٰ سے ۱۶۹۰ سال پہلے واقع ہوئی۔

حضرت یوسفؑ

حضرت یعقوبؑ کے ۱۲ بیٹے تھے جن میں سب سے چھوٹے حضرت یوسف تھے۔ آپ حسن و جمال میں ابھی مشہور آفاق ہیں۔ حضرت یعقوبؑ آپ کو بہت چاہتے تھے اس وجہ سے دوسرے بھائیوں نے آپ پر حسد کیا اور کسی حیلے سے باہر لے جا کر ایک کنوئیں میں ڈال دیا کہ جب یہ نہیں رہیں گے تو باپ ان سے محبت نہیں کریں گے۔ اتفاق سے ایک قافلہ ادھر سے گزرا ان کو معلوم ہوا کہ اس کنوئیں میں کوئی گرا ہے تو حضرت یوسفؑ کو نکالا۔ مگر بھائیوں کو خبر ہو گئی تو آ کر دعوی کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا۔ اس پر اس قافلہ کے لوگوں نے آپ کو بیس یا چالیس درہم (تقریباً پانچ یا دس روپیہ) میں خرید لیا۔ اور اپنے ساتھ مصر لے گئے۔ وہاں جا کر آپ کو فرعون (بادشاہ) مصر کے وزیر عزیز مصر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس نے آپ کو اپنے گھر رکھا۔ اور چونکہ آپ بہت ہی حسین و جمیل تھے عزیز مصر کی زوجہ راعیل (زلیخا) آپ پر بے طرح عاشق ہو گئی اور ایک دن اکیلا دیکھ کر اپنے پاس بلایا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اس غصہ میں اس نے آپ ہی پر الٹی تہمت لگا کر اپنے شوہر سے شکایت کی کہ آپ کو قید کرا دیا جس میں آپ سات سال تک پڑے رہے۔ وہاں کے دو قیدیوں نے خواب دیکھا اور حضرت یوسفؑ سے انکی تعبیر پوچھی آپ نے جو بتایا وہی ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا تو اس کو پتا لگا کہ قید خانہ میں ایک قیدی صحیح تعبیر بتاتا ہے اس نے بھی آپ کو بلا کر اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ آپ کی تعبیر سے وہ خوش ہو گیا اور اپنے دربار میں جگہ دی۔ جب عزیز مصر مر گیا تو حضرت یوسفؑ اسکی جگہ ہو گئے [illegible] کے مختار ہو گئے اور گویا پورے مصر پر آپ کی حکومت ہونے لگی۔ جب آپکے بھائیوں نے آپ کو قافلہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا گھر واپس جا کر حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہم لوگ کچھ نہ کر سکے حضرت یعقوبؑ [illegible] کیا کرتے۔ پھر جب حضرت یوسفؑ مصر کے عزیز ہو گئے تو تمام اطراف میں سخت قحط پڑا۔ حضرت یعقوبؑ کے لڑکے اپنے [illegible] کنعان (شام) سے مصر آئے کہ کچھ غلہ لے جائیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان لوگوں کو پہچان لیا بہت غلہ دلوایا اور نہایت محبت سے پیش آئے۔ پھر حضرت یعقوبؑ اور اپنے گھر والوں کو بھی مصر میں بلا لیا۔ اس وقت آپ [illegible]

---

(۱) حضرت یوسفؑ [illegible] آپ کی اطاعت [illegible] آپ کو دل سے [illegible] بھائی آپ پر ظلم کرتے تھے [illegible] تمام [illegible]

[illegible] (۲) [illegible] تقریباً [illegible]

[illegible] (۳) نہایت حسین و جمیل [illegible]

[illegible] عصمت [illegible]

[illegible]

(۴) جب مصر [illegible]

[illegible]

خواب کی تعبیر ظاہر ہوئی جو آپ نے بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ واقعۃً آپ کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ گویا آپ کے بھائی بلکہ کل مصر والے آپ کو سجدہ کر رہے تھے۔ حضرت یعقوبؑ مصر میں رہنے کے ۱۷ برس بعد انتقال کر گئے اور حضرت یوسفؑ نے ۱۱۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت یعقوبؑ نے انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کو اپنا وصی و ولیعہد مقرر کیا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۹۰ و تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) حضرت یوسفؑ نے بھی اپنا ولی عہد و وصی خود ہی اپنے بھائی یہودا کو مقرر کیا تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۲۴)

حضرت موسیٰ بن عمران

آپ حضرت یعقوبؑ کے پوتے قاہت کے پوتے تھے۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ سے ۱۵۷۴ برس پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے قبل مصر میں جو فرعون (بادشاہ) تھا اسکو نجومیوں نے بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو بنی اسرائیل کو تمہاری حکومت سے آزاد کر کے تمہاری سلطنت کو تہ و بالا کر دیگا۔ فرعون نے اسکی روک تھام اس طرح کی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو تلاش کر کے ہلاک کرا دیتا لیکن خدا کے ارادے کو کون روک سکتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو آپکی ماں نے آپکو ایک صندوق میں بند کر کے وہ صندوق دریائے نیل میں بہا دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس جا پہونچا۔ اتفاق سے آسیہ زوجہ فرعون کی نظر اس پر پڑ گئی۔ صندوق کو نکلوا کر کھولا تو خوبصورت بچہ نظر پڑا۔ اس نے اسکی حفاظت اور پرورش شروع کی اور فرعون کو سمجھا کر راضی کر لیا کہ اس کو قتل نہ کرا، کیا عجب ہے اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اس کے بعد اس بچہ کو دودھ پلانے کے لیے بہت سی دائیاں بلوائیں مگر آپنے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ تب آپ کی بہن نے جو فرعون کے محل میں پہونچ گئی تھیں زوجہ فرعون سے کہا کہ میں ایک عورت کا پتا بتاتی ہوں۔ بلوایا گیا تب اس کا دودھ یہ بچہ پینے لگے۔ اس طرح حضرت موسیٰ کی ماں فرعون کے محل میں ملازم ہو کر اپنے بچے کو دودھ پلانے لگیں۔ جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو ایک دن کسی طرف جا رہے تھے دیکھا کہ ایک قبطی اور ایک اسرائیلی لڑ رہے ہیں۔ آپ نے سزا دینے کے لیے قبطی کو ایک گھونسا مارا۔ اتفاق کی بات وہ قبطی فوراً مر گیا۔ آپ نے فرعون کے خوف سے مصر چھوڑ دیا اور مدین کی طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت شعیبؑ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت شعیبؑ نے آپ کو اپنی دنبیاں اور بکریاں چرانے کے لیے رکھ لیا۔ اس طرح آپ بیس سال رہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی لڑکی صفورہ کی شادی آپ سے کر دی۔ پھر آپ اپنی بیوی کے ساتھ مصر واپس آئے۔ چونکہ کوہ طور پر آپ سے خدا نے کلام کیا تھا اس سبب سے آپ کا لقب کلیم اللہ ہوا۔ کل یہودی اور قبطی آپ ہی کی امت ہیں۔ آپ پر کتاب توراۃ نازل ہوئی تھی جو یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے اور آج تک یہودی اسی کو خدائی کتاب سمجھتے اور حضرت موسیٰ ہی کو اپنا پیغمبر مانتے اور حضرت عیسیٰ و حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے منکر رہتے ہیں۔ جب مدین سے آپ مصر واپس آئے تو فرعون کے پاس گئے اور اس سے خدا پر ایمان [illegible] حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی اس سبب آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون بھی آپکے ساتھ ہدایت [illegible] لگے۔ آپ کی باتیں سن کر فرعون نے اپنے دربار کے جادوگروں سے مقابلہ کرنے کو کہا۔ ان سب نے رسیاں پھینکیں جو سب زندہ سانپ کی صورت میں دوڑنے پھرنے لگیں۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا

اژدہا بن کر ان سب سانپوں کو نگل گیا اور جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو اٹھایا تو آپ کے ہاتھ میں پھر عصا ہو گیا۔ یہ آپ کا مشہور معجزہ ہے جو قرآن مجید میں بھی مذکور ہے (دیکھو پ ۱۶ ع ۱۰ سورۂ طٰہٰ) دوسرا معجزہ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آپ جیب میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالتے تو نہایت آفتاب کی طرح چمکتا جو ید بیضا کے نام سے مشہور ہے۔ فرعون کے ساحروں نے آپ کا معجزہ دیکھا تو آپ پر ایمان لائے مگر فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا اور خود تو سرکشی پر آمادہ ہی رہا۔ پھر بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا کہ موسیٰ کے ساتھ چلے جائیں۔ غرض حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون نادم ہوا کہ کیوں ان لوگوں کو اپنے حلقے سے جانے دیا اور فوراً اپنا لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چلا۔ بحیرۂ قلزم کے پاس حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو پایا۔ حضرت موسیٰؑ کے آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا۔ آپ نے دریا پر اپنا عصا مارا جس سے دونوں طرف کا پانی پھٹ گیا اور بیچ میں جانے کے لائق راستہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر اس میں سے نکل گئے۔ فرعون نے دیکھا کہ موسیٰؑ کے لئے دریا میں راہ بن گئی تو وہ بھی اپنے لشکر سمیت دریا میں داخل ہو گیا اتنے میں پانی اپنی جگہ آگیا اور فرعون اپنے پورے لشکر سمیت اس میں ڈوب گیا۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ مصر سے نکل کر آپ نے بنی اسرائیل کو خدا کے حکم سے جہاد کا حکم دیا ... مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا تو اس کی سزا میں ۴۰ سال تک وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ آپ ہی کے زمانہ میں قارون بھی ہوا جو آپ کا چچازاد بھائی اور کیمیا گری کے فن میں ماہر تھا۔ اس کے پاس مال و دولت کا بہت بڑا خزانہ تھا۔ اس نے ایک مکان بنوایا تھا جس کے دروازے وغیرہ سونے کے تھے۔ اس کو اپنی دولت کی وجہ سے تکبر بھی بہت ہو گیا تھا حضرت موسیٰ سے برابر شرارت اور بدتمیزی کرتا۔ اور طرح طرح کی تدبیریں کر کے حضرت کو بدنام اور پریشان کرنا چاہا۔ تب حضرت موسیٰؑ نے اس کے لئے بددعا کی اور زمین سے فرمایا کہ اے زمین ان لوگوں کو نگل جا۔ زمین فوراً اس کو اور اس کے ساتھیوں کو نگل گئی اور سب اس کا مال وغیرہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے طوفان نوح سے ۱۲۲۰ سال کے بعد انتقال کیا حضرت ہارونؑ آپ سے ۱۱ مہینے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی عمر انتقال کے وقت ۱۲۰ سال کی تھی۔ جب تک حضرت ہارون زندہ رہے حضرت موسیٰؑ آپ ہی کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کہیں جاتے تھے[1] لیکن جب حضرت ہارون کا انتقال ہو گیا تو جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ وغیرہ)

حضرت یوشع بن نون

حضرت موسیٰ کے بعد آپ کے وصی حضرت یوشعؑ ہوئے۔ خود حضرت موسیٰؑ نے اپنا قائم مقام کر دیا تھا۔ مقام اریحا میں نبی ہوئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت و پیشوائی اپنے ذمہ لی۔ تین دن تک بنی اسرائیل کو شہر میں مقیم رکھا پھر ان کو اریحا میں لائے۔ حضرت موسیٰؑ کی زوجہ صفورہ

---

[1] اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ اے علی کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ خلافت و وصایت کا حاصل ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری پ ۱۵ ص ۹۵ کتاب المغازی)

یا صفورا نے لوگوں کو جمع کر کے حضرت یوشعؑ سے جنگ کی جس میں ۶۰ ہزار آدمی مارے گئے اور حضرت یوشعؑ فتحیاب ہوئے۔ ؎۱

حضرت یوشعؑ نے ۱۱۰ سال کی عمر میں حضرت موسیٰؑ کے ۲۸ سال بعد حضرت عیسیٰؑ سے ۲۴۲۶ سال پہلے وفات پائی۔ جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے وہ کل تبرکات اور تابوت سکینہ جو آپ کو حضرت موسیٰؑ سے ملے تھے حضرت الدا کے صاحبزادے کے حوالہ کر دیئے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے ان القیم بامور بنی اسرائیل بعد یوشع کالب بن یوفنا۔ حضرت یوشعؑ کے بعد بنی اسرائیل کے سردار اور مذہبی پیشوا جناب کالب بن یوفنا ہوئے۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۳۳) اور علامہ ابن اثیر جزری نے جناب یوشعؑ کے حال میں لکھا ہے: ثم توفاه الله فاستخلف علی بنی اسرائیل کالب بن یوفنا۔ پھر خدا نے آپ کو موت دی تو آپ بنی اسرائیل پر کالب بن یوفنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۲۳)

حضرت حزقیلؑ — حضرت یوشعؑ کے بعد بنی اسرائیل کی سرداری اور پیشوائی کی خدمت کالب بن یوفنا کے ذمہ اور ان کے بعد حزقیل بن بوذی کے متعلق ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں ۷۰ ہزار آدمی طاعون سے مر گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد جناب حزقیل نے بھی انتقال فرمایا اور کوفہ کے قریب دفن ہو گئے۔

حضرت الیاسؑ — جناب حزقیل کے بعد خدا نے حضرت الیاسؑ کو پیغمبر بنایا۔ آپ علاقہ بعلبک پر مبعوث ہوئے مگر قوم بنی اسرائیل بت پرستی میں مشغول رہی اور آپ کی ہدایت کسی نے قبول نہیں کی تو آپ ان سے عاجز آ کر پہاڑ میں چلے گئے اور خدا سے ان لوگوں کے حق میں بددعا کی جس سے تین سال تک پانی نہیں برسا اور سخت قحط پڑا۔ اُس وقت کے بادشاہ نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا مگر آپ نے بددعا کی تو آگ نے سب کو گھیر کر ہلاک کر دیا اور اللہ نے حضرت الیاسؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق ۸۹۵ سال قبل حضرت عیسیٰؑ کے حضرت الیاسؑ آسمان پر بلائے گئے فکان انسیا ملکیا ارضیا سماویا۔ اس طرح آپ انسی ملکی ارضی سماوی ہوئے۔

(تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۴۳)

حضرت الیسعؑ — حضرت الیاسؑ کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت الیسعؑ پیغمبر ہوئے۔ آپ پانی پر چلتے۔ اندھوں اور کوڑھیوں کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ آٹھ سال اپنی امت کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے ۸۱۰ سال پہلے وفات پائی۔

حضرت شمویلؑ — حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر تبلیغ، غزوہ اور استقلال کے علاقہ پر مبعوث ہوئے۔ وحی الٰہی کے مطابق آپ نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا۔ ۴۰ سال تک اپنی امت میں رہے۔ طالوت نے کافر

؎۱ یہ واقعہ بعینہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جناب رسول خدا صلعم نے اپنے کو حضرت موسیٰؑ سے اور علیؑ کو حضرت یوشعؑ سے تشبیہ دی اور حضرت یوشعؑ کی جنگ جو صفورا زوجہ حضرت موسیٰؑ سے ہوئی اس میں اور حضرت عائشہ (حمیرا) میں بھی پوری مشابہت ظاہر ہوئی کہ حضور رسالتمآب کے بعد جس طرح حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ وصی حضرت یوشعؑ سے جنگ کی اسی طرح حضرت عائشہ نے بھی خلیفہ وصی حضرت امیر المومنینؑ سے جنگ کی۔ اس جنگ میں حضرت یوشعؑ کامیاب ہوئے اور جنگ جمل میں بھی حضرت عائشہ کے مقابلہ میں حضرت امیر المومنینؑ کو فتح حاصل ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض انبیاء کرام کی بیبیاں بھی صراط مستقیم سے منحرف ہو جایا کرتی ہیں اور حدیث کی مخالفت کیا کرتی تھیں ۱۲

کے بادشاہ جالوت سے لڑنے کے لئے حضرت داؤدؑ کو بھیجا جس پر جالوت مارا گیا۔ حضرت شمویل حضرت عیسیٰؑ سے ۱۱۲۰ سال پہلے پیدا ہوئے تھے سلہ اور یہ لکھا جاتا ہے کہ جناب یوشعؑ نے اپنا خلیفہ خود ہی کالب بن یوفنا کو مقرر کیا تھا اور کالب نے اپنا خلیفہ اپنے فرزند یوساقوس کو مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)۔ جناب الیاسؑ پیغمبر نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی حضرت الیسع کو مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۳۸) اور حضرت الیسع نے بھی اپنی خلافت کا انتظام خود ہی کیا۔ انتقال کے قریب جناب ذوالکفل کو طلب کر کے خلافت ان کے حوالہ کر دی (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۴۱)

۴ حضرت داؤدؑ

حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے۔ داؤد بن ایشی ابن عوبد بن باعز بن سلمون بن نحشون بن عمی ناداب بن رام بن حصرون بن فارص بن یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیمؑ۔ آپ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۰۰ سال پہلے پیدا ہوئے تھے آپ کو خدا نے دین و دنیا دونوں کی سرداری دی۔ اس طرح کہ پیغمبر بھی ہوئے اور بادشاہ بھی لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم ہو جاتا۔ باوجود اس کے کہ آپ کو دنیاوی سلطنت بھی ملی مگر آپ مزدوری کر کے اس سے اپنے مصارف پورے کرتے۔ مشہور ہے کہ آپ لوہے کی زرہیں بنا کر ان کو فروخت کرتے تھے۔ آپ پر کتاب زبور نازل ہوئی تھی۔ حضرت داؤد ایسے خوش آواز تھے کہ لحن داؤدی آج تک مشہور ہے۔ آپ جب زبور کی تلاوت کرتے تو جانور تک وجد میں آجاتے تھے۔ ۳۰ سال کی عمر میں کافروں کے بادشاہ جالوت سے جنگ کی اور اس پر فتح پائی کہ اس کو قتل کیا جس کے بعد خود بادشاہ ہوئے۔ پھر ۴۰ سال تک پیغمبری اور بادشاہت کرتے رہے۔ آپ نے اپنا ملک شام ہی پر ہو ... جزیرہ فتح کر لیا تھا سلہ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۲۴ سال پہلے آپ نے ۷۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ دنیا سے رحلت کے وقت اپنے صاحبزادے حضرت سلیمان کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے۔ و توفی قبل ان یستتم بناءہ و اوصی الی سلیمان۔ حضرت داؤدؑ نے اپنی عمارت تمام کرنے سے پہلے انتقال کیا اور حضرت سلیمانؑ کو اپنا وصی مقرر کر گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۸۷) مؤرخ مذکور پھر لکھتا ہے۔ فلما مات ورث سلیمان ملکہ و علمہ و نبوتہ۔ جب حضرت داؤدؑ نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ آپ کے ملک علم اور نبوت کے وارث ہوئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۸۷) سلہ حضرت داؤدؑ کے متعلق حضرات اہلسنت کی کتابوں میں یہ غلط حدیث موجود ہے کہ معاذ اللہ آپ ایک شخص اوریا کی خوبصورت بیوی پر عاشق ہو گئے تھے اور ...

سلہ حضرت ایوبؑ کی خالہ یا بہن کے بیٹے اور کے پوتے لقمان تھے جو حکیم کے نام سے مشہور ہیں آپ کی قبر ... لوگوں کو ... ہے۔ آپ غالباً حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۸۰ سال پہلے پیدا ہوئے۔ سلہ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں۔ توراۃ جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ زبور جو حضرت داؤدؑ پر اتری۔ انجیل جو حضرت عیسیٰؑ پر آئی اور قرآن مجید جو حضرت رسول خدا صلعم کو ملی۔ اور جو قیامت تک رہے گی ۱۲۔ سلہ چونکہ کافروں کے بادشاہ جالوت سے آپ کی جنگ ہوئی اس میں وہ مارا گیا اس سبب سے آپ کو ملک فتح کرنے کا موقع ملا مگر یہ نہیں ہوا کہ آپ نے لوگوں کو زبردستی خدا پرست اور احکام خدا کا پابند بنانے کی غرض سے جہاد کیا ہو۔ اور تلوار کے زور سے کسی کو بھی اسلام میں داخل کیا ہو۔ سلہ قرآن مجید میں بھی ہے وورث سلیمان داؤد۔ حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمان ہوئے (پ ۱۹ ع ۱۷) اور معلوم ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہی پیغمبر تھے۔ پس حضرت داؤدؑ نے وارث بنایا اور حضرت سلیمان وارث ہوئے۔

اس کو پا نہیں سکتے تھے اس واسطے اوریا کو ایک لڑائی پر بھیج دیا کہ یہ قتل ہو جائے تو میں اس کی بیوی سے وصال حاصل کر دوں۔ چنانچہ وہ قتل ہو گیا تو حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ حضرت داؤدؑ بلکہ کل انبیاء کی شان ایسے شرمناک واقعات سے کہیں بلند و ارفع ہے۔ وہ حضرات دوسروں کے اخلاق درست کرتے۔ ان نفس کو پاکیزہ بناتے اور ان کی ہمیت شان کے لیے دنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ ان سے ایسی رکیک باتیں نہیں ہو سکتیں۔

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد پیغمبر کے فرزند تھے اور خود بھی پیغمبر تھے۔ حضرت داؤدؑ کے ۱۹ صاحبزادے تھے سب میں آپ ہی پیغمبری کے شرف سے سرفراز کیے گئے۔ آپ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۳۳ سال پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ سے ۹۷۵ سال پہلے ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب ۱۹ سال کے تھے تو حضرت داؤدؑ کے جانشین ہوئے ... سلطنت کا ... وقت ... پانی وہوا اور باقی کل مخلوقات آپ کے تابع تھی ... سال تک ... بادشاہت کی۔ اپنی حکومت کے ... سال ... بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جو آپ کی آخر عمر تک جاری رہی۔ اس کو ۴۴۰ سال کے بعد بخت نصر بادشاہ بابل نے نہ ۸م کر دیا۔ پھر بنایا گیا اور ... ہوا ... خراب ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن مجید میں ...

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵

اس کے ... باوجود ... میں حضرت رسول خدا صلعم کے متعلق شروع سے قائم ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کی میراث بھی اسی طرح جاری ہونی چاہیے جس طرح اور لوگوں کی ہوتی ہے۔ اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ ... حضرت کی کوئی شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی آیتیں صاف صاف بتلاتی ہیں کہ انبیاء وارث ہوتے بھی ہیں اور دوسرے ان کے وارث بھی ہوتے ہیں ... حضرت داؤدؑ خدا نے فرزند کو وارث ... حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے ... اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کوئی بات غلط نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کے خلاف ایسی بات حضرت کی زبان مبارک سے کوئی ... نکل سکتا تھا۔ اس سبب ماننا پڑے گا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث صلعم ... حضرت نے اس طرح فرمایا ہو نحن معاشر الانبیاء نورث ولا نورث ہم گروہ انبیاء نہیں وارث ہوتے ہیں اور وراثت چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر کو اپنی خلافت کے وقت غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے سمجھا کہ حضرت نے اسکو اس طرح فرمایا ہے لا نرث ولا نورث اور اسی پر عمل درآمد ... کر لیا۔ حالانکہ اگر ان حضرت ... ماننے والے ... جناب سیدہ سے کرتے کہ بیٹی تم یاد رکھنا انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ... جو کچھ ترکہ ہوتا ہے ... صدقہ ہو جاتا ہے ... یہ کیا ... پھر حضرت عائشہ نے ... حضرت ... سے میراث ... کا دعویٰ بھی الگ کر لیا تھا ... لیکن ... کلام کو نہ جناب سیدہ نے مانا۔ نہ کسی بیوہ نے نہ کسی اور صحابی نے صرف حضرت ابوبکر اس کے مدعی ہوئے ... ۱۲

یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیات

حضرت سلیمانؑ کے لیے جنات جو چیز بنا دیتے جو وہ چاہتے جیسے محرابیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (سبا پ ۲۲ ع ۲) سلہ حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں ہندوستان کی بندرگاہ [illegible] تھی۔ مور وغیرہ لانے کی غرض سے ہمیشہ بحر ہند میں سفر کرتی رہتی تھیں اور [illegible] کی نسل کے گھوڑے منگواتے تھے حضرتؑ نے ہدہد کو شہر سبا کی ملکہ بلقیس کے پاس بطور قاصد بھیجا تو اس نے بہت سے تحفے آپ کے پاس بھیجے مگر آپ نے ان تحفوں کو واپس کر کے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیجا۔ وہ گیا اور [illegible] بلقیس کا تخت حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچ گیا۔ بالآخر آپ کی اطاعت قبول کر لی [illegible] حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہاروت و ماروت فرشتے بابل میں آئے تھے جو اللہ کے حکم سے لوگوں کو آزمانے کے لیے جادو سکھاتے تھے۔

حضرت عزیرؑ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا ایک گاؤں پر گزر ہوا تو دیکھا کہ بہت لوگ جو طاعون کے خوف سے بھاگے تھے مرے پڑے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آپ نے تعجب کیا خدا ان کو کیسے جلائے گا؟ اس کے بعد وہیں سو گئے تو خدا نے ان کی روح بھی قبض کر لی۔ اس وقت آپ ۳۰ سال کے تھے خدا نے پھر سو سال کے بعد آپ کو زندہ کر دیا جس کے بعد آپ کئی سال اور زندہ رہے اسکے بعد انتقال کر گئے۔ یہودی آپ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

حضرت دانیالؑ حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تھے عقل و فہم میں آپ بھی مشہور ہیں۔ بخت نصر بادشاہ بابل نے آپ کو قید کر کے کنویں میں ایک شیر کے ساتھ بند کر دیا تھا خدا کی قدرت

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کے لیے مورتیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات فرشتوں، نبیوں اور نیکوکاروں کی تصویریں مسجدوں میں بناتے تھے تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور اس سے زیادہ عبادت کرنے لگیں (تفسیر [illegible] ص [illegible] و معالم التنزیل ص [illegible] کشاف جلد ۲ ص [illegible] و در منثور جلد ۵ ص [illegible] وغیرہ) اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے حکم سے نبیوں اور نیکوکاروں کی تصویریں اس غرض سے بنائی جاتی تھیں کہ ان کو دیکھ کر اس زمانے کے لوگ زیادہ عبادت کریں تو اب [illegible] میں حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی تصویر (شبیہ) بنانے پر اعتراض کرنا بے جا ہے کیونکہ اس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کو پہلے حضرت امام حسینؑ کا تذکرہ ہو [illegible] واقعہ شہادت کے [illegible] ہو جائیں اور اس سے گریہ زیادہ ہو۔ اور چونکہ حضرت رسول خدا صلعم بھی شہادت امام حسینؑ کی خبر قبل از وقت سن کر بہت رویا کرتے تھے اور واقعہ شہادت کے بعد بھی حضرت ام سلمہ و ابن عباس وغیرہ نے خواب میں حضرتؐ کو روتے ہوئے دیکھا تھا اس سبب سے آنحضرت صلعم کی سنت میں حضرت امام حسینؑ پر رونا بڑی عبادت ہے۔ ان وجوہ سے ماتم [illegible] شبیہ بنانا نہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ ان کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام پر زیادہ رونا آئے [illegible] اسی طرح [illegible] جبرئیل [illegible] کربلا کی [illegible] مٹی کو [illegible] سرخ کر کے [illegible] بنا کر حضرت رسول صلعم کے پاس بھیجا تھا جس کو دیکھ کر حضرت بہت روئے تھے۔

(دیکھو مشکوۃ جلد ۸ ص [illegible])

سے اُس شیرنی نے آپ کو تکلیف نہیں پہونچائی بلکہ اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا۔ پھر آپ کے حسن تدبیر اور قوت رسائی کو دیکھ کر بخت نصر نے آپ کو اپنا وزیر بنا لیا۔ علم رمل آپ کی ایجاد ہے۔

حضرت یونسؑ بن متیٰ

بنو اسرائیل کے انبیاء سے ہیں مگر آپ کے لیے کوئی خاص کتاب یا شریعت نہیں آئی بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے۔ اہل نینوے (زمین موصل) کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ ایک کشتی پر سوار جاتے تھے تو دریائے دجلہ میں گر گئے اور ایک بڑی مچھلی آپ کو نگل گئی۔ ۳ یا ۷ یا ۴۰ روز آپ اُس مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی سبب سے آپ کو ذوالنون اور صاحب الحوت بھی کہتے ہیں۔ پھر خدا کے حکم سے اُس کے پیٹ سے باہر آئے۔ ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت زکریا

حضرت سلیمان بن داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ بڑھاپے میں جب اولاد ہونے سے آپ ناامید ہو چکے تھے خدا سے دعا کی اور خدا نے آپ کو حضرت یحییٰ ایسا فرزند مرحمت فرمایا۔ آپ کی بیوی الیاع حضرت مریمؑ (والدہ حضرت عیسیٰؑ) کی خالہ تھیں۔ اور آپ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ اسی وجہ سے حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی چونکہ سوائے حضرت زکریاؑ کے کوئی دوسرا مرد حضرت مریمؑ کے پاس جاتا نہیں تھا اور حضرت مریمؑ کو حکم خدا سے حضرت عیسیٰؑ کا حمل رہ گیا۔ اس وجہ سے جاہلوں نے کہا کہ معاذ اللہ حضرت زکریاؑ سے ان کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اور حضرت زکریاؑ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ اُن کے خوف سے بھاگے سامنے ایک درخت تھا وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہو گیا اور آپ اُس کے اندر چلے گئے مگر آپ کے دامن کا کونا باہر نکلا رہا۔ اُس پر آپ کے مخالفین سمجھ گئے کہ اسی میں چھپے ہیں اور اُس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرے سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر اُس وقت سو سال کی تھی اور حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو چکے تھے۔

حضرت یحییٰؑ ابن زکریاؑ

حضرت مریمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے چھ مہینے پہلے پیدا ہوئے اور جب سات سال کے ہوئے تو خدا نے آپ کو پیغمبر بنا دیا۔ آپ اُس کمسنی میں لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلاتے۔ اور موٹے بالوں کا کپڑا پہنتے۔ زہد اور عبادت میں مشہور ہو گئے تھے یہاں تک عبادت کرکے دُبلے ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے فتویٰ دیا کہ بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس تھا۔ وہ اپنی بھتیجی (یا بھانجی یا اپنی بیوی کی اُس لڑکی پر جو اُس کے پہلے شوہر سے تھی) عاشق ہو گیا۔ وہ لڑکی بھی بادشاہ پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں نے شادی کرنی چاہی۔ مگر حضرت یحییٰؑ نے منع کیا اور فرمایا کہ یہ نکاح خلاف حکم خدا ہے۔ بات بڑھی آخر اس لڑکی اور اُس کی ماں کے کہنے سے بادشاہ نے حضرت یحییٰؑ کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے کچھ ہی قبل کا ہے۔ اس قتل کے عوض میں خدا نے یہ سامان کر دیا۔ کہ طیطوس (قیصر روم) نے ملک شام پر چڑھائی کرکے بیت المقدس کو برباد کر دیا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا۔

سلہ خدا نے حضرت یحییٰؑ کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کرایا۔ امام حاکم وغیرہ بڑے محدثین اہلسنت نے لکھا ہے عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی محمد انی قتلت بیحییٰ بن زکریا سبعین الفا۔ وانی قاتل بابن بنتک سبعین الفا وسبعین الفا

حضرت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ کے صاحبزادے تھے جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو روح اللہ کہتے ہیں۔ دنیا میں حضرت آدمؑ کے تشریف لانے سے ۴۰۰۰ سال بعد پیدا ہوئے۔ اوپر ذکر کیا گیا کہ حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ اس طرح کہ ایساع اور حنہ دو بہنیں تھیں۔ ایساع کی شادی جناب زکریاؑ سے ہوئی اور حنہ عمران سے بیاہی گئیں۔ ایساع کے بیٹے حضرت یحییٰؑ ہوئے اور حنہ کی بیٹی جناب مریمؑ ہوئیں۔ حنہ کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو نذر کی کہ اُن کے اولاد ہوگی تو اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے مخصوص کر دیں گی۔ اسی دوران حنہ کو حمل رہ گیا اور حالت حمل ہی میں ان کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جناب حنہ کے بطن سے جناب مریمؑ پیدا ہوئیں جن کا معنی عابدہ (یعنی عبادت کرنے والی) ہے۔ حنہ اس لڑکی کو لے کر بیت المقدس میں آئیں اور کہا میں نے لڑکے کی نذر کی تھی مگر ہوئی یہ لڑکی۔ چونکہ آپ کے والد مر چکے تھے اس وجہ سے آپ کی پرورش کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کون لے۔ حضرت زکریا نے کہا مجھ پر اس کا زیادہ حق ہے کیونکہ اس کی خالہ (ایساع) میری بیوی ہے۔ چنانچہ جناب زکریا نے حضرت مریمؑ کو اپنی کفالت میں لے کر پرورش شروع کر دی۔ جب جناب مریمؑ بڑی ہوئیں تو حضرت زکریاؑ نے ان کے لئے ایک خاص کمرہ عبادت کی غرض سے خالی کر دیا۔ خدا فرماتا ہے جب زکریا مریمؑ کے دیکھنے کو اُن کے پاس جاتے تو جناب مریمؑ کے پاس میوہ جات کی قسم سے کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز ضرور موجود پاتے۔ ایک دن ان سے پوچھا یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں۔ کہا خدا کے پاس سے کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ کچھ دنوں بعد خدا نے جناب جبرئیلؑ کو حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے نفخ روح کیا جس سے حضرت مریمؑ کو حمل رہ گیا اور مدت حمل پوری ہو چکی تو بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں بیت لحم میں جناب عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ جب حضرت مریمؑ اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا اے مریمؑ تو نے بہت ہی نالائق حرکت کی ہے۔ پھر ان کو سنگسار کرنا چاہا تو حضرت عیسیٰؑ گہوارے سے بول اٹھے میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی اور مبارک بنایا ہے۔ اس پر لوگوں نے حضرت مریمؑ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ۳۰ سال کی عمر میں لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا اور بڑے بڑے معجزات دکھانے لگے۔ مردہ کو جلاتے تھے۔ اندھے، مبروص اور ہر قسم کے بیمار اچھے کرتے۔ کھانے پینے اور غیب کی خبر دیتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸)

حضرت رسول خداؐ کے مشہور صحابی اور چچازاد بھائی جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ خدا نے حضرت رسول خداؐ پر وحی نازل کی کہ یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار شخصوں کو قتل کر لیا ہے اور اب تمہارے نواسہ حسینؑ کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کراؤں گا۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ [illegible] وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک حضرت یحییٰؑ کی شہادت سے زیادہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا درجہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت یحییٰؑ بے قصور اور معصوم تھے حضرت امام حسینؑ بھی بالکل اسی طرح بے خطا اور معصوم تھے۔ اب جو لوگ حضرت امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا پر [illegible] ہیں اور [illegible] کے قائل ہیں۔

اُتلا بنا کر اڑا دیتے ۔ پتھر اور ڈھیلوں کو جواہر آبدار کر دکھاتے ۔ اور پانی پر چلتے تھے ۔ زہد میں بھی بڑے درجہ پر فائز تھے موٹے بالوں کا لباس پہنتے اور ساگ پات وغیرہ کھاتے ۔ آپ پر کتاب انجیل نازل ہوئی ۔ یہودی آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو پکڑ کر سولی دینی چاہی ۔ مگر جب لوگ پکڑنے آئے تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے چھت کے ایک سوراخ سے آسمان پر اٹھا لیا ۔ اور یہودا کی صورت حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ ہو گئی ۔ یہودیوں نے انھیں یہودا کو حضرت عیسیٰؑ کے خیال میں سولی دے دی ۔ اسی وجہ سے عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مصلوب ہو گئے ۔ آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت مریم ۶ سال تک زندہ رہیں اور ۵۳ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔ آپ ۱۳ سال کی تھیں جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے ۱۲ حواری (خاص دوست ۔ رفیق ۔ ہمدرد ۔ مددگار) مشہور ہیں جو یہ ہیں ۔ (۱) شمعون الصفا ۔ (۲) اندراوس (۳) یعقوب بن زبدی (۴) شمعون القنانی (۵) یعقوب بن حلفی (۶) پولوس (۷) یوحنا (۸) یہودا ابن یعقوب (۹) لوقا (۱۰) متی (۱۱) مارقوس (۱۲) یہودا ۔ جب خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا تو جناب مریمؑ آپ پر بہت روتی تھیں (تاریخ ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۳۰) ۔ [1] حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا مسلمانوں کا اجماعی اعتقاد ہے [2] وہ گاؤں جہاں حضرت عیسیٰؑ نے پرورش پائی تھی ۔ اس کا نام ناصرہ تھا اس وجہ سے عیسیٰؑ کے پیرو ان کو نصاریٰ بھی کہتے ہیں یا ان کو نصاریٰ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ شام کے ایک گاؤں سے نکلے جس کا نام نصوریہ یا ناصرہ تھا حضرت مریم مصر سے لوٹ کر وہاں آ کر ٹھہری تھیں ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام نصاریٰ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی مدد کی تھی [3] حضرت عیسیٰؑ جس سال زمین سے آسمان پر اٹھائے گئے (اور بقول عیسائی حضرات کے سولی دیئے گئے) اسی سال سے عیسوی سال مقرر کیا گیا جو اس وقت دنیا کے اکثر حصوں میں معمول بہ ہے ۔

یہودی حضرت عیسیٰؑ کے ویسے ہی مخالف ہیں جیسے کہ حضرت رسول خدا صلعم یا مسلمانوں کے ۔ البتہ عیسائی اور مسلمان دونوں آپکو مانتے اور آپکی عزت کرتے ہیں ۔ مگر آپ کے متعلق دونوں مذہب والوں کے اعتقاد میں فرق ہے عیسائی آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں اور ایک ہے تین ہیں ۔ اس طرح خدا ۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ تین کا مجموعہ ایک ہے اور ایک کیا ہے اور یہ تین ہیں ۔ اور وہ حضرت عیسیٰؑ کے فرزند خدا ہونے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ۔ مگر ان لوگوں کی یہ باتیں ایسی مبہم ہیں کہ نہ دوسروں کی سمجھ میں آتی ہیں نہ وہی لوگ دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں ۔ برخلاف اسکے مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو آدمی ، خدا کا بندہ

---

[1] جس سے ثابت ہوا کہ کسی عزیز کی مصیبت پر رونا انسان کا فعل محمود ہے اور یہ صبر کے خلاف بھی نہیں ہے ۔ اگر کسی طرح باعث اعتراض ہوتا تو حضرت مریم ایسی صدیقہ ایسا کیوں کرتیں جب حضرت مریم کے رونے کو خدا نے دیکھا تو آپ پر بے حد رحم کیا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ آسمان سے حضرت مریم کے پاس نازل کیا ۔ آپ نے وہاں پہونچ کر مادر گرامی سے فرمایا ان اللہ رفعنی ولم یصبنی الا الخیر خدا نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا ہے اور مجھ کو بہتری ہی حاصل ہوا ۔ اسکے بعد پھر عیسیٰؑ آسمان پر چلے گئے ۔ ۔ ۔ وہ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام پر رونے سے منع کرتے اور ہر وقت ۔ ۔ کو روکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کا فعل ۔ ۔ ۔ [2] اگرچہ ایک ۔ ۔ ۔ نے دعوی کیا ہے کہ خدا نے آپ کو وفات دی اور خود اپنے کو مسیح موعود بناتے ہیں ۔ مگر ان کی کوئی دلیل صحیح نہیں ملی ۱۲ [3] انوار الانوار ۔ ۔ ۔ ۱۲

اور اس کا رسول مانتے ہیں۔ اور اُن کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے اُن کو خدا کا بیٹا نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ خدا نہ جسم ہے نہ جسمانی نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، نہ اس سے کوئی پیدا ہو سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ تمام عالم۔ کل آسمانوں، زمین اور ہر قسم کے جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بھی پیدا کیا۔ اور وہ اس پر قادر ہے کہ جس شخص کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر دے جیسے حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا۔ اور جس کو چاہے بغیر ماں باپ کے پیدا کر دے جیسے حضرت آدم کو خلق فرمایا۔

حضرت عیسیٰ نے دنیا سے اٹھنے کے قبل اپنا خلیفہ خود ہی مقرر کر دیا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے۔

از جملہ وصایائے عیسیٰ یکے آں بود کہ خدائے تعالیٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را برشما خلیفہ گردانم و حواریان خلافت وے قبول کردند۔

حضرت عیسیٰ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ فرمایا خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کر دوں اور آپ کے حواریوں نے انکی خلافت قبول بھی کر لی۔ (روضۃ الصفاء جلد ا صفحہ)

ضروری تشریحی باتیں

مشہور انبیاء کے ضروری مگر مختصر حالات اوپر درج کیے گئے۔ ان کے متعلق چند باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مذکورہ بالا حالات زیادہ تر تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابو الفداء سے لئے گئے ہیں۔

(۲) ان کے زمانۂ ولادت و عصر وجود کی قابل اطمینان تحقیق اس زمانہ میں بہت دشوار ہے کیونکہ ان لوگوں کے زمانوں کی لکھی ہوئی کوئی تاریخ آج کل موجود نہیں ہے۔ البتہ مختلف قرائن و قیاسات سے مؤرخین نے انکے زمانہ کی تحدید کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امر ہویدا ہے کہ ان کو کامیابی ہوئی کیونکہ اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم سے ان حضرات کے زمانہ اور عہد کے متعلق جو روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور ان کے راویوں پر بھی کامل اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس سبب سے جو حالات اوپر لکھے گئے اگر ان میں کسی جگہ شبہ یا اعتراض یا تناقض ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا چاہئے جب خود حضرت رسول خدا صلعم کی ولادت اور وفات کی تاریخ آج تک مسلمانوں میں متفق علیہ نہیں ہو سکی تو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم وغیرہ کی صحیح تاریخ کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ان انبیائے کرام کے حالات موجود ہیں مگر کسی بزرگ کی ولادت یا وفات کی تاریخ یا اُن کے عصر کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ اس سبب سے ہم لوگوں کو بھی اس کی تحقیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی قول کو یقینی سمجھنے کی حاجت ہے جس طرح قرآن مجید میں اُن کے حالات، اخلاق، صفات حسنہ، حیات طیبہ، خدمات جلیلہ اور اغراض و مقاصد مذکور ہیں۔ ہمارا مقصد ہم لوگوں کو بھی کرنا ہے کہ ان حضرات کے حالات کا اصلی مقصود ہے وہی پیش نظر رکھنا مناسب ہے۔ خواہ وہ آج سے چار ہزار سال پہلے ہو گئے ہوں یا چھ ہزار سال قبل۔ انبیاء کرام کے حالات تو نہیں بلکہ ہم ان کے ذکر کرتے رہتے ہیں کہ آج وہ روایتیں نہیں پہنچیں جو ہم کو اطمینان بخش ہوں ...

نفرت انگیز ہو رہی ہیں ۔[ا]

(۳) تاریخ اور ہر زمانہ کے علاوہ جو حالات ہیں وہ تقریباً صحیح ہیں کیونکہ وہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں اور صحیح روایات سے بھی ان کی تحقیق ہو گئی ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کے ایک فرزند کا دوسرے کو قتل کرنا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان آنا۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنا ایک فرزند کے ذبح کا ارادہ کرنا۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ وغیرہ۔

(۴) حالات مذکورہ سے ہم کو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ہر نبی اپنے انتقال کے قبل اپنا وصی اور خلیفہ خود مقرر کر جاتے تھے اور کسی نبی نے اپنے خلیفہ کے تقرر کو اپنی امت پر نہیں چھوڑا۔ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ایک نبی کے متعلق بھی نہیں ہوا کہ وہ بغیر اپنا خلیفہ خود مقرر کیے ہوئے دنیا سے اٹھ گئے ہوں۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم بھی ایسا کیے ہوئے بغیر کیونکر انتقال فرما سکتے تھے اور اس ضروری کام کو امت پر کیوں چھوڑ جاتے؟

[ا] علامہ طبری نے لکھا ہے۔ القول فی مقدار قدر جمیع الزمان من ابتدائہ الی انتہائہ واولہ الی آخرہ اس امر کی تحقیق کہ زمانہ کی مدت ابتدا سے انتہا اور اول سے آخر تک کس قدر اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی اصل عبارت نقل کرنے میں طول ہوگا۔ صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار برس ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے جس کی مقدار صرف سات ہزار برس ہے۔ اس میں چھ ہزار کئی سو برس گزر چکے ہیں۔ اب کئی سو برس اور باقی رہ گئے ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ کا مجموعہ چھ ہزار برس ہے۔ اس کے علاوہ علامہ طبری اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں صحیح قول اور رسول خدا صلعم کی احادیث کے مطابق ابن عباس کا قول ہے جو انہوں نے کہا کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے جس کی مقدار سات ہزار برس ہوئی۔ پس معلوم ہو گیا کہ نبی کے ارشاد کے وقت تک چھ ہزار پانچ سو برس یا اس کے قریب قریب گزر چکے تھے اور اب صرف پانچ سو برس باقی ہیں (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۰) مگر ان دونوں روایتوں نیز علامہ طبری کی تحقیق کا غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہے اور ہر شخص اس کا بالبداہۃ یقین رکھتا ہے۔ اُس وقت دنیا کی باقی مدت صرف پانچ سو سال مانی گئی اور اس پر یقین بھی کر لیا گیا مگر ان روایتوں کے ناقل اس قدر راوی صحابہ کرام تھے مگر اب تک تیرہ سو سال سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی اور دنیا ختم نہیں ہوئی۔ انہیں راویوں سے خدا کی رہنے کی جگہ بھی مذکور ہے جو نہایت درجہ قابل مضحکہ ہے۔ عن ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا تبارک وتعالیٰ قبل ان یخلق خلقہ۔ قال کان فی عماء تحتہ ہواء وما فوقہ ہواء ثم خلق عرشہ علی الماء۔ ابو رزین بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم سے پوچھا اے حضرت یہ تو فرمائیے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کہاں رہتا تھا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک سیاہ ابر میں تھا جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی۔ پھر خدا نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۹) یہ روایت بھی ہے ان السماوات والارض والجبال لفی الہیکل وان الہیکل لفی الکرسی وان قدمیہ عز وجل لعلی الکرسی وہو یحمل الکرسی وعاد الکرسی کالنعل فی قدمیہ۔ آسمان اور زمین اور سب پہاڑ ہیکل میں ہیں اور ہیکل کرسی میں ہے اور خدا کے دونوں قدم کرسی پر ہیں اور وہ کرسی کو اٹھائے ہوئے ہے اور کرسی کی حالت ایسی ہو گئی جیسی خدا کے دونوں قدموں میں جوتی (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۲۹)

(۵) حالات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء و مرسلین دنیا میں صرف لوگوں کی ہدایت کرنے، ان کو سیدھے راستے پر چلانے اور اچھے اخلاق بنانے کے لئے بھیجے جاتے تھے، دنیا میں بادشاہت کرنے، حکومت قائم کرنے، سلطنت پیدا کرنے، لشکر کشی، جنگ و جدال، خون ریزی، ملکوں کے فتح کرنے، لوگوں کو تلوار کے زور سے اپنا کلمہ پڑھوانے اور انھیں زبردستی کسی دین کا پابند کرنے کے لئے نہیں بھیجے جاتے تھے۔ وہ خدا کے فقیر مگر اطاعت گزار اور فرمانبردار بندے ہوتے تھے۔ ان کا شغل صرف لوگوں کو آخرت کا طلبگار بنانا اور ان سے دنیا میں امن و صلح کی زندگی بسر کرانا اور انھیں تمدن و معاشرت کا بہترین سبق پڑھانا رہتا تھا۔ ان کے خلفاء و اوصیاء بھی انھیں کی پیروی کرتے رہے اور جو کچھ وہ دنیا میں کر جاتے تھے اسی کو قائم اور محفوظ رکھنے میں یہ مشغول رہا کئے۔ پس حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جو بھی لوگ رسول خدا کی طرح مسلمانوں کو احکام خدا و رسول تعلیم کرتے رہے وہی حضرت کے حقیقی خلیفہ اور سچے جانشین ہو سکتے ہیں نہ وہ لوگ جو ملک فتح اور بادشاہت قائم کرتے رہے۔

دوسرا مقدمہ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مختصر حالات

حضرت اسمٰعیل نبی کے حال میں لکھا گیا ہے کہ آپ کو آپ کی والدہ کے ساتھ حضرت ابراہیم مکہ معظمہ میں رکھ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔ تقریباً دو ہزار سات سو ترانوے (۲۷۹۳) سال قبل ہجرت نبوی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور چونکہ مکہ میں پانی دیکھ کر قبیلہ جرہم بھی وہاں آباد ہو گیا تھا آپ نے اسی خاندان میں شادی کر لی۔ اس جرہمیہ خاتون کے بطن سے حضرت اسمٰعیل کے بارہ فرزند پیدا ہوئے، پھر آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی اور دوسری خدمات آپ کے یہی فرزند انجام دینے لگے۔ الغرض حضرت اسمٰعیل کی اولاد مکہ میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ انھیں سے ایک شخص فہر ہوا جو تیسری صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہی فہر قریش تھا اور اسی کی اولاد قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت رسول خدا صلعم اسی فہر کی نسل سے ہوئے۔

قصی اسی فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ قصی گزرے ہیں جو بہت نامور ہوئے۔ بعض لوگوں کی تحقیق ہے کہ قریش فہر کا نہیں بلکہ انھیں قصی کا نام تھا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انھیں کو ملا چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں یہی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے

ان کو قریش کہتے ہیں" (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱) اور علامہ طبری نے لکھا ہے۔ وان عبد الملک بن مروان سأل محمد بن
جبیر متی سمیت قریش قریشا قال حین اجتمعت الی الحرم بعد تفرقها فذلک التجمع التقرش فقال
عبد الملک ما سمعت هذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال له القرشی ولم تسم قریش قبله
خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا؟
اس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم (مکہ معظمہ) میں اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ تقرش کا معنی جمع ہونا ہے
اس جواب پر خلیفہ عبد الملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آیا ہوں کہ قصی کو قرشی کہتے تھے اور ان
کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

آپ کا اصلی نام زید اور کنیت ابو المغیرہ تھی۔ آپ ایک جوان مرد، بلند حوصلہ اور عظیم الشان بزرگ تھے حجاز کی ترقی زیادہ تر آپ ہی سے ہوئی۔ لوگوں کو ایک مرکز پر لا کر ان میں قومیت پیدا کرنے کیلئے آپ نے دعویٰ کیا کہ حکومت مکہ اور خدمت کعبہ ہمارا فرض اور حق ہے۔ پھر آپ نے کل قریش کو جو پہاڑوں پر اور گھاٹیوں میں پھیلے ہوئے تھے میدان مکہ میں جس کو بطحا کہتے ہیں لا کر جمع کیا۔ ان کے زمانہ تک مکہ معظمہ صرف ایک گاؤں تھا وہ بھی بکھری حالت اور منتشر صورت میں اس طرح کہ اس میں دور دور مقام پر جھونپڑیاں اور خیمے پڑے ہوئے تھے۔ قصی نے ان سب کو ترتیب کے ساتھ بسایا غرض کہ قصی بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ اس زمانہ میں حرم (خانہ کعبہ) کے متولی حلیل خزاعی تھے قصی نے حلیل کی صاحبزادی جن کا نام حبیٰ تھا شادی کی تھی اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے۔ قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے۔ نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے جو ایک مدت تک یادگار رہے مثلاً سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا انھیں نے قائم کیا (سقایہ یعنی حاجیوں کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا) تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان کی مہمانی قریش کا فرض ہے چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے یہ ایام حج میں چراغ جلائے جاتے تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) آپ کا نام قریش کیوں ہوا۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لئے قریش کہلائے بعض کہتے ہیں کہ قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹)

قصی نے کعبہ بھی دوبارہ تعمیر کیا۔ انھوں نے دار الندوہ بنوایا وہ ایک بڑا کمرہ تھا جو امور عامہ کی

انجام دہی کے لئے لوگوں کی پنچایت اور رفع اختلافات، ورائے ومشورہ کے کام آتا تھا آپ نے مکہ کے مختلف
قبائل کو کعبہ کے اردگرد پتھر کے مکان بنانے اور وہاں پر رہنے کے لیے بھی آمادہ کیا۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قصی کے حالات کا خلاصہ عربی تاریخوں سے اس طرح لکھا ہے
قصی ابتدا ہی سے نیک چلن اور بامروت اور متقی اور مدبر تھا اور شروع ہی سے اس کی طبیعت میں ہمدردی
اور حمیت قومی کا خمیر کر دیا گیا تھا۔ اس کے خیالات پاک اور بے لوث تھے اور اخلاق بالکل شائستہ اور مہذب
اسی وجہ سے حلیل خزاعی نے جو بنی خزاعہ کا ایک نہایت دانشمند اور ممتاز سردار تھا اور خدا کے مقدس گھر کی تولیت جو
ابھی تک بنو خزاعہ میں وراثتہ چلی آتی تھی اُس کے ہاتھ میں تھی اپنی بیٹی حبی کو قصی کے نکاح میں دیدیا تھا حلیل کی
موت کا زمانہ قریب ہوا تو اُس نے اپنی بیٹی قصی کی بی بی کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وصیت کی لیکن اس نے اپنے بارے
صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں خدا کے مقدس معبد کی خدمت کے قابل نہیں ہوں اور خانہ کعبہ کے دروازے کے کھولنے
اور بند کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں یہ خدمت کسی قوی اور ہوشیار مرد کے سپرد کرنی چاہئے چنانچہ حلیل نے خانہ خدا
کی تولیت کی باگ ابوغبشان خزاعی کے ہاتھ میں دیدی جو اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا مگر پھر چند ہی روز کے بعد
قصی نے شراب کی کسی مشکیں اور کچھ اونٹ اور کچھ کپڑے ابوغبشان کو دیکر خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت
خرید لی قبیلہ خزاعہ کو خبر ہوئی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ قصی کے مقابلہ کو کھڑا ہو گیا، قصی نے بھی نہایت چستی کے
ساتھ قریش اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کیلئے جمع کیا اور وہ جوش قومی سے خود مسلح ہو کر اس کی کمک کو آموجود ہوئے
دونوں فریق بطن حرم میں اور خاص ایام تشریق میں معرکہ آرا ہوئے کئی روز تک برابر خونریزی رہی اور بنو خزاعہ
کے بہت لوگ مارے گئے آخر کار صلح کی تحریک ہوئی اور فریقین اس بات پر راضی ہو گئے کہ عرب کا ایک ہوشیار
اور منصف مزاج صاحب الرائے سردار کو سرپنچ مقرر کیا جائے اور پھر جو کچھ بھی وہ فیصلہ دے فریقین اس کے فیصلہ کے
آگے بے چون وچرا گردن تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ یعمر بن عوف جو عرب کا مشہور کاہن تھا فیصلے کیلئے منتخب ہوا۔
دونوں فریق کے سردار یعمر کے پاس گئے تو اُس نے کہا تم سب لوگ کل صبح صحن کعبہ میں جمع رہنا وہاں آکر میں
انصاف کے فیصلہ کر دوں گا۔ دوسرے روز فریقین صحن کعبہ میں جمع ہو گئے یعمر نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر بہ
آواز بلند کہا کہ لوگو جو فیصلہ میں تم لوگوں کو سناتا ہوں میرے نزدیک نہایت منصفانہ اور بے لاگ فیصلہ
ہے میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے مقدمہ میں میں نے ایسا صاف اور سیدھا فیصلہ تجویز کیا ہے جس میں
ذرہ بھر ایک کا حق دوسرے پر چھوڑا نہیں گیا اس میں کچھ شک نہیں کہ قصی مکہ کی تولیت کا استحقاق رکھتا ہے
اور خانہ کعبہ کی حفاظت کا تعلق اسی کو شایاں ہے اور وہی اس کو پناہ بھی دے سکتا ہے

یعمر کی یہ گفتگو سن کر بنی خزاعہ گردنیں نیچی کئے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور قصی کے برخلاف کوشش کرنے کی پھر کبھی
انھوں نے جرأت ہی نہیں کی۔ اس وقت سے قصی مکہ کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایہ اور رفادہ
اور حجابہ اور ندوہ اور لواء اور قیادۃ کے تمام عہدے اس کے ہاتھ میں آگئے۔

اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا۔ (۱) سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت (۲) رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا دینے کی خدمت (۳) حجابہ یعنی خدا کے مقدس مسجد کی حفاظت کی خدمت (۴) ندوہ دارالندوۃ میں صدر انجمن بننے کا استحقاق (۵) لواء یعنی لڑائی کے وقت علم برداری کی خدمت (۶) قیادت یعنی جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری کرنے کی خدمت۔ (امہات الامۃ ص۴۳)

قصی نے حاجیوں کو کھانا کھلانے کا جو انتظام کیا وہ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ خدا نے بھی پسند کیا اور اسلام میں بھی یہ جاری رہا مورخین نے ذکر کیا ہے۔ فجری ذالک من امرہ علی قومہ فی الجاھلیۃ حتیٰ قام الاسلام ثم جری فی الاسلام الی یومک ھذا فھو الطعام الذی یصنعہ السلطان کل عام فی منیٰ حتیٰ ینقضی الحج ۔ قصی کا یہ انتظام زمانہ جاہلیت بھر اُنکی قوم میں جاری رہا یہاں تک کہ دین اسلام آیا اور اسکے بعد بھی وہ آج تک جاری ہے کیونکہ یہی وہ کھانا ہے جس کا انتظام ہر سال سلطان کی طرف سے منیٰ میں کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حج کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو کھانا بھی موقوف ہوتا ہے (طبری جلد ۲ ص۱۸۵ وغیرہ) اسی طرح قصی کل مذہبی اور دنیوی امور کو اپنے اختیار میں کر کے قریش کے سردار، دنیوی حاکم اور مذہبی پیشوا بن گئے وکان قصی لا یخالف ولا یرد علیہ شئی صنعہ ۔ قصی جو بھی کرتے کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسمیں اُنکی مخالفت یا اُن پر اعتراض کرے (طبری جلد ۲ ص۱۸۵) مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے "قصی ابن کلاب پہلے شخص ہیں جس نے قریش کے قوائے مضمحل کو از سر نو مضبوط اور درست کیا۔ اس نے دوبارہ قریش کو حکومت و عزت کی کرسی پر بٹھایا ہے" (ترجمہ) تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص۳۰۹) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے۔ فکان امرہ فی حیاتہ وبعد موتہ کالدین المتبع لا یعمل بغیرہ ۔ قصی کی شان ان کی زندگی میں اور ان کے مرنے پر بھی مثل مقبول اور پسندیدہ مذہب کے تھی کہ کوئی شخص اُن کے خلاف کچھ کرتا ہی نہیں تھا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۱۵۷) قصی کے کارنامے اور رفاہ عام کی خدمتیں بے حد ہیں، مکہ ایسی سخت زمین میں کنواں کھودنا بھی آپ ہی کا کام تھا۔ وحفر بمکۃ بئرا اسمھا العجول وھی اول بئر حفرتھا قریش بمکۃ ۔ قصی نے مکہ میں ایک کنواں بھی کھدوایا جس کا نام عجول رکھا اور یہی وہ پہلا کنواں تھا جسے قریش نے مکہ میں کھدوایا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ ص۹)

قصی کی ماں کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل اور ان کی بیوی کا نام حاتکہ بنت فالخ بن ملیک تھا (طبری جلد ۲ ص۱۸۱ و خمیس جلد ۱ ص۱۷۶) قصی نے سنہ ۴۸۰ عیسوی میں انتقال کیا۔ مرنے پر بھی اُنکی بڑی عزت رہی ولما مات دفن بالحجون فکانوا یزورون قبرہ ویعظمونہ جب قصی انتقال کر گئے تو حجون میں دفن کئے گئے۔ اسکے بعد لوگ انکی قبر کی زیارت کو جاتے اور اسکی بڑی تعظیم کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ ص۹) مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ قصی رسول تھے نہ نبی۔ نہ کسی نبی کے خلیفہ یا وصی مگر آپ سے صرف حقانیت کی وہ باتیں ظاہر ہوئیں جو انبیاء ہی سے ہوتی ہیں اور رفاہ عام وغیرہ کے وہ کارنامے نمایاں ہوئے جو آپ کو معمولی انسانوں سے بالا تر ثابت کرتے

ہیں۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ سید المرسلین خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نیز امیر المومنین امام المتقین حضرت علی علیہ السلام کے نور کے حامل تھے۔ باوجودیکہ آپ کو ہر طرح کا دنیوی اقتدار و وقار حاصل ہوا۔ اور آپ کے ہم وطن لوگوں نے آپ کو اپنا مقتدا و سردار مانا مگر اس درجہ جمعیت و عزت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ نے اپنی بادشاہت یا حکومت کا خواب نہیں دیکھا بلکہ برابر اس مقولہ پر عمل کرتے رہے سید القوم خادمہم (کسی قوم کا سردار اس قوم کی خدمت ہی کرتا ہے) اس زمانہ میں تقریباً دنیا کے ہر طرف جہالت، ضلالت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی جانوروں سے کچھ ہی ممتاز زندگی انسان بسر کرتے تھے اور لڑائی جھگڑے یا عیاشی فسق و فجور قتل و غارت میں مشغول رہ کر اپنے اوقات ضایع و برباد کرتے رہتے تھے۔ دنیا کے ایسے اندھیرے عہد میں قصی نے عرب کی ترقی و فلاح و بہبودی و اصلاح کی وہ تدبیریں نکالیں اور اُن پر عمل کیا جو زمانہ موجودہ کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ دماغوں میں بھی بمشکل آسکتے ہیں۔ قصی کے کل حالات پڑھ جاؤ کہیں کچھ نہیں معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ کے ایسے مدبر اور مصلح نے اپنی ذاتی منفعت، ترقی یا آسائش کی فکر کی ہو اور ایک سکنڈ کے لیے بھی برادران وطن کی خیر خواہی سے علیحدہ ہوا ہو۔

اس سے ہم لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اگر خدا کے فضل سے ہمیں بھی دنیوی ترقی اور جاہ و عزت حاصل ہو تو دنیوی امور کی ترویج اور مذہب و ملت کی حمایت و اشاعت ہی میں مشغول رہیں اور اس اقتدار و تسلط کا بہترین مصرف برادران دینی و اعزا و اقربا و ہم وطن حضرات کی ہر طرح کی خدمت سمجھیں اپنے مال اور قوت کو دوسروں کی بھلائی میں صرف کریں اور اپنی زندگی کا بہترین مقصود دوسروں کی نفع رسانی ہی قرار دیں کہ ایسے ہی کاموں سے انسان کا نام اُس کے بعد زندہ رہتا ہے اور بعد کی نسلیں اسکی احسان مند ہوتی ہیں۔ جو لوگ یہاں اپنی راحت و عزت کی فکر میں رہتے ہیں وہ تھوڑے سے دنوں اُس کا ثمرہ پاتے ہیں مگر خوش قسمت افراد اپنے اعزہ و اہل وطن کی اعانت و اصلاح کو ترجیح دیتے ہیں اُن کا نام سنہرے حرفوں سے تاریخ کے اوراق پر لکھا جاتا ہے اور وہ زندۂ جاوید سمجھے جاتے ہیں۔

عبد مناف

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد بن قصی اور برہ۔ "قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیے اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی اور انہیں کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے" (سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۱۹) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے "قصی کے یوں تو کئی فرزند تھے مگر بلحاظ عمر سب سے بڑا عبد الدار اور بحیثیت فضل و شرف سب میں ممتاز عبد مناف تھا۔ عبد مناف اپنے باپ قصی کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا۔ اور اُس کے فضل و بزرگی کی دلچسپ حکایتیں قبائل قریش کی زبان پر جستہ جستہ آنے لگی تھیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں قریش نے اُس کے وفور کرم اور سخاوت کی وجہ اس کو فیاض کا لقب دے دیا تھا اور عام قبائل میں وہ اسی لقب سے پکارا جاتا تھا مگر اکبر اولاد ہونے کی وجہ سے قصی عبد الدار سے زیادہ محبت رکھتا تھا

اور اسی محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے مرض وفات میں خانہ کعبہ کے تمام مذکورہ بالا عہدے عبدالدار کے نامزد کر دیے تھے۔ بلکہ ایک عظیم الشان مجمع میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ احتضار کے وقت قصی نے عبدالدار کو پاس بلا کر کہا بیٹا! اگرچہ تیرے دوسرے بھائی اور بھی علم و فضل و شرف میں تجھ پر کھلی فوقیت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے تو ان سے فروتر درجے میں ہو مگر میں نے خانہ کعبہ کے تمام مناصب تجھے دیکر ان میں ملا دیا ہے۔ اب تا وقتیکہ تو خانہ کعبہ کا دروازہ نہ کھولے گا ان میں کا کوئی شخص بھی کعبہ میں نہ جا سکے گا (یعنی حجابتہ) اور جبتک تو لڑائی کا جھنڈا نہ اٹھائیگا قریش میں کا ایک آدمی بھی لڑائی میں نہ جائے گا (یعنی لواء) تیرے علاوہ حجاج کسی کا پانی نہیں پئیں گے (یعنی سقایتہ) اور نہ اہل موسم کسی اور کا کھانا کھائیں گے (رفادۃ) قبائل قریش تیرے ہی گھر (دارالندوہ) میں تجھے پریسیڈنٹ بنا کر مشورہ کریں گے اور لڑائی کے وقت تیرے سوا دوسرا فوج کی سپہ سالاری کا استحقاق نہیں رکھے گا (یعنی قیادت) الغرض قصی کے انتقال کے بعد عبدالدار اسکی جگہ برقرار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود قصی سے متعلق تھے سب عبدالدار کے ہاتھ میں آ گئے مگر بعد کو عبدالدار نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی عبد مناف کو ان عہدوں میں اپنا شریک کر لیا" (اعیان الائمہ صفحہ [illegible]) عبد مناف کا اصلی نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی۔ وکان یقال لہ القمر لجمالہ وکانت امہ حبی ولدتہ دفعتہ الی مناف صنم بمکۃ فدینا بذلک فغلب علیہ عبد مناف جناب عبد مناف اس درجہ صاحب حسن و جمال تھے کہ لوگ آپکو قمر (چاند) کہا کرتے جس وقت آپ پیدا ہوئے آپکی والدہ نے آپکو اپنے اعتقاد کے مطابق مکہ معظمہ کے ایک بت مناف کے پاس رکھ دیا تھا اس وجہ سے لوگ آپ کو عبد مناف بھی کہنے لگے سلہ ۵
(تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ [illegible])

علامہ طبری نے مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد بھی یہ لکھا ہے وھو کما قیل لہ
کانت قریش بیضۃ فتفلقت فالمخ خالصۃ لعبد مناف۔ قریش مثل ایک انڈے کے تھے وہ شگافتہ ہوا تو معلوم ہوا کہ مغز خالص عبد مناف ہی کے لئے ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ [illegible])
اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ قصی کی شادی حبی بنت حلیل سے ہوئی تھی۔ اس طرح عبد مناف کی مادر گرامی یہی تھیں

سلہ ۵ اس سے معلوم ہوا کہ آپکے والد قصی نے آپکا نام عبد مناف نہیں رکھا جس سے ثابت کیا جا سکے کہ وہ بھی دوسرے عرب کی طرح بت پرستی کرتے تھے۔ البتہ قصی کی بیوی نے ایسا کیا تھا مگر جب انبیاء کرام کی نسل ہو یہاں تک ایمان و معرفت کے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہونچ سکیں تو جناب قصی کی زوجہ سے اسکی کیوں امید کی جائی۔ لیکن ان کے افعال کا اعتراض جناب قصی پر نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے تو اپنے فرزند کا نام مغیرہ رکھا تھا ماں نے انکو مناف کے پاس رکھا یا اس سبب سے دوسرے لوگوں نے ان کو عبد مناف کہنا شروع کیا تو قصی انکو روک نہیں سکتے تھے دنیا میں کتنے لڑکے ایسے ہیں جنکا نام انکے والد کچھ رکھتے ہیں اور انکی والدہ دوسرا رکھتی ہیں۔ یا دادیہال کے لوگ ایک نام رکھتے ہیں اور نانیہال کے رشتہ دار دوسرا نام تجویز کرتے ہیں اور دونوں ہی نام مشہور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ عرب میں بت پرستی کا رواج تھا اور پکارنے والے بھی زیادہ تر بت پرست ہی تھے اس سبب سے سب نے انکو عبد مناف ہی پکارنا شروع کیا۔ پھر یہ روایت حضرات اہل سنت کے یہاں کی ہے شیعوں کے یہاں کی نہیں۔

وساد عبد مناف فی حیاۃ ابیہ وکان مطاعاً فی قریش عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں سردار ہوگئے اور قریش ہر بات میں آپ کی اطاعت کرتے تھے وذکر الزبیر عن موسیٰ بن عقبہ انّہ وجد کتابا فی حجر فیہ انا المغیرۃ بن قصی آمر بتقوی اللّٰہ وصلۃ الرحم زبیر نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ اُس نے حجر میں ایک نوشتہ پایا جس میں لکھا تھا میں مغیرہ فرزند قصی ہوں، میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللّٰہ سے ڈرتے رہا کریں اور صلہ رحم کرتے رہیں (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۶۶)۔ اس سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں

(۱) عبد مناف خود بھی بت پرستی سے علیحدہ تھے اسی وجہ سے وہ اپنا نام عبد مناف نہیں بلکہ مغیرہ ہی کہتے یعنی باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی اعتقاد کے تھے۔

(۲) عبد مناف اللّٰہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے کسی اور کو نہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ اللّٰہ کے سوا کسی کو معبود سمجھتے تو اس سے بھی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتے۔

(۳) وہ بھی اللّٰہ سے ڈرنے اور اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحم کا حکم اسی طرح دیتے جس طرح انبیاء کرام تاکید فرماتے یا جسکی تعلیم حضرت رسول خدا صلعم نے بعد کو دی۔ ھلک عبد مناف بغزۃ من ارض الشام تاجراً وقد تزوج عاتکہ بنت مرۃ بن ھلال من بنی سلیم فھی سلمیۃ۔ ایضاً عبد مناف نے ملک شام کے ایک مقام غزہ میں انتقال کیا جہاں وہ تجارت کیلئے گئے تھے اور عاتکہ بنت مرہ سلمیہ سے شادی کی (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۵۷)۔

وکان لہ الشوکۃ فی قریش۔ عبد مناف کو قریش میں بڑی شوکت حاصل تھی (سبائک الذہب صفحہ ۶۲) غرض جناب عبد مناف کے فضائل و مناقب بھی اسی طرح بیحد حساب تھے جس طرح آپکے والد جناب قصی اور آپکے فرزند جناب ہاشم کے اور معلوم ہوتا ہے کہ جن جن بزرگوں میں حضرت رسول خدا و جناب امیر علیہ السلام کا نور منتقل ہوتا رہا وہ سب خدا کے برگزیدہ بندے اور مخلوق خدا کے محسن اعظم افراد تھے۔ سب اپنی زندگی کو امور خیر کے جاری کرنے میں وقف کئے رہے اور کسی نے اپنی ذاتی راحت و آسائش کو کبھی ترجیح نہیں دی۔ گویا مثل انبیاء و مرسلین کے ان سب کی روش بھی رہی اور اگرچہ پیغمبر مقرر نہیں کئے گئے مگر سب کام انھیں حضرات کے مثل انجام دیتے رہے۔

اولاد عبد مناف

جب عبد مناف کا انتقال ہوگیا تو انکی اولاد میں اختلاف پیدا ہوا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ اُن میں سے ہاشم نہایت صاحب دولت اور با اثر تھے۔ انھوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دیئے گئے ہیں واپس لے لئے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں۔ عبد الدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبد الدار سے سقایت اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دیدیا جائے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۲۲)

مولوی نذیر احمد صاحب نے عربی تاریخوں کا خلاصہ ذرہ تفصیل سے اس طرح لکھا ہے "جیتے جی تو کسی طرح کا جھگڑا اور فساد اٹھا نہیں، انکے انتقال کے بعد دونوں کی اولاد میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوئی۔ بنو عبد مناف یعنی

ہاشم اور مطلب اور عبدالشمس اور نوفل کہ یہی عبد مناف کے مشہور فرزند تھے سب نے ملکر چاہا کہ اپنے بنی عم یعنی عبدالدار کی اولاد کو بالکل بےدخل کردیں اور ان کے ہاتھوں سے وہ سب عہدے چھین لیں جو ان سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ ان کا منشا باہمی صلح و سازگاری کے ساتھ پورا ہونیوالا نہ تھا اس لئے فریقین جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ عبد مناف عطر سے بھرا ہوا ایک طشت لیکر نکلے اور مسجد الحرام میں پہنچکر کعبہ کے دروازے کے پاس رکھدیا اور ہر چہار طرف پکار دیا کہ جو شخص ہمارا حلیف بننا اور ہمارے ساتھ ہونا چاہے اس عطر کے بھرے ہوئے طشت میں ہاتھ ڈبوئے چنانچہ قریش کے ایک جم غفیر نے عبد مناف کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے طشت میں ہاتھ ڈبو دیئے اور یہ لوگ مطیبون کے لقب سے پکارے گئے۔ گروہ مطیبون کے ساتھ قریش کے پانچ مشہور اور زبردست قبائل نے ہمدردی ظاہر کرکے بہت سا چندہ جمع کیا بنو عبد مناف ایک بنو زہرہ دو بنو اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تین۔ بنو تیم بن مرہ چار بنو الحرث بن فہر پانچ۔ ادھر عبدالدار کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بھی بنی مخزوم اور بنو سہم اور جمح اور بنو عدی بن کعب کو ساتھ لیکر کہ یہی چار قبیلے ان کے حلیف تھے نہایت جوش و خروش کے ساتھ رجزیں اشعار پڑھتے ہوئے نکلے اور ایک جوان اور قوی اونٹ ذبح کرکے اسکا خون طشت میں بھرا اور پھر اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینا چاہے اس خون میں ہاتھ ڈبوئے اور اس میں سے کچھ چاٹ بھی لے۔ چنانچہ بہت لوگوں نے بنو عبدالدار کا ساتھ دینے کی غرض سے ایسا کیا اور یہ لوگ لعقة الدم کہلائے۔ الغرض دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی گئی مگر خیریت یہ ہوئی کہ ابھی فریقین میدان جنگ میں نہ اترے تھے کہ صلح کے گھوڑے دوڑنے لگے اور آخر کار صلح اس بات پر ہو گئی کہ رفادہ اور سقایہ اور قیادت کے تینوں عہدے بنو عبد مناف کے قبضہ میں رہیں اور حجابہ اور لواء کے منصب پر بنو عبدالدار قابض رہیں اور دارالندوہ کی صدارت میں دونوں مشترک رہیں اس فیصلہ پر دونوں فریقین راضی ہو گئے اور ہنسی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے (امہات الامۃ صفحہ ۳۲)

جناب ہاشم

جناب عبد مناف کے بیٹے اور حضرت رسول خدا صلعم نیز جناب امیرؑ کے پردادا تھے آپ وہ بزرگ ہیں کہ عرب کی تاریخ قبل الاسلام میں آپکا اسم گرامی مثل آفتاب روشن ہے اور قیامت تک چمکتا رہے گا۔ آپ کا نام عمرو اور کنیت ابو نضلہ تھی آپکے والد عبد مناف اور والدہ عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں: "عبد مناف کے کئی فرزند تھے مگر سب میں زیادہ ہیبت و تشخیم اور فیاض ہاشم تھے ان کا اصلی نام تو عمرو تھا مگر علو شان کیوجہ سے لوگ انکو عمرو العلا بھی کہتے تھے۔ یہ اور عبد شمس دونوں حقیقی بھائی تھے اور اتفاق سے دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پیدا ہوئے تھے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی پر چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا چنانچہ ہاشم کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اسقدر خون بہا کہ عبد شمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق یہ پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خونریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ بنو ہاشم اور عبد شمس دونوں کی اولاد میں

خونریزی متوارث ہو گئی یہاں تک کہ ۱۳۲ھ ہجری میں بنو العباس جو ہاشم کی اولاد میں سے تھے اور بنی امیہ جو عبد شمس کی اولاد میں تھے دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنو امیہ کی قوت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

ہاشم نے جو فطرتاً فیاض اور سیر چشم تھا اہل موسم کی نگرانی کی خدمت شاہانہ عظمت کے ساتھ ادا کی وہ خود بڑا دولت مند تھا اور قبائل قریش کے بہت سے مالدار اور روساء نے اس کے پاس ایک معقول رقم چندے کی جمع کر دی تھی کہ حاجیوں کی تواضع اور مدارات میں حسب موقع اپنے ہاتھ سے خرچ کرے جس رات ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا ہاشم اس کی صبح کو تمام قبائل قریش کو جمع کرتے اور خود کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دروازے کے سامنے منہ کر کے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت موثر خطبہ دلکش لہجہ میں پڑھتے خطبہ میں عمائد قریش کو مخاطب کر کے نہایت زور دار الفاظ میں کہتے معاشر قریش! تم عرب کے سردار ہو۔ تمہاری وجاہت اور شرافت نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں ڈنکا کی طرح بج رہا ہے اور تمہاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسائے ہو اور اس کے محافظ قرار دیئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایت اور اپنے حق جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمٰعیل میں تمہیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظت و خبر گیری کی خدمت تمہارے ہاتھ میں دے کر تمہیں خصوصیت کا تمغہ عنایت کیا ہے۔ جو لوگ خدا کے اس مقدس پاک گھر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو پس خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم و توقیر کرو اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دو۔ میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اس قدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام چل جاتے تو میں تمہیں ایک درم کی بھی تکلیف نہیں دیتا اور یہ ذریعہ اپنی ساری دولت خدا کے مہمانوں میں خرچ کر ڈالتا۔ میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندے میں دیتا ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہے اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہے۔ تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دلی سے نہیں بلکہ خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے لیکن ساتھ ہی میں تمہیں اس مقدس معبد کی حرمت و عظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانۂ خدا کے زائروں کی مہمانی اور ان کی خاطر و مدارات کے لیے نکالا جائے بالکل پاک اور بے لوث ہو۔ غرض کہ جب ہاشم اس طرح کا خطبہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو سامعین دولت جمع کرنے میں انتہائی کوشش کرتے اور بہت سا مال اکٹھا کر کے دارالندوہ میں لا ڈالتے۔ خلاصہ یہ کہ ہاشم نے بڑی دریادلی اور فیاضی کے ساتھ حجاج کی خدمت کی اور بے اندازہ بہت سا مال خرچ کر کے مکہ میں ایک عمدہ نظیر قائم کی اور ساتھ ہی قبائل قریش نے بھی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کو اس سے مدد دی۔ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے اپنی گنجائش کے موافق چندہ دیا اور حجاج کی ایک کثیر جماعت کو کھانے اور پانی کی طرف سے مطمئن کر دیا۔ جب تک اہل موسم کا ہجوم رہتا کھانا پانی نہایت سیر چشمی کے ساتھ برابر تقسیم ہوتا رہتا۔ اس انتظام کی اماموری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی۔ مگر جس وجہ سے ہاشم کا نام بہت زیادہ مشہور ہوا وہ ان کی اعلیٰ درجہ کی فیاضی تھی جس سے اہل مکہ کو ہمیشہ سخت ضرورت رہتی تھی

تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب میں کال پڑا اور قریش بھوکوں مرنے لگے۔ ہاشم سے اُن کی یہ تکلیف دیکھی نہیں گئی۔ اپنی ذاتی بہت سی دولت لے کر ملک شام گیا اور وہاں سے آٹے اور روٹیوں کا ذخیرہ خرید کر اونٹوں پر لاد لایا۔ یہاں آکر بہت سے اونٹ ذبح کئے گئے اور کئی دیگیں پکائیں اور روٹیوں کو توڑ کر سالن میں بھگو اور ثرید بنا لوگوں کو یہاں تک کھلایا کہ وہ خوب سیر ہو گئے اُس وقت سے لوگ اُس کو ہاشم کہنے لگے۔ کیونکہ ہشم کے لغوی معنی توڑنے کے ہیں۔ ہاشم نے سالن میں روٹی بھگوئی اور اُسے ثرید بنایا تھا اس سبب سے ہاشم کے نام سے مشہور ہوا۔

ہاشم کو فیاضی اور سیر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت و وقار بہت کچھ حاصل تھا۔ اور قدرت نے اُس کی جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودیعت رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور خود احبار اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین۔ اور حسین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو۔ بذلہ سنج۔ اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اس کی شادی کر دوں۔ کیونکہ میں نے تمہارے مکارم اخلاق اور جود و سخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اور روم کے بادشاہ کے پیغام کی مطلق پروا نہیں کی۔ خزرجیوں میں کا ایک مشہور قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینہ) میں بستا تھا۔ ہاشم نے اس قبیلہ کی ایک شریف اور نجیب الطرفین عورت سے شادی کی اور اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانہ حیات لبریز ہو کر چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بیٹے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سدھار گیا۔ (امہات الامہ صفحہ ۲) [1]

جناب ہاشم کے مفصل حالات کے لئے ایک مخصوص کتاب کی ضرورت ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:

"ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت فراخی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چمڑے کے حوضوں میں پانی بھر کر زمزم اور منیٰ کے پاس رکھ دیتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگورہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجار قریش انگورہ میں جاتے تھے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ جس کے صلہ میں کاروان قریش اُن قبائل میں اُن کی ضرورت کی چیزیں

[1] ناظرین اس کا خیال رکھیں کہ امہات الامہ اردو کی کتاب ہے یہ حالات عربی تاریخوں سے خوب چھان بین کر کے مختصر حقیقت سے ترجمہ کر دیئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم نے بھی اس کتاب کی عبارتوں کا نقل کر دینا مناسب سمجھا۔ ع

خود لے کر جائیگا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۲۲) جناب ہاشم کا روٹیاں توڑنا اور شوربے میں بھگو کر لوگوں کو کھلانا اس درجہ عظمت اور حیرت سے دیکھا گیا کہ لوگوں نے قصیدوں میں آپکی اس سخاوت کا ذکر کیا۔ مثلاً مطرود بن کعب یا ابن الزبعری نے کہا ہے ؎

عمرو الذی هشم الثرید لقومه ٭ ورجال مكة مسنتون عجاف

عمرو العلا ہی وہ نامور ہے جس نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں چور کر کے اس وقت کھلائیں جب مکہ والے قحط سے نحیف و نزار ہو گئے تھے

یا ایها الرجل المحول رحله ٭ الا نزلت بآل عبد مناف

اے وہ شخص جو اپنی جائے قیام کو پھیر رہا ہے تو آل عبد مناف کے پاس کیوں نہیں اترا کہ وہاں تیری پوری مہمانداری کی جاتی۔ ا۔ر وہب نے جناب ہاشم کے اس کارنامے کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں ؎

تحمل هاشم ما ضاق عنه ٭ واعیا ان یقوم به ابن بیض

اتاهم بالغرائر متاقات ٭ من ارض الشام بالبر النفیض

فاوسع اهل مكة من هشیم ٭ وشاب الخبز باللحم الغریض

فظل القوم بین مكللات ٭ من الشیزی وحائرها یفیض

ہاشم نے اس بھاری بوجھ کو اٹھا لیا جس کے برداشت کرنے سے بڑے حوصلہ والا ابن بیض بھی تنگ آ گیا اور نہایت عاجز ہو رہا تھا۔ جناب ہاشم ان لوگوں کے لیے زمین شام سے صاف کئے ہوئے گیہوں کی بڑی بڑی گونیں بھر کر اپنے ساتھ لائے۔ (کیونکہ مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے سب لوگ نہایت درجہ پریشان اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے) پس انھوں نے روٹی چور کر کے تمام مکہ والوں میں تقسیم کر دی اور عمدہ تازہ گوشت میں روٹی ملا دی جس کی وجہ سے مکہ کے کل رہنے والے اپنے خوش حال ہو گئے کہ ہر شخص کو بڑے بڑے برتنوں میں بھر بھر کر غلے اور کھانے مل گئے اور پریشان و سرگشتہ لوگ بہت بہت پا گئے (یعنی ہر شخص کو اس کثرت سے دیا کہ سب فارغ البال ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳)

جناب ہاشم کی اس سخاوت و جود اور ایثار و کرم کی مدح دوسرے شعرائے عصر نے بھی کی مگر خاندان بنی اُمیہ کا بزرگ امیہ بن عبد الشمس جو جناب ہاشم کا بھتیجا تھا۔ آپ کے ان فضائل پر جلنے لگا حد و جگرا الداری تھا اس سبب سے جناب ہاشم کے مکارم کا مقابلہ اور ایسے کام کرنے کی کوشش کی جن سے خود بھی اسی عزت و عظمت پر پہونچ سکے مگر جب جناب ہاشم کی طرح ضیافت و مدارات قوم میں خرچ نہیں کر سکا اور خدمت اہل وطن میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی تو قریش کے لوگوں نے اس پر تالیاں بجائیں مشہور ہے کہ نقصان اپنے شماتت ہمسایہ اپنی قوم کے چڑانے اور مضحکہ کرنے سے امیہ غیظ و غضب میں بھرت ہو کر جناب ہاشم کو بہت کچھ برا کہنے لگا۔ پھر ان کو

مقابلہ کا چیلنج دیا کہ آئیے ہم آپ اپنا اپنا فخر بیان کر کے دوسروں سے دریافت کریں کہ ہم دونوں میں کون بڑھا ہوا ہے مگر جناب ہاشم نے اس کے مقابلہ پر جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اس کے اس پیغام کو حقارت سے ٹھکرا دیا کیونکہ آپ رشتہ میں اس کے چچا، عمر میں اس سے کہیں بڑے اور عزت و قدر و جاہ و عظمت میں اس سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن دوسر دنگو لڑانے میں پورا مزہ ملتا ہے۔ قریش نے اصرار کیا کہ کیا مضائقہ ہے آپ اس کے مقابلہ میں اپنے کارنامے ذکر کریں اور وہ اپنی خوبیاں بیان کرے۔ جناب ہاشم نے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور فرمایا اچھا میں اس شرط پر منافرت پسند کرتا ہوں کہ جس شخص کی تفضیلت کا فیصلہ ہو جائے اس کو دوسرا شخص سیاہ آنکھوں کی پچاس اونٹنیاں بھی دے اور مکہ معظمہ سے دس سال کے لیئے جلا وطن بھی ہو جائے۔ امیہ اس شرط پر راضی ہو گیا تو دونوں نے کاہن خزاعی کو حکم (منصف) قرار دیا جو عسفان میں رہتا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ اس کے ہاں گئے اور واقعہ بیان کر دیا۔ کاہن نے دونوں طرف کے بیانات سننے کے بعد کہا والقمر الباهر والكوكب الزاهر والغمام الماطر وما بالجو من طائر وما اهتدى بعلم مسافر من منجد وغائر لقد سبق هاشم امية الى المآثر اول منه وآخر وابو همهمة بذلك خابر۔ روشن چاند چمکتے تارے برسنے والے ابر، فضا میں رہنے والے پرندوں کی قسم اور جب تک کسی نشانی سے بلندی و پستی کے جانے والے مسافر ہدایت پاتے رہیں اس کی قسم کھا کر میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر خوبی، ہر فضیلت، ہر عزت، ہر شرف، ہر فخر اور ہر امر میں ہاشم کا درجہ امیہ اور اس کے اول و آخر سب سے اعلیٰ بلند اور امیہ ان سے بہت پست ہے۔ امیہ کا مسمراہ ابو ہمہمہ بن عبد العزیٰ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ غرض اس کاہن نے ہر طرح جناب ہاشم ہی کے حق میں فیصلہ دے دیا جس پر امیہ کو پچاس اونٹنیاں دے دینی پڑیں اور دس سال کے لیئے جلا وطن ہو کر ملک شام میں رہنا پڑا۔ جناب ہاشم نے ان اونٹنیوں کو لے کر اور فوراً ذبح کر کے مکہ والوں کو کھلا دیا۔ اس وقت سے خاندان بنی ہاشم اور خاندان بنی امیہ میں کھلی عداوت قائم ہو گئی۔ وكان يقال لهاشم والمطلب البدران لجمالهما جناب ہاشم اور ان کے بھائی مطلب ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ آپ دونوں کو دو چاند کہا کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ ص)

جناب ہاشم کے حالات میں یہ واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے معززین بلکہ بادشاہ تک اپنی لڑکیوں کا پیغام بھیجا کرتے۔ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں:۔

وكان هاشم افخر قومه واعلاهم وكانت مائدته منصوبة لا ترفع في السراء والضراء وكان يحمل ابن السبيل ويؤوي الخائف وكان نور رسول الله في وجهه يتوقد شعاعه ويتلألأ ضياؤه ولا يراه حبر من الاحبار الا قبل يده ولا يمر بشيء الا سجد اليه. تفد اليه قبائل العرب ووفود الاحبار يحملون بناتهم يعرضون عليه ان يتزوج بهن حتى بعث اليه هرقل ملك الروم وقال ان لي بنتا لم تلد النساء اجمل منها ولا ابهى وجها فاقدم الي حتى ازوجكها فقد بلغني جودك وكرمك۔

وانما ارید بذلک نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وموصوف عندھم فی الانجیل وکان ھاشم یاتی وکان ینطلق الی جبل بثیر یسأل اللہ السماء ثم یرجع ..... فلم یزل ھاشم کذلک حتی اری فی منامہ ان تزوج سلمی بنت عمرو ..... کانت فی زمانھا کخدیجۃ فی زمانھا عقل وحلم

اپنی قوم میں جناب ہاشم سب سے زیادہ فخر کے مستحق اور سب سے زیادہ عزت و شرف کے مالک تھے۔ ان کا دستر خوان ہمیشہ پھیلا رہتا تھا خواہ خوشحالی کا زمانہ ہو یا تنگی کا کسی زمانہ میں اٹھایا نہیں جاتا تھا۔ وہ مسافروں کی مدد کرتے اور خوف زدہ کو پناہ دیتے رہتے اور حضرت رسول خدا کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا رہتا اور اس کی روشنی کی چھوٹ ہر طرف پھیلتی رہتی تھی اور جو یہودی یا عیسائی عالم یا پیشوا آپ کو دیکھتا آپ کے دونوں ہاتھوں کو چومنے لگتا اور جس چیز کی طرف سے آپ گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرنے لگتی۔ قبائل عرب اور یہودی و عیسائی پیشواؤں کے وفود (ڈیپوٹیشن) آپ کے پاس اپنی لڑکیاں لاتے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہتے کہ ان سے آپ شادی کر لیں، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنت روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی اپنی لڑکی کا پیغام آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا میری ایک بیٹی ہے جو ایسی خوبصورت ہے کہ اس کا جواب دنیا میں نہیں مل سکتا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے پاس چلے آئیں کہ آپ ہی سے میں اس کی شادی کر دوں۔ کیونکہ آپ کے جود و کرم کے حالات مجھے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ہرقل کا مقصد اس سے یہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم کا نور اپنی بیٹی کے لیے حاصل کرے۔ کیونکہ انجیل میں اس کی نشانی مذکور تھی۔ مگر جناب ہاشم ان سب لوگوں کا پیغام نامنظور کرتے رہے ان کا معمول تھا کہ بثیر پہاڑ پر چلے جاتے اور خداوند عالم سے دعا کر کے واپس آتے ..... غرض وہ ہمیشہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیبی کہتا ہے تم سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کرو ..... سلمیٰ ویسی ہی معزز تھیں جیسی اپنے زمانہ میں جناب خدیجہ ہوئی ہیں بڑی عقل و حلم والی بی بی تھیں۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱)

دوسری روایت یہ ہے کہ جناب ہاشم تجارت کرنے شام گئے تھے راستہ میں مدینہ پہونچے تو سلمیٰ بنت عمرو کے والد کو پیغام دیا۔ انھوں نے سلمیٰ کی شادی آپ سے کر دی اور یہ شرط کی کہ ولادت کے وقت سلمیٰ اپنے میکے میں چلی آیا کریں گی۔ نکاح کے بعد بغیر بیوی سے ملے ہوئے جناب ہاشم شام چلے گئے اور جب وہاں سے تجارت کا کام انجام دیکر واپس آنے لگے تو پھر مدینہ میں ٹھہرے اب بیوی سے ملے اور ان کو بھی اپنے ساتھ مکہ میں لائے۔ جب سلمیٰ حاملہ ہوئیں اور وضع حمل کا زمانہ قریب ہوا تو جناب ہاشم نے ان کو مدینہ پہونچا دیا اور خود پھر تجارت کے لیے شام کی طرف چلے گئے (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱)

سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب ہاشم کس عزت و عظمت پر فائز تھے جن سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کے لیے ہرقل بادشاہ روم نے بلایا اور آپ نے اس نسبت سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ تک اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی شادی ان سے زیادہ خوش حال اور مالدار گھر میں ہو۔

جناب ہاشم کا یہ کارنامہ بھی زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اہل مکہ کو خصوصاً اور عرب کو عموماً فارغ البال بنانے اور ترقی کی راہ پر لگانے کے لیے تجارت کی طرف متوجہ کیا اور یہ اصول مقرر کیا کہ سال میں دو مرتبہ قریش کے قافلے تجارت کی غرض سے باہر جایا کریں۔ جاڑے کے موسم میں یمن اور حبشہ تک اور گرمی میں ملک شام کی طرف۔ یہ ایسا مقبول اور قابل فخر کارنامہ تھا کہ آپ کے اس احسان کا ذکر خدا نے بھی کلام مجید میں کیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لایلاف قریش۔ ایلافہم رحلۃ الشتاء والصیف۔ چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگا دی ہے (پارہ ۳۰ ع ۲۳) جناب ہاشم کا یہ احسان تنظیم عرب کی صرف ترقی ہی کا باعث نہیں ہوا بلکہ انہوں نے ان کو گویا زندہ کر دیا۔ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے:۔

وکانت قریش فی الجاهلیة تحتفد وکان احتفادهم ان اهل بیت منهم کانوا اذا سافت یعنی هلکت اموالهم خرجوا الی براز من الارض فضربوا علی انفسهم الاخبیة ثم تنادبوا فیها حتی یموتوا من قبل ان یعلم بخلتهم حتی نشأ هاشم بن عبد مناف فلما نبل وعظم قدره فی قومه قال یا معشر قریش ان العز مع الکثرة وقد اصبحتم اکثر العرب اموالا واعزهم نفرا وان هذا الاحتفاد قد اتی علی کثیر منکم وقد رأیت رأیا۔ قالوا رأیک راشد فمرنا نأتمر۔ قال رأیت ان اخلط فقراءکم باغنیائکم فاعمد الی رجل غنی فاضم الیه فقیرا عیاله بعدد عیاله فیکون یوازره فی الرحلتین رحلة الصیف الی الشام ورحلة الشتاء الی الیمن فما کان فی مال الغنی من فضل عاش الفقیر وعیاله فی ظله وکان ذلک قطعا للاحتفاد۔ قالوا نعم ما رأیت فالف بین الناس۔

قریش کا دستور تھا کہ زمانہ جاہلیت میں احتفاد کرتے تھے۔ اور ان کا احتفاد یہ تھا کہ جب کسی خاندان کے لوگوں کا مال و متاع ختم ہو جاتا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ رہتا تو وہ گھر بار چھوڑ کر اپنی بستی سے باہر میدان میں چلے جاتے اور اپنے اوپر خیمے ڈال کر اس کے اندر پڑ جاتے تھے۔ اس کام کو وہ باری باری کرتے رہتے یہاں تک کہ اسی کے اندر مر کر سب ختم ہو جاتے اور دوسرے لوگوں کو ان کی پریشانی اور تنگ حالی کی خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ یہی طریقہ ان میں رائج رہا یہاں تک کہ ہاشم بن عبد مناف ہوش گوش والے ہوئے۔ جب ان کی قوم یعنی قبیلہ قریش میں انکی بزرگی اور شرافت مسلم ہو گئی اور ان کی قدر عظیم الشان ہو گئی تو انہوں نے ان لوگوں میں کہہ دیا۔ معشر قریش خوب سمجھ رکھو کہ وہی لوگ دوسروں پر غالب رہ سکتے ہیں جنکی تعداد زیادہ ہو گی۔ تم لوگ مال کے اعتبار سے عرب میں سب سے زیادہ اور تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑھے ہوئے ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ احتفاد کی مصیبت تم لوگوں کو ختم کیے دیتی ہے۔ اس پر میں نے غور و فکر کر کے ایک تدبیر سوچی ہے۔ لوگوں نے کہا آپ کی

ملک یقیناً بہتر اور ہم سب کی بھلائی ہی کی ہوگی۔ آپ نے جو تدبیر سوچی ہے بے تکلف اسکو ظاہر فرمائیں کہ ہم سب اس پر عمل کریں۔ تب آپ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگوں میں جو فقیر اور نادار ہیں اُن کو مالدار اور خوشحال لوگوں سے ملا دوں۔ اسطرح کہ ایک مالدار کو راضی کرکے اُس کے ساتھ ایک فقیر کو کر دوں جس کے عیال اسی قدر ہوں جسقدر اس مالدار کے ہوں اور یہ فقیر اُس مالدار کی مدد ان تجارتی سفروں میں کرے جو وہ گرمی میں شام کی طرف اور جاڑے میں یمن کی طرف کرتے رہیں۔ اسطرح مالدار کے مال میں جو زیادتی ہوگی اُس سے وہ فقیر اور اس کے عیال بھی اس مالدار کے سایہ میں بسر کر لیا کریں گے۔ اور یہی عمل تم لوگوں کے اقتصادی مصیبت کا خاتمہ کر دے گا۔ جناب ہاشم کی یہ تقریر سنکر سب نے کہا واہ واہ آپ نے کیسی اچھی تدبیر سوچی۔ اسطرح جناب ہاشم نے ان قریش والوں میں ایک کو دوسرے کا دوست اور ساتھی بنا دیا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ [illegible])

نیز علامہ فخر الدین رازی نے اس سورۂ ایلاف کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ان قریش اذا اصاب واحدا منهم مخمصة خرج هو وعياله الى موضع وضربوا على انفسهم خباء حتى يموتوا۔ الى ان جاء هاشم بن عبد مناف وكان سيد قومه وكان له ابن يقال له اسد وكان له ترب من بني مخزوم يحبه ويلعب معه فشكا اليه الضر والمجاعة۔ فدخل اسد على امه يبكي فارسلت الى اولئك بدقيق وشحم فعاشوا فيه اياما ثم اتى ترب اسد اليه مرة اخرى وشكا اليه من الجوع فقام هاشم خطيبا في قريش فقال انكم اجدبتم جدبا تقلون فيه وتذلون وانتم اهل حرم الله واشرف ولد آدم والناس لكم تبع۔ قالوا نحن تبع لك فليس عليك منا خلاف فجمع كل بني اب على الرحلتين في الشتاء الى اليمن وفي الصيف الى الشام للتجارات فما ربح الغني قسمه بينه وبين الفقير حتى كان فقيرهم كغنيهم فجاء الاسلام وهم على ذلك فلم يكن في العرب بنو اب اكثر مالا ولا اعز من قريش قال الشاعر فيهم ؎

والخالطين فقيرهم بغنيهم حتى يكون فقيرهم كالكافي

قریش کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کا کوئی شخص فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو وہ مع اپنے عیال کے کسی جگہ چلا جاتا اور وہ سب لوگ اپنے اوپر خیمہ گرا دیتے یہاں تک کہ اسی میں مر جاتے۔ ان لوگوں کی اس مصیبت کا اس وقت خاتمہ ہوا جب ان میں جناب ہاشم بن عبد مناف پیدا ہوئے۔ وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کے سردار بنا دیے گئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام اسد تھا۔ یہ اسد جب بچے تھے تو ان کا ایک ساتھی جو قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا اُن سے دوستی تھی اور اُس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس آیا اور شکایت کی کہ بھوک سے میری بُری حالت ہے۔ بڑی تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہے۔ اسد پر اس

خبر کا ایسا اثر ہوا کہ وہ خود روتے ہوئے اپنی ماں پاس پہونچے اور یہ حالت بیان کی۔ جناب ہاشم کی زوجہ محترمہ نے فوراً کافی مقدار میں آٹا اور پنیر اس لڑکے کے گھر بھیج دی جس سے کئی دن تک وہ سب آرام سے بسر کرتے رہے۔ جب یہ ذخیرہ ختم ہو گیا تو پھر اس لڑکے نے اسد سے اپنی مصیبت بیان کی (ماں نے پھر وہاں غلہ وغیرہ بھیج دیا اور) جناب ہاشم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کر کے آپ نے ایک تقریر کی جس میں فرمایا تم لوگ قحط اور تنگ حالی کی اس مصیبت میں گرفتار ہو جس سے ختم کیا ہوتے جاتے ہو اور ذلیل بھی ہو رہے ہو حالانکہ تم سب حرم خدا و خانہ کعبہ کے رہنے والے اور تمام بنی آدم سے اشرف ہو۔ باقی سب لوگ تمہارے ہی تابع ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اور ہم لوگ آپ کے تابع ہیں۔ جو کہیئے کریں گے اور کسی بات میں آپ ہم کو اپنے خلاف نہیں پائیں گا تب جناب ہاشم کو موقع ملا اور انھوں نے ہر خاندان والے کو آمادہ کیا کہ ہر سال دو مرتبہ باہر تجارتی سفر کیا کریں۔ جاڑے میں یمن کی طرف اور گرمی میں شام کی طرف تجارت کا قافلہ لے جائیں اور مالدار کو جو نفع ہو اس کو اپنے اور اپنے نادار رشتہ داروں میں برابر تقسیم کر دیا کرے تاکہ ان کا فقیر بھی اسی قدر مالدار ہو جایا کرے جتنا وہ دولتمند ہے۔ سب نے یہ بات مان لی اور اسی عادت پر یہ لوگ قائم رہے۔ یہاں تک کہ اسلام آیا۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں قریش سے زیادہ مالدار اور معزز دوسرا کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ اسی بارے میں شاعر نے یہ شعر کہا ہے کہ یہ لوگ ایسے حوصلہ والے ہیں کہ اپنے فقیروں کو اپنے مالداروں سے ملا دیتے ہیں جس سے ان کا فقیر بھی مثل خوش حال کے ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۶۹۲)

مورخین و محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان قافلوں کی ایجاد جناب ہاشم ہی نے کی۔ آپ سے پہلے یہ کسی کو یہ شرف نہیں ملا۔ علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے۔

وكان هاشم فيما يزعمون اول من سن الرحلتين لقريش رحلة الشتاء والصيف واول من اطعم الثريد للحجاج۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جناب ہاشم ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قریش میں تجارتی قافلوں کی ایجاد کی۔ ایک قافلہ جاڑے میں روانہ کرتے اور ایک گرمی میں۔ اور وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے حاجیوں کو ثرید کھلائی۔ (روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۴)

غالباً آپ کے انھیں مکارم و مفاخر کی وجہ سے لوگوں نے آپ کا لقب ابو البطحا (مکہ کا باپ) و سید البطحا (مکہ کے سردار) رکھ دیا تھا آپ کی شان میں یہ اشعار بھی کہے گئے ؎

عمرو العلا ذو الندى من لا يسابقه   مر السحاب ولا ريح تجاريه
جفانه كالجوابي للوفود اذا   لبوا بمكة ناداهم مناديه
او علوا تخيبوا اضيافا وقد محلت   قوتا لها ضرة منهم و باديه

عمرو العلا (بلند مرتبہ ہاشم) ایسی سخاوت اور کرم کے بزرگ ہیں جن کا مقابلہ آتا ہوا ابر اور چلتی ہوئی ہوا بھی

نہیں کر سکتی۔ ان کے کوٹے مثل بڑے حوضوں کے ہیں کہ جب باہر کے لوگ کہیں ملک پیاسے گھبرائے ہوئے پہنچتے ہیں تو ہاشم کی طرف سے ایک منادی اُن کو آواز دیکر اُن کے پاس بلاتا اور سیر و سیراب کرتا ہے۔ یا جب لوگوں میں قحط اور فقر و فاقہ کی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لوگ انھیں بڑے بڑے پیالوں سے بھر دیئے جاتے ہیں جن میں اُن کے لیے بھی کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا ہے اور اُن کے غائب (عزہ) کے لیے بھی دے دیا جاتا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۸)

آپ کے متعلق جو اشعار کہے گئے وہ اس طرح پھیلے اور آپ کے فضائل و مکارم کی شہرت بعد میں بھی اس درجہ ہوتی رہی کہ کافی زمانہ گذر جانے پر بعض حاسدین ان شعروں کو بدل کر اپنے ممدوحین کی شان میں لکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم بنو شیبہ کے دروازے کے پاس سے گزرے تو کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا ؎

یا ایہا الرجل المحول رحلہ   الا نزلت بآل عبد الدار
ہبلتک امک لو نزلت برحلہم   منعوک عن عدم و من اقتار

اے وہ شخص جو اپنی پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدل رہا ہے تو آل عبد الدار میں کیوں نہیں اُترا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان لوگوں میں اُترتا تو وہ لوگ تجھے ناداری اور فقیری سے بچا لیتے۔

یہ سن کر حضرت رسول خدا صلعم حضرت ابو بکر کی طرف (جو اتفاق سے اُس وقت آپ کے ساتھ ہو گئے تھے) متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں جی؟ کیا شاعر نے اسی طرح کہا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا نہیں خدا کی قسم اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا تھا ؎

یا ایہا الرجل المحول رحلہ   الا نزلت بآل عبد مناف
ہبلتک امک لو نزلت برحلہم   منعوک من عدم و من اقراف
الخالطین غنیہم بفقیرہم   حتی یعود فقیرہم کالکافی

اے وہ شخص جو ناداری اور پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدلتا اور دوسری جگہ جانا چاہتا ہے تو آل عبد مناف (جناب ہاشم) کی منزل میں کیوں نہیں اُتر جاتا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو انکی منزل میں اُتر جاتا تو وہ لوگ تجھے فقیری اور برائی سے بچا لیتے۔ کیونکہ وہ ایسے کریم ہیں جو اپنے فقیروں کو اپنے اغنیا میں ملا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر بھی ان سے ملکر کافی خوش حال ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر حضرت رسول خدا صلعم نے تبسم کیا اور فرمایا ھٰکذا سمعت الرواۃ ینشدونہ۔ میں نے بھی اشعار ذکر کرنے والوں سے اسی طرح سُنا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۸) ؎۱

اگر ان سے جو کچھ کوشش کی صرف اسکی کہ جناب ہاشم کی شان کے اشعار دوسروں کے لئے سمجھے جائیں مگر آج تک

؎۱ غرض حضرت رسول خدا صلعم کے بزرگوں کے فضائل کو بھی دوسروں کی طرف منسوب کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔

کہ جناب ممدوح کو دنیا سے اٹھے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے کسی کو سوائے خاندان بنی ہاشم ہی کے یہ ہمت نہ ہو سکی کہ ویسے کارنامے دکھاتا خصوصاً جناب ممدوح کا قریش کو اعتقادی مصیبت سے نجات دینا تو وہ عظیم الشان احسان ہے کہ اس وقت دنیا باوجود اس درجہ ترقی یافتہ ہو جانے کے اور اس اصول کی خوبی سمجھنے کے نفاذ لیا کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔

ان دنوں دنیا میں سوشلزم یعنی اشتراکیت کا بہت شور و غل ہے اور ہر تعلیم یافتہ آزاد خیال اس کو پسند کرتا اور اسکی ترویج پر زور دیتا ہے مگر ابھی صرف زبانی تحسین ہی تک یہ اصول محدود نظر آتا ہے بہت کم ہونگے جو عملاً اسکی نظیر قائم کرتے ہوں۔ سوشلزم اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک طرف تو ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی جائداد رکھتے ہیں اور جن کے قبضہ میں ان کی حاجت سے بہت زیادہ مال و دولت ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسے افراد بھی بہت زیادہ ہیں جن کے پاس اتنا بھی نہیں جس سے شکم سیر ہو سکیں۔ ستر ڈھک سکیں۔ ٹوٹے ہوئے مکان میں رہ سکیں۔ معمولی چارپائی تخت تک کا انتظام کر سکیں۔ اس لیے انسانی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور عقل و انصاف کی رو سے وہ کروڑوں روپیے جو ارباب ثروت کے پاس بیکار یا انکی حاجت سے فاضل پڑے ہوئے ہیں فقراء و مساکین و قلیل البضاعت انسانوں پر تقسیم کر دیے جائیں تاکہ دونوں گروہ باآسانی زندگی بسر کر سکیں۔ اور اس کی معقول وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دنیا کی ہر نوع اور ہر قسم کی آمدنی کی اصل مزدور اور اہل سرمایہ ہیں دونوں آمدنی کے پیدا کرنے میں برابر کے شریک ہیں اسلئے انصاف یہ ہے کہ ہر قسم کی آمدنی دو مساوی حصوں میں بانٹ دی جائے۔ ایک حصہ مزدوروں کو دیا جائے اور دوسرا حصہ اہل سرمایہ لیں لیکن تمام دنیا میں اہل سرمایہ اور کارخانہ دار تمام منافع کے اصلی مالک بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو اتنا حق اس قدر کم دیا جاتا ہے کہ وہ مشکل سے اوقات بسری کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مزدوروں کی اعانت کی جائے۔

ان بیانات بالا کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعداد مزدوروں اور کم حیثیت افراد کی امداد کی جائے۔ یہی خیال سوشلزم یا اشتراکیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس خیال کی کامیابی کے لیے لوگوں کو بہت کچھ مراتب طے کرنے پڑتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ نظام زندگی بالکل بدل دیا جائے۔ ہر قسم کی جائدادیں اور ملکیتیں اہل سرمایہ اور ارباب ثروت کی شخصی ملکیت و تصرف سے لیکر عام کر دی جائیں۔ تمام کاشتکاریاں۔ جائدادیں۔ اور کارخانے جمہور کی ملکیت ہوں ہر قسم کا منافع ایک جگہ جمع ہو اور وہ تمام اہل ملک پر مساوی طور سے گورنمنٹ کی نگرانی میں تقسیم ہو۔ ہر شخص کے امتیازات شخصی مٹا دیئے جائیں۔ ذاتی اعزاز و تفوق کی کوئی مثال باقی نہ رہے۔ بادشاہ اور رعایا۔ آقا اور غلام۔ حاکم اور محکوم۔ امیر اور فقیر۔ معزز اور ذلیل۔ غرض ہر قسم کے تفاوت مراتب کو صفحۂ عالم سے محو کر دیا جائے اور تمام عالم کی ہر چیز میں مساوات عامہ ہو۔ چونکہ اس خیال کی اشاعت زمانۂ حال میں ہوئی اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ اشتراکیت انیسویں صدی کی پیداوار ہے لیکن اگر انصاف سے آنکھیں بند نہ کی جائیں تو ماننا پڑے گا کہ اس اصول کو جناب ہاشم نے قائم کیا اور لوگوں کو اس کا عامل بھی بنا دیا۔

جناب ہاشم کا فرض روایان تمام دروم وشیوخ غسان سے مل کر معاہدے کرنا کہ تجارت کے لیے آزادانہ طریق ایک دوسرے کے حدود میں سے باامن وامان گزرا کریں اور اسی طرح عبد شمس و نوفل و مطلب کی معرفت حبشہ و یمن اور ایران کی حکومتوں سے بھی معاہدے کرنا جس سے قریش آزادی سے ان ملکوں میں آنے جانے لگے آپ کی وہ عظیم الشان خدمت ہے جس پر دنیا انگشت بدنداں ہے۔ جناب ہاشم نے بحالت سفر ملک شام کے ایک مقام میں تقریباً ۲۰ء میں انتقال کیا۔ اور آپ کے ساتھیوں نے وہیں آپ کو دفن کر دیا۔ علامہ سید احمد بن علی لکھتے ہیں۔ وکان هاشم يدعى القمر ويسمى زاد الركب۔ ہاشم کو لوگ قمر (چاند) کے نام سے پکارتے اور وہ زاد الرکب (قافلوں کے توشہ) بھی کہے جاتے تھے۔ (عمدۃ الطالب)

نہایت حیرت خیز امر تو یہ ہے کہ جناب ہاشم کی عمر صرف ۲۰ یا زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال کی تھی کیونکہ کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ اس سے زیادہ دنوں تک دنیا میں رہے ہوں۔ اور سب جانتے ہیں کہ بچپن سے کر ۲۰۔۲۵ سال کی عمر تک ہر شخص کھیل کود۔ اور لہو و لعب اور لا پرواہی و بے فکری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ زمانہ زیادہ تر جوانی کی لذتیں اٹھانے میں گزرتا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب نہ اسکول تھا نہ کالج نہ باقاعدہ تعلیم کا کوئی رواج۔ مگر جناب ہاشم نے اس زمانہ اور ایسی جوانی کی مختصر زندگی میں رفاہ عام کے وہ کام انجام دیئے جو اس زمانہ میں بھی بڑی عمر والوں اور نہایت تعلیم یافتہ حضرات سے نظر نہیں آسکتے۔ اگر ساری کتب سیرت و تاریخ میں یہ واقعات نہ ہوتے اور کوئی شخص بیان کرتا کہ چودہ پندرہ سو سال قبل ایک شخص ایسا گزرا ہے جس نے صرف ۲۰۔۲۵ سال کی عمر میں بنی نوع انسان کی ایسی خدمتیں کیں۔ انکی ترقی کی فلاں فلاں تدبیریں کیں۔ انکے فلاح و اقبال کی فلاں فلاں راہیں ایجاد کیں تو کسی کی عقل قبول نہ کرتی مگر یہ واقعات ایسے ہی یقینی ہیں جیسے آج کل کے بڑے بڑے مدبرین کے علمی عملی کارنامے

فضائل بنی ہاشم

جناب قصی و عبد مناف و ہاشم کے حالات تم نے اچھی طرح پڑھے جن سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ ان کو نوع انسان کی خدمت کا کس درجہ شوق تھا اور اہل وطن کی ترقی کی کیسی فکر رہتی تھی۔ اس وجہ سے خداوند عالم نے ان حضرات کو دوسروں پر غیر معمولی فضیلت مرحمت فرمائی۔ حضرت رسول خدا فرماتے تھے۔ قال لی جبریل قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد و قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم۔ مجھ سے جبرئیل بیان کرتے تھے کہ میں نے دنیا کے مشرق اور مغرب کو الٹ پلٹ کر دیکھا مگر آپ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا۔ اور دنیا کے پورب پچھم کو چھان ڈالا لیکن بنی ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۵)

(۲) ان الله عزوجل اصطفى كنانة من ولد اسمعيل و اصطفى قريشا من كنانة و اصطفى من قريش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم

خدا نے قبیلہ کنانہ کو اولاد اسمٰعیل میں ممتاز کر دیا۔ اور قبیلہ کنانہ سے قریش کو ترجیح دی اور قریش سے بنی ہاشم کو

چن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کر دیا۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)

حضرت عائشہ سے بھی یہ روایت ہے:

قالت قال رسول اللہ قال لی جبرئیل قلبت الارض مشارقہا ومغاربہا فلم اجد احدا افضل من محمد وقلبت الارض مشارقہا ومغاربہا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ہاشم (ترجمہ اوپر گذر چکا)

یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل خلق الخلق فاختار من الخلق بنی آدم واختار من بنی آدم العرب واختار من العرب مضر واختار من مضر قریشا واختار من قریش بنی ہاشم واختارنی من بنی ہاشم۔

اللہ عزوجل نے خلق کو پیدا کیا تو بنی آدم کو سب مخلوقات پر فضیلت دی۔ اور باقی بنی آدم پر عرب کو ترجیح دی۔ اور عرب سے مضر کو چن لیا۔ اور مضر سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کیا (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

جناب ہاشم کی اولاد

جناب ہاشم کی کتنی اولاد ہوئی اس کی تحقیق بھی اسلامی تاریخ کا مستقل مسئلہ ہے۔ جلیل القدر مورخین کا بیان ہے کہ

ولد لہاشم عبدالمطلب علی عمود النسب ولم یعلم لہاشم ولد غیرہ۔

جناب ہاشم کے ہاں عبدالمطلب پیدا ہوئے جو حضرت رسول خدا صلعم کے بزرگوں میں ہیں۔ اور ان کے سوائے ان کا دوسرا کوئی فرزند معلوم نہیں ہوا۔ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

اسکی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے "ایک بار ہاشم تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ میں مدینہ ٹھہرے وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور ریاست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین و جمیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنو نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی۔ غرض نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد ہاشم کہیں چلے گئے اور غزہ پہنچ کر انتقال کیا۔ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اس نے نو برس تک مدینہ میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی۔ سلمیٰ نے ان کے آنے کا حال سنا تو بلا بھیجا تین دن مہمان رہے چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ اس کی عمر ۸ برس کی تھی۔ یہاں آکر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔"

(سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

جس سے ثابت ہوا کہ جناب ہاشم کی زندگی میں ان کا کوئی لڑکا نہیں ہوا بلکہ آپ کی بیوی جب حاملہ تھیں

اسی وقت جناب ہاشم کا انتقال ہو گیا مگر یہی مورخین جب حضرت امیرالمومنین علیؑ کی والدہ جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہیں تو تحریر کرتے ہیں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم یعنی جناب فاطمہ اسد کی بیٹی تھیں جو جناب ہاشم کے فرزند تھے۔ چنانچہ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں وفی هذه السنة توفیت فاطمة بنت اسد بن هاشم بن عبد مناف۔ اسی سال (سنہ ۳ھ) میں جناب فاطمہ نے انتقال کیا جو بیٹی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم کے۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۶۶) اور علامہ ابن اثیر جزری نے جناب امیرؑ کے حالات میں لکھا ہے۔ واما نسبه فهو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم وامه فاطمة بنت اسد بن هاشم بن عبد مناف وهو اول خلیفة ابواه هاشمیان۔ حضرت علیؑ کے والد ابو طالب تھے اور آپ کی والدہ فاطمہ تھیں جو بیٹی تھیں جناب اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم کے۔ اور حضرت علیؑ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جن کا باپ (ابو طالب) اور ماں (فاطمہ بنت اسد) دونوں ہاشمی ہی تھے (تاریخ کامل جلد ۳ ص …) مورخین اسلام کے امام اور استاد اعظم علامہ طبری نے بھی لکھا ہے هو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف وامه فاطمة ابنة اسد بن هاشم بن عبد مناف۔ حضرت علیؑ کے والد کا نام ابو طالب تھا اور آپ کی والدہ فاطمہ تھیں جو صاحبزادی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم بن عبد مناف کے (تاریخ طبری جلد ۲ ص …) اور علامہ ابن قتیبہ دینوری نے جو قدیم مورخ اور علم نسب کا بڑا محقق ہے لکھا ہے:۔ فاما هاشم بن عبد مناف فاسمه عمرو ومات بغزة من ارض الشام وخلف عبد المطلب واسد او غیرهما ممن لم یعقب فاما اسد فولد حنینا ولم یعقب و هو خال علی ابن ابی طالب وفاطمة وهی ام علی ابن ابی طالب ولیس فی الارض هاشمی الا من ولد عبد المطلب بن هاشم لانه … كان لهاشم ذكور لم یعقبوا۔ ہاشم بن عبد مناف کا نام عمرو تھا انھوں نے ملک شام کے مقام غزہ میں انتقال کیا اور اولاد میں عبد المطلبؑ اسد وغیرہ کو چھوڑا۔ اسد کے بھی ایک بچہ ہوا تھا مگر اسکی اولاد نہیں ہوئی۔ وہی بچہ حضرت علیؑ کا ماموں تھا اور اسد کی دوسری اولاد جناب فاطمہ تھیں جو حضرت علیؑ کی مادر گرامی ہوئیں۔ اور اس وقت روئے زمین پر سوائے اولاد عبد المطلب کے کوئی ہاشمی نہیں ہے۔ اسلئے کہ جناب ہاشم کی اولاد ذکور میں کئی شخص تھے مگر ان (اولاد ذکور) کی کوئی اولاد نہیں چلی (معارف مطبوعہ مصر ص …) اور علم انساب عرب کے بڑے محقق سویدی نے لکھا ہے کان له من الولد عبد المطلب واسد ونضلة وصیفی وابو صیفی۔ جناب ہاشم کے فرزند (یہ) تھے عبد المطلب واسد ونضلہ وصیفی وابو صیفی تھے (سبائک الذہب فی معرفة قبائل العرب ص …) پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے یہ غلطی کیسے کی کہ جناب ہاشم کا حال جس جگہ لکھا وہاں آپ کی اولاد میں صرف جناب عبد المطلب کو بیان کیا۔ اور جناب اسد کو بالکل فراموش کر گئے۔

اسد جناب

عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ جناب ہاشم کے فرزند جناب عبد المطلب کے علاوہ جناب اسد بھی تھے اصل حقیقت یہ ہے کہ جناب ہاشم نے پہلے مکہ معظمہ میں اپنی ہی قوم کی ایک عورت سے عقد کیا تھا جس سے اسد صیفی وغیرہ پیدا ہوئے تھے اس کے بعد آپ مدینہ گئے اور وہاں سلمیٰ سے بھی عقد کیا جن سے جناب عبد المطلب

اپنے والد (ہاشم) کے بعد پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ جناب اسد کی اولاد ذکور میں سے کوئی نہیں تھا اس وجہ سے لوگوں نے آپ کو نظر انداز کر دیا۔ جناب اسد کی رحم دلی اور انسانی ہمدردی کی جو کیفیت تھی وہ اوپر تفسیر کبیر کی عبارت سے مذکور ہو چکی کہ کس طرح آپ اپنے ہم عمر لڑکے کے فقر و فاقہ کی خبر سن کر روتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس گئے اور ان سے اس کے گھر غلہ وغیرہ بھجوایا۔ افسوس ہے کہ آپ کے دوسرے حالات کتابوں میں نہیں ملتے لیکن اگر صرف واقعہ مذکورہ ہی کو دیکھا جائے تو نتائج کے اعتبار سے وہی آپ کا قابل فخر کارنامہ ثابت ہو گا کیونکہ اُس زمانہ میں عرب اعتقاد کی مصیبت میں مبتلا تھے جب جناب اسد نے اپنے دوست کو اپنی والدہ سے غلہ وغیرہ دلوایا تب اسکی خبر جناب ہاشم کو ہوئی اور اسی پر آپ نے قریش کو جمع کر کے آمادہ کیا کہ ان میں کا امیر اپنے فقیر رشتہ دار کی کفالت اپنے ذمے لے لے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور قریش عدد میں کم اور مالی اعتبار سے نادار ہو جانے سے بچ گئے۔ گویا ہاشم کے اس عظیم الشان کارنامہ کا سنگ بنیاد آپ کے فرزند جناب اسد ہی نے رکھا اور قدرت کی طرف سے بھی انتظام ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ جس طرح امیر المومنین کے دادا جناب عبد المطلب کو عرب پر دائمی احسان کا فخر حاصل ہوا اسی طرح آپ کے نانا جناب اسد کو بھی بے نظیر کرم کا موقع ملنا ضروری تھا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو الائمہ افضل الاوصیاء جناب امیر المومنین ؑ ایسے سید العرب کا نور انھیں دونوں بھائیوں کی اولاد (جناب ابو طالب و جناب فاطمہ بنت اسد) کے اتصال سے طلوع ہوا۔ پھر فضائل و کمالات پر صرف جناب عبد المطلب ہی کیوں فائز ہوتے اور جناب اسد کو بھی ان میں سے حصہ کیوں نہیں ملتا۔

جناب ہاشم کی وفات سنہ [illegible] میں ثابت ہوتی ہے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا) اس حساب سے جناب اسد جناب عبد المطلب سے بڑے ہوئے۔ اور چونکہ جناب عبد المطلب کی ولادت سنہ [illegible] میں ثابت ہوتی اس سبب سے جناب اسد کی ولادت اس سے قبل ہوئی ہوگی۔ مگر جناب اسد کی عمر کم ہوئی اور وہ جناب عبد المطلب سے بہت پہلے انتقال کر گئے۔

جناب عبد المطلب

جناب ہاشم کے جلیل القدر صاحبزادے تھے جو عرب کے سردار اعظم مانے گئے۔ آپ کی والدہ گرامی بھی مدینہ کی نہایت معزز بیوی سلمیٰ تھیں جن کے شرف و عظمت کی حالت مؤرخین کے اقوال سے ثابت ہے۔ علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے۔ کانت لا تنکح الرجال لشرفها في قومها حتى يشترطوا لها ان امرها بيدها اذا كرهت رجلا فارقته۔ سلمیٰ اپنی قوم میں بڑی عظمت و شرف کی بی بی تھیں اسی وجہ سے وہ کہتی تھیں کہ میں کسی شخص سے شادی نہیں کروں گی جب تک وہ لوگ یہ شرط نہ کر لیں کہ وہ مجھے میرے امور میں خود مختار رہنے دیں گے کہ جب میں شوہر سے ناراض ہو جاؤں گی تو اس کو چھوڑ دوں گی (سیرۃ ابن ہشام جلد اول [illegible]) اور علامہ حلبی نے لکھا ہے (تزوج بنتہ علی شرطہا انہا لا تلد ولدا الا فی اھلہا) جناب ہاشم نے سلمیٰ سے ان کی اس شرط پر شادی کر لی کہ جب ان کے ہاں ولادت ہونے والی ہو گی تو وہ اپنے میکے چلی جایا کریں گی (سیرۃ حلبیہ جلد اول ص ۶) فاضل معاصر وجدی عربی کتابوں سے آپ کے حالات کا خلاصہ اس طرح لکھتے ہیں " اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبد المطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانہ حیات لبریز ہو گیا

چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا۔

عبدالمطلب کچھ عرصہ تک اپنی ماں کی آغوش محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن شعور کو پہنچے تو الولد سر لابیہ (بچہ اپنے باپ کا نمونہ ہوتا ہے) کے مطابق تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کر لیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض ان خصوصیتوں کی وجہ سے جو ان میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجاب الدعوۃ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبّداً غار حرا میں بیٹھے۔ سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا تو عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر عالم خموشی میں خدا کے جلال و عظمت اور اس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں کے لئے کھانا اٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا۔ اور اسی سے لوگ ان کو مُطعِمُ الطّیر پرندوں کے کھانا دینے والے بھی کہا کرتے تھے۔ عبدالمطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا تھا۔ شیبہ اس لئے کہ عربی میں سفیدی سر کو شیب کہتے ہیں۔ اور الحمد اس لئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کو توقع تھی کہ یہ بڑھاپے کو پہنچیں گے اور لوگ ان کو حمد و ثنا کے ساتھ یاد کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبدالمطلب ایک سو چالیس برس کی عمر کو پہنچے اور اپنی کمال شرافت و سیادت اور قومی ہمدردی اور مصیبت زدوں کی امداد اور محتاجوں کی خبرگیری کی وجہ سے اس زمانہ کے لوگ انھیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے رہے۔

ان کے عبدالمطلب کے ساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کی آغوش محبت میں رہے اور یہاں تک رہے کہ چلنے پھرنے بلکہ کھیلنے کودنے کے لائق ہو گئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ کے میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اس طرف سے گزرتا ہوا ذرا کی ذرا دم لینے اور ان بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا۔ بچے نہایت آزادی کے ساتھ تیر چھوڑتے اور ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعۃً ایک بچے کا تیر نشانہ پر جا لگا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا انا ابن سید البطحاء (میں مکہ معظمہ کے سردار کا فرزند ہوں) جوں ہی یہ جملہ بچے کے منہ سے نکلا۔ گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا نہایت تیزی کے ساتھ اس بچے کی طرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاحبزادے! تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کہا اور تمہارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سن کر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکہ میں آ کر ہاشم کے حقیقی بھائی مطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ مطلب حطیم کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اس کے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا بیان کیا۔ مطلب فوراً مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچے اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پا کر پہچان لیا۔ بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے مگر اس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا۔ شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا پیارے شیبۃ الحمد

میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ شیبۃ الحمد یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو گئے۔ جاوہ جا۔ شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اسکی نظروں میں ساری دنیا اندھیر ہو گئی مگر غریب کرتی کیا سکتی تھی صبر کرکے اور کچھ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبہ کو اونٹنی پر سوار کیے ہوئے مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے دیکھ کر بہ آواز بلند کہا ھٰذا عبد المطلب یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا نہیں۔ میرا غلام نہیں میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا بھتیجا ہے۔ بس اُس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔

الغرض عبد المطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں۔ عبد المطلب ابتدا ہی سے نیک سیرت، نیک خصلت نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفات حمیدہ اور خصائل بزرگانہ ان میں جمع ہو گئے تھے۔ مطلب کے پیچھے اُن کے تمام مناصب انکی طرف عود کر گئے اور مکہ کی ریاست کی باگ اُن کے ہاتھ میں آگئی۔ حلبی اپنی سیرت میں عبد المطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبد المطلب آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کرکے خدا کی وحدانیت کے قائل ہو گئے تھے ۵؎ اور مکہ کی چار دیواری کے اندر بہت سے اُن طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعہ سے اہل عرب بلکہ تمام روئے زمین میں دی گئی مثلاً وفاء نذر۔ محارم سے نکاح کی ممانعت۔ قطع ید سارق۔ دختر کشی کی مناہی، تحریم خمر و زنا۔ اور یہ کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔ عبد المطلب کے واقعات زندگی میں ایک بڑا واقعہ چاہ زمزم کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے خدا کے اس مقدس معبد کا نام جو سرزمین مکہ میں واقع ہے کعبہ رکھا گیا۔ ساتھ ہی اس چشمہ کا نام زمزم رکھا گیا۔ بلکہ بنا کعبہ کی تاریخ سے اس چشمہ کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے۔ گویا یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور بنا کعبہ کا سبب واقع ہوا۔ اس چشمہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں۔ ہاجرہ اور سارا اور دونوں سوکنوں میں سازگاری نہ تھی۔ اس لیے حضرت ابراہیم ہاجرہ کو اُن کے بیٹے اسمٰعیل سمیت اس جگہ لے آئے جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹوں کو اس غیر آباد میں چھوڑ کر شام واپس چلے گئے۔ یہاں ہاجرہ اور اُن کے معصوم بچے کو پیاس لگی کیونکہ جو پانی وہ اپنے ساتھ لائی تھیں ہو چکا۔ پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ان پر ایسی طاری ہوئی تو بے قراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ اتفاق سے کنکروں کے ڈھیر کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ کنکروں پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر خدا بجا لائیں۔ خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے گرد منڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اس کی وجہ سے ارد گرد کے بہت سے قبائل یہاں آ بسے۔ ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمہ زمزم کے قریب آباد

۵؎ آخر عمر میں بت پرستی ترک کرنے کا دعویٰ تو اس وقت کیا جاسکے جب تمام عمر میں اس کا پتہ ملتا ہو کہ آپ بت پرستی کرتے تھے لیکن کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ۱۲

ہوئے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے
جوان کا سردار تھا اس خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر ان کے
کردار ناشایستہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور ہیں بھی ان کے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں
چنانچہ اُس نے اپنی ساری قوم کو جمع کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اُس کی
اس رائے سے اتفاق کیا اور سب نے سرزمین مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم ظاہر کیا۔ عمرو نے قوم کے نفیس و
قیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں اور حجر الرکن یا حجر المقام جو کچھ بھی کعبہ کا چڑھاوا تھا
اس چشمہ میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاصہ عمیق گڑھا ہو گیا تھا ڈال دیئے اور منڈیریں توڑ تاڑ کنکروں
پتھروں سے پاٹ دیا۔ یہاں تک کہ اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف
لے بھاگا۔ اُس زمانہ سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا اور سیکڑوں برس گزر گئے کسی کو اُس کی طرف خیال
بھی نہ ہوا مگر عام الفیل کے سال عبد المطلب کو اس کا خیال ہوا اور انھوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔
عبد المطلب کے اس مقام خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مورخوں نے بڑی بڑی موشگافیاں
کی ہیں۔ مگر ایک روایت جو عقل و نقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے مشہور مورخ ابن اسحاق نے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے کہ عبد المطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیم کعبہ میں
سوتا تھا۔ خواب میں ایک شخص آکر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال۔ میں نے کہا طیبہ کہاں ہے؟ اس کا
اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہو گیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص
نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود۔ میں نے زمزم کا پتا پوچھا تو کہا قریۂ انمل کے متصل۔ میں صبح
ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیکر اُس موقع پر پہونچا اور کھودنا شروع کیا تین روز تک ہم دونوں باپ
بیٹے برابر کھودا کیئے۔ چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔ عبد المطلب زمزم کے
کھودنے میں کامیاب ہوئے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرہ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ یہ بھی ھذا طوی اسمٰعیل
یہ سن کر بہت سے لوگ زمزم پر آجمع ہوئے اور عبد المطلب کی مزاحمت کر کے فساد پر آمادہ ہو گئے اور لگے
کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسمٰعیل کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں ہم اور تم دونوں شریک رہیں گے۔ اگر تم ہماری
شرکت تسلیم کرو بہتر۔ ورنہ ہم تم کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے اپنا قبضہ اُٹھالو۔ یا
ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس کنوئیں کو بدستور پاٹ دیں گے اور پھر اپنے خرچ سے کھدوا کر تیار کرینگے
عبد المطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد پر کامیاب ہو گئے۔"
(اعیان الامہ صفحہ ۷)

لہ آخر عمر میں بت پرستی ترک کرنے کا دعوےٰ تو اُس وقت کیا جائے جب ابتدا ء عمر میں اس کا پتہ ملتا
کہ آپ بت پرستی کرتے تھے لیکن کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ۱۲

(مذکورہ بالا واقعات زیادہ تفصیل سے سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۸ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۵ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ و سیرۃ ابن ہشام و تاریخ خمیس وغیرہ میں موجود ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب نے آخر میں جو لکھا کہ "عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا" اس میں صد درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر دیں اس لیے کہ اس سے جناب عبدالمطلب کا خدا کے ہاں خاص درجہ ثابت ہوتا ہے اور ہم اس واقعہ کو (مجازاً) جناب عبدالمطلب کا معجزہ کہہ سکتے ہیں۔ اصلاح نمبر ۶ جلد ۳ میں اس کو مختصر طور پر لکھا گیا تھا۔ اسی کی نقل مناسب ہے: "جناب عبدالمطلب کو جس وقت یہ بشارت ملی اس وقت تک ان کے ایک ہی فرزند تھا جس کا نام حارث تھا جس کے ساتھ وہ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوئے جب کچھ کامیابی نظر آئی تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش سمجھے کہ یہ کامیاب ہوئے حصہ لینے کو آمودہ ہوئے کہ یہ کنواں تو ہمارے جد اسمٰعیل کا ہے۔ ہم سب شریک ہیں جناب عبدالمطلب نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے اس کو خاص ہمارے حصہ میں دیا ہے۔ مگر قریش اور تیز ہو کر کہنے لگے نہیں نہیں۔ تم تنہا اس پر متصرف نہیں ہو سکتے ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس میں سب کا حصہ مساوی ہے۔ اب ایک طرف جناب عبدالمطلب تنہا ہیں۔ دوسری طرف کل قریش کا مجمع ہے طرفین میں رد و بدل ہوتی رہی۔ آپ فرماتے کہ یہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے اور وہ لوگ اس کو جمہوری جائداد بنانا چاہتے تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ بنی سعد کی کاہنہ پاس چلو جو بشارف شام میں رہتی ہے۔ وہ جو کچھ فیصلہ کر دے اس پر سب راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب ہوا جو اس خاندان کا بزرگ تھا اور سب کے سب مع حشم و خدم شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب عبدالمطلب بھی اپنے دو چار ساتھیوں کے ہمراہ چلے۔ یہ سفر بہت طولانی تھا کہ اونٹ کی سواری پر ملک شام جانا تھا۔ اس سبب سے خاص کر پانی کا زیادہ مقدار میں ساتھ رکھنا ضروری ہوا۔

مگر ابھی اس سفر کی چند ہی منزلیں طے ہونے پائی تھیں کہ اثنا راہ میں جناب عبدالمطلب کے پاس کا کل پانی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سب پیاسے ہوئے لیکن نہ کہیں کنواں نظر آیا۔ نہ دریا۔ نہ چشمہ۔ اس کے ساتھ سفر کا تعب جس سے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی قریب بہ ہلاکت پہونچ گئے۔ اب زندگی اور موت کا فیصلہ تھا۔ مجبوراً ان بیچاروں نے سرداران قریش سے جو اس نزاع میں فریق مخالف تھے پانی مانگا کہ ہم لوگ پیاس سے مرا چاہتے ہیں تھوڑا پانی پلا دو۔ مگر ان سب نے قطعی انکار کر دیا۔ اور ایک شخص کو بھی رحم نہ آیا۔

جب جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ یہ لوگ جو ہمارے ہم وطن ہم قبیلہ سب ہی ہیں کسی طرح پانی نہیں دیتے اور ہماری سخت پیاس پر کسی کو رحم نہیں آتا اور اب پیاس سے مر جانا یقینی ہے تو بخیال اس رسوائی کے کہ سب بُرے حال سے مرے پڑے رہیں گے اور کسی کو کفن و دفن میسر نہیں ہو گا۔ یہ رائے دی کہ ہم سب اپنے اپنے لیئے ایک ایک گڑھا (بطور قبر) تیار کریں تاکہ جو شخص مر جائے اس کو دفن کرتے جائیں۔ آخر میں ایک ہی شخص ایسا

رہے گا جو بے دفن پڑا رہے اور ایک شخص کا اس طرح پڑا رہنا بہتر ہے اس سے کہ سب کے سب بے دفن رہیں۔ ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً اس کی تعمیل شروع کر دی۔ گڑھے کھُدنے لگے اور قریش جو آپ کے مخالف جا رہے تھے کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ دوسرے روز جناب عبدالمطلب نے سوچا کہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دھرکر بیٹھے رہنا اور اپنے کو موت کے حوالے کر دینا نامردی ہے۔ کچھ کوشش کرنی اور ادھر اُدھر پانی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ تاکہ اس طرح ہم لوگوں کے نام میں عاجزی کا دھبہ نہ لگے اور بے بسی کی موت نہ ہو۔ یہ طے کر کے آپ اونٹ پر سوار ہوئے۔ فلما انبعثت به راحلته انفجرت من تحت خفها عين عذبة من ماء فكبر وكبر اصحابه وشربوا وملئوا اسقيتهم۔ ثم دعا القبائل من قريش فقال هلموا الى الماء فقد سقانا الله فقال اصحابه لا تسقيهم لانهم لم يسقونا۔ فلم يسمع منهم وقال فنحن اذا مثلهم فجاء اولئك القرشيون فشربوا وملئوا اسقيتهم وقالوا قد والله قضى الله لك علينا يا عبدالمطلب والله لا نخاصمك فى زمزم ابدا ان الذى سقاك هذا الماء بهذه الفلاة لهو الذى سقاك زمزم فارجع الى سقايتك راشدا۔ فرجعوا اليه ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبينها۔ جیسے ہی جناب عبدالمطلب کی اونٹنی آپ کو اٹھا کر چلی فوراً اس کے پاؤں کے نیچے کی ریت ہٹی اور دفعتاً آب سرد و خوش گوار کا چشمہ نمایاں ہوا جس پر جناب عبدالمطلب نے تکبیر کہی۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر جو خوشی ہوئی کیونکر بیان کی جائے۔ سب اس چشمہ سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھی اُس سے بھر لیں۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے قریش کے ان قبیلوں کو بھی جن سے نزاع تھی آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی لو کہ خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کر دیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب کے ساتھیوں نے کہا ہم تو انکو اس پانی سے نہیں پینے دیں گے کیونکہ جب ہم پیاسے تھے تو ان کو کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک قطرہ بھی کسی نے ہمیں نہیں دیا مگر جناب عبدالمطلب نے ان کی بات نہیں مانی اور فرمایا اگر ہم بھی ان کے ہی ایسا کریں تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہا!!! الغرض وہ قریش بھی جمع ہو گئے اور سب نے اس پانی سے پیا اور اپنی مشکیں بھر لیں۔ جسکے بعد ان لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اے عبدالمطلب خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دیدی۔ خدا کی قسم اب زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کرینگے کیونکہ جس خدا نے برحق نے اس بے آب و گیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کر کے تمکو سیراب کیا اسی نے زمزم سے بھی تمکو سیراب کیا ہے۔ اب جاؤ تم اپنے اس کنویں پر اطمینان سے اور بے کھٹکے قبضہ کر لو۔ ہم لوگ کچھ نہیں بولینگے اس طرح وہ لوگ کاہنہ کے پاس پہونچنے بھی نہ پائے اور وہیں سے پلٹ آئے اور وہ کنواں جناب عبدالمطلب کو چھوڑ دیا۔ جناب عبدالمطلب مکہ میں واپس آکر پھر چاہ زمزم کھودنے لگے یہاں تک کہ سونے کی ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہوئیں۔ اس وقت قریش نے پھر ہجوم کیا اور کہا اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ جناب عبدالمطلب نے کہا نہیں بلکہ یہ بھی ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے تو آپ نے فرمایا اچھا آؤ قداح (قرعہ یا فال) سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ ان سب نے پوچھا وہ کس طرح؟ فرمایا دونوں ہرنیاں ایک جگہ، تلواریں ان سے الگ

اور زرہیں علیحدہ رکھی جائیں اور دو تیر خانہ کعبہ کے دو تمھارے اور دو ہمارے ان پر ڈالے جائیں جس کا تیر جس پر پڑ جائے وہ چیز اُسی کی ہو جائے اور جس کے حصّہ میں کوئی چیز نہ پڑے وہ کچھ نہ لے۔ سب راضی ہو گئے اور جناب عبد المطلب کے اس انصاف کی داد دی۔ پھر تیر ڈالے گئے تو خانہ کعبہ کے دونوں تیر دونوں ہرنیوں پر اور جناب عبد المطلب کے دونوں تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے مگر قریش کے تیر کسی چیز پر نہیں پڑے۔ اس طرح بھی فیصلہ جناب عبد المطلب ہی کے موافق ہوا۔ اب آپ نے دونوں تلواریں خانہ کعبہ کے دروازے میں لٹکا دیں اور دونوں ہرنیوں کو توڑ کر ان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے۔ اس طرح یہی وہ پہلا سونا تھا جس سے خانہ کعبہ کی زینت کی گئی اور ایک روایت ہے کہ وہ دونوں ہرنیاں اسی طرح خانہ کعبہ میں رکھ دی گئیں اور بعد میں کسی نے چرالیں (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۶) نہایت حیرت خیز امر یہ ہے کہ فاضل معاصر شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولخدا صلعم کی مفصل سوانح عمری کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ان کو چاہیئے تھا کہ حضرت کے جد معظم جناب عبد المطلب کے اس عظیم الشان اور قابل فخر واقعہ کو نہایت اہمیت سے جلی حرفوں میں لکھتے اور دوسری قوموں کو دکھاتے کہ خدا نے آنحضرت کے اجداد تک کو کیسے فضائل و کرامات مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن افسوس انھوں نے اس واقعہ کو صرف ڈیڑھ سطر میں اس طرح ختم کر دیا "عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا انھوں نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صہ ۱۲۱) حضرت عبد المطلب صرف جناب امیر علیہ السّلام ہی کے دادا نہیں تھے اور نہ اس سے حضرت کی کوئی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ اس موقع پر بھی اختصار ہی کی ضرورت تھی۔ الغرض اسکے بعد سب لوگ اور خاص کر حاجی حضرات نے دوسرے کنوؤں کو چھوڑ دیا اور چاہ زمزم سے پانی لیتے اسی کو وہ پسند کرتے اور اسی میں برکت سمجھتے۔ گزشتہ واقعات سے جب جناب عبد المطلب نے دیکھا کہ بار بار قریش آپ کی مخالفت کرتے اور آپ سے نزاع کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو اپنی تنہائی سے متردد ہوئے اور خدا سے نذر کی کہ اگر آپکے دس لڑکے مرحمت ہوں جو بالغ ہو کر لوگوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد اور حمایت کریں تو آپ خدا کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک لڑکے کو بطور قربانی ذبح کرینگے۔ خدا کے ہاں آپکا درجہ اس درجہ بلند تھا کہ فوراً آپ کی دعا مقبول ہوئی اور خدا نے دس لڑکے آپ کو عنایت فرما دیئے۔ مولوی شبلی صاحب اس کو اس طرح لکھتے ہیں "اونھوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے عبد اللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے۔ ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے یہانتک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبد المطلب نے

سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۲۱)

شمس العلماء معاصر دہلوی لکھتے ہیں "جس سال عبداللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے لشکر مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اگرچہ سارا سال واقعات ہائلہ سے پر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہل چل ڈالدی یعنی یمن کے حاکم کا خانۂ خدا پر خونخوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے:۔

یمن کا حاکم ابرہۃ الاشرم ایک نہایت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسم حج میں نہایت ذوق شوق سے دور دراز کا سفر طے کر کے جوق جوق خانہ کعبہ میں آتے اور طواف و زیارۃ سے آتش شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اٹھی اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور انتہا سے زیادہ جاہ و جلال دیکھ کر آتش حسد پر لوٹنے لگا۔ شہر صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنایا اور زوار کعبہ کو اس کی زیارت کی تکلیف دی لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارت کو نہ آئے تو ابرہہ غصے میں جھلا اٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف بڑھا۔ مکہ کے لگ بھگ پہونچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوئے لیکن جب انھوں نے ابرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں دیکھی تو اپنے اہل و عیال کو لے کر مکہ کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔ عرب بے شک بہادر تھے۔ جانباز تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں بے خوف کود پڑتے تھے اور جان دیدینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن تو بھی انھوں نے گوارا نہیں کیا کہ ایسے زبردست اور ڈراونی شکل کے جانوروں کے مقابلہ میں سینہ بہ سینہ اور کلہ بہ کلہ ہو کر لڑیں۔

ابرہہ نے رستہ میں سے حمیر کو بطریق سفارۃ سرداران قریش کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم لوگ میری مزاحمت کرو گے اور جنگ کی طرف مائل ہو گے تو میرے پاس بہت سا سامان حرب موجود ہے۔ اس گفت و شنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائل قریش میں سے کسی کو ابرہہ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ابرہہ نے رستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آ دھمکا۔ قبائل قریش پہلے ہی سے مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ تاہم کعبۂ مقدس کی عمارت میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکر یمن کعبہ پر حملہ آور ہو گا تو ہم ایک خونریز جنگ کر کے اپنی جانیں کعبہ پر قربان کر دیں گے۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے اس روز کعبہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور آج کے حملہ کو کل کے لئے اٹھا رکھا۔ دوسرے دن کی صبح کو اپنی خونخوار فوج ساتھ لے کے آگے بڑھا لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبہ میں موجود ہیں انھیں پیام تو پہونچا دیا جائے تاکہ غفلت میں مر کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبہ کے مجاوروں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبدالمطلب۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کو بلایا اور تخلیہ میں گفتگو کی عبدالمطلب ...

مجلس سے باہر نکل آئے کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہی اس کا محافظ بھی ہے ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد سے بچالے گا۔ اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ الغرض ابرہہ لشکر کو لیکر آگے بڑھا اور جب کعبہ کی دیواریں نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانۂ خدا کی جانب قدم اٹھائے مکہ کی غربی سمت سے لشکر الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لئے ہوئے فوج فوج آگئے اور لشکریوں پر کنکریاں برسانے لگے جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی تھوڑی دیر میں سارا لشکر خداوندی غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہوگیا ظالم اور گستاخ ابرہہ اگرچہ زخموں سے چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن اس کا مرغ روح عقاب موت سے بچ نہیں سکا اور رستے ہی میں مر کر رہ گیا"

(امہات الامہ صفحہ ۴۲)

مسٹر امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ ابرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا (جس کا نام محمود تھا) اور یہ جانور عربوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس سبب سے اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ حملہ آور فوج کچھ تو وبا کے نمودار ہو جانے سے اور کچھ مینہ اور اولوں کے خوفناک طوفان سے تباہ و برباد ہوگئی جس جگہ ان کے خیمے ڈیرے لگے تھے وہاں پانی نے اپنا قیام کر کے ان کے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۷۰ء کا ہے اور اسی واقعہ کی یادگار میں یہ سال عام الفیل کہلاتا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو خوب جلی حرفوں سے لکھ کر اسکی اہمیت اور عظمت کو اچھی طرح دکھایا ہوگا۔ مگر کس قدر تعجب ہے کہ جناب عبد المطلب کے حالات تو آپ نے لکھے لیکن اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا فصیح و جمیل الملتہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن ان کی عبارت میں بھی بعض اہم چیزیں مجمل رہ گئیں اس وجہ سے ان کی تفصیل کی ضرورت ہے۔ مورخ مشہور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے: "ابرہہ نے ایک دستہ سواروں کا بسر گروہی اسود بن مقصود حبشی مکہ کی طرف روانہ کیا اس غرض سے کہ اونٹ وغیرہ باربرداری کے لئے اور کچھ آدمی اسباب وغیرہ کے اٹھانے اور لادنے کی غرض سے گرفتار کر لادیں۔ چنانچہ اسود ابن مقصود اطراف مکہ میں گیا اور اہل مکہ کی کچھ مویشیاں اور اونٹ جس میں دو سو اونٹ عبد المطلب کے بھی تھے پکڑ لایا۔ عبد المطلب اُن دنوں قریش کے سردار اور مکہ کے سربرآوردہ آدمیوں میں تھے۔ پہلے ان کا قصد لڑائی کا ہوا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو خاموش ہو رہے۔ ابرہہ نے دوسرے دن حناط حمیری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ اہل مکہ کو اس کے ارادہ سے آگاہ کرے اور اگر اہل مکہ انہدام کعبہ سے کچھ چون و چرا کریں تو لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ عبد المطلب نے یہ پیام سُن کر جواب دیا واللہ ما نرید حربہ و ھذا بیت اللہ فان یمنعہ فھو بیتہ وان تخلی عنہ فما لنا من دافع (خدا کی قسم ہم اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ پس اگر وہ (خدا) اُس کو روکے تو یہ اوس کا گھر ہے۔ اور اگر وہ اس سے

کچھ تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے) اور چند رؤسا قریش کو ہمراہ لے کر ابرہہ کے پاس گئے۔ پہلے ذو نفر حمیری سے ملاقات کی جس کو ابرہہ نے قید کر رکھا تھا ذو نفر نے فیل بان کے ذریعہ سے اُبرہہ کو عبدالمطلب کے آنے کی اطلاع کرادی اُبرہہ نے انکا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ تخت سے اُتر کر فرش پر ان کے ساتھ بیٹھا۔ اثنائے کلام میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کی سفارش کی۔ ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے کچھ التجا نہ کی۔ یہ تو تمھارا اور تمھارے آباؤ اجداد کا مذہبی مکان ہے اور اونٹوں کا سوال کیا!! عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل و للبیت رب سیمنعہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اونٹوں کو مانگتا ہوں۔ اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ غالباً اُس کو روکے گا۔ اُبرہہ نے سنکر تھوڑی دیر تک سکوت اختیار کیا بعد اس کے بلے تامل عبدالمطلب کو ان کے اُونٹ واپس کر دیئے۔

علامہ طبری تحریر کرتا ہے کہ اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ عمرو بن لعابہ وغیرہ گئے تھے اور اُبرہہ سے یہ درخواست کی تھی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں دی جائے گی بشرطیکہ کعبہ منہدم نہ کیا جائے لیکن جب ابرہہ نے اس سے انکار کیا تو عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے واپس آئے اور قریش اور کل اہل مکہ کو ہدایت کی کہ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں اور خود وقت روانگی خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اسوقت ان کے پاس قریش کے چند منتخب آدمی موجود تھے اور سب گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے اور عبدالمطلب یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

لاهم ان العبد یمنع حله - فامنع حلالک - لایغلبن صلیبهم - ومحالهم ابداً محالک - وانصر علی آل الصلیب - وعابدیه الیوم آلک۔ اے خدا بیشک بندہ روکتا ہے جو اس کے محل میں آتا ہے۔ پس تو بھی منع کر اس کو جو تیرے مکان پر آئے ہرگز اُن کی صلیب اور ان کا غصہ کبھی تیرے غصہ پر غالب نہ آئے گا اور مدد کر اہل صلیب اور اس کی پرستش کرنے والوں پر آج اپنے اہل کو۔

بعد اس کے عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ کعبہ کے گرانے کی غرض سے مکہ کی طرف بڑھا۔ اللہ جل شانہ نے ان پر چڑیوں کا ایک جھنڈ دریا سے بھیجا" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۴۲) ۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فیل بان نے اُبرہہ سے کہا اے بادشاہ یہ سردار قریش آپ کے ہاں آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش کرتے ہیں۔ یطعم الناس بالسهل والوحوش فی رؤس الجبال - یہ زمین پر آدمیوں کو اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں (اور پرندوں) کو کھانا کھلایا کرتے ہیں۔ آپ اجازت دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں اُبرہہ نے اجازت دی وکان عبدالمطلب رجلاً عظیماً وسیماً جسیماً جناب عبدالمطلب ایک عظیم الشان قد آور۔ وجیہہ اور بارعب و جلال بزرگ تھے جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو نہایت تعظیم و تکریم کی اور اپنے تخت سے اُتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور ان کو

اپنی بغل میں بٹھالیا۔ پھر ترجمان سے کہا ان کے آنے کی غرض دریافت کرو۔ آپ نے فرمایا تمہارے لوگ میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں انھیں واپس کر دو۔ یہ سُن کر اُبرہہ نے ترجمان سے کہا ان سے کہو کہ جب تم میرے پاس آئے تھے تو تمہاری جلالت قدر اور عظمت و شان سے میری نظر میں تمہاری بڑی وقعت ہو گئی تھی مگر اب تم میری نظروں سے گر گئے۔ تم دو سو اونٹ کے لئے سوال کرتے ہو اور اس گھر (خانہ کعبہ) کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ جس کے گرانے کو میں آیا ہوں۔ حالانکہ وہی تمہارا دین بھی ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا دین بھی۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس سے انھیں مانگتا ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ غرض جناب عبدالمطلب کے اونٹ واپس مل گئے۔ اور آپ نے اپنی جگہ آکر قریش کو پہاڑیوں پر روانہ کر دیا اور خود خانہ کعبہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ فرماتے تھے ؎

یا رب لا ارجو لھم سواکا   یا رب فامنع منھم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا   امنعھم ان یخربوا فناکا

اے خدا میں ان لوگوں کے لئے سوائے تیرے کسی کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ اے خدا ان لوگوں سے تو اپنے گھر کو محفوظ رکھ۔ اس گھر کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ ان لوگوں کو تو اس سے باز رکھ کہ تیری عبادت گاہ کو ویران و برباد کریں۔ اس کے بعد وہ اشعار کہے ہیں جو اوپر ترجمہ ابن خلدون سے نقل کئے گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) اس واقعہ سے جناب عبدالمطلب کے ایمان و معرفت و عظمت و جلالت کی متعدد باتیں روشن ہوتی ہیں (۱) جناب عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کی اتنی فکر تھی کہ پہلے خود ارادہ کیا کہ اُبرہہ سے لڑیں مگر اس کی بے پناہ طاقت دیکھ کر خیال فرمایا کہ اس میں اہل مکہ ختم ہو جائیں گے اور اتنے لوگوں کا خون ضائع جائے گا۔ اس وجہ سے آپ اس ارادہ سے باز رہے (۲) جب اُبرہہ مکہ میں آیا تو اس نے ایک قاصد بھیجا کہ جا کر مکہ والوں سے پوچھو ان کا سردار کون ہے۔ اس نے دریافت کیا تو سب نے باتفاق جناب عبدالمطلب کو بتایا اور اس بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا جس سے آپ کا کمال اقتدار واضح ہے (۳) جناب عبدالمطلب کا خدا پر توکل اور یقین انتہا درجہ کا ثابت ہوتا ہے کہ بار بار کہتے رہے اس گھر کا مالک خدا ہے وہ اس کی ضرور حفاظت کرے گا (۴) ابرہہ باوجودیکہ آپ کا مخالف تھا مگر آپ کے دبدبہ و شوکت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کی تعظیم میں تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر آپ کی بغل میں بیٹھا (۵) جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ کی حفاظت کا ایسا تردد تھا کہ سب کو پہاڑوں پر روانہ کر دیا مگر اپنی پروا نہیں کی اور خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر اُس وقت خدا سے الحاح و زاری کرنے لگے (۶) پورے واقعہ میں کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ جناب عبدالمطلب نے اللہ کے سوائے کسی معبود کا نام لیا ہو یا کسی بت کا ذکر کیا ہو۔ یا کسی سے دعا کی ہو۔ حالانکہ اُس زمانہ میں لوگ اپنے بڑے بڑے بتوں لات و عزیٰ و ہبل وغیرہ سے کیسی کیسی دعائیں کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابتدا سے موحد اور صرف اللہ کے ماننے والے تھے اور کسی وقت بھی بت پرستی کا خیال تک آپ کو نہیں ہوا (۷) انشاء اللہ

مال و دولت بہت عزیز ہوتی ہے اور اس کے لیے وہ اپنی اولاد بلکہ اپنے مذہب تک کو چھوڑ دیتا ہے مگر جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ اور خانہ کعبہ اتنے عزیز تھے کہ آپ نے ان کی حفاظت کے لئے مال تک قربان کر دینے کا ارادہ کیا اور ابرہہ سے درخواست کی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں لے لو مگر خانہ کعبہ کو منہدم نہ کرو

اسی طرح جناب عبدالمطلب کے دوسرے بڑے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ مہندی کا خضاب بھی آپ ہی نے ایجاد کیا کہ آپ سے پہلے کسی کو اس کا خیال تک نہیں ہوا تھا۔

جناب عبدالمطلب کی زندگی کا یہ بھی ایک بڑا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم یہودی کی حمایت نہایت شریفانہ عنوان سے کی اور اس کی وجہ سے اپنے دوست کی محبت کی ذرہ برابر پروا نہیں کی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے: حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگئی تھی۔ یہ بات حرب بن امیہ کو (جو معاویہ کا دادا تھا) بہت زیادہ ناگوار ہوتی وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ یہ حرب حضرت عبدالمطلب کا مصاحب بھی تھا۔ غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن عبدمناف بن عبدالدار اور (۲) (حضرت ابوبکر کے دادا) صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبدالمطلب کو ہوئی تو آپ نے اسکی تحقیق شروع کی مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا کہ اس یہودی کا قاتل کون ہے۔ پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اس کی فکر اور جستجو میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو معلوم ہوگیا کہ فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے مگر وہ دونوں اصل بانی فساد حرب بن امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب حضرت عبدالمطلب اسی حرب کے پاس گئے اور اس کی ملامت کی کہ تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے انھیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور دونوں کو پوشیدہ کر دیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرہ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جا کر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آؤ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا

دونوں نجاشی کے پاس پہونچے تو اس نے ان کے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے قطعی انکار کر دیا تب ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آ کر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہے

جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دنارت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جنکی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جود و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیونکہ) تم غیظ و غضب سے دور۔ عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کے لیے مضبوط رسی ہو۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جس کے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو (اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا) یہ سُن کر حرب ابن امیہ کو غیظ آگیا اور اس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمھارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔

اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حرب بن اُمیّہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبداللہ بن جدعان تیمی کو اس کی جگہ مصاحب بنالیا۔ نیز آپ نے حرب ابن امیہ سے سَو اونٹنیاں وصول کیں اور ان سب کو اس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہو سکیں۔ تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کر دیا جس سے اس کی کل کمی پوری ہوگئی۔"
(تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۶)

جناب عبدالمطلب ہی وہ پہلے بزرگ بھی ہیں جو حرا پہاڑ پر عبادت کیا کرتے خصوصاً جب ماہ رمضان کا چاند دکھائی دیتا تو حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور مہینہ بھر مسکینوں کو کھانا تقسیم کرتے رہتے تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۶
باوجودیکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا شاذونادر ہی کوئی شخص اس شرف کا مالک ہوتا تھا مگر جناب عبدالمطلب میں یہ صفت بھی تھی چنانچہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "مامون نے اپنے عظیم الشان کتب خانہ میں عرب جاہلیہ کے زمانہ کا بھی بہت کچھ سرمایہ جمع کیا تھا۔ جاہلیوں کے قصائد اور اشعار کے علاوہ اُس زمانہ کے خطوط۔ دستاویزات۔ معاہدے جہاں تک مل سکے نہایت کوشش سے فراہم کئے تھے۔ اس کتب خانہ میں عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرضہ کا ایک رقعہ موجود تھا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا اور اس کے یہ الفاظ تھے: حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان بن فلان الحميري من اهل وزل صنعا۔ عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه۔ شهد الله والملكان (رسائل شبلی صہ ۲۱۴) یہ عبدالمطلب بن ہاشم ساکن مکہ کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا تو وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔ یہ واقعہ کتاب الفہرست لابن الندیم صہ ۸ میں بھی موجود ہے۔
جناب عبدالمطلب کے فضائل اثر اس درجہ مشہور تھے کہ ان کے بعد ان کے خاندانی مخالفین کے

سامنے بھی لوگ بے دھڑک بیان کر دیتے تھے چنانچہ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے بھی اس کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔ وذکران دغفلا النسابہ دخل علی معویۃ۔ فقال لہ من رأیت من علیہ قریش۔ فقال رأیت عبد المطلب بن ھاشم و اُمیّہ بن عبد شمس۔ فقال صفہما فقال کان عبد المطلب ابیض مدید القامۃ۔ حسن الوجہ فی جبینہ نور النبوۃ وعز الملک یطیف بہ عشرۃ من بنیہ کان ھم اسد غاب۔ قال فصف لی امیۃ۔ قال رأیتہ شیخا قصیرا نحیف الجسم۔ ضریرا یقودہ عبدہ ذکوان۔ فقال مہ ذاک ابنہ ابو عمرو۔ فقال ھذا شیئ قلتموہ بعد واحدثتموہ۔ واما الذی عرفت فھو الذی اخبرتک بہ۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ علم نسب کا بڑا واقف کار شخص دغفل معویہ کے دربار میں حاضر ہوا تو دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں:۔

معویہ۔ اے دغفل بتاؤ تم نے بزرگان قریش سے کس کس کو دیکھا ہے۔

دغفل۔ عبد المطلب بن ہاشم اور امیہ بن عبد شمس (بنو امیہ کے بزرگ) کو دیکھا ہے۔

معویہ۔ ذرا مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل۔ جناب عبد المطلب گورے چمکتے رنگ۔ بلند قامت اور خوبصورت چہرے والے تھے انکی پیشانی میں نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت چمکتی رہتی تھی۔ ان کے دس جوان بیٹے ان کو اپنے حلقہ میں لیئے رہتے اور وہ سب بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا سب شیر نیستاں ہیں۔

معویہ۔ اچھا اب امیہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل۔ وہ ایک ناٹے (پست قامت) دُبلے پتلے اندھے بڈھے تھے جنکو انکا غلام ذکوان تمام کھینچتا پھرتا تھا

معویہ۔ کیا بکتے ہو وہ ان کا بیٹا ابو عمرو تھا۔

دغفل۔ یہ بات تو اب تم لوگ کہنے لگے ہو اور بعد کو اس کی ایجاد کی گئی ہے۔ میں جو کچھ اس کی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے (اغانی جلد ا صـ).

علامہ حلبی نے لکھا ہے:۔ کان عبد المطلب یامر اولادہ بترک الظلم والبغی ویحثھم علی مکارم الاخلاق وینھاھم عن دنیات الامور وکان یقول لن یخرج من الدنیا ظلوم حتیٰ ینتقم منہ وتصیبہ عقوبۃ الیٰ ان ھلک رجل ظلوم من اھل الشام لم تصبہ عقوبۃ فقیل لعبد المطلب فی ذالک ففکر وقال واللہ ان وراء ھذہ الدار دارا یجزی فیھا المحسن باحسانہ ویعاقب المسیئ باساءتہ ای فالظلوم شانہ فی الدنیا ذالک حتی اذا خرج من الدنیا ولم تصبہ العقوبۃ فھی معدۃ لہ فی الاخرۃ ورفض فی آخر عمرہ عبادۃ الاصنام ووحد اللہ سبحانہ وتعالیٰ وتوثر عنہ سنن جاء القرآن باکثرھا

وجاءت السنة بها منها الوفاء بالنذر والمنع من نکاح المحارم۔ وقطع ید السارق والنہی عن قتل المؤدۃ وتحریم الخمر والزنا وان لا یطوف بالبیت عریان جناب عبدالمطلب اپنی اولاد کو حکم دیتے رہتے کہ خبردار کبھی ظلم۔ بغاوت یا کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔ اور مکارم اخلاق اختیار کرتے اور دناءت کی باتوں سے بچتے رہنا۔ اور کہتے تھے کہ جو شخص کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے گا وہ دنیا سے بغیر اس کی سزا پائے نہیں جا سکتا۔ اتفاق یہ کہ شام کا ایک ظالم شخص مر گیا مگر اس کو اس کے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملی تھی۔ لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے اس کا حال بیان کر کے پوچھا کہ اگر ظلم کا بدلہ دنیا میں ملنا ضروری ہے تو فلاں شخص کو کیوں نہیں ملا۔ آپ نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا اور کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک اور گھر (آخرت) بھی ہے جہاں اس دنیا کے اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور برا کام کرنیوالوں کو برا بدلہ ملے گا۔ یعنی ظالم کی شان یہی ہے کہ دنیا میں اس کو بدلہ ملے اور اگر یہاں سے بچ کر چلا گیا اور اس کو کوئی بدلہ نہیں ملا تو آخرت میں اس کی سزا ضرور پائے گا۔ آپ نے آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کر دی تھی۔ اور صرف ایک اللہ سبحانہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ میں ایسی اچھی باتیں ایجاد کیں کہ جب آپ کے بعد اسلام آیا تو قرآن مجید نے بھی ان باتوں کو قائم رکھا۔ اور احادیث رسول صلعم میں بھی ان کی تائید کی گئی۔ مثلاً نذر پوری کرنا۔ محارم (ماں۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ دادی نانی وغیرہ) سے نکاح کو حرام سمجھنا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا۔ دختر کشی سے باز رہنا۔ شراب پینے۔ زنا کرنے اور خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنے سے بچتے رہنا" (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص۴)

اُس زمانہ کے بادشاہوں اور ارباب حکومت سے بھی آپ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اور وہ لوگ آپ کی نہایت عزت کرتے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے "سیف بن ذی یزن اس خداداد کامیابی کے بعد یمن کی مستقل حکومت کرنے لگا اور مقررہ سالانہ خراج کسریٰ کو بھیجتا رہا عرب کے نامی شعراء نے تہنیت کے قصائد لکھے۔ امراء و عظماء قریش اس سے ملنے کو آئے اور اس غیبی امداد پر اس کو مبارکباد دی۔ منجملہ ان کے قریش کے نامی سردار عبدالمطلب (جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے سیف بن ذی یزن نے ان کی سب سے زیادہ تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھلایا اور بکمال عزت سے ان کو رخصت کیا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ ص۱۵۰)۔ جناب عبدالمطلب ہر کمال میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ کے اشعار بھی کثرت سے اور بہت ہی فصیح و بلیغ ہیں۔ مترجم تاریخ ابن خلدون نے لکھا ہے:۔

"علماء تفسیر و تواریخ نے واقعہ فیل میں اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ اصحاب فیل پر چڑیوں کے ذریعہ سے سنگ باری کی گئی تھی۔ شعراء جاہلیت بھی اپنے اپنے قصائد میں اس کا ذکر کر رہے ہیں بغرض اثبات مدعا صرف عبدالمطلب کے چند اشعار ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو اس واقعہ میں موجود تھے۔

حرمت و ما لشہ لا نصرم   و ما لک من کبر اثیم

وبيبن ولك الشيب بعد الشباب   فما للبشر من خلة من عمر
فدع عنك ذكر ليالي الوصال   فانك من ذكره احلم
وعد القوافي ذات الصواب   بجيش اتاك به الاشرم
ارادوا به دحض بيت الاله   ليترك بنيانه يهدم
فرد هم الله عن هدمه   واعيا هم الفيل لا يقدم
بطير ابابيل ترميهم   كان مناقيرها العندم

میں منقطع تعلق ہو گیا اور تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تو منقطع نہیں ہوا اور سر تیرا پیری سے ابلق ہو گیا ہے اور ظاہر ہو گا تجھ پر بوڑھاپا جوانی کے بعد۔ پس تو عشق و دوستی سے کیا گمان رکھتا ہے۔ وصل کی راتوں کا ذکر ترک کر دے۔ کیونکہ تو اُس کے ذکر سے زیادہ دانا ہے۔ اور ان اشعار کو پڑھ جو کہ سچے ہوں اور جن میں اس لشکر کا ذکر ہو جس کو اشرم (ابرہہ) لے کر آیا تھا۔ اُس کے ذریعہ سے خانۂ خدا کو گرانا چاہا تھا کہ ویران و خراب پڑا رہ جائے پس اللہ نے ان کو گرانے سے روک دیا اور ان کے ہاتھیوں کو ایسا تھکا دیا کہ آگے نہ بڑھ سکے چڑیوں کے ایک جماعت سے جو اُن کو مار رہی تھیں گویا کہ ان کی چونچ دم الاخوین ہے (ترجمہ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۵۴)۔ اوپر بیان کیا گیا کہ آپ جب یتیم ہو گئے تو آپ کے چچا مطلب آپ کو مدینہ سے مکہ معظمہ لائے۔ جناب ہاشم کی کل جائدادیں اور خدمات مکہ سے سقایہ و رفادہ آپ کے حوالہ کر دیں اور پھر کچھ دنوں بعد قضا کر گئے۔ جناب عبدالمطلب اپنی کمسنی میں پدری جائداد و حقوق پر قابض ہوئے۔ لیکن چونکہ ہر طرح کمزور تھے آپ کے دوسرے چچا نوفل نے آپ کے انتظام کو درہم و برہم کر دیا کہ آپ کو جو جائداد بطور میراث جناب ہاشم سے ملی تھی اس میں سے بہت کچھ دبا لیا جس پر حضرت عبدالمطلب نے بزرگان قریش سے استغاثہ کیا کہ چچا ہماری حق تلفی کرتے ہیں۔ تم لوگ انصاف کر دو۔ مگر بزرگان قریش نے اس کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہم لوگ تم چچا بھتیجے کے درمیان نہیں پڑیں گے۔ اب تو جناب عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے کہ نہ سر پر باپ رکھتے ہیں۔ نہ وہ شفیق چچا زندہ ہے جو ان کو مدینہ سے یہاں لایا۔ نہ ان کی ماں قریشی ہیں جس سے انھیں ننھالی قرابت کا کچھ زور حاصل ہو۔ نہ بچپن سے یہاں قیام رہا کہ ہر شخص سے دو باہم اتحاد و محبت پیدا ہو گئے ہوں۔ بلکہ ابھی ابھی چند سال ہوئے کہ اپنے ننھال مدینہ سے یہاں آئے ہیں۔ جس سے آپ کا قیام گو اپنے خاندان ہی میں ہے مگر بالکل اجنبی شان اور مسافرانہ عنوان سے۔ اور گو خوشحال بلکہ گویا شہزادے ہیں کہ تفویض ریاست کے بعد رئیس مکہ ہو گئے لیکن بےکس و بےبس۔ بخلاف اس کے ان کا حریف نوفل جو چچا بھی ہے اور بزرگ خاندان بھی جس کے اختیارات بحیثیت شاہزادے بلکہ بطور ولیعہدی (کیونکہ جناب ہاشم کے بعد مطلب و نوفل ہی رئیس مکہ تسلیم کئے جاتے تھے اور جناب عبدالمطلب کی طرف سے تو سب کو بےخبری بلکہ مایوسی تھی)

بہت بڑھے ہوئے۔ اور قومی تعلقات دوستانہ مراسم کل قبیلوں سے تیس[۳۰] چالیس[۴۰] سال سے مستحکم تھے لہذا سب نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی اور کسی نے اس تصفیہ باخود ہا میں دست اندازی مناسب نہ سمجھی۔ تب جناب عبدالمطلب نے مجبوری اپنے ماموں کو جو مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو النجار کے سردار تھے ان کل واقعات کی خبر کرکے ان سے مدد چاہی۔ اور ان کو حسب ذیل اشعار بھی لکھ بھیجے جن میں اپنے ظالم چچا نوفل کی تعدی اور سرداران قریش کی بے توجہی کی شکایت درج تھی:۔

یا طول لیلی لاحزانی واشغالی   هل من رسول الی النجار اخوالی

ینبی عدیا ودینارا ومازنها   ومالکا عصمة الجیران عن حالی

قد کنت فیکم ولا اخشی ظلامة ذی   ظلم عزیز امنیعا ناعم البال

حتی ار تحلت الی قومی وازعجنی   عن ذاک مطلب عمی بترحالی

وکنت ما کان حیا ناعما جذلا   امشی العرضنة سحابا لاذیالی

فغاب مطلب فی قعر مظلمة   وقام نوفل کے یعدو علی مالی

ان رای رجلا غابت عمومته   وغاب اخواله عنه بلا والی

انحی علیه ولم یحفظ له رحما   ما امنع المرء بین العم والخال

فاستنفروا وامنعوا ضیم ابن اختکم   لا تخذلوه وما انتم بخذال لی

ما مثلکم فی بنی قحطان قاطبة   حی لجار وانعام وافضال

انتم لیان لمن لا ذت عریکته   سلم لکم وسمام الابلج الغالی

میرے حزن و اندوہ اور تردد و پریشانی سے میری رات کتنی لمبی ہوگئی (کیونکہ رات بھر اسی غور و فکر میں جگتا رہتا ہوں اور بے اطمینانی کی وجہ سے نیند آتی ہی نہیں) کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ جاکر قبیلہ بنو النجار میں میرے ماموؤں کو میرے مصائب کی خبر دیدے۔ یعنی عدی و دینار و مازن و مالک کو جو پڑسیوں کی بڑی حمایت کرتے ہیں میرے حالات سے مطلع کرے (میرے ننہالی رشتہ دارو!) میں آپ لوگوں میں اطمینان آرام اور بے فکری سے تھا جہاں کسی ظالم کے ظلم کا وہم و گمان بھی نہ ہوتا یہانتک کہ میں اپنی قوم میں چلا آیا جس کے لیے میرے چچا مطلب نے مجھے اٹھایا اور سفر پر آمادہ کیا جبتک وہ مرحوم زندہ تھے میں بے فکر اور خوشحال تھا۔ ہر طرف دامن پھیلائے ہوئے چھکتا پھرتا تھا۔ مگر افسوس مرحوم چچا مطلب قبر کی تاریکی میں پہونچ گئے اور ان کے بعد نوفل میرا مال لوٹنے پر آمادہ ہوگیا۔ گیا اس کو یہ جرأت اس سبب سے ہوئی کہ اس نے اپنے مقابلہ پر اس شخص کو (مجھے) دیکھا جس کے چچا تو ختم ہی ہوگئے اور اس کے ماموں بھی اس سے دور ہیں اور وہ بغیر والی کے ہے۔ وہ چچا اس شخص (اپنے بھتیجے) پر لوٹ پڑا اور خون کی ذرہ برابر رعایت نہیں کی۔ جس شخص کے چچا اور ماموں سب موجود ہوں وہ کس درجہ محفوظ اور مطمئن ہوتا ہے۔

اب اے میرے ماموں حضرات آپ لوگ جلد اُٹھئے اپنے بھانجے کو ظلم و ستم سے بچایئے اور اسکی طرف سے غفلت نہ کیجیے کیونکہ آپ لوگ کبھی میری حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھائینگے میں خوب جانتا ہوں کہ بنو قحطان میں کسی ہمسایہ کیلیے اکرام و احسان کے اعتبار سے کوئی قبیلہ آپ لوگوں ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ نرمی سے پیش آتے اور آپسے صلح چاہتے ہیں ان کے لیے آپ لوگ بھی خوب نرم رہتے ہیں۔ اور جو لوگ متکبر ہوتے گھمنڈ کرتے ہیں ان سب کیلیے آپ حضرات بھی خوب تیز رہتے ہیں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صد ۱۶۹)

جس وقت یہ خبر انکے ماموں ابوسعید کو ملی وہ اسی آدمیوں کے ساتھ چلے اور خانہ کعبہ کے سامنے آکر اپنی اونٹنیوں سے اُتر پڑے۔ انکو دیکھکر حضرت عبدالمطلب کی باچھیں کھل گئیں لپک کر دونوں ماموں بھانجے بغل گیر ہوئے۔ پھر جناب عبدالمطلب نے کہا ماموں جان مکان پر تشریف لے چلیں اور آرام فرمائیں۔ مگر انھوں نے کہا نہیں جبتک نوفل سے نہیں مل لونگا کوئی کام نہیں کرونگا۔ نوفل خانہ کعبہ کے پاس بزرگان قریش کیساتھ بیٹھا تھا۔ ابوسعید اسکے سر پر پہنچ گئے۔ اور تلوار کھینچ کر کہا اے نوفل میں اس گھر کے مالک (خدا) کی قسم کھا کر کہتا ہوں میرے بھانجے کی جائداد کو واپس کر دے ورنہ میں اپنی تلوار کو تیرے خون سے سُرخ کر دونگا۔ نوفل نے کہا میں تیار ہوں کوئی عذر نہیں ہے چنانچہ اس نے ان کے کل حقوق واپس کر دیے۔ اور جو لوگ اس جگہ موجود تھے ان سب کو اس پر گواہ کر کے ابوسعید نے جناب عبدالمطلب سے کہا اے میری بہن کے لال چلو اب میں تمہارے ہاں ٹھہروں چنانچہ تین روز تک وہ رہے پھر سب لوگ عمرہ بجا لاکر اپنے گھر واپس گئے۔ اس واقعہ نے جناب عبدالمطلب کو مجبور کیا کہ کچھ لوگوں سے ہم عہدی کریں (تاکہ وہ لوگ ایسے وقتوں میں کام آیا کریں) چنانچہ بشر بن عمرو و ورقا بن فلاں اور بنی خزاعہ کے بہت لوگونکو بلایا اور خانہ کعبہ میں ان لوگوں سے عہد و پیمان کیے گئے اور اسکے متعلق ایک عہد نامہ بھی لکھ لیا گیا (تاریخ طبری جلد ۲ صد ۱۶۹ و کامل جلد ۲ صد ۵ وغیرہ۔

جناب عبدالمطلب کے کئی بھائی بہن تھیں۔ علامہ دیار بکری نے لکھا ہے۔ جناب ہاشم کے چار بیٹے ہوئے (۱) عبدالمطلب (۲) اسد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نانا تھے (۳) ابوصیفی (۴) نضلہ اور پانچ بیٹیاں ہوئیں (۱) شفا (۲) خالدہ (۳) صفیہ (۴) رقیہ (۵) حمنہ

جناب عبدالمطلب کی ماں مدینہ کے قبیلہ نجار کی معزز بیوی سلمٰی تھیں اور جناب اسد کی ماں قیلہ (مکہ کی رہنے والی) تھیں جو بیٹی تھیں عامر بن مالک خزاعی کی اور ابوصیفی و حمنہ کی ماں ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھیں اور نضلہ اور شفا کی ماں قضاعہ کی ایک عورت تھیں۔ اور خالدہ و صفیہ کی ماں واقدہ بنت ابوعدی مازنیہ تھیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صد ۱۶۹) یہ بھی خدا کا فضل تھا کہ جناب ہاشم کی عمر صرف بیس یا پچیس سال کی تھی (تاریخ کامل جلد ۱ صد ۔) مگر اس قلیل عمر میں آپکو خدا نے اتنی اولاد بھی دی اور آپکے کارنامے بھی اسقدر حیرت انگیز ہوئے جو بڑے معمر لوگوں کے بھی سننے میں نہیں آتے۔ اور جناب عبدالمطلب نے پانچ عورتوں سے شادی کی جن سے بارہ یا تیرہ یا دس بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹے تو یہ ہوئے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) ابوطالب (۴) حمزہ (۵) ابولہب (۶) غیداق (۷) مقوم (۸) ضرار (۹) عباس (۱۰) قثم (۱۱) حجل یا مغیرہ (۱۲) عبداللہ اور بیٹیاں یہ تھیں (۱) عاتکہ (۲) امیمہ (۳) بیضاء (۴) برہ (۵) صفیہ (۶) اروی ۔ اوپر مذکور ہو چکا کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی نذر کے مطابق اپنے پیارے فرزند جناب عبداللہ کو ذبح کرنا

چاہا مگر بھائی بہنوں نے روکا اور ان کے عوض اونٹ ذبح کرنے کی رائے دی چنانچہ سو اونٹ پر قرعہ نکلا اور جناب عبداللہ بچ گئے مگر جنکے رتبے خدا کے ہاں بڑے ہوتے ہیں۔ انکا امتحان بھی سخت ہوتا ہے جناب عبداللہ شادی ہونے کے بعد جناب عبدالمطلب کے سامنے ہی دنیا سے انتقال کر گئے اور جناب عبدالمطلب کو بہر طور آپکا صدمہ اٹھانا پڑا مگر خدا نے ان کے صلب سے آپکو بہترین فرزند بھی مرحمت فرما دیا تھا جنکا نام محمد مصطفےٰ تھا اور جو آگے چل کر تمام عالم کے سید و سردار ہوئے جناب عبدالمطلب کی عمر کس قدر ہوئی۔ اسکی تحقیق بہت دشوار ہے۔ بعض روایتوں میں ۱۱۰ بعض میں ۱۲۰ کسی میں ۸۲ اور کسی میں ۱۴۰ سال لکھا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ۱۴۰ سال والی روایت کو اختیار کیا ہے۔ اور شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نیز ہمارے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ۸۲ سال کے قول کو ترجیح دی ہے مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳) اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "وعمر شریفش ہشتاد و دو سال بود" (حیوۃ القلوب جلد ۲) اور یہی تحقیق مورخین یورپ کی بھی ہے چنانچہ پروفیسر سید یوسف نے خلاصۂ تاریخ العرب میں جناب عبدالمطلب کا سنہ ولادت ۴۹۷ء لکھا ہے اور حضرت رسولخدا صلعم کا سال ولادت ۵۷۱ء مانا گیا ہے۔ اس طرح آنحضرتؐ کی ولادت کیوقت آپکی عمر ۷۴ سال کی ہوتی ہے اور جب آنحضرت صلعم آٹھ سال کے ہوئے تو گویا ۵۷۹ء میں) آپنے انتقال کیا۔ اگر یہ حساب درست ہو تو ۸۲ سال عمر کی روایت یقینی صحیح قرار پاتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جناب ہاشم کی ولادت کا سال اس زمانہ میں لوگوں نے ۴۶۴ء مانا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اسوقت جناب عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے۔ اس حساب سے آپکی عمر صرف ۶۷ سال کی قرار پاتی ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں جناب ہاشم کی وفات کا عیسوی سال ۵۱۰ء لکھا ہے اپنی تحقیق میں غلطی کی ہو اس لئے کہ جناب عبدالمطلب کی عمر کا قول کم از کم ۸۲ سال ہے اس حساب سے آپکی ولادت ۴۹۷ء میں ثابت ہوتی ہے (اور وہی جناب ہاشم کے انتقال کا سال بھی ہونا چاہیئے) اور آپ کی وفات تو بہر طور ۵۷۹ء میں ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

جناب عبداللہ حضرت ہاشم کے پوتے حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پدر بزرگوار بعض اقوال کیمطابق آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جناب عبدالمطلب کی ایک بیوی کا نام فاطمہ تھا جو عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ انکے بطن سے جناب عبداللہ، جناب ابوطالب، زبیر، عبدالکعبہ، بیضا، امیمہ، برہ اور عاتکہ پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۔) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کیوجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب، ابوطالب، عبداللہ، حضرت حمزہ اور حضرت عباس عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے یہ خطاب آنحضرت یا صحابہ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین و جمیل تھا۔ اور عرب میں گورے چہرہ کو شعلۂ آتش کہتے ہیں۔ فارسی میں بھی آتشین رخسار ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳) اور فاضل بلوی لکھتے ہیں عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ پیغمبر صاحب کے والد نہایت متین و سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالت نسب بلکہ مکارم اخلاق کی وجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل مطہرہ میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں

رکھتے تھے (اعیان الامین جلد ۳)

جناب عبداللہ کی کنیت ابو قثم یا ابو محمد یا ابو احمد تھی۔ کان عبداللہ اصغر بنی ابیه و احبهم الیه جناب عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے مگر اپنے والد کو سب سے زیادہ پیارے تھے (کامل جلد ۲ صفحہ ۱) باوجود اسکے جناب عبدالمطلب کی اطاعت خدا کی یہ حالت تھی کہ آپ کی نذر کے مطابق جب ذبح کا قرعہ جناب عبداللہ پہ پڑا تو فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے لے چلے پھر لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے کہ آپ میں اور اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے مگر قرعہ عبداللہ ہی پر پڑتا رہا جب سو اونٹ رکھے گئے تو اب قرعہ اونٹوں پر پڑا اس پر فوراً لوگ بول اٹھے اے عبدالمطلب خدا تم سے راضی ہو گیا اور بجائے عبداللہ کے اس نے سو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی۔ مگر جناب عبدالمطلب کی تشفی نہیں ہوئی۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا۔ جب تک سو اونٹ اور عبداللہ میں تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا۔ جناب عبداللہ کے حسن و جمال کی یہ حالت تھی کہ عورتیں خود آپ کو پیغام دیتیں اور آپکی عفت کی یہ حالت تھی کہ سب سے انکار کرتے تھے بعض عورتوں کی حالت لکھی ہے کہ آپ سے کہا یا فتی هل لك ان تقع علیّ الآن واعطیك مائة من الابل فقال لها۔

اما الحرام فالممات دونه ❊ والحل لا حل فاستبینه ❊
فکیف بالامر الذی تبغینه ❊ یحمی الکریم عرضه و دینه ❊

اے جوان کیا تم اس وقت میرے ساتھ ...... اس کے عوض میں تم کو سو اونٹ دوں گی۔ اسکے جواب میں جناب عبداللہ نے دو شعر پڑھے کہ حرام کاری تو میں مرتے وقت تک نہ کروں گا رہا حلال تو حلال صورت کا ذکر ہی نہیں ہے تاکہ میں اس کو دریافت کروں پھر تو کہتی ہے وہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ شریف اور معزز شخص اپنی آبرو اور مذہب دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو انکی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انھوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا۔ اسی موقع پر خود عبدالمطلب بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا شادی کی۔ حضرت حمزہ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں۔ ہالہ نے آنحضرت صلعم کو دودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہ آں حضرت کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ دستور تھا کہ دولہا شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے اس وقت انکی عمر سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۱۱۲ سطر ۲) عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھیرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے

بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔ عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ۔ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ میں ملیں۔ ام ایمن کا اصلی نام برکت تھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲۲) معاصر موصوف نے اسکی تصریح نہیں کی کہ جناب عبداللہ کی عمر وفات کے وقت کیا تھی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۵ یا ۲۸ سال کے تھے اور حضرت رسول خدا صلعم کی ولادت سے پہلے انتقال کیا (کامل جلد ۲ ص ۶) جناب عبداللہ مقام ابواء میں دفن کیے گئے (خمیس جلد ۱ ص ۲) افسوس جناب عبداللہ کی زندگی بہت مختصر ہوئی اور جتنے روز رہے بھی اپنے والد کے ساتھ رہے اس وجہ سے آپ کے حالات میں ویسے جلیل القدر کارنامے نہیں ملتے جیسے جناب ہاشم وغیرہ کے۔ ظاہر ہے کہ یہ زمانہ آپ کی سرداری کا تھا ہی نہیں جس میں آپ کوئی خاص اور غیر معمولی کام کر سکتے البتہ جو انکی خصوصیت تھی وہ اس زمانہ جاہلیت کے عہد شباب میں کسی شخص کا اپنی عفت ثابت کرنا محیر العقول وصف تھا اور عجب بالائے عجب یہ تھا کہ جناب عبداللہ پر عورتیں اس طرح فریفتہ ہوتی تھیں جس طرح جناب یوسف پر ہوتی تھیں اور آپ نے ہر موقع پر انکار کر کے اپنے کو صرف اعلیٰ درجہ کا متقی ہی نہیں ثابت کیا بلکہ اپنے والد کا مطیع بھی اس حد تک دکھایا جسکی مثال بمشکل مل سکتی ہے۔

حضرت ابو طالبؑ

جناب عبدالمطلب کے صاحبزادے اور جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے کہ دونوں بزرگوں کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں جناب عبداللہ سے آپ بڑے تھے۔ بلکہ جناب عبداللہ جناب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے۔ فاضل معاصر دہلوی نے لکھا ہے "یوں تو عبدالمطلب اولاد ذکور میں بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں باوقار اور عقلمند ابوطالب تھے یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالت و تربیت انہی سے متعلق تھی۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنار عاطفت میں نشو و نما پایا اور جب تک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے" (امہات الامہ ص ۳) اور جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آنحضرت کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالبؑ کو آنحضرت کی تربیت سپرد کی۔ ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔۔۔ عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت کے والد عبداللہ اور ابوطالبؑ ماں جائے بھائی تھے اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت کو ابوطالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرت صلعم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرت کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۳۸) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی آپ کی شفقت کا خاص اثر تھا۔ چنانچہ جناب امیرؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی تھیں کہ جب جناب عبدالمطلب مر گیا

موت ظاہر ہوئے تو آپ نے اپنے لڑکوں سے دریافت کیا کہ میرے فرزند محمدؐ کی کفالت کون کرے گا۔ سب نے کہا وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ سمجھدار ہیں آپ انھیں سے کہیے کہ کسی کو تجویز کرلیں۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا محمدؐ! تمھارا دادا تو قیامت تک کے لیے تم سے رخصت ہوتا ہے۔ اب تم اپنے چچا اور پھوپھیوں سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہو؟ محمدؐ نے سب کی طرف نظر کی۔ پھر دوڑ کر ابو طالبؑ کے پاس آگئے۔ یہ دیکھ کر جناب عبدالمطلب نے ابو طالبؑ سے کہا ابو طالب! میں تمھاری دیانت اور امانت سے اچھی طرح واقف ہوں دیکھو تم بھی محمدؐ کے لیے ویسا ہی مہربان اور شفیق ثابت ہونا جیسا میں رہا ہوں۔ پھر جب جناب عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا تو ابو طالبؑ نے محمدؐ کو اپنے متعلق لے لیا۔"

جناب ابو طالبؑ بھی مکارم اخلاق اور انسانی خدمات جلیلہ کے اعتبار سے اپنے بزرگوں ہی کے مثل ثابت ہوئے اور خصوصاً حضرت رسول خدا صلعم کی حفاظت و حمایت و تربیت تو آپ نے اس طرح کی کہ حقیقی باپ بھی کیا نہیں کرتے۔ آپ کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ یتیم ہوگئے ہیں۔ یا آپ کی ماں کا انتقال ہوگیا ہے یا شفیق دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے۔ ایک مرغابی کی طرح آپ کو اپنے سے لپٹائے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر حضرت کی کفالت کرتے رہے۔ کسی وقت اپنے سے الگ نہ ہونے دیتے۔ اپنے پہلو میں سلاتے۔ بنفس نفیس آپ کی خدمات انجام دیتے۔ کھانے پینے پہننے اور جملہ اسباب راحت میں اپنے اور اپنے اہل و عیال پر آپ کو مقدم رکھتے۔ اور خاص کر کفار قریش اور اشرار یہود سے آپ کی حراست و نگہبانی فرماتے (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۹) حضرت ابو طالب جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے (ایرونگ ص ۱۴) ان کو علاوہ اس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی حفاظت کے سبب حاصل تھی یہ وجاہت بھی تھی کہ قوم قریش کے تاجروں میں سے تھے اور اس قافلہ کے ساتھ جو آپ کے جد امجد ہاشم نے جاری کیا تھا اور جو ملک شام اور یمن میں تجارت کرتا تھا بڑے ذی شان تھے (ایرونگ ص ۱۲) مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "شام کا سفر۔ ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالبؑ نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالبؑ نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابو طالب بصرے میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا

۵۱ جناب عبدالمطلب آنحضرت صلعم کو نہایت عزیز رکھتے اور برابر اپنے ساتھ بٹھاتے اٹھاتے کھلاتے پلاتے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور اس پر ان کے بیٹوں میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا ان کی تعظیم کی غرض سے اور رسول خدا جب تشریف لاتے تو اسی پر بیٹھتے۔ پھر آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ میرے بیٹے کو یہیں بیٹھا رہنے دو کیونکہ اس فرزند کی بڑی شان ہے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۴)

تھا۔ اُس نے آں حضرت کو دیکھکر کہا کہ یہ سیّد المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا۔ اُس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۲۱) اس کے بعد اس راہب نے جناب ابو طالبؑ سے کہا کہ جلد اس لڑکے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ اور اُسے یہودیوں سے بچاؤ کیونکہ اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیں اور جو شان اسکی میں جانتا ہوں وہ بھی پہچان لیں گے تو مجھے خوف ہے کہ وہ ان سے شرارت کریں گے فانہ کائن لہ شان عظیم اس لئے کہ اس لڑکے کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ غرض جناب ابو طالبؑ اپنے اسباب تجارت وہیں فروخت کرکے واپس آئے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳ وغیرہ)

جناب ابو طالبؑ برابر حضرت رسول خدا صلعم کی بھلائی اور ترقی کی فکر میں رہتے مگر خاندان بنی ہاشم کی سخاوت اور کثرت اولاد کی وجہ سے اب اسکی مالی حالت ویسی نہیں رہی تھی اور ہوتی بھی کیونکر، جو لوگ اپنی دولت دن رات دوسروں کی ذات میں صرف کرتے رہتے ان کے اپنے لئے کہاں سے بچتی۔ مگر جناب ابو طالبؑ کے دماغ نے اس ناداری میں بھی آپ کو بیکار نہیں رہنے دیا آپ نے یہ تدبیر نکالی کہ لوگوں کا مال تجارت اجرت پر باہر بھیجنا چاہیئے چنانچہ اُس زمانہ میں شہر مکہ میں ایک شریف المال اور نہایت معزز بی بی جناب خدیجہ تھیں وہ بھی قبیلہ قریش ہی سے تھیں۔ ان کی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر جاری تھا اور دولت بھری ہوئی تھی اس سبب سے بھی خاص عظمت کی نظر سے دیکھی جاتیں۔ انھیں بی بی خدیجہ کے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکم کی سفارش سے جو آں حضرت صلعم کے بڑے دوست تھے جناب خدیجہ نے حضرت سے فرمائش کی کہ آپ میرا مال باہر لے جاکر بیچا کریں اور اس کا معاوضہ بھی حضرت کو اوروں سے دوگنا منظور کیا جناب ابو طالبؑ نے حضرتؐ کو صلاح دی کہ اسکو منظور کرلیں اور خدیجہ کا مال لے جاکر فروخت کیا کریں۔ آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جناب خدیجہ کی درخواست منظور کی اور ان کے اسباب تجارت کے نگراں ہوکر شام کی طرف تشریف لے گئے۔

اس سفر کے حالات سنکر قافلہ تجارت واپس آنے کے ۲۵ ہی دنوں کے بعد جناب خدیجہ نے آں حضرت صلعم سے نکاح کی خواہش کی جسے جناب ابو طالبؑ نے منظور کرلیا تو آں حضرتؐ کی طرف سے خود جناب ابو طالبؑ اور جناب خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہوگیا۔ جناب ابو طالبؑ کا خطبہ یہ تھا۔

الحمد لله الذي جعلنا من ذريّة ابراهيم وزرع اسمٰعيل وضئضئ معد وعنصر مضر۔ وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحكام على النّاس ثم ان ابن اخي هذا محمد بن عبد الله لا يوزن برجل من قريش الا رجح وان كان في المال قلّ فان المال ظلّ زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما آجله وعاجله من مالي كذا وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جليل جسيم۔

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیئے ہے جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت جناب اسمٰعیلؑ کی اصل معد کی نسل اور مضر کی شاخ میں قرار دیا اور اُس نے ہم لوگوں کو خانہ کعبہ کا محافظ اور اُسکے حرم کا نگران مقرر کیا۔ اور ہمارے لیئے اپنا وہ گھر بنایا جس کا لوگ حج کرتے ہیں اور ہمیں اپنا وہ حرم عنایت کیا جو جائے امن ہے اور اُس نے ہم لوگوں کو حاکم اور سردار بنایا (یہ تو ہمارے پورے خاندان کی حالت ہے اور) خاص کر میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ کی تو یہ شان ہے کہ قریش کا کوئی شخص بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ جو بھی آپ کے مقابلہ میں لایا جائے گا یہ اُس سے ضرور ہی بڑھ جائیں گے۔ یہ درست ہے کہ اُن کے پاس مال کم ہے مگر یہ جانتے ہیں کہ مال تو چلتی پھرتی چھاؤں بدل جانے والا حال ہے۔ برخلاف اس کے محمدؐ کے جو ذاتی مفاخر قرابت اور تعلقات ہیں ان سب کو تم لوگ پہچانتے ہو۔ یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنی چاہتے ہیں اور اسکے لیئے میرے موجودہ مال اور آئندہ مال سے اس قدر مہر عطا کریں گے اور خدا کی قسم اسکے بعد اُن کی شان نہایت عظیم القدر اور اُنکی عزت بہت بڑی اور اُن کا دبدبہ و اقتدار بہت بلند ہونے والا ہے۔

جب حضرت ابو طالبؑ اپنا خطبہ تمام کر چکے تو جناب خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے حسب ذیل خطبہ پڑھا۔

الحمد للّٰہ الذی جعلنا کما ذکرت و فضلنا علی ما عددت۔ فنحن سادۃ العرب وقادتھا وانتم اھل ذالک کلہ لا تنکر العشیرۃ فضلکم ولا یردّ احد من النّاس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد من محمد بن عبد اللّٰہ علی اربع مائۃ دینار۔ ثم سکت۔

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیئے ہے جس نے ہم کو وہی عزت دی ہے جس کا (ابو طالبؑ) تم نے ذکر کیا اور ہم لوگوں کو اسی طرح شرف و فضل عطا کیا جس طرح تم نے شمار کیا۔ بے شک ہم لوگ عرب کے سردار اور اُنکے مقتدا ہیں اور تم لوگوں کو یقیناً وہ سب فضائل و امتیازات حاصل ہیں جن کا تم نے ذکر کیا۔ کوئی قبیلہ تمہارے فضل کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور ایک آدمی بھی تمہارے فخر و شرف کا جواب نہیں دے سکتا۔ یقیناً ہم لوگوں کو رغبت ہوئی کہ تمہارے خاندان اور تمہارے شرف سے ہم لوگوں کا پیوند ہو۔ اب اے معاشر قریش تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح چار سو دینار پر محمد بن عبداللہ سے پڑھ دیا۔

اس نکاح کے بعد جناب ابو طالبؑ کی حالت لکھی ہے کہ:۔

وفرح ابو طالب فرحاً شدیداً وقال الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الکرب ودفع عنا الھموم۔ جناب ابو طالبؑ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے اور کہتے تھے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے (محمدؐ کے متعلق) ہمارے کل کرب و اندوہ کو دور فرمایا اور سب ہموم و غموم کو دفع کر دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب

حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے جو اہم حالات تھے اوپر لکھے گئے ضرور ہے کہ اس جگہ ان حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کر دی جائے۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔

"ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کس پانی میں تھے۔ تو مذہب سے ہماری مراد ہے دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا ذکر اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔ پھر دین فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قرائن امن و عافیت پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو صرف قرائن و عافیت پر لایا جاتا ہے پہلی قسم دین کامل ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری قسم دین ناقص۔ پیغمبر صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کا دین فطرت پیغمبر صاحب ہی کے جد اعلیٰ ابراہیم نے ایجاد کیا اور ایجاد ہی نہیں بھی کیا تو شد و مد کے ساتھ اس کو رواج دیا کہ ایسا رواج دیا کہ دنیا بھی پکار اٹھی ...... یوں آپ پیغمبر صاحب نہایت اعلیٰ ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لیکر آئے تھے اور دین کے پیچھے تنگ خیالات خود ان کے دل سے پیدا ہوتے مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیم کے مدتوں بعد دین میں بٹے بنتے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پکارنے لگے تھے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دارد فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبد المطلب اور ابو طالب میں اس نے لو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو برگزیدہ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔ پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبد المطلب نے پرورش کیا۔ ان کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابو طالب نے۔ اور عبد المطلب اور ابو طالب کے حالات سے ذرہ کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت کو گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ انکا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے" (امہات الامہ ص)

اور علماء اہلسنت کے ایک جلیل القدر بزرگ علامہ سیوطی نے تو کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباؤ اجداد کو روایات سے ثابت کیا ہے سب با ایمان اور دین حنیف (دین ابراہیمی) پر تھے یہ کل کتابیں ریاست حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کر دی گئی ہیں۔ ان سب میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباؤ اجداد کبھی مشرک نہیں تھے۔ کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔ بلکہ برابر دین ابراہیم کے پیرو رہے مثلاً لکھتے ہیں ومات اباء النبی لم یکن فیھم مشرک حضرت کے آباؤ اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا (مسالک الحنفا ص) اور جناب شاہ عبد الحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباؤ اجداد کرام حضرت آدم سے حضرت عبد اللہ تک سب کے سب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے اور علماء متاخرین نے اسکی کو تحریر کیا ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت کے کل

آباء و اجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ کافروں کے
صلب و رحم میں رکھے اور آخرت میں اُن کے کافر آباء و اجداد پر عذاب کر کے حضرت رسول خدا صلعم کو رسوا کرے
(اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۸۲) اور علامہ فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے۔ ان آباء الانبیاء
ما کانوا کفارا انبیاء کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے۔ وبھذا التقدیر الآیۃ دالۃ علی ان جمیع آباء
محمد کانوا مسلمین۔ اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمد کے کل آباء و اجداد مسلمان تھے۔ ومما
یدل علی ان آباء محمد ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین
الی ارحام الطاہرات۔ اس امر کی دلیل کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباء و اجداد مشرک نہیں تھے حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ کی یہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کے صلبوں سے پاکیزہ بیبیوں کے رحموں
میں منتقل ہوتا آیا۔ (مسالک الحنفاء صفحہ ۱۰) اور مذہب شیعہ کے بڑے عالم بلکہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے
کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے والد۔ والدہ۔ بلکہ کل اجداد و جدات تک سچے
مذہب پر تھے۔ اور آپ کا نور مبارک نہ کسی مشرک مرد کے صلب میں داخل ہوا نہ کسی مشرک عورت کے رحم میں۔ بلکہ بہت
حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے باپ دادا سب کے سب انبیاء و اوصیاء اور دین خدا کے حامل تھے اور
حضرت اسمٰعیل کے فرزند جو آں حضرت صلعم کے اجداد کرام تھے حضرت ابراہیم کے اوصیاء اور خلائق کے مرجع تھے اور
ملت ابراہیمی ان کے درمیان باقی تھی اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی شریعت کی وجہ سے ملت ابراہیمی منسوخ نہیں ہوئی
تھی بلکہ یہ حضرات اُس کے محافظ تھے اور ایک دوسرے کو اس کی حفاظت کی وصیت کرتے آتے تھے۔ اور بسند
حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم نہ میرے والد نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے جد عبد المطلب
نے نہ ان کے پدر بزرگوار ہاشم نے۔ نہ اُن کے والد عبد مناف نے بلکہ یہ کل حضرات خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے اور دین
حضرت ابراہیم پر قائم تھے۔ (حیات القلوب جلد ۲ باب ۱ فصل ۳) بلکہ جناب فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت
امیر المومنینؑ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی عورتیں بھی کافر یا مشرک نہیں بلکہ دین ابراہیمی پر تھیں چنانچہ
جب جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت قریب پہنچا اور جناب فاطمہؑ کو وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ خانہ کعبہ کے پاس
آئیں اور کہا پروردگارا میں تجھ پر اور جو تیرے پاس سے آئے ہیں اور جو کتابیں تیرے پاس سے نازل ہوئی ہیں ان پر
ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کرتی ہوں پس جس بزرگ نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے
تجھ کو اُسی کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور جو مولود میرے بطن میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ دیتی ہوں کہ تو
وضع حمل کو مجھ پر آسان کر دے (مناقب ابن شہر آشوب صفحہ ۱۳۲)

اسی خاندان بنی ہاشم کے ایک بڑے رکن جناب ابوطالب بھی تھے۔ آپ بھی حضرت رسول خدا صلعم کی
بعثت تک دین ابراہیمی پر رہے اور جب آں حضرت صلعم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اسی وقت آپ بھی
دین ابراہیمی سے دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ مولوی [illegible] صاحب لکھتے ہیں "جس وقت پیغمبر صاحب

اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابو طالب زندہ تھے اور گو انھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا لہ مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے اُن کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔ آگہی صدقہ اپنے پیغمبر کا ابو طالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب۔ ہرچند ابو طالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلۂ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے اور اُن کی حمایت کے ہوتے ہوئے پیغمبر صاحب کو کسی حمایت کی ضرورت نہ تھی مگر خرابی یہ آ کر پڑی تھی کہ اپنے ہی خاندان میں پھوٹ تھی۔ ایک چچا ابو طالب تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود۔ اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے نام سے چڑتا اور پیغمبر صاحب کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا پس ابو طالب کی حمایت پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں؟ (امہات الامہ ص۹) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرت سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ اور یہ اور یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ ابو طالب نے آنحضرتؐ کے لیے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت۔ یہ جوش۔ یہ جاں نثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی؟ ابو طالب آں حضرتؐ سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آں حضرتؐ ان کی عیادت کے لیے گئے تو انھوں نے کہا بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو

لہ بظاہر اسلام کس طرح قبول کرتے؟ جس طرح حضرت شروع سے دین ابراہیمی پر اور کفر و شرک سے بالکل علیحدہ رہے بالکل اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کے نبی مبعوث ہونے پر دین اسلام کے پیرو ہو گئے۔ اور دین ابراہیم و دین اسلام تو در حقیقت دو چیزیں ہی نہیں وہی اسلام تھا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیم نے کی اور اسی اسلام کی گویا تجدید کے لیے حضرت رسول خدا صلعم تشریف لائے۔ پس اب جناب ابو طالب کیا نیا کام کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے بظاہر اسلام قبول کیا مگر بظاہر بھی آپ نے وہ سب کیا جو بڑے بڑے بظاہر اسلام قبول کرنے والے نہ کر سکے۔ یعنی اپنی جان سپر کر کے آنحضرت کی حفاظت کی اپنی اولاد قربان کر کے آپ کو محفوظ رکھا۔ اور تمام قریش سے حضرت کی حمایت میں [illegible] لیا گویا ہر شخص سے [illegible]

پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھکو اچھا کردے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے۔ انحضرتؐ سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۱۸۲ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ ص۱۱۲) جناب ابوطالب کا اسلام اس قدر زبردست ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری ایسے محدث نکتہ نے آپ کا ذکر اسی کتاب الاصابہ میں کیا جو صحابہ کے حال میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہے کہ صحابی وہی ہے جو حالت اسلام میں حضرت رسولخدا صلعم سے ملا ہو۔ اور جو کفر میں مرا اس کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ بھی حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور برابر حضرتؐ سے ملتے رہے مگر ان کا ذکر علامہ مذکور نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ اسی وجہ سے تو کہ وہ دونوں کافر تھے جب وہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تو صحابہ نہیں قرار پائے اور جب یہ صفت ان میں نہیں آئی تو صحابہ کے حالات میں جو کتاب لکھی گئی اس میں اُن کا حال کس اصول سے لکھتے لیکن جناب ابوطالب کا حال تفصیل سے لکھا اور کامل پانچ بڑے صفحوں میں درج کیا ہے۔ جو اسکی واضح دلیل ہے کہ علامہ مذکور نے آپ کو صحابی رسول سمجھا اور مسلمان تسلیم کیا۔ علامہ مذکور ہی لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولخداؐ مبعوث برسالت ہوئے تو جناب ابوطالب آپ کی حمایت پر کھڑے ہوگئے۔ آپ کے دشمنوں کو آپ سے دفع کرنے لگے اور آپ کی مدح میں کثرت سے قصیدے لکھے۔ انھیں قصائد میں وہ بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

اور حضرت رسولخدا ایسے نورانی ہیں کہ ان کے چہرے کا واسطہ دیکر خدا سے طلب باراں کیا جاتا ہے وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوں کے بچانے والے ہیں۔ آپ کے ایک اور قصیدہ میں یہ شعر ہے ؎

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

خدا نے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت قدر کے لئے اپنے نام سے ایک نام مشتق کر کے رکھا اس طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسولخداؐ محمد ہیں۔

ابن عیینہ کہتے تھے کہ اس سے بہتر شعر میں نے کبھی نہیں سنا جناب ابوطالب کہا کرتے تھے ماکذب ابن اخی قط میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولا (اصابہ جلد ۷ ص۱۱۳) مذکورہ بالا عبارت کا ہر جملہ پکار کر کہتا ہے کہ حضرت ابوطالب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر اور اسلام پناہ تھے (۱) مرتے وقت کلمہ شہادتین جاری کرنا جو اس اصول پر نہیں تھا کہ آخر میں اسلام قبول کرلیا بلکہ ویسا ہی تھا جیسا ہر مومن کا شعار ہے کہ انتقال کے وقت کلمہ شہادتین پڑھتا ہوا دنیا سے جاتا ہے اور جناب عباس کا جو اس وقت تک کافر تھے یہ کہنا کہ ابوطالب وہی کلمہ اسلام کہہ رہے ہیں جس کی خواہش رسول کرتے تھے زبردست شہادت ہے بلکہ اس سے قوی تر شہادت کیا ہوسکتی ہے (۲) رسولخدا سے کہنا کہ میری صحت کے لئے خدا سے دعا کرو۔ اگر آپ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا کو پیغمبر برحق نہیں جانتے تھے تو آپ سے یہ فرمائش کیوں کی، کیا کافر نے بھی حضرتؐ سے ایسی مذہبی درخواست کی تھی؟

(۳) جب آپ کو صحت ہوگئی تو آنحضرتؐ سے یہ کہنا کہ خدا تیرا کہنا مانتا ہے ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے۔ جب ابوطالب کو یقین ہوا کہ خدا حضرتؐ کی بات مانتا ہے تو آپ پھر کافر کیسے رہ سکتے تھے۔ اگر جناب ابوطالب جانتے کہ حضرت پیغمبر نہیں ہیں تو ضرور یہ بھی یقین رکھتے کہ خدا ان کا کہنا نہیں مانتا ہے کیونکہ ہر شخص اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو شخص جھوٹا مدعی نبوت ہوگا خدا مذہبی باتوں میں اس کا کہنا کبھی نہیں مانے گا (۴) یہ کہنا کہ خدا نے اپنے نام سے لفظ محمد کو مشتق کرکے حضرتؐ کا یہ نام اس غرض سے رکھا کہ (خدا کی طرح) حضرت کی جلالت وعظمت بھی اچھی طرح واضح ہو جائے واضح کرتا ہے کہ جناب ابوطالب کو قطعاً حضرت کا نبی بلکہ سید الانبیا ہونا معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسی وجہ سے خدا نے آپ کا یہ نام رکھا تاکہ کلمہ اسلام میں اللہ کے ساتھ آپ کا نام بھی رہے اور جو جلالت خدا کو حاصل ہے وہ آپ کو بھی ملے (۵) آپ کا یہ کہنا بھی کہ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولتا ایمان کی حتمی دلیل ہے جب حضرت ابوطالب کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو ان کو یہ بھی یقین ہوا کہ آپ اپنے دعوے رسالت میں سچے ہیں۔ اور جب حضرتؐ کو سچا نبی تسلیم کر لیا تو پھر اسلام نہ لانے کا معنی کیا ہوگا۔ اسلام کی تعریف تو یہی ہے کہ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا صلعم کو سچا نبی مانے۔

مختصر یہ کہ حضرت ابوطالب کا ایمان ویسا ہی یقینی تھا جیسا حضرت رسولخدا صلعم کا پیغمبر ہونا اور جس طرح حضرت رسولخدا صلعم کے دشمنوں نے حضرتؐ کی نبوت ہی سے انکار کر دیا اسی طرح حضرت ابوطالب کے دشمن بھی حضرت کے اسلام ہی سے انکار کرتے ہیں۔ غرض دونوں جماعتیں حق کی منکر ہیں۔ علامہ ابن حجر ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ جناب ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی شان میں یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎ ودعوتنی وعلمت انک صادق ۔:۔ ولقد صدقت فکنت قبل امینا۔ ولقد علمت بان دین محمد ۔:۔ من خیر ادیان البریۃ دینا۔ اے محمدؐ تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً صادق ہو۔ اور اس دعوئے پیغمبری میں بھی تم سچے ہو اس لئے کہ تم پہلے سے امین ہو۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بہتر اور افضل ہے (اصابہ جلد ۷ صـ۱۱۶ و تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۲۹۴ وغیرہ)

علامہ سید احمد بن سید زینی دحلان نے جو اجلہ علماء اہلسنت سے ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب یہ کتاب مصر میں بڑی تقطیع کے ۴۶ صفحہ پر چھپ گئی ہے۔ اس میں جناب ابوطالب کا یہ شعر بھی ہے ؎

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ۔ رسولا کموسی خط ذلک فی الکتب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا جیسے نبی حضرت موسیٰ تھے اور ان کی نبوت کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں (اسنی المطالب صـ۵)

حضرت ابوطالب کے ایمان پر آپ کا وہ قصیدہ لامیہ بھی زبردست دلیل ہے جس کو آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی حقیقت وحمایت میں کہا ہے اور جو بکثرت کتب حدیث وسیرۃ وتاریخ میں منقول ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ

اس قصیدہ میں اسّی سے زیادہ شعر ہیں۔ اور علامہ ابن ہشام کی سیرۃ الرسول میں اس کے ۹۴ شعر منقول ہیں (ملاحظہ ہو مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۴۷) اس قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں ؎

حلیما رشید احازما غیر طائش یوالی الٰہ الخلق لیس بماحل

وایدہ رب العباد بنصرہ واظہر دیناحقہ غیر باطل

الم یعلموا ان ابننا لا مکذب لدینا ولا یعبأ بقول الاباطل

محمد (مصطفیٰ) بردبار سمجھدار ہوشیار تجربہ کار ہیں ہلکی عقل کے نہیں ہیں، وہ خدائے جہان کو دوست رکھتے ہیں اور بات بنانے والے نہیں ہیں، پروردگار عالم نے اپنی مدد سے انکی تائید کی ہے اور انھوں نے اس دین حق کو جو باطل نہیں ہے اچھی طرح ظاہر و واضح کر دیا ہے۔ کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ہمارے فرزند کا کوئی کلام جھوٹ نہیں نکلا اور نہ وہ باطل اقوال کی طرف توجہ کرتا ہے (سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ وغیرہ) دنیا کا یہ دستور بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باپ جس امر کو پسند کرتا ہے اس کی تاکید اپنی اولاد پر کرتا ہے اور جس امر کو برا سمجھتا ہے اس سے اپنے لڑکوں کو منع کرتا ہے۔ اب آؤ دیکھیں حضرت ابوطالب نے اپنی اولاد کو مذہب کے متعلق کیا تعلیم دی۔ اگر ان سے فرمایا ہو کہ تم لوگ کافر ہو بت پرستی کرو، دین اسلام کو قبول نہ کرو، محمد مصطفیٰ کی پیروی نہ کرو تو ماننا پڑے گا کہ آپ بھی معاذ اللہ غیر مسلم تھے اور دین اسلام سے اسی طرح علیحدہ رہے جس طرح دوسرے کفار مکہ تھے لیکن اگر واقعات اس کے خلاف ہوں اور اگر آپ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تاکید کی ہو تو کون صاحب عقل کہے گا کہ خود تو آپ نے اسلام قبول نہیں کیا مگر اپنے فرزندوں پر اس کے لئے زور دیا۔ اس سے فیصلہ بآسانی ہو جائے گا تاریخ و حدیث و رجال کے اوراق سے پوچھو تو وہ تم کو بتائیں گے کہ وقال ابوطالب لعلی ما هذا الدين الذی انت عليه فقال يا ابت امنت بالله ورسوله وصليت معه فقال اما انه لا يدعونا الا الى الخير فالزمه جناب ابوطالب نے حضرت علیؑ سے (بطور امتحان) پوچھا کہ بتاؤ یہ کون دین ہے جس پر تم ہو؟ فرمایا اے اباجان میں بھی خدا اور اُس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں تو آپ نے کہا ہاں محمدؐ ہم لوگوں کو خیر (بہتر مذہب) ہی کی طرف بلاتے ہیں تم اس (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رہو (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲)

ان اباطالب قال لجعفر لما اسلم صل وجناح ابن عمك فصلى جعفر مع النبیؐ

ابوطالب نے اپنے تیسرے فرزند جعفر سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد کہا اب اپنے چچا زاد بھائی (رسولؐ) کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا کرو۔ تو وہ حضرتؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)۔ باوجود اس قدر دلائل کے پھر کیوں آپ کے ایمان سے لوگ انکار کرتے ہیں؟ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے والد ماجد تھے پس جب حضرت علیؑ ہی افترا و بہتان سے نہیں بچے تو آپ کے والد کیونکر بچتے۔ اور ایک ہلکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نماز پڑھتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو بلا لیتے تھے کہ آپ کے ساتھ

نماز جماعت پڑھیں مگر حضرت ابوطالب کو نہیں بلاتے تھے کیونکہ آپ کو ادب منع کرتا تھا کہ چچا کے آگے کھڑے ہوں اور وہ حضرتؐ کے پیچھے رہیں۔ اس سبب سے جناب ابوطالب اپنے گھر نماز پڑھتے ہوں گے جس کو سب لوگ اس طرح نہیں دیکھتے تھے۔ اس سبب سے سمجھئے کہ اگر ابوطالب بھی مسلمان ہوتے تو آنحضرت ان کو بھی نماز جماعت میں بلا لیا کرتے۔ آخر میں ایمان حضرت ابوطالب کی ایک اور زبردست دلیل ذکر کرکے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت ابوطالب کی شادی جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوئی تھی۔ یہ فاطمہ بھی حضرت ابوطالب کے ایمان کی زبردست حجت اور لاجواب دلیل ہیں کیونکہ موصوفہ کو تمام مورخین و محدثین حضرت ابوطالب کی زوجہ تسلیم کرتے اور اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ممدوحہ سب سے پہلی اسلام قبول کرنے والی بیویوں میں تھیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ممدوحہ نے سنہ ۴ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا۔ اور حضرت ابوطالب ان سے چھ سات برس پہلے مکہ معظمہ میں انتقال کر چکے تھے اور کل تاریخیں اس کی گواہی بھی دیتی ہیں کہ وفات ابوطالب تک جناب فاطمہ بنت اسد انکی زوجیت میں رہیں (یعنی آنحضرت صلعم نے ان کو ان سے جدا نہیں کیا) اور چونکہ عورتوں میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر سب کا اتفاق ہے اس سبب سے جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کی تاریخ بھی سنہ بعثت ہی ہے۔ اس طرح فاطمہ بنت اسد ایمان لانے کے بعد دس سال تک حضرت ابوطالب کی زوجیت میں باقی رہیں کہ نہ فاطمہ بنت اسد نے ان کو چھوڑا نہ جناب ابوطالب نے جناب فاطمہ بنت اسد کو جدا کیا نہ رسول خدا صلعم نے یہ حکم دیا کہ چونکہ فاطمہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورت غیر مسلم شخص کی بیوی نہیں رہ سکتی لہذا ان کو ان سے الگ کر دو۔ عقل صاف طور پر کہتی ہے کہ اگر جناب ابوطالب بھی جناب فاطمہ بنت اسد کی طرح مسلمان نہیں ہوتے تو وہ ضرور اپنی بیوی کو اس سے روکتے یا بیوی ہی ان کو اسلام پر آمادہ کرتیں اور بغیر ان کے مسلمان ہوئے ان کے ساتھ نہ رہتیں۔ یا حضرت رسول خدا صلعم نے دونوں میں تفریق کرا دی ہوتی کیونکہ اسلام کا حکم مشہور ہے کہ مسلمان عورت کافر مرد کی بیوی نہ رہے پس اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو فاطمہ بنت اسد ان کی زوجیت میں کیونکر رہ سکتیں۔ اسلام نے تو ان لوگوں میں علیحدگی کرا دی تھی جو معرفت و مذہب کے بالکل ہی ادنیٰ مرتبہ تک پہونچے تھے۔ چنانچہ مشہور ترین کتب تاریخ و سیر سیرۃ ابن ہشام میں جو تمام معتبر کتب تاریخ مثل طبری۔ کامل۔ ابن خلدون وغیرہ کی ماخذ ہے ذیل کا واقعہ موجود ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے طفیل ابو عمرو الدوسی بیان کرتا تھا کہ جب میں اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے وطن واپس آیا تو میری زوجہ میرے پاس آئی مگر میں نے اس سے کہا علیحدہ رہ۔ اب میں نہ تیرا شوہر رہا نہ تو میری زوجہ رہی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا کیوں؟ میں نے کہا اسلام نے تجھ کو مجھ سے علیحدہ کر دیا میں مسلمان ہو گیا۔ اس نے کہا جو تمہارا مذہب ہے وہی میرا بھی ہے میں نے کہا اچھا تو تم ذی الشریٰ سے میں جا کر غسل کر آ۔ جب وہ نہا کر آئی تو میں نے اس کو بھی اسلام سکھایا اور وہ بھی مسلمان ہو گئی (سیرۃ ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد ابن القیم مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۳۰۵) پس جب معمولی عورت و مرد تک اسلام و کفر کے سبب سے علیحدہ کر دیئے جاتے تو عقل سلیم کب قبول کر سکتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو

حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابوطالب کی زوجیت سے علیحدہ نہ کراتے۔ اب بغیر اس کے چارہ نہیں کہ جناب ابوطالب کے ایمان کا بھی ویسا ہی یقین کیا جائے جیسا اُنکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کا علم ہے۔ ورنہ خود رسولخدا کی ذات پر اعتراضات کی بوچھار ہوتی رہے گی اگرچہ عام علماء اس دلیل کو بیان نہیں کرتے مگر حضرات ائمہ طاہرینؑ نے جو علوم نبوت کے اصلی وارث تھے ایمان ابوطالب کے بارے میں اس دلیل کو بھی فرمایا ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے ایمان ابوطالب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ سوال عجیب و غریب ہے! خدا نے تو اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ کسی مسلمان عورت کو اُس کے کافر شوہر کی زوجیت میں نہ رہنے دیں بلکہ دونوں کو الگ کردیں۔ پھر اگر حضرت ابوطالب کافر تھے تو آنحضرت صلعم اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت اسد کو جو سابقات الاسلام سے تھیں جناب ابوطالب کی زوجیت سے کیوں علیحدہ نہیں کرا دیتے؟" (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۳) حالات جناب فاطمہ بنت اسد) اس سے زیادہ جناب ابوطالب کے ایمان کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مخالفین تو اسلام تک سے انکار کرتے ہیں جو اُن کا علاج ہے وہی ان کا بھی۔

غرض جب حضرت ابوطالب اسلام قبول کر چکے تھے تو بانیٔ اسلام حضرت رسولخدا کی حمایت و اعانت کو بھی اپنا فرض سمجھتے چنانچہ آپ نے سمجھا اور اسے بہترین طور پر انجام دیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بُت پرستی کو علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززین ابوطالب کے پاس آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں رؤسائے قریش شریک تھے ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ "جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اُٹھا نہ سکوں" رسول اللہؐ کی ظاہری پشت و پناہ جو تھے ابوطالب تھے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لاکر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کریگا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا رسول اللہؐ سے کہا جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ و سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۵۶) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ جب قریش اس دفعہ بھی ابوطالب کے جواب سے مایوس ہوئے تو ایک جوان عمارہ بن الولید کو لے کر پھر ان کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابوطالب دیکھو یہ عمارہ بن الولید قریش کا وہ جوان ہے جو شاعری میں ان

سب سے بڑھا ہوا اور حسن و جمال میں سب سے بہتر ہے تم اس کو لیکر اپنا بیٹا بنالو کہ یہ بڑا عقلمند بھی ہے اور تمھاری مدد بھی کریگا اور اپنے بھتیجے کو ہمیں حوالہ کر دو کیونکہ وہ ہم لوگوں کو احمق کہتے ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے دین کی مخالفت کرتے اور تمھاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ انھیں قتل کر کے قصہ ہی ختم کر دیں۔ اس میں تمھارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمھارا ایک شخص مارا جائیگا۔ اس کے عوض ہم اپنا ایک شخص تم کو دیئے دیتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ابو طالب کا چہرہ بگڑ گیا اور کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے بدترین معاملہ پیش کیا ہے۔ کیا خوب تم اپنا فرزند تو مجھے اس لئے دیتے ہو کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں۔ پہناؤں اور ہر طرح پالوں۔ اور مجھ سے میرا فرزند اس غرض سے طلب کرتے ہو کہ تم اس کو قتل کر دو۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳) غرض آنحضرت صلعم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔۔۔

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کریگا نہ ان سے ملے گا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب میں (جو پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔ یہ سنہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۱) شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب نے حضرت رسولخدا صلعم سے جو محبت بلکہ اولاد نثاری کی ہے اُس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں نہیں ملتی۔ اسی سے یہ واقعہ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ محرم سنہ ۷ بعثت میں جناب ابو طالب آنحضرت صلعم کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ اس شعب میں لے گئے تھے اور تین سال تک اس میں رہے۔ سال میں دو دفعہ (رجب اور ذی الحجہ میں) بنو ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے۔ اس قید نے ان بیچاروں پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی اذیات کے علاوہ رزق کی تنگی نے اور پریشان کر رکھا تھا۔ ناطے رشتے والے جو مخفی طور پہ کوئی چیز بھیجتے اور کفار کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل اور فضیحت کئے جاتے۔ جناب ابو طالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرت کی حفاظت کی فکر تھی۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے وکان ابو طالب فی کل لیلۃ یأمر رسول اللہ ان یاتی فراشہ ویضطجع به فاذا نام الناس اقامه وامر احد بنیه او غیرهم ان من اخوته او بنی عمه ان یضطجع مکانه خوفا علیه ان یغتاله احد ممن یرید به السوء۔ حضرت ابو طالب

یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسولخدا سے فرماتے کہ میرے پاس میرے ہی فرش پر سو رہو۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تھے تو آپ حضرت کو اس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچا زاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسولخدا کی جگہ سو رہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کر دے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

سبحان اللہ یہ اولاد نثاری! جناب ابو طالب کو خوف ہوتا کہ کسی دشمن نے حضرت رسولخدا کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہوگی ممکن ہے وہ حضرت پر اندھیری رات میں اسی جگہ کا اندازہ کر کے حملہ کر دے۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر آپ اس جگہ سے حضرت کو اٹھا دیتے اور اپنے بیٹوں یا بھائیوں یا چچا زاد بھائیوں سے کسی کو سلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھ کر حملہ کرے گا تو حضرت رسولخدا صلعم وہاں سے ہٹ چکے ہوں گے بچ جائیں گے اور آپ کا کوئی فرزند یا عزیز قتل ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو حضرت رسولخدا پر فدا کرتے رہتے تھے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب قریش حضرت ابو طالب کے پاس بار بار آ کر واپس آ گئے اور آپ نے حضرت رسولخدا کو ان کے حوالہ نہیں کیا تو ان سب نے ایکا کر لیا کہ محمدؐ اور اُن کے کل ساتھیوں کو پامال کر ڈالو۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ کے لوگ اپنے حلقہ کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب پہونچاتے اور اُن کے دین سے واپس لانے کے لئے ان کو فتنوں میں مبتلا کرتے ومنع اللہ رسولہ منھم بعمہ ابی طالب مگر خدا آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ سے برابر آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ حضرت ابو طالب قسم کھا کر کہتے تھے ؎

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم — حتی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ماعلیک غضاضۃ — وابشر بذاک وقر منک عیونا

خدا کی قسم اے محمدؐ جب تک میں زمین میں مدفون ہو کر غائب نہ ہو جاؤں اُس وقت تک اگر یہ کفار سب کے سب مل کر کوشش کریں جب بھی تم تک پہونچ نہیں سکتے۔ تم مطمئن ہو کر اپنے کام تبلیغ رسالت کو انجام دیتے رہو۔ تمہارا کچھ بھی کوئی شخص بگاڑ نہیں سکتا۔ تم میرے اس وعدہ پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں کو خوشی سے ٹھنڈی رکھو (اسنی المطالب صفحہ ۱۰ و ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۰) اس شعب سے نکلنے کی بھی جو صورت ہوئی وہ جناب ابو طالب کے کمال ایمان کی دلیل ہے جب شعب میں تقریباً تین برس ہو گئے تو ایک روز حضرت رسولخدا صلعم نے جناب ابو طالب سے کہا اے چچا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ عہد نامہ قریش کے وہ تمام الفاظ جو ظلم اور قطع برادری پر مشتمل تھے کیڑوں نے کھا لئے اور اس میں سے صرف وہ ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا وکان ابو طالب لا یشک فی قولہ جناب ابو طالب کا یہ حال تھا کہ حضرت رسولؐ جو خبر یا وحی بیان کرتے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے تھے۔ یہ سنتے ہی اس پر بھی یقین کر لیا اور شعب سے نکل کر قریش کے پاس گئے اور کہا جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اُسے کیڑا کھا گیا ہے

اور خدا کے نام کے سوائے اس کا کوئی مضمون باقی نہیں رہا۔ محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے۔ اُس کاغذ کو منگا کر دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر صحیح ہو تو جان لو کہ تم سب ہم لوگوں پر ظلم اور قطع رحم کر رہے ہو۔ اور اگر ان کی خبر جھوٹ نکلے تو ہم سب لوگ جان جائیں گے کہ تم لوگ ہی حق پر ہو اور ہم لوگ باطل پر ہیں۔ یہ سنتے ہی سب کے سب جلدی کھڑے ہو گئے اور اس عہدنامہ کو اُتار لائے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جو فرمایا ہے بالکل صحیح ہے وقویت نفس ابی طالب واشتد صوته وقال قد تبين لكم انكم اولے بالظلم والقطيعة فنكسوا رؤسهم۔ اب تو حضرت ابوطالب کا نفس خوب مضبوط ہو گیا ان کی آواز میں بھی طاقت آ گئی۔ کہنے لگے کیوں! اب تو تم لوگوں پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس معاملہ میں تم لوگ ہی ظلم وستم کرتے اور قطع رحمی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس پر اُن سب مخالفین نے اپنے اپنے سر جھکا لئے پھر اس عہدنامہ کو توڑنے پر آمادہ ہو گئے اس واقعہ کے متعلق بھی جناب ابوطالب نے چند اشعار کہے ہیں جن سے چند یہ ہیں ؎

وقد كان فى امر الصحيفة عبرة   متى ما يخبر غائب القوم يعجب

محا الله منهم كفرهم وعقوقهم   وما نقموا من ناطق الحق معرب

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا   ومن يختلق ما ليس بالحق يكذب

کفار نے رسولؐ کے پریشان کرنے کے لئے جو عہدنامہ لکھا تھا اُس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ جو لوگ اس موقع پر غائب تھے جب وہ اس کا حال سنیں گے تو اُنھیں کس درجہ تعجب ہو گا مخالفین کے کفر، قطع رحم اور ظلم وستم کو خدا نے بالکل واضح اور کھلے ہوئے حق سے کس طرح مٹا دیا جس پر کفار کی باتیں بالکل باطل ہو گئیں۔ اور جو شخص ایسی بات گڑھے گا جو حق نہ ہو اُس کا جھوٹ اور مکر و فریب تو کھل کر ہی رہے گا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۳۳)

جب آپ کے بھائی جناب حمزہ مسلمان ہوئے تو جناب ابوطالب کو ایسی خوشی ہوئی کہ چند شعر کہہ ڈالے ؎

فصبرا ابا يعلى على دين احمد   وكن مظهر الدين وفقت صابرا

وحط من اتى بالدين من عند ربه   بصدق وحق لا تكن حمز كافرا

فقد سرنى اذ قلت انك مؤمن   فكن لرسول الله فى الله ناصرا

وناد قريشا بالذى قد اتيته   جهارا وقل ما كان احمد ساحرا

اے حمزہ احمدؐ کے مذہب پر مضبوطی اور صبر سے قائم رہو بلکہ اس دین کو دوسروں پر بھی ظاہر کرتے رہو۔ خدا تم کو صبر کی توفیق دے اور جو شخص (محمدؐ) اپنے خدا کے ہاں سے سچائی اور حق کے ساتھ دین لایا ہے اس کی خوب حفاظت کرنا اور اے حمزہ کافر نہ ہو جانا۔ جب تم نے اپنے بارے میں مجھے خبر دی کہ مسلمان ہو گئے ہو تو مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ اب دیکھو اللہ کی خوشی کے لئے ان کی مدد بھی خوب کرتے رہنا۔ اور جس مذہب کو تم نے قبول کیا ہے پکار کر اس کی خبر قریش کو کر دو اور یہ بھی کہہ

کہ احمد جادوگر نہیں ہیں (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۳۱۵) جناب ابو طالب ہی کے یہ اشعار بھی ہیں ؎

وخیر بنی ھاشم احمد رسول الالہ علی فترۃ

بنی ہاشم میں سب سے افضل احمد ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول بنائے گئے۔

لقد اکرم اللہ النبی محمدا فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

خدا نے اپنے نبی محمدؐ کو نہایت معزز کیا اس وجہ سے لوگوں میں سب سے افضل و اشرف مخلوقات احمد ہی ہیں

یا شاھد اللہ علی فاشھد انی علی دین النبی احمد

من ضل فی الدین فانی مھتد

اے میرے متعلق اللہ کے گواہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر زماں احمد کے دین پر ہوں۔ مذہب کے بارے میں جو گمراہ ہے ہوا کرے کیونکہ میں نے تو ہدایت اختیار کر لی (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص۳۱۵)

انھیں خدمات و احسانات کو یاد کر کے علامہ ابن ابی الحدید نے بھی جناب ابو طالب کی شان میں کئی شعر کہے ہیں، مثلاً کہتے ہیں ؎

ولولا ابو طالب وابنہ لما مثل الدین شخصا فقاما

فذاک بمکۃ آوی وحامی وھذا بیثرب جس الحماما

اگر ابو طالب اور اُن کے فرزند (حضرت علیؑ) نہ ہوتے تو یہ مذہب (اسلام) بصورت پکڑ تا نہ کھڑا ہو سکتا۔ وہ یعنی (ابو طالب) نے مکہ میں حضرت رسولؐ کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور انھوں حضرت علیؑ نے مدینہ میں (اسلام کی اشاعت کے لئے) موت سے مقابلہ کیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص۳۱۸)، جو لوگ جناب ابو طالب کے ایمان میں شک و شبہہ کرتے ہیں اُن کے متعلق علامہ ممدوح نے کیا خوب کہا ہے ؎

وما ضر مجد ابی طالب جھول لغا وبصیر تعامی

کما لا یضر آیات الصباح من ظن ضوء النھار الظلاما

جس طرح وہ شخص جو دن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی تابانیوں کو نقصان نہیں پہونچا سکتا بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھے بن جانے سے حضرت ابو طالب کی شان گھٹ نہیں سکتی (شرح مذکور جلد ۳ ص۳۱۰)۔ علامہ مذکور ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو طالب نے حضرت رسول خدا صلعم کو تلاش کیا آپ نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپ کو پکڑ نہ لیا ہو آپ فوراً اپنے تیسرے فرزند جعفر کو لے کر حضرت کی تلاش میں نکلے۔ جا کر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کھڑے

نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابوطالب نے جناب جعفر سے کہا تقدم وصل جناح ابن عمک۔ آگے بڑھو اور تم بھی رسولؐ کے پیچھے مل کر نماز پڑھ لو۔ اس طرح جب تینوں بزرگ نماز پڑھنے لگے تو ابوطالب یہ منظر دیکھ کر خوشی سے روئے اور کہا ؎

ان علیا و جعفرا ثقتی عند ملم الخطوب والنوب
لا تخذلا وانصرا ابن عمکما اخی لامی من بینھم وابی
واللہ لا اخذل النبی ولا یخذلہ من بنی ذو حسب

یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں۔ اے فرزندو تم لوگ اپنے ابن عم (حضرت رسولؐ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا بلکہ ان کی مدد کرتے رہنا تمہارے چچا (حضرت رسولؐ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ ان کے باپ میرے باپ اور ان کی ماں میری ماں تھیں۔ خدا کی قسم میں بھی رسول کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ میرے بیٹوں سے کوئی شریف اور سعید فرزند ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے (کتاب مذکور ص۲۷۳) سلہ غرض مرتے وقت تک جناب ابوطالب نے حضرت رسولخدا صلعم کی بہترین خدمت۔ تربیت اور حمایت کی اور تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے اس کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کی۔ نہ رسول کا کبھی ساتھ چھوڑا۔ شعب سے نکلے ہوئے ابھی آپ کو ۸ مہینہ سے کچھ ہی دن زیادہ ہوئے تھے کہ جناب ابوطالب نے نصف ماہ شوال (یا ذیقعدہ سنہ ۱۰) بعثت میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر بھی ۸۰ سال سے زیادہ (غالباً ۸۵ سال) ہو چکی تھی۔ وفات کے قریب آپ نے سرداران قریش کو بلایا (اپنے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں کو جمع کیا) اور ان سب سے حضرت رسولؐ کے متعلق وصیتیں کیں۔ کہا قریش والو! میں تم سے محمدؐ (رسولؐ خدا) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق

سلہ حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے فریفتہ رہتے تھے۔ آپ کے لڑکپن کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز حضرت ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوئی تو ابولہب نے آپ کو گرا دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے ساتھ تھے یہ دیکھ کر آپ نے فوراً ابولہب کی زلفیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس پر ابولہب نے کہا میں بھی تمہارا چچا ہوں اور یہ بھی تمہارے چچا ہیں۔ پھر میرے مقابلہ میں تم نے ان کی مدد کیوں کی؟ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ مجھے یہ (جناب ابوطالب) محبوب ہیں (خصائص کبریٰ علامہ سیوطی ص۸۶) مگر آنحضرت صلعم جناب ابوطالب کو صرف اس وجہ سے زیادہ دوست رکھتے تھے کہ جناب ابوطالب بھی حضرت رسولخدا کی طرح خدا کے مطیع بندے تھے اور مکارم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔۱۲

مشہور ہیں اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں جن کی میں تمھیں وصیت کرتا ہوں، وہ خدا کی طرف سے یقیناً ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل (حق اور درست) مانتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے زبان سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں، پس اے قریش والو تم سب ان کے پیرو اور والی اور ان کے کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ، خدا کی قسم جو شخص بھی ان کے مذہب پر چلے گا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا۔ اور جو شخص ان کی ہدایت قبول کرے گا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائے گا۔ اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور موت مجھے مہلت دیتی تو میں ہمیشہ اُن سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع کرتا رہتا اور اُن کی آفتوں کو زائل کرتا رہتا۔ حضرت محمد رسول خدا صلعم کی حمایت کے علاوہ یہ وصیتیں بھی آپ نے لوگوں سے کہیں۔ اس خانہ کعبہ کی تم لوگ ہمیشہ تعظیم کرتے رہنا کہ اس سے خدا خوش رہے گا۔ تم لوگ صلہ رحم بھی کرتے رہنا اور خبردار قطع رحمی نہ کرنا کیونکہ صلہ رحم کرنے سے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کی خود بھی قوت بڑھتی ہے۔ اور ظلم زیادتی بزرگوں کی نافرمانی۔ بغاوت ہرگز نہ کرنا کہ تم سے پہلے انھیں خرابیوں کی وجہ سے کتنی قومیں برباد ہو گئیں۔ جو شخص کسی ضرورت سے تم کو بلائے اُس کے لئے ضرور جانا اور جو سائل کچھ مانگے اُس کو ضرور دینا کیونکہ ان دونوں خوبیوں میں زندگی کا شرف بھی ہے اور موت کی عزت بھی۔ اس کا بھی خیال رکھنا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اور لوگوں کی امانتیں ادا کیا کرو کہ ان باتوں سے خاص لوگ تم سے محبت اور عام لوگ تمھاری عزت کریں گے۔ اس کے بعد انتقال کر گئے۔ آپ کو غسل دیا گیا کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصول کے مطابق آپ دفن کئے گئے جب آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت رسولخدا صلعم جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ روتے اور فرماتے تھے اے چچا آپ نے اپنی قرابت کا پورا حق ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۳۹ وسیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۳۵۲)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انتقال کے وقت جناب عبدالمطلب کے خاندان والوں کو بلا بھیجا اور کہا جب تک تم لوگ محمدؐ کی بات سنتے اور ان کی پیروی کرتے رہو گے اُس وقت تک خیر ہی پر رہو گے۔ لہٰذا تم لوگ ان کی اطاعت کرو تاکہ بھلائی حاصل کرو (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۳۵۲) اس سے زیادہ ایمان ابوطالب کی کیا دلیل چاہیے؟

جناب ابوطالب کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ آپ کا نام ابوطالب ہی تھا۔ بعض عبد مناف اور بعض عمران کہتے ہیں (عمدۃ الطالب ص ۵ و اصابہ جلد ۷ ص ۱۱۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسولخدا کے آباء و اجداد بھی بہشت میں ہوں گے اور عبدالمطلب بہشت میں اس طرح جائیں گے کہ ان میں انبیاء کا نور اور بادشاہوں کا جمال روشن ہوگا اور ابوطالب بھی اسی زمرہ میں ہوں گے (اصابہ جلد ۷ ص ۱۱۵)۔ جناب ابوطالب

انتقال کا صدمہ حضرت رسولخدا صلعم کو اس درجہ ہوا کہ اُس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج و مصیبت کا سال) رکھا۔ آپ کے بعد آنحضرتؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ اور کفار قریش نے نہایت سخت یورش کی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ سال بڑے تھے۔ ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے ابوطالب کے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؟ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت کو ستاتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

عباس بن عبدالمطلب

حضرت رسولخدا صلعم کے چچا تھے۔ ان کی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم سے دو یا تین برس بڑے تھے۔ "آپ ہجرت کے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو چھپاتے تھے"[1] (اسد الغابہ اردو ترجمہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۹)۔ کچھ دنوں کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس چلے گئے اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں بھی شریک تھے۔ آپ بہت ہی صائب الرائے اور عقلمند تھے۔ ایک دفعہ آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ قریش آپس میں ملتے ہیں تو بہت ہی کشادہ پیشانی سے اور جب ہم سے ملتے ہیں تو منہ بنا لیتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ بھی غصہ میں آگئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور ان سے فرمایا خدا کی قسم ہرگز کسی شخص کے قلب میں ایمانؑ داخل ہوگا جب تک آپ لوگوں سے اللہ اور رسولؐ کے لئے محبت نہ کرے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عباس تم لوگوں کے نبی کے چچا ہیں، قریش میں سب سے زیادہ سخی ہیں اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ آپ کی یہ جلالت تھی کہ ایک دفعہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس کا واسطہ دلا کر پانی برسنے کی دعا مانگی جس پر اللہ نے خوب پانی برسایا کہ زمین سرسبز ہوگئی۔ اس پر خلیفہ دوم نے کہا واللہ یہ خدا کی طرف پہونچانے کے لئے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے وسیلہ ہیں۔ صحابہ آپ کی بزرگی کی قدر کرتے اور ان کو ہر کام میں مقدم سمجھتے ان سے مشورے لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ ان کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ۱۲ رجب ۳۲ھ (غالباً ۶۵۲ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر ۸۸ سال کی ہوئی۔ قد لانبا اور بدن خوبصورت تھا۔ آپ نے ستّرہ غلام آزاد کئے تھے۔

جناب حمزہ

حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادے اور حضرت رسولخدا کے چچا تھے۔ ان کی ماں ہالہ بنت وہیب (حضرت آمنہ مادر حضرت رسولخدا صلعم کی چچازاد بہن) تھیں

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے چچا بھی تقیہ پر عمل کرتے تھے ۱۲

اس طرح آپ آنحضرت صلعم کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور آپ کو اور آنحضرتؐ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا اس وجہ سے آپ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ آپ حضرت رسولِ خدا سے دو برس بڑے۔ قریش میں بڑے باعزت اور غیرت دار تھے۔ بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے آنحضرتؐ کو بہت ستایا اور گالیاں دیں۔ اُس وقت جناب حمزہ شکار کو گئے تھے۔ واپس آئے تو ایک لونڈی نے ابوجہل کے ستانے کا واقعہ کہہ دیا۔ یہ سن کر جناب حمزہ کو غصہ آگیا سیدھے ابوجہل کے پاس پہونچے زور سے کمان کھینچ ماری اور اچھی طرح زخمی کر دیا اور اُسی وقت اپنے اسلام کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے سے قریش نے سمجھ لیا کہ رسولِ خدا کی قوت اب بڑھ گئی اور وہ زیادہ محفوظ ہو گئے پس وہ اپنی بعض حرکتوں سے باز آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کو ہجرت کی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور بڑے نمایاں کام کئے۔ شیبہ کو لڑ کر قتل کیا۔ عتبہ کے قتل میں بہ اور حضرت علی شریک تھے طعیمہ کو بھی قتل کیا۔ آپ اپنے جھنڈے میں شتر مرغ کے پر لگایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں رسولؐ کے سامنے دونوں ہاتھ میں تلوار لیکر جنگ کی۔ پھر آپ غزوۂ احد میں شریک ہوئے جس میں ۳۱ کافروں کو قتل کیا تھا۔ ناگاہ اسی حالت میں ان کا پاؤں پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑے۔ اور زرہ ان کے پیٹ سے ہٹ گئی پس وحشی نامی ایک حبشی نے نیزہ مار کر آپ کو بتاریخ ۵ ر شوال ۳ہجری (۶۲۵ء) شہید کر دیا۔ پھر کافروں نے آپ کے بدن کا مثلہ کیا۔ ہند (معاویہ کی ماں) نے جناب حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا جگر نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اس واقعہ سے آنحضرتؐ کو نہایت صدمہ ہوا۔ آپ کی لاش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بے شک آپ بڑے صلہ رحم اور بہت نیکی کرنے والے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کو مقتول دیکھا تو بہت روئے اور جب یہ دیکھا کہ آپ کے ساتھ مثلہ کیا گیا ہے تو آپ چلائے اور فرمایا کہ اگر صفیہ (جناب حمزہ کی بہن) رنجیدہ نہ ہوتیں تو میں انھیں اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ یہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے حشر کے دن نکلتے۔ جب نبیؐ مدینہ لوٹ کر آئے تو آپ نے سُنا کہ شہدائے انصار کے لئے عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا افسوس حمزہ کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہے۔ انصار نے جو اس کو سنا تو اُنھوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے شہیدوں سے پہلے حضرت حمزہ کے لئے روئیں چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا[1] (واقدی)

---

[1] حضرت امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کے جائز ہونے کی ایک یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے کہ خود حضرت رسولِ خدا نے اپنے شہید چچا پر لوگوں کے رونے کی آرزو کی اور جب اُن پر نوحہ و ماتم کیا گیا تو آپ کا دل مطمئن ہوا پھر اس زمانہ میں جو لوگ امام حسینؑ کے رونے پر اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت رسولِ خدا پر معترض

لکھا ہے کہ اب تک برابر زنان انصار مرثیوں میں حضرت حمزہ سے ابتدا کرتی ہیں (ترجمہ اسد الغابہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۳ صفحہ ۶۵) شہادت کے وقت جناب حمزہ کی عمر ستاون برس کی تھی۔ ان کے جنازہ پر حضرت رسولخدا نے نماز پڑھی۔ جناب حمزہ حضرت رسولخداؐ سے روایت کرتے تھے کہ حضور نے فرمایا ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَرِضْوَانِکَ الْاَکْبَرِ۔ جب معاویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نہر کھدوائی تو لوگ اپنے احد کے شہیدوں کے لئے چلائے کیونکہ اس نہر میں ان شہیدوں کی قبریں کھدتی تھیں۔ افسوس معاویہ والے ان شہیدوں کی قبروں کو بہت بے باکی سے کھود رہے تھے یہ واقعہ شروع سنہ ۴۰ ہجری کا ہے۔ اسی میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا اور اُس سے خون کی چھینٹیں اُڑیں (شہدا چونکہ زندہ رہتے ہیں لہذا زندوں کی طرح ان کے جسم میں بھی خون رہتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے) (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۶۵ و اصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۷)

طالب حضرت ابو طالب کے سب سے بڑے لڑکے اور جناب امیرؑ کے سب سے بڑے بھائی تھے انھیں کے نام سے جناب ابو طالب کی کنیت یہ (طالب کے باپ) ہوئی۔ افسوس عام کتابوں میں ان کا حال نہیں ملتا۔ بڑی مشکل سے دو تین کتابوں میں مختصر ذکر مل سکا۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے کہ جناب ابو طالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے سے دس برس چھوٹا تھا۔ ان سب نے اولاد چھوڑی سوا طالب کے کہ کسی کو نہیں چھوڑا (معارف صفحہ ۴۹) اور جناب سید جمال الدین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو طالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے بھائی سے دس سال چھوٹے تھے۔ اس طرح جناب طالب حضرت علیؑ سے تیس سال بڑے تھے۔ انھیں کی وجہ سے آپ کے باپ کی کنیت ابو طالب (طالب کے باپ) ہوئی۔ ان چاروں فرزندوں کی ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں اور یہ پہلی ہاشمی بیوی ہیں جن سے ہاشمی فرزند سب سے اول پیدا ہوئے۔ طالب مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو قریش نے ان کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا چنانچہ وہ روانہ ہوئے مگر راستے ہی سے گم ہو گئے اور پھر ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے سمندر کی طرف چلے گئے جس میں ڈوب گئے اور ان کی اولاد کوئی نہیں ہے (عمدۃ الطالب صفحہ ۱۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) ہوتے ہیں بلکہ خدا پر طعن کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت رسولخدا صلعم توجہ فرماتے یا کرتے وہ خدا ہی کے حکم اور وحی سے۔ پس حضرت حمزہ پر دو دلے دائم کرنے کی خواہش بھی آپ نے خدا ہی کے حکم سے کی۔ اگر یہ بات خدا کو پسند نہیں ہوتی تو ہرگز آنحضرت اس کی آرزو نہیں کرتے ۱۲

اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کی چھ اولادتھیں چار بیٹے ، طالب عقیل جعفر اور حضرت علیؑ ، اور دو بیٹیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ ۔ ان سب کی ماں فاطمہ بنت اسد تھیں ۔ طالب غزوۂ بدر میں مر گئے ۔ جب مکہ کے مشرکوں نے آپ کو مجبور کرکے مسلمانوں سے لڑنے کو بھیجا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ قریش کے کافروں نے طالب ابن ابی طالب کو غزوۂ بدر میں مجبور کرکے لڑنے کے لئے بھیجا ۔ چنانچہ وہ گئے مگر پھر ان کی کوئی خبر نہیں ملی ۔ البتہ ان کا یہ کلام اب تک محفوظ ہے ؎

یارب اما خرجوا بطالب — فی مقغب من تلکم المقانب

فاجعلهم المغلوب غیر الغالب — والرجل المسلوب غیر السالب

اے خدا اگر یہ لوگ طالب کو زبردستی اپنی فوج کے ساتھ لے جاتے ہیں تو ان کو توشکست دے اور فتح نہ دے اور ان کو اس درجہ کمزور کردے کہ یہ خوب لوٹے جائیں اور کسی کو لوٹ نہ سکیں ۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۷۶) اس سے معلوم ہوا کہ جناب طالب بھی دل سے ایمان رکھتے تھے اور قریش کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے اور یہی تقیہ ہے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی سال پیدا ہوئے تھے جس سال (یعنی ۵۷۰ء میں) حضرت رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی ۔

جناب عقیل

حضرت ابوطالب کے دوسرے فرزند جناب امیر علیہ السلام سے بیس سال بڑے تھے ۔ آپ کی ولادت (غالباً سنہ ۵۹۰ء میں ہوئی تھی ۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے چچازاد بھائی تھے ۔ آپ کی کنیت ابویزید تھی ۔ آپ سے حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں تم کو دو محبتوں کی وجہ سے بہت زیادہ محبوب رکھتا ہوں ، ایک تو خاندانی قرابت کی وجہ سے کہ تم میرے چچازاد بھائی ہو ، دوسرے اس وجہ سے کہ میرے چچا حضرت ابوطالب تم کو بہت دوست رکھتے ہیں ۔ آپ کو بھی مکہ کے مشرکوں نے مجبور کرکے غزوۂ بدر میں بھیجا تھا جس میں آپ قید کرلئے گئے تو آپ کے چچا جناب عباس نے اپنے پاس سے آپ کا فدیہ دے کر چھڑایا ۔ پھر واقعہ حدیبیہ کے قبل اپنا اسلام ظاہر اور اس کا اعلان کرکے ۸ سنہ ہجری میں آپ مدینہ آگئے تھے ۔ حضرتؐ کے ساتھ غزوہ موتہ میں شریک تھے وہاں سے واپسی کے بعد آپ بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے فتح مکہ و غزوۂ حنین و طائف میں آپ کا کوئی ذکر نہیں سنا گیا ۔ نبی صلعم نے آپ کو خیبر میں ہر سال کے لئے ایک سو چالیس وسق (جو عرب کا ایک وزن ہے) غلہ عنایت کیا تھا ۔ حنین کے واقعہ میں آپ اُن لوگوں میں تھے جو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور حضرت کو چھوڑ کر صحابہ کی طرح نہیں بھاگے آپ ایسے حاضر جواب تھے کہ مخالف کی فوراً زبان بند ہوجاتی تھی ۔ آپ میں بہت سی نیک صفتیں تھیں

آپ قریش کے نسب اور وقائع کو خود قریش سے بہت زیادہ جانتے تھے اسی وجہ سے قریش آپ سے خاص دشمنی رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ ان کے نسب کی اصلی اور سچی باتیں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بوریا تھا جو آپ کے لئے رسولخدا کی مسجد میں بچھا دیا جاتا تھا لوگ نسب اور واقعات عرب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے پاس کثرت سے پہونچا کرتے اور اسی سبب سے لوگ آپ کو دشمن بھی رکھتے۔ اور آپ کے حق میں غلط باتیں کہتے اور آپ کی باتوں کو اس سبب سے حماقت کی طرف منسوب کرتے اور آپ پر جھوٹی باتوں کا افترا باندھتے اور ان باتوں کا موقع اس وجہ سے اور زیادہ ملا کہ آپ حضرت علیؑ سے (بضرورت) جدا ہو کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے تھے۔ آپ کے شام جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے تو حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں آئے۔ حضرت نے آپ کو بہت عزت اور محبت سے اُتارا اور اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن کو حکم دیا کہ اپنے چچا کو نئے کپڑے پہنا دیں۔ چنانچہ آپ کو نئے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ پھر جب شام ہوئی تو حضرت نے آپ کو شب کے کھانے کے لئے بلایا۔ آئے تو دیکھا کہ کھانے کو صرف روٹی نمک اور ترکاری تھی۔ اس پر جناب عقیل نے کہا کہ جس کو میں خیال کرتا ہوں وہی ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا نہیں تو۔ پھر جناب عقیل نے کہا کہ آپ میرا قرض ادا کر دیجئے۔ حضرتؑ نے پوچھا آپ کا قرض کس قدر ہے۔ کہا چالیس ہزار۔ حضرتؑ نے فرمایا اس قدر مال میرے پاس نہیں ہے لیکن اُس وقت تک صبر کیجئے کہ جو وظیفہ ملتا ہے مل جائے۔ جناب عقیل نے کہا کہ آپ بیت المال کے مالک ہیں اور مجھکو وظیفہ کے انتظار میں ڈالتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا آپ مجھ کو حکم دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کر کے آپ کو دے دوں۔ حالانکہ ان لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے۔ اس پر جناب عقیل نے کہا اچھا مجھکو معاویہ کے پاس جانے کی اجازت ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں چنانچہ آپ معاویہ کے پاس چلے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶)

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ عقیل کو بیت المال سے دو درہم روز ملا کرتے تھے چاہا کہ کچھ اضافہ ہو جائے تو فراغت سے بسر ہو۔ کچھ کھانا تیار کر کے علی مرتضیٰؑ کی دعوت کی اور عرض کیا کہ نہایت تنگی اور افلاس سے بسر ہوتی ہے کچھ وظیفہ زیادہ کر دیجئے۔ فرمایا میری دعوت کا سرانجام کیونکر کیا؟ عرض کی کئی دفعہ ڈیڑھ درہم خرچ کر کے آدھا آدھا درہم جمع کر کے بند و بست کیا ہے۔ فرمایا بس تو تم کو ڈیڑھ ہی درہم کافی ہے تنگی کی شکایت ناحق کرتے ہو۔ جب عقیل نے بہت اصرار کیا تو علی مرتضیٰ نے عقیل سے پوشیدہ چراغ پر لوہے کو گرم کیا اور اچانک عقیل کے ہاتھ پر رکھ دیا عقیل نے مضطرب ہو کر کہا۔ بھائی تم نے میرا ہاتھ کیوں جلا دیا؟ جناب امیر نے فرمایا کہ جب تم اتنی سی آگ کو برداشت نہیں کر سکتے تو تم کو کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ میں حقوق اہل اسلام میں سے تمہارے حصہ سے زیادہ دے کر

نارِ عقبےٰ میں گرفتار ہوں اور صواعق محرقہ میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے ایک شخص سے کہا کہ عقیل کو بازار میں لے جاؤ تاکہ کسی دوکان کا قفل توڑ کر اس میں سے مال نکال لیویں۔ عقیل نے کہا آپ مجھ کو چور بنانا چاہتے ہیں علی مرتضیٰ نے کہا یہی حال میرا ہوا اگر میں مسلمانوں کا مال تم کو دوں اور ان کو نہ دوں۔ اس پر عقیل ناراض ہو کر معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے۔ معاویہ نے جناب عقیل کی بہت تعظیم و تکریم کی اور کمال تواضع سے پیش آیا۔ بروایت ابن قتیبہ ۱۰ لاکھ اشرفیاں دے دیں۔ اور ایک مجمع میں جس میں اشراف داعیان حاضر تھے کہا کہ عقیل وہ شخص ہیں کہ ان کو ابو طالبؑ (ان کے باپ) علیؑ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ جناب عقیل نے کہا اے معاویہ یہ غلط ہے۔ مور ضعیف کو سلیمان سے اور سہا کو مہر انور سے کیا نسبت ہے؟ کہاں ذرہ حقیر کہاں مہر منیر۔ انصاف کر جب ہم تم بت پرستی کرتے تھے تو علیؑ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے تھے۔ میرا آنا تیرے پاس صرف مزخرفات دنیوی کے سبب سے ہے۔ اگر ثواب اخروی کا خیال کرتا تو ان حضرتؑ کی خدمت سے ہرگز جدا نہ ہوتا۔ القصہ اس معاملہ عقیلؑ اور معاویہ کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے۔ یہ ۴۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ (حبیب السیر از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳) ایک روز معاویہ نے ان کے متعلق کہا کہ یہ ابو یزید اگر یہ نہ جانتے کہ میں اُن کے لیے بہتر ہوں ان کے بھائی سے تو یہ ہمارے پاس نہ رہتے۔ عقیل نے کہا کہ میرا بھائی میرے دین کے واسطے بہتر ہے اور تم میری دنیا کے لیے میرے واسطے بہتر ہو۔ تمہارے ذریعہ سے میری دنیا تو بن گئی مگر میری عاقبت کی خدا ہی خیر کرے اور اللہ سے بذریعہ اس کے حسن کے خیریت خاتمہ کو چاہتا ہوں۔ جب یہ معاویہ کے پاس پہونچے تو اس نے کہا اے ابو یزید علیؑ اور اُن کے اصحاب کو کیسا چھوڑ آئے ہو؟ کہا علیؑ کے اصحاب بالکل حضرت رسول خدا صلعم کے اصحاب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہیں حضرت رسول خدا صلعم موجود نہیں ہیں اور تمہارے اصحاب سب وہی ہیں جو رسولؐ کے مخالف ابوسفیان کے اصحاب تھے۔ صرف ابوسفیان تم لوگوں میں نہیں ہے جب۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو معاویہ اپنے تخت پر بیٹھا اور جناب عقیل کو اپنے تخت کے پہلو میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر سب لوگوں کو آنے کا حکم دیا۔ لوگ آنے لگے۔ ضحاک بن قیس آکر معاویہ کے ساتھ اسی تخت پر بیٹھا۔ پھر جناب عقیل کو اذن دیا وہ بھی ان کے پاس آئے اور پوچھا اے معاویہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ معاویہ نے کہا ضحاک بن قیس۔ عقیل نے کہا الحمد للہ جس نے کمینگی کو دور کیا اور عیب کو پورا کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا باپ ہماری مویشیوں کو مقام ابطح میں خصی کیا کرتا تھا اس فن میں وہ خوب مہارت رکھتا تھا۔ ضحاک نے کہا بے شک میں قریش کی خوبیوں کا عالم ہوں اور عقیل قریش کے عائب کے۔ معاویہ نے ان کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے لیے اور لوٹ آئے۔

جناب عقیل نے ایک دفعہ نکاح کیا تو کسی نے بطور مبارک باد کہا بالرِّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ (تمہارا جوڑا ملا رہے بیٹے پیدا ہوں) انھوں نے کہا یہ نہ کہو نبیؐ نے اس سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ کہو بَارَكَ اللهُ لَكُمْ وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ (اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے) حضرت عقیل کی وفات معاویہ کی خلافت میں ہوئی (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یزید کی خلافت کے شروع میں عقیل کا انتقال

ہوا (اصابہ جلد ۴ ص۵۵۹) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل نے حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں آکر اپنی محرومی ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا ان احببت ان اکتب الی مالی بینبع فاعطیتک منہ اگر آپ پسند کیجئے تو میں آپ کو ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے ینبع کے مال سے آپ کو دے دیا جائے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۵۹) مگر جناب عقیل نے اس کو کم سمجھا اور معاویہ کے پاس چلے گئے۔ جناب عقیل نے معاویہ کی خلافت میں انتقال کیا مگر خاص سال انتقال کا پتہ نہیں لگتا (۲) علامہ سیوطی نے لکھا ہے ... استب عقیل ابن ابی طالب و ابوبکر وکان ابوبکر سبابا۔ ایک دفعہ حضرت عقیل اور حضرت ابوبکر میں گالی بکنے کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابوبکر سب سے زیادہ گالی بکنے والے نکلے۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۸)

علامہ ابن حجہ الحموی نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل معاویہ کے ہاں گئے تو اس نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ایک روز یہ بھی کہا کہ اے عقیل میں تمہارے لئے تمہارے بھائی علی سے بہتر ہوں جناب عقیل نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بھائی نے اپنی دنیا کے مقابلہ میں اپنی آخرت کی حفاظت کی لیکن تم اپنی آخرت پر لات مار کر اپنی دنیا ہی بنانے کی فکر میں رہتے ہو (اسی وجہ سے مسلمانوں کا اتنا مال مجھے دے دیا تاکہ میں تمہارا طرف دار ہو جاؤں)۔

اسی زمانہ میں ایک دفعہ اور آپ معاویہ کے ہاں گئے تو معاویہ نے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا جناب عقیل کی بینائی جاچکی تھی۔ اس پر معاویہ نے چوٹ کی کہ تم لوگوں یعنی بنو ہاشم کی بصارت (آنکھ کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے۔ جناب عقیل نے کہا اے معاویہ اور تم لوگوں یعنی بنو امیہ کی بصیرت (دل کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے [1]۔ حضرت عقیل کے چچا ابولہب کی شادی معاویہ کی پھوپھی حمالۃ الحطب سے ہوئی تھی۔ اس پر بھی ایک لطیفہ ہوا ایک روز جناب عقیل معاویہ کے ہاں گئے تو اس نے کہا یہ عقیل ہیں۔ انھیں کا چچا ابولہب تھا۔ جناب عقیل نے برجستہ کہا اور یہ معاویہ ہیں انھیں کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔ اس کے بعد فرمایا اے معاویہ جب تم جہنم میں جانا تو بائیں طرف مڑ کر دیکھنا کہ میرے چچا (ابولہب) تمہاری حمالۃ الحطب کے ساتھ... اس وقت غور کرنا کہ ان دونوں میں جو فاعل ہے وہ بہتر ہے یا جو مفعول ہے وہ اچھی ہے۔ ایک دفعہ معاویہ نے اُن سے کہا بنو ہاشم کے مردوں میں شہوت کس قدر غالب رہتی ہے۔ آپ نے برجستہ کہا ہاں بنو امیہ کی عورتوں میں تو اور زیادہ تیز رہتی ہے (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد ۱ ص۱۱) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جناب عقیل نے بہ زمانہ خلافت معاویہ ۵۰ھ (۶۷۰ء) میں انتقال کیا اس وقت انکی عمر ۹۶ سال کی تھی۔ آپ کا مدینہ میں ایک گھر تھا جو مشہور تھا۔ آخر عمر میں آپکی آنکھ کی روشنی جاتی رہی تھی۔ آپ بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب عقیل حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے ہاں گئے تھے یا حضرت کے شہید ہونے کے بعد۔ ایک جماعت اس کی

[1] جناب عقیل کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم لوگ صرف دنیا میں نابینا ہو جاتے ہیں اور ہماری آخرت بنی رہتی ہے مگر بنی امیہ دل کے اندھے ہو کر ایمان ہی کھو بیٹھتے ہیں ۱۲

قائل ہے کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جناب عقیل وہاں گئے تھے وھذا القول ھوالاظھر عند ی. یہی قول میرے خیال میں بھی زیادہ صحیح ہے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۸۲) علامہ مذکور نے اسکی زبردست دلیلیں دیکر اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ جناب عقیل حضرت علیؑ کے رہتے معاویہ کے ہاں نہیں گئے بلکہ آپ کے بعد گئے ہیں۔

جناب جعفر

حضرت ابوطالبؑ کے تیسرے فرزند تھے جو جناب امیرؑ سے دس سال بڑے تھے۔ آپ جعفر طیار کے لقب سے مشہور ہیں۔ سیرت اور صورت میں حضرت رسول خدا صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ اپنے بھائی حضرت علیؑ کے اسلام سے کچھ ہی پیچھے اسلام لائے۔ جناب ابوطالبؑ نے ایک مرتبہ نبیؐ اور علیؑ کو دیکھا کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں علیؑ آپ کے داہنی طرف ہیں تو ابوطالبؑ نے کہا تم بھی اپنے چچا کے بیٹے کے پہلو میں ملکر نماز پڑھ لو اور تم انکی بائیں طرف کھڑے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ ۳۱ آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور خود بتیسویں شخص تھے۔ انھوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک ہجرت حبش کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ کی طرف۔ رسول خدا اُن کو ابوالمساکین کہا کرتے تھے۔ جب انھوں نے حبش کی طرف ہجرت کی تو وہاں نجاشی کے پاس رہے یہاں تک کہ جب رسول خدا فتح خیبر کے بعد لوٹے تو یہ حبش سے واپس ہوکر رسول خدا سے ملے۔ حضرت نے انھیں لپٹا لیا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے اس وقت کس بات کی زیادہ خوشی ہے آیا جعفر کے آنے کی یا فتح خیبر کی۔ انھیں رسول خدا نے مسجد کے پہلو میں رہنے کی جگہ دی...... یہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جعفر مسکینوں کے لیے سب سے زیادہ اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر لیجاتے اور جو کچھ انکے گھر میں ہوتا ہمیں کھلا دیا کرتے یہاں تک کہ وہ اس خالی کپی کو اٹھا لاتے تھے جس میں گھی یا چربی رہتی تھی ہم اس کپی کو پھاڑ ڈالتے اور جو کچھ اس میں ہوتا اس کو چاٹ لیتے تھے...... رسول خدا صلعم نے جمادی الاولی ۸ ہجری میں غزوہ موتہ کیلئے لشکر بھیجا غزوہ موتہ میں بہت سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ زید بن حارثہ شہید ہوگئے۔ ان کے بعد جعفر طیار نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے۔ ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ واللہ میں گویا اب بھی جعفر کی طرف دیکھ رہا ہوں جب وہ غزوۂ موتہ میں اپنے گھوڑے سے گرے اور انھوں نے غصہ میں اُس گھوڑے کے پیر کاٹ ڈالے۔ بعد اسکے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ اسلام میں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے گھوڑے کے پیر کاٹے۔ جب لڑائی ہورہی تھی تو جعفر کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور جھنڈا انھیں کے پاس رہا۔ انھوں نے اس کو پھینکا نہیں بلکہ اس کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ اسکے عوض اللہ نے انھیں دو پر دیے ہیں جن سے وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ جب یہ شہید ہوگئے تو ستر سے کچھ اوپر زخم تلوار اور نیزہ کے اُن کے بدن میں دیکھے گئے۔ یہ سب زخم اُن کے سامنے والے حصہ جسم میں تھے۔ جب یہ لوگ شہید ہوئے تو رسول خدا نے فرمایا مجھے اس وقت جبرئیل سے یہ خبر ملی ہے کہ اب لشکر کا جھنڈا زید بن حارثہ نے لیا اور وہ لڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ پھر جعفر نے لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے...... بعد اسکے فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے۔ پھر ان

سب لوگوں کو جنت میں اٹھالے گئے ...... آپکی زوجہ اسمار بنت عمیس کہتی تھیں جب جعفر اور ان کے اصحاب شہید ہوگئے تو رسول خداؐ میرے پاس تشریف لائے۔ میں آٹا گوندھ چکی تھی اپنے بیٹوں کو نہلایا ان کے سر میں تیل ڈالا صاف کپڑے پہنائے تھے۔ پس رسول خداؐ نے فرمایا کہ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں ان کو لے آئی رسولؐ نے ان کو پیار کیا اور آپ کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میری ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روتے ہیں کیا جعفر کی کوئی خبر ملی ہے؟ فرمایا ہاں آج وہ شہید ہوگئے۔ پس میں بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ اس پر عورتیں جمع ہوگئیں اور رسول خداؐ اپنے گھر لوٹ گئے اور آپ نے امہات المومنین سے فرمایا کہ جعفر کے گھر کی خبر رکھنا کیونکہ وہ لوگ آج مصیبت میں گرفتار ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں جب جعفر کی وفات کی خبر آئی تو ہم نے رسول خداؐ کے چہرے میں سخت رنج دیکھا اور مروی ہے کہ رسول خدا کو جب جعفر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ انکی بی بی اسمار بنت عمیس کے پاس تشریف لے گئے اور جعفر کی تعزیت کی اور حضرت سیدۃ النسار فاطمہ زہرا بھی روتی ہوئی تشریف لے گئیں اور کہتی تھیں واعماہ (ہائے میرے چچا) تو رسول خداؐ نے فرمایا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے۔ رسول خداؐ کو اس واقعہ سے بہت ہی سخت رنج ہوا یہاں تک کہ جبرئیل آپکے پاس آئے اور آپ کو خبر دی کہ جعفر کو دو خون آلود بازو دیے گئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ عبداللہ بن جعفر کہتے تھے جب میں اپنے چچا امیرالمومنین حضرت علیؑ سے کچھ مانگتا تھا اور وہ مجھے نہ دیتے تھے تو میں کہتا تھا بحق جعفر مجھے دے دیجیئے پس فوراً مجھے دے دیتے تھے۔ حضرت جعفر کی عمر جب وہ شہید ہوئے اکتالیس برس کی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) جناب جعفر کی شہادت پر آنحضرتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا بھیجا جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں کھانے پکانے کی فرصت نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) سلہ

جناب جعفر کے آٹھ بیٹے عبداللہ عون۔ محمد الاکبر۔ محمد الاصغر۔ حمید۔ حسین۔ اور عبداللہ الاصغر ہوئے ان سب کی ماں اسمار بنت عمیس تھیں۔ بڑے بیٹے عبداللہ کی شادی حضرت امیرالمومنینؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ سے اور دوسرے بیٹے عون کی شادی جناب امیرالمومنینؑ کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؑ سے ہوئی تھی۔ جناب جعفر فقیروں کو بہت زیادہ

سلہ مذکورۂ بالا حالات سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) کسی شہید کی شہادت کا ذکر کرکے رونا جائز بلکہ پیروی رسولؐ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم خود جناب جعفر کی شہادت ذکر کرتے اور روتے جاتے تھے۔ اور جناب سیدہؑ سے آپ کا فرمانا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے ثابت کرتا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں شہید ہو اس پر رونے کی تاکید رسول خداؐ نے فرمادی ہے۔ پس شہداء کربلا پر مسلمانوں کا رونا بھی قول رسولؐ کی پیروی اور اس پر اعتراض کرنا غلطی ہے (۲) شہید پر نوحہ کرنا اور واویلا وغیرہ کہنا بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ خود جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے جناب سیدہؑ یا عماہ یا عماہ کہہ کر روتی رہیں اور آنحضرت صلعم نے اسکو منع نہیں فرمایا۔ (۳) اہل عزا کے گھر کھانا بھجوانے کی رسم جو بعض مقامات پر رائج ہے غالباً یہ بھی حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی پیروی ہے جو بہترین اخلاقی تعلیم تھی۔

دوست رکھتے۔ ان کے پاس جا کر اکثر بیٹھا کرتے اور انکی ہر قسم کی خدمت کیا کرتے اس کے ساتھ آپکی شجاعت کی یہ حالت تھی کہ غزوہ موتہ میں آپکے جسم میں نیزے اور تلوار کے نوّے سے زیادہ زخم لگے تھے۔ مگر آپ نے مُنھ نہیں موڑا۔ جناب جعفر کی شہادت پر لوگوں نے آپ کے بہت سے مرثیے کہے ہیں جنکے نقل کرنے میں طول ہوگا۔

حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ ولادت حضرت قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم سے تھے (والد کا نام جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام جناب آمنہ بنت وہب تھا) آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے) ور آج تک مسلمان اسکو بھی طے نہیں کر سکے کہ حضرت کس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ کوئی ۲ ربیع الاول کہتا ہے کوئی ۱۲ اور کوئی ۱۷ اور کوئی ۹ ربیع الاول (اہلسنت میں زیادہ مشہور ۱۲ ربیع الاول اور شیعوں میں گویا طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول عام الفیل ہے) مگر مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپکی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۷) حضرتؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے یہ نام رکھا تھا۔ پہلے آں حضرت کو آپکی والدہ نے پھر ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرتؐ کے پیدا ہونے سے پہلے اور دوسری کے مطابق آپ دو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے والد عبداللہ نے انتقال کیا) ثوبیہ کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کو مقرر ہوئیں۔ وہ حضرتؐ کو اپنے گھر طائف سے جنوب کی طرف) لے گئیں۔ وہاں آپ قبیلہ بنی سعد میں پانچ برس کی عمر تک پرورش پاتے رہے درمیان میں کبھی کبھی حلیمہ آپ کی والدہ سے ملانے کیلئے مکہ میں بھی آپ کو لایا کرتی تھیں۔ جب آپ پانچ برس کے ہوگئے تو اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو لیکر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئیں وہاں ایک مہینہ تک مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے بمقام ابوا (جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے) انتقال کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ والدہ کے بعد حضرت عبدالمطلبؑ نے آپ کو پہلے سے زیادہ اپنے دامن تربیت میں رکھا۔ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے تھے مگر آپ آٹھ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب عبدالمطلبؑ کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ اور وہ آپکی پرورش اپنے بڑے صاحبزادے حضرت ابوطالبؑ کو جو آپکے حقیقی اور باپ سے زیادہ شفیق چچا تھے سپرد کر گئے۔ حضرت ابوطالبؑ ہی اب خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور وہ اور انکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد حضرتؐ کی پرورش میں اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محنت اور توجہ کرنے لگیں۔ جب حضرتؐ ۹ سال کے ہوئے تو حضرت رسولؐ جناب ابوطالبؑ کے ساتھ شام کو تشریف لے گئے جہاں وہ تجارت کی غرض سے گئے تھے بصرہ سے ۶ میل ادھر قریہ کفر میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ

ملے تھے جن کا نام بحیرا تھا۔ اُس نے حضرتؐ کو دیکھ کر اور آپؐ کے حالات و اوصاف پر غور کر کے کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ پھر آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؓ سے کہا کہ اسے یہودیوں سے بچانا۔ پس حضرت ابوطالبؓ بصرے ہی میں اپنا مال تجارت فروخت کر کے مکہ واپس چلے آئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد قریش اور قبیلہ قیس میں ایک مشہور لڑائی حرب فجار ہوئی اس میں حضرت رسول خدا صلعم بھی قریش کی طرف سے شریک ہوئے۔ بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو حلف الفضول ہوا جس میں بنو ہاشم وغیرہ نے معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آں حضرت صلعم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد تعمیر کعبہ کی تجویز ہوئی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ آخر یہ طے پایا کہ کل صبح کو جو سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے حرم میں رسول خدا پہنچے۔ آپ نے فرمایا جو قبائل دعوے دار ہیں ان کا ایک ایک سردار منتخب کیا جائے۔ پھر آں حضرتؐ نے چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آ گئی آں حضرتؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ کی ابتدائی زندگی میں آپ کے حسن تدبیر سے ایک سخت لڑائی رک گئی اور آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا اُس وقت عملاً ثابت ہو گیا۔ سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آں حضرت صلعم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو اپنے خاندانی شغل تجارت کو پسند فرمایا[۱] کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے تجارت کی غرض سے شام و بصرے اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

(حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آں حضرت صلعم سے ملتا ہے) چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے (نہایت دولتمند تھیں) جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ آں حضرتؐ کی عمر اب ۲۵ برس کی ہو چکی تھی متعدد قومی کاموں میں آپ شریک ہو چکے تھے (اب آپ کے حسن معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت تھی یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دیا تھا) حضرت خدیجہ نے ان وجوہ سے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اُس کا مضاعف دوں گی۔ آں حضرتؐ نے قبول فرمایا اور مال تجارت

---

[۱] حضرت کا پورا خاندان شروع سے تجارت پیشہ رہا اور خود حضرتؐ نے بھی مدت دراز تک اس کو جاری رکھا۔ پیغمبر ہونے کے بعد بھی اس کی بڑی مدح کی۔ بار بار فرمایا کہ رزق کے دس حصوں سے نو حصے صرف تجارت میں ہیں۔ مگر افسوس اس زمانہ میں کتنے مسلمان اس شریف پیشہ کو حقیر سمجھتے اور غلامی کو ترجیح دیتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو سود پر روپیہ چلائیں گے مگر تجارت نہیں کریں گے۔ کتنے ایسے ہیں کہ جائداد بیچ بیچ کر کھائیں گے مگر تجارت سے شرم کریں گے ۱۲۔

لے کر بصرے تشریف لے گئے۔ قافلہ تجارت واپس آیا تو لوگوں نے جناب خدیجہ سے آں حضرتؐ کے حسن معاملہ امانت، دیانت وغیرہ کی اس قدر مدح کی کہ تین مہینہ کے بعد جناب خدیجہ نے آں حضرت صلعم کو تجربہ میں یکتا لائق، معزز اور امین سمجھ کر (حضرتؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا جناب ابو طالب اور آں حضرت صلعم نے اسے منظور کر لیا) تاریخ معینہ پر جناب ابو طالب اور تمام رؤسا خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے (جناب ابو طالبؑ نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ یہ واقعہ غالباً ۵۹۵ء عیسوی کا ہے۔)

مراسم شرک سے اجتناب

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ "یہ قطعی ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا یعنی جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ یہ امر واقعی طور سے ثابت ہے کہ آں حضرتؐ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کا اعتقاد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص

نبوت سے پہلے آپ کے جو احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے۔ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ ضماد بن ثعلبہ جو جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک قیس بن سائب مخزومی بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکت کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

گوشہ نشینی

جب حضرت ۳۸ سال کے ہوئے تو گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ کوہ حرا پر جس کو جبل نور بھی کہتے ہیں اور جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے تشریف لے جاتے اور ایک غار میں جو چار ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا تھا بیٹھ کر خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے اور ذکر حق میں مشغول رہتے۔ وہیں کھانا لے جاتے دو دو چار چار شبانہ روز وہاں رہتے اور پورا ماہ رمضان تو وہیں گزارتے۔

بعثت

(جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تو ایک دن اسی عالم تنہائی میں حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اقرا باسم ربک الذی خلق الآیۃ قرآن مجید کا یہی سورہ سب سے پہلے نازل ہوا) یہ ۲۷ رجب (غالباً ۶۱۰ء کا واقعہ ہے) پھر آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا گیا۔ آنحضرت خدیجہ اور حضرت علیؑ نے بھی اسی روز اپنے ایمان کو ظاہر کر کے آپ کے ساتھ نماز جماعت پڑھی۔ پھر زید بن حارثہ حضرت کے آزاد کردہ غلام مسلمان ہوئے۔ پھر اور لوگ مسلمان ہونے لگے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لئے وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے جو فیض یاب

صحبت رہ چکے تھے جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعوے کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ حضرت خدیجہ آپ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زید تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔ حضرت ابو بکر تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے ایمان ظاہر کیا ان کے بعد جناب زید اور ان کے بعد خلیفہ اول صاحب مسلمان ہوئے۔ ممدوح لکھتے ہیں " جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے [1] نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرتؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے " (ایضاً صفحہ ۱۵۱) یہ تین برس تک آنحضرتؐ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا [2] لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا (صاف حکم آیا فاصدع بما تؤمر۔ اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ آشکار کہہ دے اور نیز حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈراؤ۔ آپ نے حضرت ابو طالبؑ کے گھر میں چالیس آدمیوں کی دعوت کی جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے جو کچھ میں تم سے کہوں گا تم اسکا یقین کرو گے؟ سب نے کہا ہاں ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں آپ نے فرمایا خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار ہو اور میں اس کو اپنا بھائی۔ وصی۔ وزیر اور خلیفہ مقرر کروں۔ یہ سُنکر سب چپ ہو رہے مگر حضرت علیؑ جو اس وقت کم و بیش تیرہ سال کے تھے اس خاموشی کی تاب نہ لا سکے اور نہایت جوانمردی سے بولے یا رسول اللہ میں آپ کا وزیر ہوں گا جو آپ حکم کریں گے میں اسکی تعمیل کروں گا) آپ کی مدد کروں گا۔ آپ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال ڈالوں گا اور اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں (تین مرتبہ حضرت نے اپنے اسی قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علیؑ اسی طرح کلمات اطاعت و فرمانبرداری دہراتے رہے۔ آخری مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلایا بیعت لی ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا لوگو! دیکھو اب تم لوگوں میں یہی علیؑ میرے بھائی۔ میرے وزیر۔ میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب انکی بات ماننا۔ اور انکی اطاعت کرتے رہنا۔ قریش یہ سن کر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور حضرت ابو طالبؑ سے کہا کہ علیؑ کو سلام کرو اور ان کا حکم مانا کرو۔ پھر سب چلے گئے) (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲، ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۰۵، تاریخ گبن جلد ۳ صفحہ ۳۹۹، کتاب اوکلی صفحہ ۱۵، کتاب کارلائل صفحہ ۱۴، کتاب ایروِنگ صفحہ ۳۶، کتاب گلن صفحہ ۸۳، کتاب ڈیون پورٹ

[1] یہ سب باتیں مانی جاتی ہیں پھر بھی تقیہ پر دھواں دھار اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تقیہ بھی یہی ہے کہ انسان دشمن کے خوف سے اپنے دین کو پوشیدہ رکھے اور اس کے متعلق ایسی احتیاط کی جائے کہ مخالف کو خبر نہ ہونے پائے جیسا حکم خدا و رسول برابر دیتے رہے ۱۲۔

(سنہ ۵ دعوت)

قریش کی مخالفت

(سے اعلان رسالت کا کرنا تھا اور قریش کا دشمن ہو جانا خصوصاً بنی اُمیّہ کا سردار ابوسفیان بن حرب اور خود آپ کا چچا ابولہب آپ کے دشمن جان ہو گئے

ابوسفیان کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام بھی آپ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ آپ کے دشمن طرح طرح سے آپ کو رنج و ایذا پہنچاتے۔ کبھی رستہ میں گندگی ڈال دیتے۔ کبھی کانٹے بچھا دیتے۔ ساحر اور مجنون کہہ کر چھیڑتے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں گلے میں چادر ڈال کر گلا بھی گھونٹ دیا ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ مسلمان ہوتے ان کو طرح طرح کے عذاب کرتے اور مارتے مگر حضرت نے ان تمام مصائب کی کچھ پروا نہ کی۔ برابر وعظ اور دعوت اسلام کرتے رہے۔ جب کفار کا ظلم مسلمانوں پر حد سے گزر گیا اور ناقابل برداشت ہو گئے تو سنہ ۵ بعثت میں حضرت نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ نجاشی جو نہایت منصف و عادل اور نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ بس قریب سو مرد عورتوں کے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کفار مکہ کو خبر ہوئی تو عمارہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا اور تحائف پیش کر کے بکمال منت ان کو واپس کر دینے کی درخواست کی مگر نجاشی نے منظور نہ کیا اور وہ خائب و خاسر واپس آئے۔ مسلمان حبشہ کی طرف مہاجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ دعوت اسلام کرتے رہے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوتے رہے۔ اب قریش نے اور زیادہ ستانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کوہ صفا پر ارقم کے مکان میں جا چھپے یہیں حضرت حمزہ اور پھر حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ واقعہ سنہ ۶ بعثت کا تھا۔ انہیں دنوں میں حضرت ابوبکر کے اصرار پر آں حضرت مسجد کعبہ میں تشریف لائے اور ابوبکر خطبہ پڑھنے لگے۔ کفار نے حضرت ابوبکر کو لاتوں اور جوتوں سے خوب مارا۔ حضرت دار ارقم میں واپس چلے آئے۔ اسی دن حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت عمر نے بھی خانہ کعبہ کی طرف چلنے پر مجبور کیا۔ حضرت گئے۔ کفار مزاحم ہوئے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عمر نے ان کو ہٹا دیا۔ اور آپ نے دار ارقم کی طرف مراجعت کی مگر اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑک گئی۔ وہ ابوطالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا محمد ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے۔ اسے ہمارے حوالہ کر دو کہ ہم اسے قتل کریں یا ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ابوطالب نے آپ کو بلا کر سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔ آپ نے جواب دیا کہ اے چچا جو کچھ میں کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ کسی کے دھمکانے سے میں اس سے باز نہیں آ سکتا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو بہتر ورنہ نصرت آسمانی میرے لئے کافی ہے۔ "تاریخ اسلام ہند" حضرت نے اس موقع پر جس قوت کو ظاہر کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آں حضرت نے دیکھا کہ ابوطالب کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔

آں حضرتؐ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آں حضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے۔ لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بد زبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں؟ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے؟ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آں حضرتؐ کے پاس آیا اور کہا محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ۔ اے محمدؐ کہہ دو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے پس سیدھے اسکی طرف جاؤ اور اسی سے معافی مانگو۔ عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا...... قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کئے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑ کے عرب کی تیز دھوپ میں ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے وہ ان غریبوں کو اسی تپتی ریت پر لٹاتے تھے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ (حضرت ابو طالبؑ آپ سے یہی کہتے رہے کہ جس کام پر تم مامور ہو کئے جاؤ، جب تک میں زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا) محرم سنہ ۷ بعثت (غالباً سنہ ۶۱۶ء) میں بنو ہاشم کے چالیس آدمیوں کے ساتھ آپ کو اپنے شعب میں لے گئے اور تین برس تک وہیں رہے) سنہ ۱۰ بعثت (غالباً سنہ ۶۱۹ء) میں پانچ قریشیوں کو اپنے شعب کے عزیزوں پر ترس آیا اور انہوں نے اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کیا جس سے یہ عہد ٹوٹ گیا۔ یہ حضرتؐ کا ایک زبردست معجزہ ہے کیونکہ اس سے آپؐ پر وحی نازل ہونے اور خدا کی طرف سے علم غیب حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے کہ حضرتؐ تو شعب میں مقید تھے۔ باہر کے حالات کی خبر ظاہری طور سے پہنچنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس اہم واقعہ کو بھی نظر انداز کر دیا۔ ہم اس کو مختصر طور پر حضرت ابو طالبؑ کے حالات میں لکھ چکے ہیں) شعب کے محصورین بطور سابق مکہ میں آکر رہنے لگے۔ اس کے کچھ دن بعد بعض مہاجرین حبشہ بھی واپس آگئے۔ بعض چھپ کر داخل ہوئے اور بعض کسی کی حمایت میں آ کر مقیم ہوئے۔ شعب سے نکلے ہوئے زیادہ زمانہ نہ ہوا تھا کہ حضرت ابو طالبؑ نے اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ نے انتقال کیا۔

قریش اب نہایت بے رحمی و بیباکی سے آں حضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی

نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جانِ پدر رو نہیں خدا تیرے باپ کو بچا لے گا۔ اہلِ مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں کہ شاید وہاں کے بنی ثقیف خدا ترسی کر کے اس دین کو قبول کریں اور حضرتؐ کی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔ زید بن حارثہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرتؐ نے وعظ فرمایا مگر وہ لوگ بھی آپ کے درپے ایذا رسانی ہو گئے اور آپ کو پتھر مار کر نکال دیا۔ حضرتؐ نہایت شکستہ دلی کی حالت میں مکہ کی طرف واپس آئے۔ مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ مگر پھر بھی یہاں اشاعت اسلام کا موقع نہ ملتا تھا بلکہ صرف رجب اور ذی الحجہ میں جن میں لڑائی حرام ہے حضرتؐ ظاہر ہوتے اور وعظ فرماتے۔ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آں حضرتؐ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ آں حضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوے نبوت سن کر مجنون کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے رسولؐ اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو گالیاں دیتے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں (صحیح بخاری باب الطہارۃ) .... غور طلب یہ ہے کہ ان تمام مقابلہ میں سرورِ عالمؐ نے کیا کیا؟ اصحاب نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر آں حضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔" (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

ایک روز موسم حج و رجب میں حضرت عقبۂ منا میں کھڑے تھے۔ مدینہ کے چھ خزرجی آپ کا وعظ سن کر مسلمان ہو گئے اور مدینہ پہنچ کر اپنے بھائی بندوں میں آپ کا اور اسلام کا چرچا پھیلایا (سنہ ۱۱ بعثت)۔ انھیں میں کے ۵ خزرجی اور دوسرے مدینہ والوں کو ساتھ لے کر دوسرے سال (سنہ ۱۲ بعثت) کے موسم حج میں آئے وہ بھی آ کر عقبہ پر مسلمان ہو گئے اور آپ کی حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے مصعب بن عمیر کو نماز پڑھانے اور ابن مکتوم کو قرآن کی تعلیم کے لیے ان کے ساتھ کر دیا اور اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ اگلے سال (سنہ ۱۳ بعثت)

میں ۷۲ شخص حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور اپنے رفیقوں سے چھپ کر آں حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی[۱] اور حضرتؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے۔ اور رسول اللہؐ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اُس سے سرتابی نہ کریں گے۔

ہجرت

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آں حضرتؐ نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت ابو بکر اور حضرت علیؑ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ ادھر قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کا عہد واثق کر لیا اور آپ کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آں حضرتؐ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دار الندوہ میں اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا جلا وطن کر دینا کافی ہے۔ ابو جہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے اُن کا خاتمہ کر دے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس اخیر رائے پر اتفاق عام ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرتؐ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ رسول اللہ سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا" (سیرۃ النبیؐ مولوی شبلی صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

حضرت علیؑ نے یہ حکم پا کر سجدہ شکر کیا اور یہ اسلام میں پہلا سجدہ شکر ہے۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اور اس پر یٰسین فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک پڑھ کر ان کافروں کے سروں پر پھینکی اور مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے حضرتؐ کو نہ پہچانا۔ آخر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر میں

[۱] اس سے بھی تقیہ کی حقیقت ثابت ہے ۱۲

گھسے اور آپکی چارپائی کے پاس آئے حضرت علیؑ فوراً چارپائی سے کود کر اُن کے سامنے ہوئے۔ اُنھوں نے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ نے گرج کر جواب دیا خدا بہتر جانتا ہے جہاں ہیں خدا کی پناہ میں ہیں۔ یہ کہکر اُن کے سامنے سے چل دیئے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کو روکتا یا آزار پہنچاتا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت علیؑ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے مگر کوئی بھی مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا سب بھاگ گئے (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۴۵) جب حضرت علیؑ بستر نبوی پر سوئے تو خدا نے جبرئیل و میکائیلؑ کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتہ برادرانہ قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر کی بہ نسبت دوسرے کے زیادہ کی پس تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر جبرئیل و میکائیل نے اپنی زندگانی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیوٰۃ کو گوارا نہ کیا تب خدا نے پھر اُنکی جانب وحی فرمائی کہ کیا تم دونوں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرح نہیں ہو سکتے؟ دیکھو میں نے محمدؐ اور علیؑ میں مواخات قائم کی اور علیؑ اسوقت بستر نبیؐ پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ ایثار بالحیوٰۃ کرکے اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور تم اعداء سے علیؑ کی حفاظت کرو پس بحکم الٰہی دونوں ملک مقرب نازل ہوکر جبرئیلؑ علیؑ کے سرہانے اور پائنتی قرار لیا اور جبرئیلؑ فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابوطالبؑ کے بیٹے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ملائکہ پر خود فخر و مباہات فرماتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے رسول مقبول پر جبکہ وہ مدینہ جارہے تھے علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ یعنی لوگوں میں ایسے نیک بندے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۲۵ و اسد الغابہ و احیاء العلوم و روضۃ الاحباب و حبیب السیر و مدارج النبوت وغیرہ) صبح کو کفار بارادۂ قتل مکان میں گھسے تو حضرتؐ کی جگہ حضرت علیؑ کو پایا۔ خائب و خاسر واپس آئے اور آپکی تلاش میں مصروف ہوئے۔ غار تک بھی پہنچے مگر پتا نہ ملا۔ آنحضرتؐ کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کو تلاش کرتے پہنچے اور حضرت علیؑ سے حضرتؐ کو پوچھا آپ نے کہا حضرتؐ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ سنکر آپ بھی حضرتؐ صلعم کے پیچھے دوڑے اور راستہ میں حضرتؐ کے قریب جا پہنچے۔ رسول اللہؐ نے اس اندھیری رات میں حضرت ابوبکر کی آہٹ سنی تو سمجھے کہ مشرکین سے کوئی آرہا ہے۔ یہ سمجھ کر حضرت جلدی جلدی آگے چلنے لگے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا اور پاؤں کے انگوٹھے سے پتھر کی ٹھوکر سے بکثرت خون جاری ہوا۔ پھر حضرتؐ اور زور سے دوڑنے لگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے بلند آواز سے حضرتؐ کو پکارا حضرتؐ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر آگئے اور پوچھا یا حضرتؐ میں بھی آپکے ساتھ چلوں؟ حضرتؐ نے اجازت دی تو آپ بھی چلنے لگے یہاں تک غار میں پہنچے یہ غار ثور مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ڈھائی میل جنوب کو واقع ہے جب حضرت ابوبکر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس پہونچے ہیں تو حضرت کی خدمت میں دو اونٹنیاں پیش کیں کہ ان سے جو پسند ہو اُنکو

کے لیئے قبول فرمالیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اس شرط سے کہ قیمت پر دو۔ حضرت ابوبکر فوراً راضی ہوگئے اور
وہ سو درہم کی ایک اونٹنی حضرت کے ہاتھ (سات سو درہم نفع لیکر) نو سو درہم کو بیچ دی (مدارج النبوت جلد ۲
صفحہ ۴۸) غرض دونوں بزرگ غار ثور میں داخل ہوئے۔ وہاں سانپ تھا جس نے حضرت ابوبکر کے پاؤں میں
کاٹ کھایا۔ رسول خدا صلعم نے اپنا لعاب دہن لگا دیا تو اچھا ہوگیا۔ صبح ہوئی تو تعاقب کرنے والے کفار مکہ
پاؤں کے نشان پہچانتے ہوئے آن پہونچے مگر اللہ کی قدرت غار کے منہ پر مکڑی کے جالے پیدا ہوگئے
کفار یہ حالت دیکھ کر سمجھے کہ بھلا اس میں کوئی کیا چھپا ہوگا۔ وہاں سے مڑ کر دوسری طرف تلاش کرنے لگے
حضرت ابوبکر ان کفار کی آواز سن کر کانپنے لگے اور کہا کہ اے رسولؐ خدا ہمارا تعاقب کرنے والے تو بہت اور ہم
صرف دو ہیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور بہت کتابوں میں ہے کہ حضرت
ابوبکر سانپ کے کاٹنے کی تکلیف سے رو رہے تھے۔ پنجشنبہ کا دن گزر کر رات کو یکم ربیع الاول تھی کہ قریش
نے آں حضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن غار میں پہنچے۔ یکشنبہ ۴ ربیع الاول
تک غار میں رہے۔ حضرت علیؓ آپ لوگوں کے لیئے کھانا پانی پہونچاتے رہے۔ چوتھے روز ۵ ربیع الاول روز
دوشنبہ کو عبداللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی حاضر ہوئے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرۂ قلزم
کے کنارے کنارے مدینہ کی روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر یا آپ کا سر
لے کر آئے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس پر سراقہ بن مالک حضرتؐ کو ڈھونڈتا ہوا پہنچا۔
اسے دیکھ کر حضرت ابوبکر رونے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا روتے کیوں ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سراقہ قریب آیا
اس پر ایسی ہیبت چھائی کہ واپس گیا اور کہہ دیا کہ مجھے محمدؐ کا پتا کہیں نہیں لگا۔

قبا میں حضرتؐ کا پہنچنا

حضرتؐ ۸ یا ۱۲ ربیع الاول کو مقام قبا میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر
ایک پہاڑی ہے۔ یہاں ایک مقام پر حضرتؐ کا اونٹ خود بخود بیٹھ گیا اور آگے
نہ چلا آپ اتر پڑے۔ وہاں کے رہنے والوں نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ آں حضرتؐ کو قبا میں آئے
تین دن ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ پاپیادہ مکہ سے (کل امانتیں وغیرہ واپس کرنے کے بعد) آکر حاضر خدمت
ہوئے آں حضرتؐ اپنے بھائی۔ وزیر۔ وصی۔ اور خلیفہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سینے سے لپٹا لیا مگر پاؤں پر ورم اور حالت
تباہ دیکھ کر بہت روئے۔ اس وقت حضرت علیؓ کے پاؤں سے لہو بہتا تھا۔ حضرتؐ نے قبا میں ۴ دن قیام
کیا۔ یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کی تعمیر کرنا تھا۔ مکتوم کی ایک افتادہ زمین تھی یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد
ڈالی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت
جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند اگر عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم
اٹھالیں گے۔ آپ اُن کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھالیتے۔ ۴ روز کے بعد آپ
شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول روز جمعہ کو آپ مدینہ داخل ہوگئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت

وقت آگیا تھا جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا یہیں حضرت اتر پڑے آں حضرتؐ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثناء میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپ نے نقل مکان فرمایا اور زید بن حارثہ و ابو رافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ وغیرہ کو مدینہ لے آئیں ان سب کے آنے پر حضرتؐ اپنے گھر میں رہنے لگے۔

مسجد نبوی

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ ایک زمین دو یتیموں کی تھی۔ آپ نے فرمایا میں یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہوں یتیم بچوں نے اپنی کائنات مفت نذر کرنی چاہی لیکن حضرتؐ نے گوارا نہ کیا حضرت ابو ایوب انصاری نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہ دو عالم پھر پھر مزدوروں کے لباس میں تھا صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے آنحضرتؐ بھی اُن کے ساتھ اُٹھاتے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں۔ برگ خرما کا چھپر۔ کھجور کے ستون تھے قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمال جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج کے لیے مکان بنوائے یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف کرتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج گھر میں بیٹھے بیٹھے آپکے بال دھو دیتی تھیں (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۲) یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

بعض اصحاب کے دروازے مسجد نبوی کی جانب تھے۔ رسول مقبول نے حضرت علیؑ کے سوا سب اصحاب کو حکم دیا کہ سب اپنے اپنے دروازوں کو بند کر دیں۔ اس پر کچھ اصحاب نے چہ میگوئیاں کیں تو آں حضرت صلعم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا کے حکم سے تم لوگوں کے دروازے بند کر دیئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ لہٰذا اس باب میں تم کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے حکم دیا میں نے اسکی تعمیل کی۔ (خصائص نسائی و ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)

نماز و زکوٰۃ

آں حضرتؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے ایک ماہ بعد نماز پنجگانہ کی ۱۷ رکعتیں قرار پائیں۔ اس کے پہلے ہجرت کی (سوائے مغرب کے) دو دو رکعتیں تھیں۔ ابن خلدون کے مطابق اسی سال زکوٰۃ بھی فرض ہوئی۔

اذان

اسی سنہ ہجری (۶۲۲ء) میں اذان بھی مقرر کی گئی کیونکہ کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب

جبرئیل اذان کا حکم لیکر رسول اللہ پر نازل ہوئے تو اُس وقت حضرت کا سر مبارک جناب امیرؑ کی گود میں تھا۔ جناب جبرئیل نے اذان واقامت کہی جب رسول اللہ بیدار ہوئے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سنا عرض کی ہاں۔ پھر پوچھا یاد بھی کرلیا؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کردو۔ پس حضرت علیؑ نے بلال کو بلا کر اذان تعلیم کردی اور اُسی وقت سے بلال مؤذن مقرر ہوگئے۔

مسٹر چیمبر نے اپنی انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "مؤذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین اور دلکش ہوتی ہے اگرچہ شہر کے دن کے شوروغل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی مجبور ہوکر اس امر پر مبارک باد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے انسانی آواز کو موسیقیوں کی ترہی اور عیسائیوں کے گرجا کی گھنٹی پر ترجیح دی" (انسائکلوپیڈیا جلد ۲ ذکر مذہب اسلام) سے

عقد مواخات

ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد حضرت رسول خداؐ صلعم نے مہاجرین مکہ کی دلبستگی اور تقویت کے لیئے ایک عجیب تمدنی انتظام کیا۔ ایک ایک مہاجر (مکہ سے جو مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے) کا ایک ایک انصاری (جو لوگ مدینہ کے باشندے اور اب مسلمان ہوگئے تھے) سے بھائی چارہ مقرر کردیا۔ چنانچہ ۴۵ یا ۵۰ مہاجرین کا بھائی چارہ ۴۵ یا ۵۰ انصار کے ساتھ کردیا جس نے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہر حال میں ہمدرد اور شریک بنادیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس واقعے سے بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے آنحضرت صلعم کو اعلیٰ انسانیت سکھلانے اور دنیوی زندگی کو بہترین عنوان سے برتنے کی تعلیم دینے کا کس قدر زبردست اور بے مثل ونظیر سلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شاہنشاہی ہے..... جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد و شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیئے ضرور ہے تفحص اور استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں پورا اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا۔ اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سیکڑوں اشخاص کی طبیعت و فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں سے ہے" (سیرت النبی جلد اول)

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ کے مذاق کا کوئی شخص آنحضرتؐ کو نہ مہاجرین میں ملا نہ انصار میں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہ اور میں کس کا بھائی بنایا گیا؟ فرمایا انت اخی فی الدنیا

سلہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم نہیں تھا۔ ایک دن حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں سو رہے تھے۔ مؤذن نماز صبح کے لیئے جگانے آیا اور پکار کر کہا الصلوٰۃ خیر من النوم (نیند سے بہتر نماز ہے) حضرت عمر جاگ گئے اور آپ کو یہ کلمہ پسند آگیا۔ مؤذن کو حکم دیا کہ اس کلمہ کو اذان میں داخل کردو۔ جب سے یہ بھی داخل اذان ہوگیا (ازالۃ الخفاء صفحہ ۹ مقصد ۲)

والآخرۃ ۔ اے علیؑ دنیا و آخرت میں تمہارا بھائی تو میں ہوں (کسی اور کو یہ وصف نہیں مل سکتا) حضرت علیؑ کوفہ میں منبر پر فرمایا کرتے تھے انا عبد اللہ واخو رسول اللہ ۔ میں خدا کا بندہ اور رسول خداؐ کا بھائی ہوں (ابوالفداء جلد ا صفحہ ۱۲۷) سلہ

ایرونگ لکھتا ہے کہ "اس دانائی اور سادگی کے اصول سے اس سلطنت کی بنیاد پڑی جو قلیل مدت میں بہت عظیم الشان طاقت حاصل کرنے والی اور دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں کی ہلا دینے والی تھی" (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۴۲)

اصحاب صفّہ

صفّہ سائبان کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے کنارے مسجد سے ملا ہوا ایک سائبان تیار کرکے بعض نادار اور بے ساز و سامان اصحاب کو اسی سائبان میں آباد کر دیا گیا اسی سے وہ لوگ اصحاب صفہ کہے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو انکو بلا کر ساتھ کھا لیتے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب ایک دفعہ جناب سیدہؑ نے حضرتؐ سے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو حضرتؐ نے فرمایا بیٹی ان کنیزوں سے تم کو کیسے دوں۔ اصحاب صفہ بھوکوں مر رہے ہیں بہتر ہے کہ تم ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرو یہ تمہارے لیئے لونڈی سے بہتر ہوگی۔ یہ تسبیح زہراؑ آج تک جاری اور ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے اصحاب صفہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ تک پہونچی تھی۔

اوس و خزرج

اس وقت مدینہ میں دو قسم کے مسلمان تھے۔ ایک مہاجرین (جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے) دوسرے انصار جو مدینہ کے باشندے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا انصار زیادہ تر دو زبردست قبیلوں اوس و خزرج سے تھے جو اسلام سے پہلے بت پرست تھے۔ یہ اگرچہ دو بھائیوں کی اولاد سے تھے مگر ان میں مدت دراز سے شدید عداوت قائم تھی۔ اسلام نے ان میں اتحاد کر دیا اور ان فتنہ و فساد کو روک دیا۔

مدینہ کے یہود و نصاریٰ

مدینہ کے اکثر عیسائی بھی آں حضرتؐ کی ہدایت سے مسلمان ہو گئے مگر یہودیوں نے جو مالدار اور قوی بھی تھے شدید مخالفت کی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے صلح کر لی۔ ?

سلہ ہجرت سے پہلے بھی مکہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے وہاں کے مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کیا تھا اور اس میں (۱) حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا (۲) طلحہ کو زبیر کا (۳) حضرت عثمان کو عبدالرحمان بن عوف کا اور (۴) جناب حمزہ کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا تھا اس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہارا بھائی میں ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی
(تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۹۵ و ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

حضرت عائشہ کا زفاف

سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک ماہ بعد آنحضرت صلعم نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا تھا۔ اور اسی سال حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ سے بھی نکاح ہوا مگر اُس وقت زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ مدینہ پہنچنے پر سنہ ۱ ہجری میں اُن سے زفاف بھی ہوا۔

سنہ ۲ ہجری نکاح جناب سیدہ

۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری مطابق سنہ ۶۲۳ء کو جناب امیرؑ کا نکاح جناب سیدہؑ سے ہوا اور ۱۹ ذی الحجہ کی شب میں جناب سیدہؑ کی رخصتی جناب امیرؑ کے گھر ہوئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت فاطمہؑ ..... کی شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ سب سے پہلے ابوبکر نے آں حضرت سے درخواست کی آپ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی انکو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے سلہ ..... حضرت علیؑ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؑ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے علیؑ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کیا ہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی۔ عرض کی کہ وہ تو موجود ہے آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی ہوگی لیکن اگر وہ اسکی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ۔ یہ تو زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؑ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علیؑ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہؑ کے نذر کیا۔ حضرت علیؑ ابتک آنحضرتؐ کے ہی پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری ..... نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ اس میں اٹھ گئیں۔ شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت فاطمہؑ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں ان پر بھی

سلہ مولوی شبلی صاحب نے ترجمہ میں اختصار سے کام لیا۔ حضرت ابوبکر کے سوال پر آں حضرتؐ کو اتنا غصہ ہوا کہ آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا میں تو ہلاک ہو گیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کہا میں نے فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو حضرت نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر نے بھی جا کر درخواست کی اس پر بھی آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۳) علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرتؐ نے صاف انکار بھی کر دیا (اسد الغابہ) مگر حضرت علیؑ سے بغیر آپ کی درخواست کے خود فرمایا کہ اے علیؑ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تم سے کردوں۔ تم کو بھی منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا ہاں۔ اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

(ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۸۴ مطبوعہ مصر)

پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمھارا نکاح کیا ہے [1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے۔ (سیرت النبیؐ جلد اول)

اُس وقت جناب سیدہؑ کی عمر دس سال اور حضرت علیؑ کی ۲۴ سال کے قریب تھی

ہجرت کے دوسرے سال (سنہ ۶۲۳ء) ماہ شعبان میں نماز کا رخ کعبہ کی جانب کرکے اسی کو قبلہ قرار دیا گیا اس سے پہلے مکہ معظمہ میں اور آں حضرت صلعم کے مدینے میں آنے کے بعد ڈیڑھ برس تک نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی جاتی تھی۔

اسی سال ۲ ہجری مطابق جنوری ۶۲۴ء ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ عید الفطر کی نماز بھی اسی سال سے جاری ہوئی۔

حکم جہاد

اسی سال آں حضرت صلعم کو حکم جہاد بھی ہوا۔ حفاظت خود اختیاری عقل کا فطری حکم ہے۔ آنحضرتؐ کو بھی حکم جہاد محض اسی اصول پر ہوا۔ زمانہ حال کے ایک مؤلف نے سچ لکھا ہے "کوئی ہوس ملک گیری، ان لڑائیوں کا باعث نہ تھی اور نہ مذہب اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا ان سے مقصود تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مد نظر تھا۔ مطالعہ کنندگان تاریخ کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کو رسول کریم اور ان کے اصحاب سے کس قدر بغض اور عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں انھوں نے رسول خدا اور صحابہ کو پہنچائی تھیں۔ ہر چند ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کثیر نے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر دوسری مرتبہ باقی ماندہ لوگ مدینہ کو ہجرت کرکے چلے آئے مگر کفار کا غصہ فرو نہ ہوا اور آخر کار وہ رسول کریم کے قتل کے درپے ہوئے اور مکہ سے نکل آنے پر بھی تلاش کی کوشش جاری رہی۔ ان حالات میں رسول کریم کا ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ میں مع رفقا کے آ جانا اور یہاں کے لوگوں کا آپ کی مدد کرنا انکی سخت ناگواری کا باعث ہوا۔ اور جو عداوت مہاجرین مکہ سے ان کو تھی وہ مدینہ کے انصار کے ساتھ بھی ہو گئی اور سب سے بڑا خوف کفار مکہ کو یہ تھا کہ اگر مسلمان زیادہ قوی ہو جائیں تو مکہ پر حملہ کریں گے۔ اس کے علاوہ مدینے کے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی انصار سے ناراض ہو گئے چنانچہ چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور قریش سے جا ملے۔ ایسی حالت میں رسول کریم اور مہاجرین و انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن وامان قائم رکھنے کے واسطے اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ امور ذیل کو اختیار کرتے (۱) اس بات کی خبر رکھنا کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں (۲) جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے ارد گرد رہتی ہیں ان سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا اور عہد شکنی کی حالت میں ان سے مقابلہ کرنا (۳) جو مسلمان مکہ میں مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پاکر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے

[1] یہ معلوم ہے کہ حضرت سیدہؑ کا خاندان دنیا بھر کے خاندانوں سے افضل ہے لہذا آنحضرتؐ کا مطلب یہ ہوا کہ اے فاطمہؑ میں نے تمھارا نکاح اس شخص سے کیا جو دنیا بھر سے افضل ہے یہ بھی ثابت ہے کہ اس وقت جس قدر صحابہ موجود تھے ان سب سے حضرت علیؑ افضل تھے اور کیوں نہ ایسے ہوتے کہ حضرت علیؑ آں حضرتؐ کے نفس اور دونوں بزرگ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے تھے۔

تھے ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت کرنا (۴) جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلا یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے تو ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا۔ غزوات و سریات مابعد میں معلوم ہوگا کہ ہر لڑائی کے واسطے کوئی نہ کوئی وجہ ان امور چارگانہ سے ضرور تھی" (المرتضیٰ از تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۹)

جہاد دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک وہ جس میں آنحضرتؐ خود شریک ہوتے تھے وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ دوسرا وہ جس میں آپ خود نہ جاتے تھے بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام کر کے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔

غزوہ ابواء صفر سنہ ۲ ہجری (دسمبر ۶۲۳ء) ابواء مدینہ سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کا قبیلہ بنی ضمرہ مسلمانوں کو ایذا دینے کی غرض سے قریش کے ساتھ متفق ہوا تھا۔ آپ نے دو سو آدمی سے چڑھائی کی۔ لڑائی نہیں ہوئی بلکہ اس شرط پر صلح ہو گئی کہ بنی ضمرہ قریش کا ساتھ دیں گے نہ مسلمانوں کا۔ یہ اول غزوہ ہے۔ حضرت حمزہ اسکے علمبردار تھے قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا سے تھا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرتؐ کے مویشی لوٹ لیے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا۔

غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاخریٰ سنہ ۲ ہجری (دسمبر ۶۲۳ء) آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پر پہنچ کر بنی مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے۔

سریہ بطن نخلہ رجب سنہ ۲ھ (سنہ ۶۲۴ء) عبداللہ بن جحش کو ۱۲ آدمیوں کے ساتھ حضرتؐ نے بطن نخلہ کی طرف بھیجا کہ قریش کے حالات کا پتا لگا کر آں حضرتؐ کو اطلاع دیں۔ عبداللہ نے خود اُن پر حملہ کر دیا۔ اس میں ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ نے واپس آ کر یہ حال بیان کیا اور مال غنیمت پیش کیا۔ آں حضرتؐ نے سُنا تو نہایت غضبناک ہو کر فرمایا میں نے تم کو اسکی اجازت نہیں دی تھی اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ مگر حضرت رسول خدا صلعم کی ذات اس سے بری تھی۔ البتہ ایک صحابی اس کے باعث ہوئے اس کا الزام آں حضرت صلعم پر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

غزوۂ بدر ماہ رمضان سنہ ۲ھ (سنہ ۶۲۴ء) مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی آبادی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار اونٹ والی قافلے کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لا رہا ہے اس طرح مسلمان دو طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں گے۔ حضرت رسول خدا ۳۱۳ ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر جا اُترے۔ قریش ۹۵۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ

ابوسفیان سے ملنے کے بعد مدینہ سے نکلے لڑائی ہوئی مسلمانوں کو خدا نے مدد دی جس سے یہ فتحیاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے اور اتنے ہی اسیر ہوئے ۳۶ کافر علیحدہ صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اس کا بھائی عاص ابن ہشام عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ وغیرہ اسلام کے بہت بڑے بڑے دشمن مارے گئے۔ اس غزوہ کے بعد حضرت علی نے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیے گئے اور باقی لوگوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ مغربی مورخین کو حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی لیکن تائید ایزدی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ اس غزوہ میں مسلمان بہت کم اور کفار بہت زیادہ تھے۔ اس سبب سے آں حضرت صلعم گھبرا گھبرا کر خدا سے دعا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر کہتے تھے اے رسول کیوں پریشان ہوتے ہیں خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ بلکہ حضرت کے ساتھ ایک عریشہ (سائبان) میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس غزوہ میں ایک دفعہ آں حضرت نے صحابہ سے فرمایا تم لوگ مشورہ دو۔ حضرت ابوبکر نے کہا مقام بدر تک ہمارے ان کے درمیان دو منزل کا فرق رہے گا پھر حضرت نے فرمایا اب کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے کہا یا حضرت یہ قریش ہیں اور اُن کی عزت معلوم ہے۔ خدا کی قسم جب سے ان کو عزت ملی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان نہیں لائے۔ خدا کی قسم وہ آپ سے پورا مقابلہ کریں گے۔ حضرت عمر کے اس قول پر حضرت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا پھر حضرت نے فرمایا مجھے مشورہ دو۔ تب جناب مقداد نے کہا کہ ہم تو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارے خدا اور تم دونوں لڑو ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو مبعوث بحق کیا ہے ہم آپ کے سامنے رہیں گے اور آپ کے پیچھے رہیں گے اور آپ کی داہنی طرف اور بائیں طرف رہیں گے یہاں تک کہ خدا آپ کو فتح دے (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) اس پر آں حضرت مسکرائے اور مقداد کو دعائے خیر دی (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) اسیران جنگ سے آں حضرت نے نہایت اچھا سلوک کیا۔

ایک شخص سہیل عام مجمعوں میں آں حضرت کے خلاف تقریریں کرتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آں حضرت نے فرمایا میں اگر اس کے اعضاء بگاڑوں گا تو خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا" (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۲۴)۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔

غزوہ سویق

غزوہ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا جو اثر ہوا کیونکر بیان ہو، کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ ان کا سردار ابوسفیان ایک فوج لے کر ذی الحجہ ۲ھ (۶۲۳ء) میں آں حضرت سے لڑنے کو نکلا اور مدینہ کے قریب آ کر ایک انصاری کو قتل کر کے کچھ مکانوں میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو تعاقب کیا مگر ابوسفیان بھاگ گیا۔

غزوۂ احد شوال ۳ھ (۶۲۵ء)

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے ابوسفیان نے ۳ ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا عکرمہ ابن ابوجہل اور

دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ حضرت صلعم کے ساتھ پورے ہزار آدمی بھی نہیں تھے۔ احد پر لڑائی ہوئی جو مدینے سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آں حضرت صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کردی تھی کہ لڑائی فتح ہو جائے مگر پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ خلاف حکم رسول ؐ مال غنیمت کے لالچ میں وہاں سے ہٹ آیا۔ غرض فتح کی شکست ہو گئی حضرت حمزہ شہید ہو گئے سب مسلمان حضرت ؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان تک فرار ہو گئے۔ اسی اثنا میں ایک گویہ کے پتھر سے آنحضرت ؐ کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے اور ایک پتھر سے پیشانی مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے زخم بھی آئے اور آپ گڑھے میں جا پڑے۔ اس وقت حضرت علی ؑ جہاد میں مصروف تھے اور کبھی کبھی حضرت ؐ کو دیکھ بھی جاتے تھے۔ آخر مرتبہ کفار کو ہٹا کر حضرت کو پہاڑ کے اوپر لے گئے رات ہو گئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ ابوسفیان اس خوف سے کہ آں حضرت ؐ اہل مدینہ کے ساتھ دوبارہ حملہ کریں مکہ کو واپس گیا۔ اس جنگ میں ۷۰ مسلمان مارے گئے اور ۷۰ ہی زخمی ہوئے۔ کفار صرف ۲۰ یا ۲۲ مارے گئے جن میں سے ۱۲ کو صرف حضرت علی ؑ نے قتل کیا۔ اس جنگ میں بھی علمبردار حضرت علی ؑ تھے۔ حضرت ابوبکر جب غزوۂ احد کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور کہتے کہ غزوۂ احد سے میں بھی بھاگا اور سب سے پہلے لوٹ کر میں ہی آیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۸۵ و کنز العمال جلد ۵ ص ۲۷۴ وغیرہ) اور حضرت عمر کہتے تھے کہ غزوۂ احد میں ہم لوگ بھاگ گئے تو میں فرار کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں پہاڑی بکری کی طرح اچکتا پھرتا تھا (تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۸۸ و طبری جلد ۴ ص ۹۰ و کنز العمال جلد ۱ ص ۲۳۸) مگر حضرت علی برابر جاں نثاری میں مشغول رہے تو آنحضرت ؐ نے فرمایا اے علی ؑ تم کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے۔

اس جنگ میں حضرت علی ؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسول خدا ؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ جس وقت حضرت علی ؑ نے یہ شجاعت دکھائی اور آں حضرت ؐ کی اس طرح مدد کی تو آں حضرت ؐ نے فرمایا اے علی ؑ اپنی تعریف سنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار[1] اور اس کے بعد جبرئیل نے حضرت صلعم سے کہا اے محمد ؐ یہ کمال مواسات و جوانمردی ہے جو علی ؑ آپ کی تم سے کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیوں نہ ہو علی ؑ مجھ سے ہے اور میں علی ؑ سے ہوں۔ اس پر جبرئیل بولے اور میں تم دونوں سے ہوں۔ صاحب مدارج النبوت لکھتے ہیں کہ اگرچہ نادِ علیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عوناً لک فی النوائب۔ کل ہم و غم سینجلی۔ بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی ؑ (اے محمد تم علی ؑ کو پکارو کہ وہ مظہر العجائب ہیں تم ان کو مصیبتوں کے وقت اپنا ناصر و غمگسار پاؤ گے تو ہر ایک ہم و غم زائل ہو جائے بسبب تمہاری نبوت کے اے محمد ؐ اور بسبب تمہاری ولایت کے اے علی ؑ) بھی

[1] یہ غیبی آواز سنائی دی کہ لا سیف الا ذوالفقار و لافتیٰ الا علی (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۴)

اس معرکہ میں نازل ہوئی ہے مگر مشہور یہ ہے کہ جنگ خیبر میں نازل ہوئی جب کہ حضرت علیؑ کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں اور مدینہ میں رہ گئے تھے۔ آں حضرتؐ کے نادِ علی پڑھتے ہی حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے حق مبارزت ومحاربت وجلادت وشجاعت ایسا ادا کیا کہ ما فوق اس سے متصور نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ فرمایا جنگ احد میں سولہ ضرب تلوار کی مجھے پہونچی کہ ان کی چار ضربوں سے میں زمین پر گر پڑا۔ اور ہر بار جب میں زمین پر گرتا تھا ایک مرد خوبصورت نیک خو میرا بازو پکڑتا اور کہتا تھا کہ کافروں کی طرف متوجہ ہو کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ جب بعد جنگ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے یہ حال بیان کیا تو حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ خدا تمہاری آنکھوں کو روشن رکھے وہ جبرئیلؑ تھے (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۵۳) حضرت علیؑ نے باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور آپ زخمی ہو گئے تھے کفار پر حملہ کر کے سب کو شکست دی۔ اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور حضرت رسول خداؐ سے پوچھا یہ کس نے ایسی لڑائی سے جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر ومباہات کر رہا ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ ہے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۳۳)۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت علیؑ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹ دیتے جاتے تھے" (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷) "حضرت رسول خداؐ کے زخمی ہونے سے شور ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بھی شہید ہو گئے۔ آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہونچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہراؑ نے آ کر دیکھا تو ابھی تک چہرہ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علیؑ سپر میں پانی بھر کر لائے۔ جناب سیدہؑ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا" (سیرت النبیؐ صفحہ ۲۷۹)۔ "خاتون قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ ہندہ امیر معاویہ کی ماں نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہؑ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے" (سیرت النبیؐ صفحہ ۲۸۱) "آں حضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں آپ کو غیرت ہوئی کہ سب کے عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہؑ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا اما حمزۃ فلا بواکی لہ لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہؑ کا ماتم کرو۔ آں حضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں" (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)

غزوۂ حمراء الاسد شوال سنہ ۳ ھ (سنہ ۶۲۵ء)

غزوۂ احد کے بعد آنحضرت صلعم مدینہ واپس آئے تو پتا لگا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ اسی طرح

روانہ ہو گئے۔ علم حضرت علی مرتضیٰ کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرت کی خبر سن کر مکہ کو واپس گئے (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۵)

سریہ ابو سلمہ محرم سنہ ۴ھ (۶۲۵ء) | خبر ملی کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آں حضرت صلعم نے ابو سلمہ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ ابو سلمہ نے حملہ کر کے بنو اسد کو بھگا دیا۔

سریہ عبد اللہ بن انیس | محرم سنہ ۴ھ میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آنحضرت نے عبد اللہ بن انیس کو مقابلہ پر بھیجا۔ انھوں نے سفیان کو قتل کیا۔

واقعہ رجیع | قبیلہ عضل و قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہماری ہدایت کے لئے کسی کو بھیج دیجئے۔ آں حضرت نے عاصم کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ رستے میں ان لوگوں نے بدعہدی کر کے عاصم کو قتل کرنا چاہا۔ ان مسلمانوں کو ان سے لڑنا پڑا۔ چار مارے گئے اور تین مقید ہوئے۔

واقعہ بیر معونہ | صفر سنہ ۴ھ (۶۲۵ء) میں ابو براء کلابی نے آکر آں حضرت سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت نے ستر انصار کو بھیج دیا۔ ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آں حضرت کا خط دیکر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا۔ پھر ایک لشکر لے کر آیا اور کل صحابہ کو قتل کر دیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۳۳)

غزوہ بنو نضیر | عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا اب تک واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلعم کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھ کر آں حضرت صلعم پر پتھر گرا دے۔ حضرت کو یہ راز معلوم ہو گیا۔ فوراً مدینہ کو واپس آئے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۷)

غزوہ ذات الرقاع | قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو آں حضرت جمادی الاولی سنہ ۴ھ میں کئی سو صحابیوں کے ساتھ ذات الرقاع تک گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے۔

غزوہ بدر ثانی | غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان کہتا گیا تھا کہ آئندہ سال ہم لوگ پھر آئیں گے تو اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا کہ کفار قریش کے سامان سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ اس پر آنحضرت ایک جماعت کے ساتھ بدر تک گئے۔ اس غزوہ کے علمدار بھی حضرت علیؑ تھے مگر کفار نہیں آئے نہ لڑائی ہوئی۔

غزوہ دومۃ الجندل | دومۃ الجندل کے سردار نے لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے تھے آں حضرت سنہ ۵ھ میں انھیں منع کرنے کو نکلے تو وہ بھاگ گئے۔

غزوہ بنی مصطلق | ایک قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ شعبان سنہ ۵ ہجری کو آں حضرت

ان کی طرف گئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی علم بردار تھے۔

واقعہ افک

اسی غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت حضرت عائشہ کا (جو اس سفر میں آں حضرت کے ساتھ تھیں) گلوبند کہیں گر پڑا۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ حضرت رسول خدا سے کہتیں حضرت تلاش فرماتے مگر اس کے ڈھونڈنے کو وہ بغیر کسی کو خبر کئے قافلہ سے خود پیچھے رہ گئیں۔ ایک شخص جو چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے رہتا تھا وہ انھیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر لایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت عائشہ کو اس کے ساتھ متہم کر دیا۔ حضرت رسول خدا صلعم بہت دنوں تک حضرت عائشہ کے پاس نہ گئے۔ پھر فرمایا "مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی اور کوئی چیز نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں" (امہات الامہ ص۶۶)

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

یہود بنی نضیر جو خیبر میں جلاوطن ہوئے تھے آں حضرت سے انتقام لینے کے درپے تھے ان میں سے ۲۰ شخصوں نے مکہ جا کر ابو سفیان کو ملا لیا اور پھر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبائل میں جا کر ان کو اپنا شریک کر لیا غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضرت مدینہ سے نکلے اور کوہ سلع کو پشت پر رکھ کر سامنے کی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق جناب سلمان فارسی کی صلاح سے کھدوائی۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے سردی بڑی سخت تھی۔ ایک رات حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا استغفر اللہ و رسولہ مجھے معاف رکھیں۔ حضرت نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جاسکتے ہو مگر ممدوح نہیں گئے۔ پھر حضرت نے فرمایا اے عمر تم جا کر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص۱۸۵)۔ کافروں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے خاصکر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمر نے اسکی بہادری بیان کر کے مسلمانوں کو اور ڈرا دیا۔ ایک دن وہ خندق پھلانگ کر آگیا۔ فوج اسلام میں سے باوجود مبارز طلبی عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلا صرف حضرت علیؑ بار بار اٹھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور پکارا مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا میں۔ لیکن آں حضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؑ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا عمرو نے دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف (ایک صدا جواب میں تھی) تیسری دفعہ جب آنحضرت نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی بسر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔

علیؑ نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علیؑ:- میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو:- یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؑ: لڑائی سے واپس جا۔ عمرو:- میں خواتین قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؑ: مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو یہ امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا۔ پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؑ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؑ نے وار کیا۔ انکی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ (سیرت النبیؐ جلد ۱ ص ۳۱۴) جناب امیرؑ عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں نکلے تو آں حضرتؐ نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکل پڑا ہے۔ (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۲۳۵ و سیرت محمدیہ جلد ۲ ص ۱۰۱) غزوہ خندق میں حضرت علیؑ سے ایسی شجاعت بہادری اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علیؑ کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہیگی۔ نیز حضرت رسول مقبول نے حضرت علیؑ کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذوالفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوت جلد ۲ ص ۱۲۳) حضرت علی نے عمرو کو قتل کر کے دستور عرب کے مطابق اس کے اسباب نہیں لئے۔ اسکی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا تو کہا ما قتلہ الا کفو کریم میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا لوگوں نے کہا علیؑ۔ اس پر اس نے یہ شعر کہے ؎

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ — لکنت ابکی علیہ آخر الابد

لکن قاتلہ من لا یعاب بہ — من کان یدعی قدیما بیضۃ البلد

اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں اپنے بھائی پر زندگی بھر روتی رہتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب) کہتے آئے ہیں (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۵۴۸) جب حضرت علی معرکہ جنگ سر کر کے واپس آئے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اٹھ کر حضرت علیؑ کا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۱۳۲) اور روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۵۵)

غزوہ بنو قریظہ — خندق کے بعد آں حضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ ہجری میں گئے لشکر کا علم حضرت علیؑ کو عنایت کیا (طبری جلد ۳ ص ۲۵)

سریہ سیف البحر — ۵ ہجری میں ابو عبیدہ کی ماتحتی میں ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا۔

غزوۂ بنو لحیان
رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کے لیے آں حضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی مگر وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ ذی قرد
ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑ لے گیا تو ربیع الاول سنہ ۶ ہجری میں آں حضرتؐ چلے مگر وہ مل گئیں تو واپس آئے۔

سریۂ دومۃ الجندل
شعبان سنہ ۶ھ میں آں حضرتؐ نے عبد الرحمن بن عوف کو ہدایت کے لیے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔

سریۂ فدک
شعبان سنہ ۶ ہجری میں خبر ملی کہ بنو بکر اور یہودان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اور مسلمان مال غنیمت لے کر پلٹے۔

سریۂ وادی القریٰ
جناب زید شام جاتے تھے وادی القریٰ کے پاس بنو فزارہ نے لوٹ لیا تو وہ مدینہ واپس آکر مدد لے گئے اور کامیاب ہوئے۔

سریۂ عرنیہ
عرینہ کے کچھ شریر آں حضرتؐ کے غلام یسار کو ہلاک کر کے بہت اونٹ بھگا لے گئے آنحضرتؐ نے لوگوں کو بھیج کر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔

غزوۂ حدیبیہ
ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری (۶۲۸ء) میں حج کے ارادہ سے آں حضرتؐ مکہ کی طرف چلے قریش کو خبر ہوئی تو روکا۔ حضرتؐ ایک کنویں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے اور لڑنے مارنے پر اور کبھی جنگ سے نہ ہٹنے پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والے اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ قریش کے ایلچی عروہ نے کہا اس سال آپ حج کو نہ جائیں۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور اوباش لوگوں کو آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں جن کی شان سے عیاں ہے کہ جنگ سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو چھوڑ کر چل دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر اس کو گالی دینے لگے کہ جا لات کا ٹوٹا چوس۔ واہ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور حضرتؐ کو چھوڑ دیں گے (طبری جلد ۳ صفحہ [illegible])
آخر صلح ہو گئی۔ آں حضرتؐ نے صلح نامہ حضرت علیؑ سے لکھوایا اور اس پر طرفین سے گواہیاں ہو گئیں۔ اس صلح پر حضرت عمر کو غصہ آ گیا اور حضرت کی نبوت میں شک کرنے لگے خود کہتے تھے کہ جب سے میں اسلام لایا آج کے سوا کبھی نبوت میں شک نہیں ہوا تھا یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کی نبوت میں جیسا شک ہوا ایسا کبھی نہیں [illegible]
آں حضرتؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح کرو مگر ایک صحابی بھی نہیں اٹھا (طبری جلد ۳ صفحہ [illegible]) تب آنحضرتؐ نے خود اپنا اونٹ قربانی کیا پھر تمام اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے اور مکہ میں بلا مزاحمت لوگ قرآن پڑھنے لگے کیونکہ مسلمانوں کی ہر قسم کی مزاحمت مکہ سے جاتی رہی۔ امن ہو گیا ایک دوسرے سے ملنے لگے اور اسلام کا نیا دور شروع ہوا۔

غزوۂ خیبر

صفر سنہ ۷ ہجری (مطابق ۶۲۸ء) میں مشہور خیبر کی لڑائی ہوئی۔ سنا گیا کہ خیبر کے یہودیوں نے جو مدینہ اور آس پاس کے نواح سے جلاوطن ہوئے تھے مسلمانوں سے جنگ کی بڑی تیاری کی ہے۔ حضرتؐ یہ سن کر ۱۶ سو آدمی لے کر ساتھ چلے۔ مگر جب مسلمان خیبر میں پہونچے تو وہاں کے یہودی اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ حضرت ابوبکر علم لے کر گئے اور لڑائی کی مگر فتح نہ کرسکے تو واپس آئے۔ پھر حضرت عمر گئے اور پہلے سے زیادہ لڑے مگر ان سے بھی فتح نہ ہوسکی بھاگ آئے۔ اب فوج آنحضرتؐ سے کہتی تھی کہ یا حضرت ہمارے سردار حضرت عمر نے نامردی کی اور حضرت عمر کہتے تھے کہ یا حضرت ہماری فوج نے نامردی کی (طبری جلد ۳ ص ۹۳) اس اختلاف کا فیصلہ کیونکر ہو تا کہ کس نے واقعاً نامردی کی۔ اگر آں حضرتؐ حضرت عمر کو سچا سمجھتے تو انکی سرداری قائم رکھ کر ان کے ماتحت دوسری فوج بھیج دیتے مگر حضرتؐ نے فوج نہیں بدلی بلکہ سردار کو بدل دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کے قول کو غلط اور انکی فوج کے قول کو صحیح سمجھ کر حضرت عمر کو نامرد تسلیم کرلیا اور ارشاد فرمایا۔

لأعطين الراية غداً رجلاً كراراً غير فرار يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله يفتح الله على يديه کل میں یہ علم اس بہادر شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے۔ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ خدا اسکے ہاتھ پر ضرور اس قلعہ کو فتح کرے گا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۹۳ و صحیح بخاری کتاب المغازی ص ۶۰۵ باب غزوہ خیبر و روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۲۸۵)

رات بھر صحابہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہے کہ دیکھیں کل علم کس کو ملتا ہے۔ حضرت عمر فرماتے تھے میں نے اس روز کے سوا کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی۔ جب صبح ہوئی تو اس علم کی آرزو میں حضرت ابوبکر و عمر نے اپنے کو لمبا کرکے دکھانا شروع کیا (طبری جلد ۳ ص ۹۳)۔ صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؑ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انکی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی...... مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

لقد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں۔ مرحب کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　کلیث غابات کریہ المنظرہ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔ میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں۔ مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک آگئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہونچی (طبری ص ۱۵۷۹، سیرت النبی جلد ۱ ص ۴۲۵)۔ حضرت علیؑ کی شجاعت کی ایسی دھوم تھی کہ جب آنحضرتؐ نے آپ کو علم دیکر روانہ کیا اور آپ قلعہ کے پاس پہونچے تو ایک یہودی نے پوچھا تم

کون ہو؟ حضرت علیؑ نے اپنا نام بتایا جسے سنتے ہی وہ بول اٹھا اے قوم یہود توریت کی قسم ہے اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص بغیر قلعہ فتح کیے واپس نہیں جائے گا۔ وہ یہودی حضرت علیؑ کی شجاعت وصفات کی حالت سے واقف تھا۔ کیونکہ توریت میں حضرتؑ کے اوصاف پڑھ چکا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۹۲ و مدارج النبوت جلد ۲ صـ۲۳۰) حالت جنگ میں ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ایسی تلوار ماری کہ آپ کی ڈھال گر پڑی مگر آپ نے فوراً قلعہ کا ایک دروازہ اکھاڑ لیا اور اسے لیکر جہاد کرنے لگے وہ اس قدر وزنی تھا کہ اسکو ۴۰ آدمی دوسری روایت کے مطابق ستر آدمی بھی پلٹ نہیں سکے (طبری جلد ۳ صـ۹۴ خمیس جلد ۲ صـ۵۶) آنحضرت صلعم کو اس فتح سے ایسی خوشی ہوئی کہ حضرت علیؑ کا استقبال کرنے اور آپ کو مبارکباد دینے کے لیے خیمہ سے باہر نکل آئے دوڑ کر آپ کو سینہ سے لپٹا لیا۔ آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علی! تمہارا قابل شکر کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہونچا۔ خدا نے تمہاری اس خدمت کو بہت پسند کیا اور میں تم سے راضی ہوں یہ سنکر جناب امیرؑ رونے لگے۔ آں حضرت نے پوچھا یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا؟ عرض کی خوشی کا۔ اور میں کیوں نہ خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تنہا میں نہیں بلکہ خدا، جبرئیل اور میکائیل اور سب فرشتے بھی راضی ہیں۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صـ۲)

اکثر علماء نے لکھا ہے کہ فتح خیبر کے بعد آں حضرتؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو یقیناً میں تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا جس کی وجہ سے تمہاری اتنی شان نمایاں ہو جاتی کہ تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفاء حاصل کرنے کے لیے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لیجاتے لیکن اتنا بھی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تم ہی میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں۔ اور تم مجھ سے اسی درجہ پر ہو جس پر جناب ہارون جناب موسیٰ سے تھے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کرو گے میری سنت پر جہاد کرو گے آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک ہو گے قیامت میں حوض کوثر پر بھی تم ہی میرے خلیفہ ہو گے تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہونچو گے۔ منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤ گے۔ میری امت کے لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہو گے۔ تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور تمہارے دشمن سیاہ رو رہیں گے تا آخر حدیث۔ اور مسند احمد بن حنبل کے میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میری امت تمہارے بارے میں بھی وہی نہ کہنے لگتی جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو میں وہ باتیں کہہ دیتا کہ پھر تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدم کے نیچے کی خاک بطور تبرک اٹھا لیا کرتے (ینابیع المودۃ صـ۱۳۰) امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ حدیث رسولؐ ثابت کرتی ہے

کہ جناب امیرؑ حضرات انبیاء کرام کے مساوی تھے اور یہ یقینی ہے کہ انبیاء کرام کل صحابہ سے افضل تھے۔ پس حضرت علیؑ بھی کل صحابہ سے ضرور افضل تھے (کتاب اربعین فی اصول الدین)۔

رجعت شمس

معتبر مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ خیبر سے واپس ہوتے وقت منزل صہباء میں پہونچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد جناب امیرؑ کے زانو پر سر رکھکر سو گئے اسی حال میں آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی۔ وحی کا زمانہ اتنا مختصر تھا کہ آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ ختم وحی پر آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ تم نے نماز عصر پڑھی؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہؐ۔ آنحضرتؐ نے دعا کی کہ خداوندا علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھے آفتاب کو ان کے لیئے واپس لا تاکہ یہ نماز عصر پڑھ لیں۔ فوراً آفتاب طالع ہو گیا اور جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی۔ یہ حدیث بڑے معتمد علیہ راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اسکی روایت بالکل ثابت ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۴ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ وغیرہ)

اہل فدک سے صلح

بعد فتح خیبر آں حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو دعوت اسلام کے لیئے فدک والوں کی طرف بھیجا۔ انھوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین پر آنحضرتؐ کا قبضہ رہے۔ آنحضرتؐ راضی ہو گئے۔ یہ فدک حضرت رسول خدا صلعم کی خاص جائداد قرار پایا فکانت خیبر فیئا للمسلمین وکان فدک خالصة لرسول اللہ لانهم لم یجلبوا علیها بخیل ولا رکاب خیبر کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوا اور فدک صرف حضرت رسول خدا صلعم کی ملکیت قرار پایا کیونکہ مسلمانوں نے نہ اس پر لشکر کشی کی نہ جہاد کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۵) اس صلح کے بعد جناب جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا خدا فرماتا ہے وآت ذالقربیٰ حقه اے رسولؐ اپنے خاص قرابت والوں کو اُن کا حق دیدیجئے۔ حضرتؐ نے پوچھا قرابت دار کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے؟ جواب دیا فاطمہؑ کو فدک دے دیجئے کہ یہ اُن کا حق ہے اور جو کچھ فدک میں خدا اور رسول کا حق ہے وہ بھی اُن کے حوالہ کر دیجئے۔ پس حضرتؐ نے جناب سیدہؑ کو بلاکر اُن کے لیئے ایک وثیقہ لکھکر فدک حوالہ کر دیا (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ وغیرہ) اس فدک کو بھی بعد وفات رسول خلیفہ اول نے لے لیا۔

غزوہ وادی القریٰ

مقام صہباء سے روانہ ہو کر آں حضرتؐ وادی القریٰ میں جمادی الآخر سنہ ۷ ہجری میں پہونچے۔ یہودیوں سے لڑائی ہوئی۔ بہت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہودیوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور اُن سے صلح ہو گئی (خمیس جلد ۲ صفحہ ۶۲)

سریۂ موتہ

آں حضرتؐ نے سلاطین اور رؤساء کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے۔ شام کے حاکم بصریٰ شرجبیل کے نام بھی ایک خط روانہ کیا۔ شرجبیل نے حضرتؐ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ اس کے قصاص کے لیئے آں حضرتؐ نے تین ہزار فوج شام کی طرف جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ہجری میں روانہ کی۔ آں حضرتؐ کے آزاد کردہ غلام زید سردار فوج بنائے گئے اور ارشاد ہوا کہ یہ شہید ہوں تو آں حضرتؐ

کے چچا زاد بھائی) جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ جناب جعفر و عبداللہ بن رواحہ کے ہوتے زید کو افسر کرنا کس بنا پر ہے؟ لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم مقام کرنے کی غرض سے آیا تھا اُس کے لیے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ شرجیل نے کم و بیش لاکھ فوج سے مقابلہ کیا۔ زید شہید ہوئے تو حضرت جعفر نے علم ہاتھ میں لیا گھوڑے سے اتر کر اسکی کونچیں کاٹ دیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ چور ہو کر گر پڑے۔ تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا۔ آپ کی شہادت پر عبداللہ بن رواحہ نے علم لیا وہ بھی شہید ہوئے اور لشکر اسلام شکست کھا کر مدینہ آیا۔ اہل مدینہ ان واپس آنے والوں کے چہروں پر خاک پھینکتے اور کہتے تھے "او فرارو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے"۔ آں حضرت کو اس شکست کا سخت صدمہ ہوا حضرت جعفر سے آپکو خاص محبت تھی۔ انکی شہادت کا نہایت قلق تھا۔

سریۂ ذات السلاسل

جمادی الآخر سنہ ۸ ہجری میں آں حضرت نے تین سو سپاہیوں کے ساتھ عمرو عاص کو قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ عمرو کو تا دبائی انہیں جمع ہوئی تو مدینہ سے کمک طلب کی۔ آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح کے ماتحت دو سو مہاجرین و انصار کی ایک فوج بھیج دی۔ اس فوج میں ابو عبیدہ کے ماتحت حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے (طبری جلد ۳ ص ۱۶۰۵)

فتح مکہ

قبیلہ بنو بکر و بنو خزاعہ میں لڑائی ہو گئی آنحضرت کے حلیف بنو خزاعہ کثرت سے مارے گئے۔ اور وہ عہد جو صلح حدیبیہ میں آنحضرت نے قریش سے کیا تھا ٹوٹ گیا۔ تو ماہ رمضان سنہ ۸ھ (غالباً سنہ ۶۳۰ع) میں آنحضرت دس ہزار فوج لے کر مکہ کی طرف چلے۔ ابو سفیان نے مدینہ آکر آں حضرت کی خدمت میں درخواست کی کہ اس عہد نامہ کی تجدید کر دی جائے۔ حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابو سفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر وہ جناب سیدہ کے پاس آیا۔ امام حسن پانچ برس کے بچے تھے۔ ابو سفیان نے انکی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ اس پر امام حسن اسکی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اسکی ناک دوسرے سے اسکی داڑھی پکڑ کر کہا "اے ابو سفیان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے جد بزرگوار سے کرتا ہوں"۔ اس پر جناب امیر نے فرمایا اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمد میں بھی خاص ذریت محمد مصطفٰے سے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ایمان کی شہادت ... (سیرۃ الحلبی جلد ۱ ص ۴۳) و سیرت ابن اسحاق و مناقب جلد ۴ ص ... و سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ...)۔ غرض آنحضرت روانہ ہو کر باہر مکہ پہنچ کر داخل ہوگئے حضرت علی سپہ سالار فوج تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت نے عظیم رحم کا نمونہ پیش کیا۔ سب قدیم دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے اندر داخل ہوئے۔ تصویروں کے بتوں کو توڑ دیا اور جو نقش تصویر تھے

توڑنے کے لیے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا۔ حضرت علیؑ نے سب بتوں کو توڑ کر گرا دیا۔ پہلے آنحضرتؐ ہی جناب امیرؑ کے کاندھے پر چڑھے تو ضعف محسوس ہوا۔ آنحضرتؐ فوراً اتر آئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو بارِ نبوت اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب تم اپنا پاؤں میرے کاندھے پر رکھ کر چڑھو۔ جناب امیرؑ نے حکم رسولؐ کی تعمیل کی اور بتوں کو توڑ کر نیچے گرا دیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا علی! تم اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور میرا سر ساق عرش تک پہونچ گیا ہے۔ فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیسا اچھا نصیب میرا ہے کہ بارِ حق اٹھائے ہوں۔ بتوں کو گرا کر جناب امیرؑ کود پڑے اور تبسم کرنے لگے آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہوتے ہو۔ عرض کی اس پر کہ میں اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اٹھایا اور جبرئیل نے اتارا۔ ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

قیل لی قل فی علی مدحا — ذکرہ یخمد نارا موصدۃ
قلت لا اقدم فی مدح امرء — ضل ذو اللب الی ان عبدہ
والنبی المصطفیٰ قال لنا — لیلۃ المعراج لما صعدہ
وضع اللہ بظھری یدہ — فاحسن القلب ان قد بردہ
وعلیّ واضع اقدامہ — فی محل وضع اللہ یدہ

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ حضرت علیؑ کی مدح کروں کیونکہ حضرتؑ کا ذکر جہنم کی بلند آگ تک کو بجھا دیتا ہے۔ میں نے کہا جس بزرگ کے بارے میں بڑے صاحبانِ عقل تک اس قدر گمراہ ہو گئے کہ حضرتؑ کی عبادت کرنے لگے (جیسے نصیری فرقہ یا امام شافعی وغیرہ) انکی مدح کی جرأت میں نہیں کر سکتا اور نبی مصطفیٰ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ جب میں شبِ معراج میں آسمان پر گیا اور خدا نے میری پشت پر ہاتھ رکھا تو میرے دل نے اسکی ٹھنڈک محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آنحضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۲)

دعوت بنو خزیمہ

فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کے ساتھ کچھ لوگوں کو ادھر ادھر اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کیا۔ یہ سب بنو خزیمہ کے پاس پہونچے۔ انھوں نے اسلام کا اظہار کیا مگر خالد نے ان لوگوں پر بہت ظلم کیا۔ آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا اے خدا میں خالد کے افعال سے بری الذمہ ہوں۔ پھر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم اس قوم کے پاس جاؤ ان کے واقعہ کی تحقیق کرو اور جاہلیت کی باتوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالو۔ حضرت علیؑ وہاں پہونچے۔ ہر مقتول کا خون بہا اور جو مال لوٹا گیا تھا اس کا تاوان اور معاوضہ بھی ادا کر دیا یہاں تک کہ اس برتن کی قیمت بھی دے دی جس میں کتا پانی پیتا تھا۔ جب ان کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہا اور جناب امیرؑ کے پاس کچھ مال بچ گیا تو فرمایا اب میں یہ بقیہ مال بھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں کہ

احتیاطاً اداکاری بھی ہوجائے۔ یہ سب عادلانہ بلکہ رحیمانہ انتظام کرکے جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے پاس واپس تشریف لائے اور پورا حال بیان کردیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا تم نے بالکل ٹھیک اور بہت خوب کیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۴)

غزوۂ حنین

مکہ سے تین میل پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام حنین تھا۔ فتح مکہ کی خبر اطرافِ عرب میں پھیلی تو بنی ہوازن۔ بنی ثقیف و بنی سعد وغیرہ قبائل نے آں حضرتؐ سے لڑنے پر اتحاد کرلیا۔ اسکی خبر سنکر حضرتؐ ۱۲ ہزار آدمیوں کے ساتھ ۶ شوال ۸ھ ہجری (مطابق ۶۳۰ء) کو ان کے مقابلہ پر نکلے۔ حضرت علیؑ حسب معمول علمبردار تھے۔ راستہ میں مشرکین کے ایک درخت ذات انواط کو دیکھ کر صحابہ کہنے لگے اے رسولؐ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسیٰؑ سے اُنکی قوم نے فرمائش کی تھی کہ اے موسیٰ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لئے بھی بنا دیجئے۔ خدا کی قسم تم لوگ اُن (کفار یہود وغیرہ) کا طریقہ اختیار کرلوگے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۵) غرض آنحضرتؐ وادیٔ حنین میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی بڑی فوج دیکھ کر حضرت ابوبکر نے کہا آج ہم لوگ کسی طرح شکست نہیں پاسکتے مگر جب زور سے جنگ ہوئی تو مسلمان بکثرت مارے گئے، بہت سے زخمی ہوئے اور زیادہ تر بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔ آں حضرتؐ نے انکو بہت پکارا کہ اے بیعت رضوان والو تم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ صرف چار شخص حضرتؐ کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت علیؑ۔ حضرت عباس ابن الحارث اور ابن مسعود (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹) علامہ ابن الحدید نے حضرت ابوبکر کے متعلق لکھا ہے ؎

ولیس ینکر فی حنین فرارہ ٭ ففی احد قد فرخوفا وخیبرا

حضرت ابوبکر کا جنگ حنین سے فرار ناقابل انکار ہے۔ وہ اس سے قبل غزوۂ احد اور خیبر سے بھی کفار کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ ابوقتادہ صحابی بیان کرتے تھے کہ غزوہ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی اُنکے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ دیکھا کہ حضرت عمر بھی بھاگے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا۔ تو حضرت عمر نے کہا کیا کیا جائے۔ خدا کی مشیت یہی تھی۔ پھر سب لوگ رسولؐ کے پاس واپس آگئے (صحیح بخاری پ۱۷ صفحہ ۵۰ کتاب المغازی) مگر جناب امیرؑ اور حضرت رسول خداؐ اسی طرح ثابت قدم رہے یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آگئے اور کافروں سے جنگ ہوئی اب مسلمان کامیاب ہوگئے۔ اس جنگ میں ۷۰ کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ کافروں کو زیادہ تر حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ وغیرہ)

جنگ اوطاس

فتح حنین کے بعد آنحضرتؐ نے حنین ہی میں قیام کرکے ابوعامر اشعری کے ماتحت ایک فوج اوطاس کی طرف بھیجی جو حنین اور طائف کے درمیان ہے۔ مسلمان کامیاب

ہوئے۔

غزوۂ طائف حنین کی بقیہ فوج طائف میں جاکر پناہ گزیں ہوئی۔ آنحضرتؐ نے محاصرہ کرلیا اور کئی دن کے بعد محاصرہ اُٹھاکر حضرتؐ واپس تشریف لے گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ کچھ اصحاب آنحضرتؐ سے اجازت لے کر گئے۔ اس ذوالحجہ کے بتوں کو توڑ ڈالا اور ایک نامی پہلوان حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت علیؑ اس کامیابی کے بعد آں حضرتؐ کے پاس واپس آئے تو آں حضرتؐ نے تکبیر کہی اور تنہائی میں دیر تک جناب امیرؑ سے باتیں کرتے رہے۔ اس رازداری کی گفتگو میں تاخیر ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ رسولؐ ایسے دور دراز کے راز اپنے چچازاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسرے سے نہیں کہتے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا، میں خود راز نہیں کہتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب علیؑ سے سرگوشی کرتا ہوں۔ بعض کتابوں میں ہے کہ یہ اعتراض حضرت عمر نے کیا تھا اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۹ و مشکوٰۃ ص ۵۶۲ وغیرہ)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سفر طائف میں حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو خلافت کے امیدوار سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ قریش کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں، ہمارے غلام حضورؐ ہمیں واپس کردیں۔ حضرتؐ نے حضرت ابوبکر کی رائے دریافت کی۔ انھوں نے کفار کی تصدیق کی جس سے آں حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ پھر حضرت عمر کی رائے پوچھی انھوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تائید کی جس سے پھر حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور حضرتؐ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ تم لوگوں پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اس نے ایمان کے متعلق امتحان کیا ہے اور وہ دین کی حمایت میں تم لوگوں سے لڑے گا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا یا حضرتؐ وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا یا حضرت کیا میں ہوں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو جوتی میں پیوند لگا رہا ہے، اور اس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی جوتی پیوند لگانے کے لیے دے رکھی تھی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۵۶ و خصائص نسائی ص ۱۳)۔ پھر جب حضرتؐ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا اور مکہ کے نومسلم رؤسا کو اچھی طرح حصہ دیا تو انصار اعتراض کیا کہ آپ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا (صحیح بخاری غزوۂ طائف) بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور مال غنیمت دوسروں کو ملتا ہے (صحیح بخاری ص ۱۲۱) مگر آں حضرتؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے انکی تالیف قلب کے لیے انھیں دیا ہے۔ ایک شاعر عباس نے جو کہ آنحضرتؐ کی مذمت میں اشعار لکھ ڈالے۔ حضرتؐ نے سنا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور اسکی زبان قطع کردو۔ اس پر حضرت عمر وہیں اسکی زبان کاٹنے کو تیار ہوگئے لیکن حضرت علیؑ اسے اونٹوں کے پاس لے گئے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو۔ وہ بولا کیا آنحضرتؐ نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا تھا؟ اگر ایسا ہے تو اپنے حصہ پر راضی ہوں (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۱۲۹)۔ اعتراض کرنے والوں میں ایک شخص ذوالخویصرہ بھی تھا جس نے کہا اے محمد اس مال کی تقسیم میں آپ نے انصاف نہیں کیا۔ جس کا آنحضرتؐ

کو بہت صدمہ ہوا اور فرمایا اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ اس کی گردن اڑانے پر آمادہ ہو گئے مگر حضرتؐ نے روکا اور فرمایا عنقریب اس سے ایک گروہ (خوارج کا) پیدا ہوگا جو دین سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح کمان سے تیر (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۴۵) مؤلفۃ القلوب نو مسلموں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ بھی تھا۔ (مروج الذہب جلد ۵ ص۳۵) تقسیم مال کے بعد آنحضرتؐ ۱۸ ذیقعدہ کو مکہ معظمہ واپس آئے اور عمرہ بجا لا کر ۲۴ ذی الحجہ کو مدینہ پہونچ گئے۔

سریہ بنو تمیم

۹ ہجری میں مسلمان خاندانوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے تحصیلدار مقرر کئے اور ادھر ادھر بھیجے گئے مگر بنو تمیم کے بہکانے سے بنو کعب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ آنحضرتؐ کا تحصیلدار ڈر کر واپس آیا تو حضرتؐ نے عیینہ بن حصین فزاری کو پچاس سواروں کے ساتھ ان کے تدارک کے لیے بھیجا۔

بت شکنی کے لیے سرایا

فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے بہت سرایا اطراف ملک میں روانہ کئے گئے۔ انہیں میں سریہ حضرت علیؓ بھی تھا جو بتخانہ فلس توڑنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر اس کام کے لئے کہیں نہیں بھیجے گئے۔

غزوہ تبوک

حضرتؐ کو معلوم ہوا کہ نصاریٰ شام نے ہرقل بادشاہ روم سے ۴۰ ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ حفظ ماتقدم کی نظر سے تیس ہزار فوج لے کر اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے شام کی طرف چلے۔ حضرت علیؑ نے کہا حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمایا الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت تمام رہے جو ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ۱۸ ص۸۹ کتاب المغازی) حضور نے یہ بھی فرمایا کہ ضروری ہے یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علیؑ ٹھہر گئے۔ اس حدیث منزلت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی خلافت کا حق صحابہ کو نہیں بلکہ صرف حضرت علیؑ کو تھا اس لیے کہ حضرت ہارونؑ بھی حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ ہی تھے (فتح الباری جلد ۳ ص۲۱۶) معلوم ہوا کہ علماء اسلام یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ اس حدیث میں حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا انہ لا ینبغی ان اذہب الا و انت خلیفتی یعنی کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۱۶) بعض کتابوں میں ہے کہ فرمایا الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا النبوۃ و انت خلیفتی اے علی ہو تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی بس تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الامہ ص۱۲) اور بعض کتابوں

میں ہے کہ فرمایا خلفتك لتكون خليفتي فان المدينة لا تصلح الا بي او بك۔ اے علیؑ میں تم کو چھوڑے جاتا ہوں تاکہ تم ہی میرے خلیفہ رہو اس لیے کہ مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہے گی یا تمہارے رہنے سے (مستدرک، وکنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴) یہ کل عبارتیں صاف طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت رسولؐ اپنی خلافت کا اہل و مستحق صرف حضرت علیؑ کو سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض یوروپین مورخین (مثلاً ارونگ وغیرہ) نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث منزلت کا مطلب یہی تھا اور اکثروں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلعم نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کریں۔

غرض حضرت رسول خدا مصائب سفر اٹھاتے ہوئے بمقام تبوک پہونچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۱۴ منزل پر تھا۔ یہاں بیس روز حضرتؐ نے قیام کیا اور گرد و نواح میں دعوت اسلام کے لیے سریئے روانہ کئے مگر کوئی رومی فوج مقابلہ میں نہ آئی ناچار حضرتؐ نے مراجعت کی۔ یہ واقعہ رجب سنہ ۹ ہجری (سنہ ۶۲۳ء) کا ہے۔

واقعہ عقبہ

تبوک سے واپسی کے وقت ایک رات عقبہ ذی فتق پر سے آنحضرت کا اونٹ گزر رہا تھا تو منافقوں نے اسکو بھڑکا کر آنحضرتؐ کو ہلاک کر دینا چاہا۔ حذیفہ اور عمار یاسر اونٹ کے ساتھ تھے انہوں نے ان کو ڈانٹا تو وہ بھاگ گئے۔ یہ سب صحابہ سنتے تھے مگر خدا نے جبرئیلؑ کو بھیج کر آں حضرت کو ان کے دشمنوں کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ اور حضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ وغیرہ)۔ آں حضرتؐ نے ان منافقین کے نام حذیفہ کو بتا دیئے تھے مگر تاکید کر دی تھی کہ ان کو پوشیدہ رکھنا لیکن حضرت عمر کو اسکی خاص فکر ہوئی کہ ان کے نام معلوم کریں۔ آپ ڈرے کہ حضرت نے انکو بھی انہیں منافقین میں نہ رکھا ہو، اسی وجہ سے وہ بار بار حذیفہ کے پاس جاتے اور پوچھتے کہ ان منافقین میں حضرتؐ نے میرا نام بھی لیا تھا؟ (مدارج النبوت رکن ۴ صفحہ ۲۲۰ وغیرہ) مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہے آخر حضرت عمر نے خود ہی کہہ دیا یا حذیفة باللہ انا من المنافقين اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال ترجمہ زید بن یثیع مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۳۶۸) وكان عمر يسأل حذيفة عن حديث العقبة ويسأله عن علامات النفاق هل يرى فيه شيئا منها۔ حضرت عمر جناب حذیفہ صحابی سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی کہتے تھے اے حذیفہ مجھ میں تم نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟ (اسماء الرجال مشکوٰۃ از محقق دہلوی صفحہ ۹۴)

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر اس قدر اصرار کرتے رہے مگر حذیفہ نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسولؐ خدا نے ان منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا یا یہ کہ آپ میں منافقین کی کوئی علامت نہیں ہے۔

ایک اور موقع کی حالت حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ غدیر خم میں جب رسولؐ نے علیؑ کو امام و پیشوا مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اسکے مولا علیؑ بھی ہیں۔ اس وقت میری بغل میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اے عمر رسول خداؐ نے ایسی گرہ باندھ دی ہے جس کو وہی

شخص کھولے گا جو منافق ہوگا۔ تم ڈرو کہ کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا بار نہ اٹھاؤ یہ سنکر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں گیا اور وہ واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اے عمرو وہ کوئی آدمی نہیں بلکہ جناب جبرئیلؑ تھے۔ انھوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ کی خلافت کے بارے میں جو کہا ہے اس کے متعلق تم پر تاکید کردیں (مودۃ القربےٰ سید علی ہمدانی ص۱۷)

مسجد ضرار کا ہدم

ایک شخص ابو عامر نے منافقین مدینہ کو آمادہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤ کہ ہم لوگ اپنے امور اس میں انجام دیا کریں۔ اس پر ان لوگوں نے ایک مضبوط مسجد تیار کرلی۔ جب آں حضرتؐ غزوۂ تبوک کے لیئے جانے لگے تو ان منافقین نے دھوکے کے طور پر عرض کی کہ آپ اس نئی مسجد میں نماز پڑھا دیں تو یہ مقبول ہوجائے۔ حضرتؐ نے فرمایا اس وقت میں ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ واپسی پر پھر منافقین نے درخواست کی مگر اسی وقت جبرئیلؑ یہ آیت لائے والذین اتخذوا مسجدا ضرارًا۔ اس پر آں حضرتؐ نے دو شخصوں کو بھیجکر اس مسجد ضرار کو منہدم کرادیا اور وہ جگہ برابر کردی گئی۔

سریہ وادی الرمل[1]

آں حضرتؐ کو معلوم ہوا کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ایک فوج تیار کی۔ حضرت ابوبکر نے علم لیا اور گئے۔ قریب پہونچے تو مخالفین دفعۃً نکل پڑے اور اس زور سے لڑے کہ حضرت ابوبکر کو شکست ہوگئی۔ بہت مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے۔ تب حضرت عمر علم لے کر گئے۔ پھر دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر زور کا حملہ کیا اور حضرت عمر مع فوج واپس آئے۔ اب عمرو عاص نے خواہش کی کہ میں جاؤں۔ آں حضرتؐ نے اجازت دیدی مگر یہ بھی حضرت اول و دوم کی طرح شکست کھا کر واپس آئے۔ اس سے آنحضرتؐ کو بڑا تردد ہوا اور حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو علم دے کر مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ روانہ کیا۔ پھر خدا سے دعا کی اور مسجد احزاب تک آپ کو رخصت کرنے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر و عمر و عمرو عاص بھی جناب امیرؑ کے ماتحت بھیجے گئے اور ان سب کو حکم ہوا کہ علیؑ کی اطاعت کرنا۔ جناب امیرؑ نئی راہ سے چلے۔ جب وادی الرمل قریب ہوا تو اس طرف مڑ گئے۔ کمال احتیاط برتی کہ دشمن قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ رات پھر چلتے اور دن کو آرام کرتے۔ دشمنوں کے قریب پہونچکر حکم دیا کہ فوج بہت آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے۔ عمرو عاص کو اندازہ ہو گیا کہ اب مسلمان ضرور فتح پائیں گے اور حضرت علیؑ کی کامیابی سے ہم لوگوں کی بڑی ذلت ہوگی۔ یہ خیال کرکے حضرت ابوبکر و عمر کو بہکانا شروع کیا کہ اس راہ میں بڑے بڑے خطرے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کردیں۔ یہ دونوں صاحب بھی عمرو عاص کے ہمخیال ہوگئے اور سب نے جناب امیرؑ سے یہ رائے پیش کی مگر حضرت ان کی چالاکی سمجھ گئے اور انکار کردیا۔ غرض جناب امیرؑ نے جو راہ اختیار کی تھی اسی پر جاتے رہے اور صبح ہوتے ہی دشمنوں کے سر پر پہونچکر ان کو زیر کرلیا۔

[1] مورخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی سریہ ذات السلاسل ہے جو ۸ھ میں ہوا تھا اس کا ذکر پہلے ہو چکا) ۱۲

سب شکست کھا کر بھاگ گئے اور جناب امیرؑ مدینہ کو لوٹے۔ آں حضرتؐ کو جناب امیرؑ کی فتح کی خوشخبری ملی تو آپؐ استقبال کے لیے نکلے جناب امیرؑ نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سواری سے اتر پڑے مگر آں حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو کہ خدا اور رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ اس پر جناب امیرؑ خوشی سے رونے لگے۔ اس موقع پر بعض مورخین نے یہ اشعار لکھے ہیں ؎

چنیں گفت آں روز خیر الانام — کہ اندیشہ دارم ز بعضے عوام
وگرنہ حدیثے ز فضل علیؑ — ہمی گفتمے از نہایت یکدلی
کہ بر ہر کہ کردے ز راست گذر — نہادے بپائے قدمہاش سر
ز خاکِ قدمہاش بر داشتے — ازاں آبروئے دگر داشتے

(حبیب السیر و معارج النبوت وغیرہ)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعد غزوہ تبوک عمرو بن معدی کرب نے یمن میں فساد کیا تو آنحضرتؐ نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک فوج جناب امیرؑ کی ماتحتی میں بھیجی اور خالد کے ساتھ ایک لشکر اعراب جعفی پر روانہ کر کے فرمایا کہ جب دونوں لشکر یک جا ہوں تو دونوں کے سردار علیؑ ہی ہوں گے۔ جب آگے بڑھے پر وہ لوگ جن کے لیے خالد کے ساتھ لشکر بھیجا گیا تھا دو فرقے ہو گئے۔ ایک یمن کی طرف چلا گیا دوسرا بنو زبید سے مل گیا۔ حضرت علیؑ نے سنا تو خالد بن ولید کے پاس کہلایا کہ جہاں تک پہونچے ہو وہیں ٹھہر جاؤ مگر انھوں نے انکار کیا تو پھر حضرتؑ نے خالد بن سعید کو حکم دیا کہ خالد بن ولید کی طرف بڑھو یہ اُدھر بڑھے۔ اتنے میں حضرت علیؑ بھی آ گئے اور خالد بن ولید کو نافرمانی پر ملامت کی پھر عمرو بن معدی کرب پر حملہ آور ہوئے۔ وہ حضرتؑ کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور جناب امیرؑ مدینہ واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا انت منی وانا منہ۔ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں

(روضۃ الاحباب و حبیب السیر وغیرہ)

سریۂ جناب امیرؑ

سنہ ۱۰ ہجری میں آں حضرتؐ نے خالد بن ولید کو بھیجا تھا کہ اہل یمن کو اسلام کی طرف بلائیں وہ چھ مہینہ تک وہاں رہے مگر کسی نے کچھ نہیں سُنا تو آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا۔ آپ پہونچے تو یہ اثر ہوا کہ ایک ہی دن میں تمام قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا پھر تو اہل یمن پے در پے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آں حضرتؐ نے یہ سب سُنا تو خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا اور بار بار فرمایا قبیلہ ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ وغیرہ) کعب الاحبار کہتے تھے کہ حضرت علیؑ یمن تشریف لائے تو میں نے کہا آپ مجھ سے رسول اللہ کی فضیلت بیان کریں۔ وہ بیان کرتے جاتے اور میں مسکراتا جاتا۔ حضرتؑ نے پوچھا تم مسکراتے کیوں ہو؟ میں نے کہا یہ دیکھ کر کہ آپ جو بیان کرتے ہیں یہ سب ان اوصاف کے مطابق ہے جو ہماری کتابوں میں حضرتؐ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے حلال و حرام باتیں پوچھیں اور حضرتؑ

نے بتائیں تو میں نے کہا یہ سب بھی بالکل اس کے مطابق ہیں جو ہماری کتابوں میں ہیں۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا (تفسیر معالم ص ۱۱۰) آں حضرت صلعم کے مشہور غزوات دس یا اسی قدر تھے۔ ان سب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے خود کبھی کسی سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ جنگ کی ابتدا نہیں کی۔ تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے کا خیال نہیں کیا۔ حکومت قائم کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا بلکہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ اسی غرض سے تشریف لائے تھے کہ اطمینان سے بیٹھ کر صلح و امن کے ساتھ لوگوں کو سچے مذہب کی طرف بلائیں اور حق کی طرف ہدایت کرتے رہیں لیکن یہاں بھی کفار مکہ نے حضرتؐ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ان کا مقابلہ کیا۔ بعد میں کفار مکہ کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی مسلمانوں سے لڑنا چاہا تو حضرتؐ نے مجبور ہو کر اہل اسلام کے بچانے کے لیے جنگ کی اور یہی آپ کا فرض تھا۔ غرض حضرتؐ نے اپنے کو بادشاہ یا حاکم نہیں بنایا بلکہ صرف ہادی رہے۔

شاہان اطراف کے نام خطوط

صلح حدیبیہ سے کچھ اطمینان ہوا تو ۶ ہجری یا ۷ ہجری میں آں حضرتؐ نے ایک مہر تیار کرائی جس پر محمد رسول اللہ کندہ کرایا اور نجاشی بادشاہ حبش، قیصر ہرقل بادشاہ روم، مقوقس گورنر مصر، خسرو پرویز بادشاہ ایران، باذان گورنر یمن اور حارث والی دمشق کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیے۔ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ قیصر کو جب خط ملا تو اتفاق سے ابو سفیان اور کچھ عرب تاجر اسی طرف تھے وہ سب قیصر کے پاس بلائے گئے۔ قیصر نے دربار منعقد کر کے اور اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر حسب ذیل گفتگو کی۔

قیصر: تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟

ابو سفیان: میں۔

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابو سفیان: بہت معزز اور شریف۔

قیصر: اس خاندان میں اور کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابو سفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابو سفیان: نہیں۔

قیصر: جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابو سفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیرو بڑھتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابو سفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر۔ کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟
ابوسفیان۔ نہیں۔
قیصر۔ وہ کبھی عہد اور اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟
ابوسفیان۔ ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔
قیصر۔ تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟
ابوسفیان۔ ہاں۔
قیصر۔ نتیجہ جنگ کیا رہا؟
ابوسفیان۔ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔
قیصر۔ وہ تم سے کیا کہتا ہے؟
ابوسفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو۔ پاکدامنی اختیار کرو۔ سچ بولو۔ صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اسکا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔

خسرو پرویز شاہ ایران نے حضرتؐ کا خط چاک کر ڈالا۔ مقوقش نے بہت سے تحائف، اور ایک کنیز ماریہ قبطیہ حضرتؐ کی خدمت میں ارسال کی جو حضرتؐ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور حارث نے آپ کا نامہ پھینک دیا۔

آں حضرتؐ کا اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علٰیحدہ رہنا	۹ سنہ ہجری کا یہ بھی مشہور واقعہ ہے۔ ایکدفعہ کئی دن تک آں حضرتؐ اپنی بیوی حضرت

زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ حضرتؐ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا اسمیں وقت مقررہ دیر ہو گئی حضرت عائشہ کو رشک ہوا حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول ہمارے یہاں آئیں تو کہنا آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ بات طے ہو گئی اور حضرتؐ سے اس کی شکایت کی گئی تو آپ نے قسم کھائی کہ میں اب شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت اتری لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کیلئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔ اسی زمانہ میں آنحضرتؐ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انھوں نے حضرت عائشہ سے کہدیا اس پر یہ آیت اتری واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انھوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اسکی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا تو انھوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم و خبیر نے خبر دی۔ غرض شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ و حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر عائشہ و حفصہ کی شان میں یہ آیتیں اتریں ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذالک ظھیر عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا۔ اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل گمراہ ہو چکے ہیں اور اگر پیغمبرؐ کے خلاف میں سازشیں قائم رکھو گی تو کچھ پروا نہیں خدا اور جبرئیل اور نیک مومنین وغیرہ اور فرشتے رسولؐ کے مددگار ہیں۔ اگر پیغمبرؐ تم لوگوں کو طلاق دیدیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار ان کے لئے تم سے بہتر بیبیاں انکو بہم پہونچا دے جو فرمانبردار۔ ایماندار۔ نمازی۔ توبہ کرنے والیاں۔ عبادت گزار۔ روزہ دار بیوہ اور کنواریاں ہوں گی۔ (تحریم ع ۱۹)

الغرض جب آنحضرتؐ کو اللہ نے حضرت حفصہ کے راز افشا کرنے کی خبر دی تو حضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ میں نے منع کیا تھا مگر تم نے میرا راز فاش کر ہی دیا۔ انھوں نے کہا آپ نے کیونکر جانا۔ فرمایا مجھے خدا نے خبر دی ہے۔ اور بروایت استیعاب و تاریخ خمیس حضرت حفصہ کو طلاق رجعی بھی دی۔ پھر ازواج سے تنگ ہو کر قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان بیویوں سے نہیں ملیں گے۔ (سیرت النبیؐ وغیرہ) مولوی شبلی صاحب بھی لکھتے ہیں "ایلا۔ تخییر۔ مظاہرۂ حفصہ و عائشہ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ازواج مطہرات

کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں... مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پرخطر تھا اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں (حضرت عائشہ و حفصہ) کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ کی مدد کو خدا۔ اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں" (سیرت النبی جلد ا ص ۴۰۵)

تبلیغ سورۂ برأت

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ھ ہجری میں آنحضرتؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینے سے حج کے لئے روانہ کیا اور حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے سورۂ برأت دی کہ مکہ میں اسکی تبلیغ کر دیں۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد جناب جبریل نازل ہوئے اور کہا یا حضرتؐ آپکی طرف سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو اور کوئی شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا کہ جلد ابوبکر سے لو اور انھیں میرے پاس واپس کر کے خود جاؤ اور اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس آ کر رونے لگے۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا؟ فرمایا مجھے حکم خدا پہنچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو۔ (صحیح بخاری پ ۲ ص ۲۲۸ و فتح الباری پ ۸ ص ۱۹۵ و کنز العمال جلد ا ص ۲۴۶ و در منثور جلد ۳ ص ۲۱۰ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۵۶ وغیرہ) شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و عمر (دونوں) کو سورۂ برأت دیکر بھیجا تھا اور پھر دونوں کو اس خدمت سے معزول کر کے حضرت علیؑ کے سپرد یہ کام کیا (قرۃ العینین ص ۲۳۳) اس معزولی سے حضرت ابوبکر و عمر کو نہایت صدمہ ہوا مگر خدا یا رسول نے اسکی کوئی پروا نہیں کی۔

حجۃ الوداع

۱۰ھ ہجری (غالباً ۶۳۲ء) میں ۲۵ ذیقعدہ کو حضرت رسول خدا صلعم اپنے اہلبیت و ... ہزار صحابہ کے ساتھ آخری حج کرنے مکہ کی طرف تشریف لے چلے اور ۴ ذی الحجہ کو وہاں پہنچ گئے کل بی بیاں اور جناب سیدہ بھی ساتھ تھیں۔ اس کے قبل حضرت علیؑ کو یمن کیطرف بھیج چکے تھے جو وہاں لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد مکہ واپس آئے تو آنحضرت سے ملاقات ہوئی جو کچھ یمن میں گزرا آپ نے بیان کیا۔ آنحضرتؐ ان حالات اور حضرت علیؑ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور پوچھا تم نے کیا نیت باندھی ہے عرض کی یہ کہ "اے خدا جو نیت رسول اللہ نے باندھی ہے وہی میری نیت بھی ہے" اور میں قربانیاں لایا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا اللہ اکبر ۶۴ میں لایا ہوں (اس طرح ۱۰۰ ہو گئیں) اے علی تم حج، قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ غرض حج و قربانی سے فارغ ہو کر آنحضرت ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مدینے چلے۔ راستے میں قریب جحفہ مقام خم پر پہنچے جہاں ایک تالاب غدیر تھا یہ آیت اتری یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من

الناس۔ اے رسول جو حکم تمھیں بھیج دیا گیا ہے اُسے اب پہونچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھا جائے گا
کہ رسالت کا کوئی کام نہیں کیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا (پ ۶ ع ۱۱) حضرت نے ذرا اتر کے
اور زمین صاف کرا کے اونٹ کے پالانوں کا ایک منبر تیار کرایا۔ پھر اس پر حضرت علیؑ کو لے جا کر ایک خطبہ
فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد کیا کہ میں تمھارے درمیان دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے میرے
اہلبیتؑ۔ اگر تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرتے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں ایک دوسرے
سے بزرگ ہے۔ دیکھنا ہے کہ میرے بعد تم لوگ ان دونوں سے کس طرح پیش آتے
ہو اور ان کی رعایت حقوق کس طرح کرتے ہو۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا
نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ جائیں۔ پھر فرمایا
لوگو! کیا میں تمھارے نزدیک تمھارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟ سب نے کہا بیشک ہیں
تب آپ نے فرمایا جس کے نفس سے میں اولیٰ ہوں علیؑ بھی اُس کے نفس سے اولیٰ ہیں اور حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر
اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی پھر فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ
اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق
معہ حیث دار جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اُس کے مولا ہیں۔ اے اللہ جو ان کو اپنا مولا سمجھے تو اس کو
دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔ جو انکی مدد کرے انکی تو بھی مدد کر اور جو انکو
چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے اور یہ جدھر پھریں اُدھر ہی حق کو بھی پھیرتا رہ۔ تین مرتبہ یہ کہکر ارشاد فرمایا کہ
تم حاضرین کو چاہیئے کہ غائبین تک اس خبر کو پہونچا دو۔ یہ فرما کر منبر سے اُتر آئے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ
ایک خیمہ میں بیٹھیں تاکہ لوگ آپ کو مبارکباد دیں۔ بہت کثرت سے لوگوں نے تہنیت ادا کی حضرت عمر نے بھی
کہا بخٍ بخٍ یا ھنیئا لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولای ومولیٰ کل مومن ومومنۃ
مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابو طالبؑ کہ آپ میرے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے مولا ہو گئے۔
اکثر اصحاب یہاں تک کہ ازواج رسولؐ نے بھی حضرت علیؑ کو مبارکباد دی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا
اب میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا۔ تمھارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام کو
پسند کر لیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ اکبر دین کامل نعمت کے تمام اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت سے
خدا کے خوشنود ہونے پر (تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۹۵ وغیرہ) اس موقع پر ایک شخص حارث بن نعمان فہری
نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیا اور گمان کیا کہ آنحضرتؐ نے بغیر حکم خدا اپنی خواہش نفسانی سے عزت
حضرت علیؑ کی محبت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا ہے یہ خیال کر کے اس نے خدا سے
دعا کی کہ اے اللہ اگر درحقیقت رسول اللہ نے تیرے حکم سے ایسا کیا ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا۔ اتنا

وقت اُس کے سر پر ایک پتھر آکر پڑا جو اس کے پائخانہ کے مقام سے ہوتا ہوا نکل گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ جس کے بعد یہ آیت بھی نازل ہوئی سال سائل بعذاب واقع سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی خود دعا مانگی (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ نور الابصار صفحہ ۷۱ وغیرہ)۔ ان واقعات سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے پھر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کا عام اعلان کر دیا اور اب اس میں کوئی سمجھدار شخص شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

کثرت وفود فتح مکہ کے بعد سنہ ۹ ہجری سے قبائل عرب کے وفود کثرت سے آں حضرتؐ کے پاس آنے اور عرب گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے یہاں تک کہ حضرتؐ کی وفات سے پہلے تقریباً پورا عرب مسلمان ہو گیا۔

مباہلہ آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کے پاس دعوت اسلام کا خط بھیجا۔ ان میں سے ۱۴ اشخاص آں حضرتؐ کے پاس آئے اور مناظرہ کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیئے اور بہت سمجھایا جب وہ نہ مانے تو آں حضرتؐ پر یہ آیت اُتری فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین جو شخص علم آنے کے پیچھے تم سے جھگڑا کرتا ہے اُس سے کہہ دو کہ آؤ ہم تم اپنے فرزندوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں پھر مباہلہ کر کے خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو (سورہ آل عمران)۔ ۲۴ ذی الحجہ تاریخ مباہلہ قرار پائی۔ حضرت رسول خداؐ اس قرار داد کے مطابق اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ و حسینؑ بیٹی فاطمہؑ اور اپنے نفس حضرت علیؑ کو گھر سے لے کر نکلے تو ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ نجران کے سردار نے ان پانچ مقدس حضرات کو دیکھا تو پوچھا کہ محمدؐ کے ساتھ چار آدمی کون ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ داماد اور خلیفہ حضرت علیؑ اور بیٹی فاطمہؑ اور نواسے حسنؑ و حسینؑ ہیں تو بہت گھبرایا اور مباہلہ سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے فقال اذا دعوا ھو فقالوا ھذہ وجوہ لو اقسمت علی اللہ ان یزیل الجبال لازالھا ولا تباھلوہ وصالحوہ۔ جب نصاریٰ نجران نے ان پنجتن پاک کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو وہ چہرے ہیں جو اگر خدا سے کہیں کہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دے تو خدا ضرور ہٹا دے گا اور مباہلہ سے انکار کر کے آں حضرتؐ سے صلح کر لی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ ہجری کا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) اسی آیۃ ندع ابناءنا الآیہ کے نازل ہونے پر حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی اے اللہ یہی میرے اہلبیت ہیں (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)۔ صاحب حبیب السیر نے اس موقع پر یہ اشعار لکھے ہیں ؎

چو دید آن حشم نصاریٰ و اہل عناد | بر آں جمع عالی گہر اوفتاد
چنین گفت اسقف کہ این جمع فرق | کہ مانند آں نیست در مغرب و شرق

چو خواہند از کردگار جہاں — کہ ایں کوہ را برکند از میاں
شود آں دعا در زماں مستجاب — ز نفرین ایشاں کنید اجتناب
شنیدم کہ در گرد آں پنج شمع — کہ در سایہ پروردہ بودند جمیع
چو پروانہ می گشت روح الامیں — کہ اے بادشاہان دنیا و دیں
دریں سایہ گر جائے باشد مرا — کنم سرفرازی بہر دو سرا

اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے یہ آیت ایسی دلیل ہے کہ اس سے قوی تر کوئی دلیل فضیلت آل عبا پر نہیں ہے (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۶۳)

مدعیان نبوت

حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت صلعم علیل ہو گئے۔ اسکی خبر اطراف و جوانب میں پہونچی تو بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بغاوت پھیلا دی۔ مثلاً بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب، بنی اسد میں طلیحہ بن خویلد۔ اور اسود عنسی اور ایک عورت سجاح بنت حارث مگر رفتہ رفتہ سب کا جھوٹ کھل گیا اور وہ اپنے مذہب کے ساتھ ختم ہو گئے۔

تجہیز جیش اسامہ

حضرت رسول خدا صلعم کی آخری زندگی کا مشہور واقعہ لشکر اسامہ کا بھیجنا ہے۔ صفر ۱۱ ہجری میں ایک دن آنحضرت نے حکم دیا کہ روم سے جنگ کرنے کیلئے لشکر تیار کیا جائے اور دوسرے دن اسامہ بن زید بن حارثہ کو طلب کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو اس لشکر کا امیر بناتا ہوں پھر اپنے ہاتھ سے ایک علم اس کیلئے ترتیب دیا۔ آں حضرت نے یہ بھی حکم دیا کہ اعیان و مہاجرین و انصار مثل حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و سعد بن ابی وقاص و ابو عبیدہ بن جراح و سعید بن زید و قتادہ وغیرہ اسامہ کی ماتحتی میں روانہ ہوں مگر حضرت علیؑ کو آپ نے اس لشکر کے ساتھ جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ کو اپنے پاس ہی رکھا۔ مگر یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی کہ ایک غلام زادے کو اکابر مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا گیا۔ لوگ مجمعوں میں اس کا چرچا اور غیظ و غضب کا اظہار کرتے تھے۔ جب یہ خبر آں حضرت کو ہوئی تو کمال رنجیدہ اور غضبناک ہوئے اور باوجود ناسازی مزاج کے عصابہ سر مبارک پر باندھ کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور منبر پر جا کر فرمایا میں نے اسامہ کو تم لوگوں پر امیر بنایا تو تم لوگ اس سے انحراف کرتے ہو۔ اسکے قبل بھی جب میں نے اسامہ کے باپ زید کو جنگ موتہ میں افسر بنایا تھا تو تم لوگوں نے اسی طرح انحراف کیا تھا اسکی کیا وجہ ہے۔ خدا کی قسم اسامہ اس سرداری کا مستحق ہے، اس کا باپ بھی اس کا سزاوار تھا۔ زید مجھے بہت محبوب تھا اور اسامہ کو بھی میں بہت دوست رکھتا ہوں۔ تم لوگ اسکے بارے میں میری وصیت کو قبول کرو اور فرمانبرداری کے ساتھ عمل کرو۔ پھر حضرت اتر آئے۔ اسامہ رخصت ہو کر لشکر گاہ کی طرف واپس آیا اور آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ وغیرہ) جب صحابہ نے اسامہ کے

ماتحت ہوکر جانے میں تامل کیا تو آنحضرت اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر صاف صاف لعنت کی۔ علامہ شہرستانی نے لکھا ہے "الخلاف الثانی فی مرضہ انّہ قال جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہا" دوسرا اختلاف حضرت رسول خدا صلعم کے مرض موت میں یہ پیدا ہوا کہ حضرت نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے رکیں انتہیٰ۔ سخت تعجب تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیے گئے تھے اور اُن کو بھی اس کے ہمراہ مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا آنحضرت کا یہ غضبناک کلام لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ سُن کر بھی اپنی بات پر قائم رہے اور آنحضرت کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ ان دونوں حضرات کا لشکر اسامہ میں ماتحت اسامہ کیا جانا اور آنحضرت کا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ فرمانا بکثرت معتبر کتابوں میں موجود ہے مثلاً علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۰ شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد [illegible] شرح مواقف میر زاہد کتاب تذییل فی ذکر الفرق کتاب ابکار الافکار آمدی فصل خامس [illegible] رسالہ عقائد ملا یعقوب ملتانی وغیرہ)

آں حضرت کا مرض موت

تجہیز اسامہ سے پہلے آخر صفر کے ایک ماہ قبل سے آنحضرت اپنی وفات کی خبر دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک دن آپ نے صحابہ کو جمع کرکے خطاب فرمایا۔ اسمیں یہ بھی ارشاد کیا کہ مجھے یہ خوف نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے[1] مگر یہ خوف ضرور ہے کہ تم لوگ دنیا پرستی میں مشغول ہو جاؤ گے اور اسی طرح ہلاک ہوگے جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اواخر ماہ صفر میں ایک دفعہ رات کو میری باری میں گھر سے آنحضرت قبرستان بقیع کی طرف استغفار کرنے تشریف لے گئے۔ اسی وقت میری آنکھ بھی کھل گئی۔ میں سمجھی حضرت کسی دوسری بیوی کے پاس چلے گئے مجھے رشک ہوا تو اسکی تحقیق کے لیے پیچھے سے میں بھی پیچھے روانہ ہوئی جا کر دیکھا کہ حضرت اہل بقیع کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ حضرت پھرے تو میں بھی دوڑی اور حضرت سے پہلے آکر بستر پر لیٹ رہی مگر سانس پھولنے اور سینہ [illegible] لگنے سے

[1] مگر یہ معلوم آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کے بارے میں کیوں فرمایا تھا کہ تم میں شرک موجود ہے۔ قال ابوبکر یا رسول اللہ وھل الشرک الا ما عبد من دون اللہ او ما دعی مع اللہ۔ قال ثکلتک امک یا ابابکر الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا شرک یہی تو ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے الٰہ کی عبادت کی جائے یا دوسری ذات سے دعا مانگی جائے۔ فرمایا تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے شرک تم لوگوں میں چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ موجود ہے۔ (ازالۃ الخفا مقصد ۱ صفحہ ۱۹۹ و تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ [illegible])

حضرت سمجھ گئے کہ میں کہیں گئی تھی۔ آپ نے دریافت کیا تو میں نے اقرار کر لیا۔ اس پر حضرتؐ نے میرے سینہ پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا اے عائشہ تیرے دل میں شیطان نے یہ شبہ پیدا کیا کہ میں تیری باری میں دوسری بیوی کے پاس چلا گیا ہوں اور خدا و رسول تیرے حق میں ظلم کر رہے ہیں۔ حالانکہ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ گورستان بقیع پر جا کر دعا کروں۔ میں نے کہا ہاں حضرت ایسا ہی کیا کروں میری طبیعت کی افتاد نے مجھے ایسی بدگمانی پر آمادہ کر دیا پھر میں اپنا درد سر ظاہر کر کے کہہ رہی تھی کہ ہائے سر پھٹا جاتا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے عائشہ بلکہ مجھے درد سر ہے۔ اے عائشہ اگر میں تیرا کیا نقصان ہے کہ تو میرے سامنے مر جائے اور میں تیری تجہیز و تکفین کروں اور تیرے جنازے پر نماز پڑھ کر تجھے زمین میں دفن کر دوں۔ میں نے جواب دیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر جاؤں تو آپ اسی روز بیاہ رچائیں گے اور میرے گھر میں نئی دلہن لا کر رکھیں گے۔ اس پر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور کہا اے عائشہ تیرا درد اچھا ہو جائے گا مگر میرا اس درد سے بچنا مشکل ہے (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹۵ وغیرہ) آں حضرتؐ کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے۔ (مدارج النبوت صفحہ ۵۰۴) آپ کو حضرت فاطمہ زہراؑ سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ مرض میں حضرتؐ نے آپ کے کان میں کچھ فرمایا جس پر جناب سیدہؑ رونے لگیں۔ پھر کچھ کہا تو آپ خوش ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو کہا میں آنحضرت رسولؐ کا بھید نہیں بتا سکتی۔ حضرتؐ کی وفات کے بعد جب عائشہ نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا پہلی مرتبہ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا اے فاطمہؑ اب میری موت قریب آ گئی تو میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ فرمایا اے فاطمہؑ کیوں روتی ہو۔ تھوڑے ہی دنوں میں تم بھی میرے پاس آ جاؤ گی اور جنت کی کل عورتوں کی سردار ہو گی۔ اس سے میں خوش ہو گئی تھی۔

(سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

واقعہ قرطاس

وفات سے پہلے آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ تا ایسی بات لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر نے کہا ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللہ۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ آں حضرتؐ کو اس کا نہایت صدمہ ہوا اور فرمایا تم سب لوگ میرے سامنے سے چلے جاؤ (صحیح بخاری پ ۳ صفحہ ۲ وغیرہ) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں بیماری کا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا کہ میں کتاب ہے لئے ایسی چیز لکھ دوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آں حضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی باتیں کر رہے ہیں نعوذ باللہ۔ روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہو گی کہ جناب رسول اللہؐ بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غم خواری کے خیال

فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ باوجود اسکے حضرت عمر نے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آں حضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا نعوذ باللہ" (الفاروق صفحہ ۶۱)۔ اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "جن کے دل میں تمنا سے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو پیشگیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی ہماری ہدایت کے لیئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس بر جا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دینگے" (امہات الامہ صفحہ ۹۲)۔ حضرت ابن عباس اس دن کو یاد کرکے اس قدر روتے تھے کہ سنگریزے ان کے آنسو سے تر ہو جاتے تھے اور کہتے ہوئے وہ کیسا دن تھا کہ لوگوں نے رسول اللہ کو وصیت نہیں لکھنے دی۔ یہ کیسی سخت مصیبت ہے اور کل مصائب کی جڑ یہی ہے (صحیح بخاری پ ۱ صفحہ ۱۰۶ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ وغیرہ) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت نے اپنی آخری حالت میں حکم دیا کہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں مگر یہ بات خلاف عقل ہے۔ کیونکہ آں حضرت نے حضرت ابوبکر کو اسامہ کی ماتحتی میں مدینہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو اسامہ کے ماتحت ہو کر نہ جائے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر حضرت آپ کو نماز پڑھانے کا حکم کیسے دیتے (اسکی تفصیل خلیفہ اول کی سوانح عمری میں بیان ہو چکی ہے)۔ بیماری میں آں حضرت نے فرمایا علیؑ کو میرے قریب کردو۔ حضرت عائشہ نے کہا آپ ابوبکر کو بلائیے اور حضرت حفصہ نے کہا آپ حضرت عمر کو بلائیے۔ حضرت نے اجازت نہیں دی مگر وہ لوگ بلا لیئے گئے تو حضرت نے فرمایا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ اچھے تم لوگوں کی ضرورت ہوگی تو خود بلا لونگا۔ مجبوراً وہ لوگ نکل گئے (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۵) حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب رسولؐ کی وفات کا وقت پہونچا تو فرمایا میرے حبیب کو میرے پاس کردو۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلا دیا مگر حضرت نے انکی طرف دیکھ کر اپنا سر جھکا دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو پاس بلا دو۔ لوگوں نے حضرت عمر کو بلا دیا۔ انکی طرف دیکھ کر بھی اپنا سر جھکا دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو میرے قریب کردو۔ تب لوگوں نے حضرت علیؑ کو قریب کر دیا حضرت نے آپ کو دیکھ کر اپنی چادر میں لے لیا اور اسی طرح آخر وقت تک اپنے سینہ سے لپٹائے رہے۔ حضرت کی روح جب نکلی تو اس وقت بھی حضرت کا ہاتھ حضرت علیؑ ہی پر تھا (ریاض نضرہ صفحہ ۱۸۰)۔ آں حضرت نے وقت احتضار میں جناب سیدہؑ سے فرمایا میرے فرزندوں کو قریب کردو حسنینؑ قریب ہوئے تو آں حضرت کو اس حال میں دیکھکر اتنا روئے کہ دیکھنے والے رونے لگے۔ امام حسنؑ نے اپنا منہ حضرت کے منہ پر اور امام حسینؑ نے اپنا سر آنحضرت صلعم کے سینہ پر رکھ دیا۔ حضرت نے آنکھیں کھول دیں۔ ان کے بوسے لیئے۔ خوشبو سونگھی اور ان کی تعظیم و احترام کے باب میں سب کو وصیت کی۔ پھر فرمایا میرے بھائی علیؑ کو قریب کردو۔ آپ قریب ہوئے تو حضرت

نے اپنا سر آپ کے بازو پر رکھ دیا اور فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی کا مجھ پر اتنا قرضہ ہے جو تجہیز جیش اسامہ کے لیئے اُس سے لیا تھا خبردار اُس کو ادا کر دینا اور اے علیؑ تم ہی وہ شخص ہو جو سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے اور میرے بعد تم کو سخت صدمات پہونچیں گے۔ چاہیئے کہ دل تنگ نہ ہونا۔ تحمل اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ اُن لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت اختیار کیئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۹ و مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۱۱)

وفات رسولؐ

۲۸ صفر یا ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو حضورؐ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکر اُس وقت اپنی بیوی کے ہاں دوسری جگہ گئے ہوئے تھے۔ بعد کو پہونچے جب تک وہ پہونچ نہیں گئے حضرت عمر کہتے تھے خدا کی قسم رسول مرے نہیں ہیں جو شخص انکے مرنے کی کہے گا اُسکی گردن اڑا دوں گا۔ مگر حضرت ابوبکر کے پہونچ جانے پر آپ کا جوش ٹھنڈا ہو گیا اور دونوں صاحب آں حضرتؐ کی لاش چھوڑ کر خلافت کا انتظام کرنے سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے۔ مشہور ہے کہ مولانا روم نے یہ شعر کہا ہے ؎

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفیٰ را بے کفن انداختند

ان لوگوں کے چلے جانے پر مردان اہلبیتؑ نے حجرۂ مبارک کا دروازہ بند کر کے یمنی چادر کا ایک پردہ ڈالا اور حضرت علیؑ و عباسؓ و فضل و قثم و اسامہ و شقران جسد مطہر کو اٹھا کر پردہ کے اندر لے گئے اور غسل دینے میں مشغول ہوئے۔ حضرت علیؑ غسل دیتے فضل بن عباس حضرت کا پیراہن اونچا کرتے عباس و قثم کروٹ بدلتے اور اسامہ و شقران پانی ڈالتے جاتے تھے۔ ان چھ آدمیوں کے سوائے کوئی اور شخص حضرتؐ کے غسل دینے میں شریک نہ تھا۔ بعد غسل حضرتؐ کو ایک تخت پر لٹایا اور لوگوں نے نماز پڑھی۔ دفن کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا تو حضرت علیؑ کی رائے سے جس جگہ حضرت کی روح قبض ہوئی تھی ابو طلحہ نے قبر کھودی اور انتقال سے دوسرے روز آدھی رات کو حضرت علیؑ و عباس و فضل و قثم و عقیل و اسامہ و شقران قبر میں اُترے اور حضرتؐ کو دفن کیا۔ سب سے آخر شخص جو قبر سے باہر آیا وہ حضرت علیؑ تھے۔ آں حضرتؐ کے دفن ہونے کے بعد حضرت ابوبکر آئے۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ و فتح الباری جزو ۱ صفحہ ۱۰۹ بخاری)

آں حضرتؐ نے دوشنبہ کو انتقال کیا اور شب چہارشنبہ کو مدفون ہوئے۔ بعضوں کا قول ہے کہ حضرتؐ تین دن تک دفن نہیں ہوئے (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)۔ وفات کے وقت حضرت ۶۳ سال کے تھے۔ عقل اور رائے کے اعتبار سے سب سے افضل تھے۔ فقراء و مساکین کو بہت دوست رکھتے نہ فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر جانتے۔ نہ بادشاہ کا اسکی بادشاہت کی وجہ سے خوف کرتے۔ اپنے ملنے والوں اور اہل شرف کی تالیف قلوب کا خیال رکھتے تھے۔ جب کوئی شخص کسی درجہ کا آپ سے ہاتھ ملاتا تھا تو اُس وقت تک آپ اپنا ہاتھ اس سے نہیں چھڑاتے تھے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے تھے۔ زمین پر بلا تکلف بیٹھنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے شکستہ جوتوں اور پھٹے کپڑوں کی خود مرمت

فرماتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی خادم اور عورت کو نہیں مارا۔ انتقال کے وقت تک کبھی گیہوں کی روٹی بھی پیٹ بھر نہیں کھائی۔ اکثر اوقات آپ بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ مہینوں آپ کے گھر کھانے پکانے کو آگ تک نہیں روشن ہوتی تھی صرف کھجور اور پانی پر آپ بسر کر لیتے تھے۔ (ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۳۲)

ازواج

علاوہ ماریہ اور ریحانہ اور چند کنیزوں کے آپ کے ۱۱ بیویاں تھیں جن میں سے ۹ آپ کے بعد تک زندہ رہیں۔

(۱) حضرت خدیجہ بڑی فاضلہ، عاقلہ، عالی نسب، بہت مالدار اور معزز تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کو طاہرہ کہتے تھے۔ آپ کی تجارت بڑے پیمانہ پر قائم تھی۔ حضرت رسول خدا صلعم ۲۵ سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت سے شادی کی۔ آنحضرت کی کل اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ سے تھے آپ ہی سے ہوئی۔ حضرت علی کے ساتھ سب سے پہلے آپ آں حضرت پر ایمان لائیں اور اپنا کل مال آں حضرت کو دیکر اس سے اسلام اور مسلمانوں کی بیحد مدد کی۔ سچ یہ ہے کہ حضرت علی کی محنت اور حضرت خدیجہ کی دولت سے آنحضرت کو اتنی قوت ملی کہ حضرت دین اسلام پھیلانے میں اچھی طرح کامیاب ہوئے۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ چار عورتیں بہشت میں سب سے بزرگ ہیں۔ مریم بنت عمران ام حضرت عیسیٰ۔ آسیہ بنت مزاحم زن فرعون۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں مجھے کسی عورت پر اتنا حسد نہیں ہوا جتنا خدیجہ پر ہوتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد آں حضرت انکو اکثر یاد کرتے۔ گوسفند ذبح کر کے اس کا پارچہ خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے اور میں مارے حسد کے کہتی تھی کہ یا دنیا میں سوائے خدیجہ کے کوئی عورت ہے ہی نہیں۔ جواب میں آنحضرت فرماتے خدیجہ میں بہت خوبیاں تھیں۔ میری اولاد انھیں سے ہوئی۔ ایک دفعہ آنحضرت نے خدیجہ کو یاد کیا تو میں نے حسد سے کہا کب تک اس بڑھی کو یاد کیجئے گا جس کے بڑھاپے سے اس کے منہ میں دانت بھی نہیں رہے تھے خدا نے اس سے بہتر بیوی آپ کو عنایت کر دی۔ یہ سنکر حضرت اس درجہ غضبناک ہوئے کہ آپکی پیشانی کے بال ہلنے لگے اور فرمایا خدا کی قسم ان سے بہتر کوئی عورت مجھے نہیں ملی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب اور لوگ کافر تھے۔ اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور اپنے مال سے میری اس وقت مواسات و ہمدردی کی جب سب لوگ مجھے محروم رکھتے تھے اور خدا نے مجھے انھیں سے فرزند عطا کئے۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ اس وقت سے میں نے ارادہ کر لیا کہ آئندہ کبھی خدیجہ کو برائی سے نہیں یاد کرونگی (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۱۹) حضرت خدیجہ نے ۱۰ ماہ رمضان سنہ ۱۰ بعثت میں وفات پائی اور مقبرہ حجون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت انکی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ انکی وفات سے آں حضرت کو نہایت صدمہ ہوا۔

سودہ یہ ایک شخص سکران کی بیوہ تھیں اور اُس کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کی تھی پھر مکہ آ کر رہیں جب اُنکا شوہر مر گیا تو سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کے بعد آں حضرت نے اُنسے نکاح کر لیا۔

حضرت عائشہ حضرت ابو بکر کی بیٹی تھیں سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکی تھیں تو اُنکی جُدائی پر آنحضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر جناب عائشہ کو آں حضرت کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ بغرض حضرت نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا مگر زفاف کی نوبت نہیں آئی جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے اور حضرت ابو بکر بھی وہاں پہونچ گئے تو آپ نے آں حضرت سے پوچھا اے رسول خدا آپ اپنی بیوی سے صحبت کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابا جان نے آنحضرت کو ساڑھے بارہ اوقیہ (میرا مہر ادا کرنے کو) دیا۔ تب حضرت نے اسے ہمارے ہاں بھیجا اور میں جس گھر میں اس وقت ہوں اسی میں حضرت نے میرے ساتھ جماع کیا (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ و مستدرک جلد ۴ صفحہ ۵ وغیرہ) شاہ عبد الحق صاحب لکھتے ہیں حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ہم لوگ مدینہ میں پہونچے تو ایک روز آں حضرت میرے گھر آئے۔ اُس وقت میری اماجان نے مجھے پکڑ کر میرے بالوں میں کنگھی کر دی۔ مانگ نکال دی۔ میرا منھ دھویا۔ مجھ کو کھینچتی ہوئی آں حضرت کے پاس پہونچا کر حضرت کی گود میں بٹھا دیا اور کہا حضرت یہ آپ کی بیوی ہے۔ اسکے بعد لوگ وہاں سے ہٹ گئے اور حضرت نے میرے ساتھ وہیں زفاف کیا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۹) آپ میں رشک کا مادہ بہت تھا۔ جناب سیدہ اور جناب عائشہ کے مکانوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ ایک دفعہ جناب عائشہ اس کھڑکی سے جناب سیدہ کے ہاں آئیں اور لڑنے لگیں۔ اس پر آں حضرت نے وہ کھڑکی بند کرا دی۔ جناب سیدہ کے وصال کے بعد بھی جناب عائشہ اور جناب سیدہ و جناب امیر میں کبھی میل نہیں رہا۔ جناب سیدہ کو ان سے اس قدر صدمہ پہونچا کہ مرتے وقت وصیت کی کہ عائشہ کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا (شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۲۲۴) اور حضرت علی کا آپ نام تک لینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ آنحضرت اپنی علالت میں حضرت عائشہ کے گھر تشریف لائے اس کو حضرت عائشہ نے اس طرح بیان کیا کہ حضرت دو آدمیوں پر تکیہ کر کے نکلے ایک جناب عباس تھے اور دوسرا شخص کوئی اور تھا۔ انکی یہ حدیث جناب عباس سے کسی دوسرے نے ذکر کی تو انھوں نے اُس شخص سے پوچھا جانتے ہو وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا کون تھا؟ اس نے کہا نہیں انھوں نے بتایا کہ وہ حضرت علی تھے۔ (صحیح بخاری پ ۳ صفحہ ۱۲۴) اسکی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا نفس حضرت علی کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا بلکہ ان سے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حضرت علی کو کسی بھلائی سے یاد کر سکیں۔ (فتح الباری پ ۳ صفحہ ۲۷۷ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۱) جب حضرت عائشہ حضرت علی کا ذکر خیر تک نہیں کر سکتی تھیں تو آپ کی خلافت کیسے پسند کرتیں۔ اسی وجہ سے جب حضرت کو ظاہری خلا

بلی تب بھی آپ گوارا نہ کر سکیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "عائشہؓ علیؓ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علیؓ مسند خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علیؓ پر فوج کشی کر بیٹھیں۔ گویا علیؓ نے عثمان کو قتل کیا یا کرایا ہے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ اور ایک تریا چتر بھی مانا گیا ہے" (امہات الامہ ص۹۹)۔ غرض بصرہ میں جنگ جمل ہوئی جسکی کیفیت حضرت علیؑ کے حال میں آتی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ کو شکست ہوئی آپ مدینہ واپس آئیں پھر بھی حضرت علیؑ پر آپ کی مہربانی کم نہ ہوئی۔ جب حضرتؑ کی وفات کی خبر سنی تو خوشی میں یہ شعر پڑھا ؎

فالقت عصاھا فاستقربھا النوی کما قر عینا بالایاب المسافر

اُس نے اپنا عصا رکھ دیا اور اطمینان سے اقامت کی جس طرح گھر پلٹ آنے سے مسافر کی آنکھ کو ٹھنڈک مل جاتی ہے۔ اس سے یہ مطلب یہ تھا کہ سب پریشانیاں اور تردد زائل ہو گیا (حیات الحیوان جلد ۱ ص۲۱۲) اسی حضرت امام حسنؑ کا جنازہ روضۂ رسولؐ کے پاس لایا گیا تو آپ ایک خچر پر سوار ہو کر وہاں پہنچیں اور کہنے لگیں کہ گھر میرا ہے۔ میں دفن ہونے نہیں دیتی (ابو الفداء جلد ۱ ص۱۸۲ وغیرہ)۔ اسی وقت امام حسنؑ کے جنازے کی طرف کثرت سے تیر بھی پھینکے گئے یہاں تک کہ چند تیر جنازے میں پیوست ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ایک عورت اسماء سے عقد کرنا چاہا۔ وہ خوبصورت تھی۔ بیبیوں کو تردد ہوا کہ ہمارا اثر گیا تو حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم ان کے مہندی لگاؤ ہم کنگھی چوٹی کرتے ہیں۔ اسی وقت بطور ہمدردی کہا "بی بی! جب رسولؐ تمہارے پاس آئیں تو اعوذ باللہ منک کہہ دینا۔ اس سے حضرت بہت خوش ہو کر تم پر فریفتہ ہو جائیں گے اس بیچاری نے اسی طرح کہہ دیا تو حضرتؐ نے فرمایا تو نے بڑی پناہ مانگی اور اسکے گھر پہنچوا دیا (مدارج النبوت جلد ۲ ص۵۰۸)۔ آپ باوجودیکہ یزید سے ۳۰ سال بڑی تھیں مگر یزید نے آپ سے نکاح کی طمع کی (مدارج النبوت جلد ۱ ص۱۳۵) ۵۶ ہجری میں معاویہ مدینہ میں آیا اور ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے سے بلا کر اس پر بٹھایا حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا (حدیقہ حکیم سنائی قلمی و حبیب السیر طبع بمبئی و مناقب مرتضوی طبع بمبئی)

حضرت حفصہ خلیفہ دوم کی صاحبزادی اور خنیس کی بیوی تھیں۔ خنیس کے مرنے پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر و عثمان سے درخواست کی کہ میری بیٹی سے آپ لوگ نکاح کر لیں مگر کسی نے منظور نہیں کیا تو آنحضرتؐ نے ۳ ہجری میں ان سے نکاح کر لیا۔ آپ میں اور حضرت عائشہ میں بڑا میل رہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اُن کے ساتھ آنحضرتؐ کے خلاف ایکا بھی کر لیا تھا جسکی تفصیل پہلے

گذری سنہ ۴۵ ہجری میں انتقال کیا۔

زینب بنت خزیمہ
حضرت رسول خدا صلعم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ وہ شہید ہوگئے تو آں حضرتؐ نے ان سے نکاح کیا مگر سنہ ۴ھ میں مرگئیں۔ ان کا لقب ام المساکین تھا۔

حضرت ام سلمہ
آں حضرت صلعم کی پھوپھی جناب عاتکہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ پہلے ابوسلمہ سے شادی ہوئی ان سے بچے بھی ہوئے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہاں سے واپس آکر مدینہ ہجرت کرکے چلی آئیں۔ ابوسلمہ جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد انتقال کرگئے تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے ان سے نکاح کرنا چاہا مگر ام سلمہ نے منظور نہیں کیا۔ پھر سنہ ۴ ہجری میں آں حضرت صلعم سے نکاح کرلیا۔ بعد وفات رسول بھی آپ کا برتاؤ جناب سیدہؑ و حضرت علیؑ و حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کے ساتھ بہت اچھا رہا۔ حضرت امام حسینؑ تو آپ کو یا اماہ (اے اماں) کہتے تھے۔ حضرت رسولخدا نے کربلا کی مٹی کی شیشی آپ ہی کو دی تھی اور فرمایا تھا کہ جب یہ خون ہوجائے تو سمجھنا کہ میرا فرزند حسین ذبح کردیا گیا۔ اور جب حضرت شہید ہوگئے تو آپ نے آں حضرت صلعم کو خواب میں دیکھا کہ حضرتؐ کا سر اور ڈاڑھی غبار میں بھری ہے۔ وجہ پوچھی تو فرمایا میں اس جگہ سے آرہا ہوں جہاں میرا فرزند حسینؑ قتل کردیا گیا (جامع ترمذی ص ۲۳۹ وغیرہ) پھر آپ نے اہل عراق پر لعنت بھیجی۔ آپ کو حضرت امام حسینؑ سے اس درجہ محبت تھی کہ حضرتؐ کی شہادت کے بعد لوگ آپ کے پاس رسم تعزیت ادا کرنے آتے تھے۔ سنہ ۶۱ ہجری میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ عمر ۸۴ سال کی ہوئی۔

زینب بنت جحش
حضرت رسولخدا صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپکی ماں کا نام امیمہ تھا جو آنحضرتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا جو آں حضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے مگر زوجہ اور شوہر میں میل نہیں رہتا تھا تو زید نے ان کو طلاق دیدی جس کے بعد ذیقعدہ سنہ ۵ ہجری میں آنحضرتؐ نے اُن سے نکاح کرلیا۔ چونکہ زید کو آں حضرتؐ نے شروع میں اپنا متبنٰی کرلیا تھا اس وجہ سے جب زید کے طلاق دینے پر آں حضرتؐ نے ان سے نکاح کیا تو منافقوں نے اعتراض کیا کہ رسولؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی۔ مگر قرآن مجید نے سمجھا دیا کہ منہ بولے بیٹے کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی بیٹے کا ہے۔ اور زینب سے آں حضرتؐ کا نکاح کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ آپنے سنہ ۲۱ ہجری انتقال کیا۔ آپ بڑی مخیر اور متقی تھیں۔

جویریہ بنت الحارث
ان کا شوہر مسافع المصطلق غزوہ میں قتل ہوا تو یہ گرفتار ہوکر لونڈی بنائی گئیں پھر آزاد کردی گئیں اور ان سے آنحضرتؐ نے نکاح کرلیا۔ سنہ ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں ۔ ۶ھ ہجری میں ان کا شوہر مر گیا۔ اس وقت یہ حبشہ میں تھیں آنحضرت ؐ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا اور ۷ھ ہجری میں یہ مدینہ آکر آں حضرت ؐ کی خدمت میں پہونچ گئیں ۔ ۴۴ھ میں وفات پائی ۔

صفیہ بنت حی ایک یہودی سردار کی بیٹی اور سلام یہودی کی بیوی تھیں مگر میاں بیوی میں میل نہ رہا تو سلام نے ان کو طلاق دے دی تب دوسری شادی کنانہ سے ہوئی ۔ جنگ خیبر میں کنانہ مارا گیا اور صفیہ قید ہو کر مسلمانوں میں آئیں تو آں حضرت ؐ نے اپنی بیوی بنا لیا آپ بڑی نیک دل اور عقلمند بیوی تھیں مگر حضرت عائشہ و حفصہ ان کو بہت ستاتی تھیں ۔ آں حضرت عائشہ سے پوچھتے کہ صفیہ کیسی ہیں تو کہتیں ایک یہودن ہے جس پر آنحضرت ؐ کو بہت رنج ہوتا کیونکہ آں حضرت کو ان سے نہایت محبت تھی ۔ ایک مرتبہ انھوں نے آں حضرت ؐ سے شکایت کی کہ عائشہ اور زینب ؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ۔ تو حضرت ؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ ۔ موسیٰ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں ۔ اس لیئے تم لوگ مجھ سے افضل کیونکر ہو سکتی ہو ؟ ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں ۔

میمونہ حارث کی بیٹی اور مسعود کی بیوی تھیں ۔ مسعود نے طلاق دیدی تو ابورہم سے شادی ہوئی ۔ پھر ابورہم کے مرنے پر آں حضرت ؐ نے ان سے نکاح کر لیا ۔ ۵۱ھ ہجری میں وفات پائی ۔ ان گیارہ عورتوں سے حضرت نے نکاح کیا ان میں سے حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ نے حضرت ؐ کی حیات میں اور باقی ۹ بیویوں نے آنحضرت ؐ کے بعد انتقال کیا ۔

حضرت رسول خدا ؐ کی اولاد آں حضرت ؐ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی ۔ سوائے جناب ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ سے تھے سب اولاد حضرت خدیجہ سے تھی ۔

(۱) قاسم ۔ آں حضرت ؐ کے پہلوٹھی کے لڑکے تھے ۔ بعثت سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے دو سال کی عمر میں مر گئے ۔ انھیں کی نسبت سے آں حضرت کی کنیت ابوالقاسم ہوئی ۔

(۲) عبد اللہ ۔ جو طیب و طاہر کے نام سے مشہور ہوئے ۔ مکہ میں قبل بعثت پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے ۔

(۳) ابراہیم ۔ آں حضرت ؐ کی سب سے آخری اولاد ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۔ آنحضرت ؐ کو انکی پیدائش سے بڑی خوشی ہوئی ۔ ساتویں دن عقیقہ کرایا ۔ اور بال برابر چاندی خیرات کی ۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ ۱۰ھ ہجری میں انتقال کیا ۔ نزع کی حالت میں آنحضرت ؐ نے گود میں اٹھا لیا اور بے اختیار رونے لگے ۔ پھر چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا ۔ دفن کر گئے تو آں حضرت ؐ قبر کے کنارے کھڑے تھے ۔ آپکی قبر پر پانی چھڑکا گیا ۔ اسلام میں یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی

پچھڑ کا گیا۔

(۴) حضرت فاطمہ زہراؑ۔ سیدۃ النساء۔ آنحضرتؐ کی سب سے پیاری اور عزیز اولاد۔ شرف ذات محاسن صفات اور اسلامی خدمات میں بھی سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ حد یہ ہے کہ آنحضرتؐ آپکی تعظیم کرتے۔ آتیں تو کھڑے ہوجاتے اور آپ کی کنیت ام ابیہا (اپنے باپ کی ماں) رکھی تھی۔ ۲۰ جمادی الآخر سنہ ۵ بعثت میں پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ وغیرہ) آپ کی عزت وشرف کی کوئی دوسری بیوی دنیا میں نہیں ہوئیں کہ آپ کے والد حضرت رسول خدا صلعم والدہ حضرت خدیجہؑ شوہر حضرت علیؑ۔ فرزندان امام حسنؑ و امام حسینؑ اور بقیہ ۹ امام۔ آپ کو خدا نے یہ عزت دی کہ مسلمانوں میں جو لوگ آپکی اولاد میں ہیں وہ سب سادات (سردار) کہے جاتے ہیں۔ اور دوسرے کل اہل اسلام آپکی اولاد سے ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں اور مذہبی حیثیت سے کسی مسلمان کی جرات نہیں ہو سکتی کہ اپنے کو سید سے افضل کیا برابر تک کہہ سکے۔ جناب خدیجہ کے بعد حضرت رسول خدا صلعم کو آپ سے جس قدر محبت تھی اسکی حد کا بیان کرنا دشوار ہے۔ ۸ سال تک آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہنے کے بعد مدینہ چلی آئیں سنہ ۲ ہجری میں آپ کی شادی حضرت علیؑ سے کی گئی جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اسوقت آپکی عمر تقریباً ۱۰ سال کی تھی۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپکے بارے میں فرمایا فاطمة بضعة منّی من اذاھا فقد آذانی ومن اغضبھا فقد اغضبنی۔ فاطمہؑ میرا جزو بدن ہے جو ان کو اذیت پہونچائے گا وہ مجھے بھی اذیت پہونچائے گا اور جو ان کو غضبناک کرے گا وہ مجھے بھی غضبناک کرے گا اور بعض حدیثوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا فاطمة ان اللہ یغضب یغضبك ویرضی برضاك اے فاطمہ تیرے غضب سے خدا بھی غضبناک ہوتا اور تیری خوشی سے وہ بھی خوش ہوتا ہے۔ آں حضرتؐ کی زندگی میں جناب سیدہؑ نے حضرتؐ کی اتنی خدمت کی کہ عام طور پر بیٹے بھی نہیں کرتے۔ اور آنحضرتؐ صلعم بھی آپ کو فرزند نرینہ سے زیادہ مانتے تھے۔ جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر جناب سیدہؑ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب سیدہؑ سے ملتے۔ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جب تک زندہ رہیں حضرت رسول خدا صلعم پر روتی رہیں اور کبھی خوش نہیں دیکھی گئیں۔ آپکے رونے کی شکایت اہل مدینہ نے حضرت علیؑ سے کی تو آپ نے جواب دیا کہ اے ابوالحسنؑ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ فاطمہ دنیا میں زیادہ دن تک نہیں رہے گی۔ آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا وہ جناب سیدہؑ کے گھر پہونچے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانۂ سیدہ میں ہیں ان کو وہاں نہ رہنے دیں۔ اور وہ نکلنے سے انکار کریں تو بزور شمشیر وہاں سے نکالیں۔ اس پر حضرت عمر آگ لکڑی لیکر وہاں اس قصد سے پہونچے کہ گھر میں آگ لگا دیں یہ سنکر جناب سیدہؑ نے کہا اے پسر خطاب کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا بیشک اسی

ارادے سے آیا ہوں ورنہ جو لوگ اس گھر میں ہیں وہ سب چلکر ابوبکر کی بیعت کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر نے گھر میں آگ لگانے کے لیے قسم کھائی تو لوگوں نے کہا اس گھر میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ہوا کریں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ و کتاب الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۳ وغیرہ) بعد وفات رسولؐ جناب سیدہ نے ابوبکر سے اپنی اس میراث کا سوال کیا جو رسول خدا صلعم سے آپ کو پہنچتی تھی اور جو آنحضرتؐ کو خدا نے بلا حرب و ضرب عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول خداؐ کا ارشاد ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ یہ سنکر حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر پر اس درجہ غضبناک ہوئیں کہ مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں۔ اور جب بعد ۶ مہینہ کے حضرت فاطمہؑ نے وفات پائی تو حضرت علیؑ نے نماز جنازہ پڑھ کر رات ہی کے وقت دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر و عمر کو جنازے پر آنے نہیں دیا (صحیح بخاری کتاب المغازی صفحہ ۲۲۳ و صحیح مسلم کتاب الجہاد صفحہ ۹۱ وغیرہ) خلیفہ اول کے مقابلہ میں جناب سیدہؑ کا استدلال بتاتا ہے کہ آپ علم دین میں کیسی ماہر تھیں فرمایا

افی اللہ ان ترث اباك ولا ارث ابی اما قال رسول اللہ المرء یحفظ ولدہ فبکی ابوبکر بکاءً شدیداً "کیا خدا کے نزدیک یہ جائز ہے کہ تم اپنے باپ کے وارث ہو اور میں اپنے والد کی میراث نہ پاؤں کیا رسول خداؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے؟ یہ سنکر حضرت ابوبکر شدت سے روئے۔ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے خوب لکھا ہے "کل مصیبتوں سے زیادہ سخت اور مشکل قضیہ جناب فاطمہ زہراؑ کا ہے اس لیے کہ اگر کہیں کہ وہ اس سنت سے ناواقف تھیں یعنی اس حدیث سے جس کو حضرت ابوبکر نے بیان کیا تو یہ خلاف عقل ہے کہ آپ بالکل بے خبر رہیں۔ اور اگر مان لیں کہ شاید رسولؐ سے فاطمہؑ کو اس حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا ہو تو اور زیادہ مشکل پڑتی ہے کہ جب آپ نے اس حدیث کو حضرت ابوبکر سے سن لیا اور باقی صحابہ نے گواہی بھی دی پھر کیوں نہ اس کو صحیح جانا اور غضبناک ہو گئیں اور اگر آپ کا غصہ حدیث مذکور کے سننے سے پہلے ہوا تھا تو سننے کے بعد کیوں غصہ کو ترک نہیں کیا جس نے اس قدر طول کھینچا کہ جب تک آپ زندہ رہیں ابوبکر سے مہاجرت ہی رکھی" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فصل سوم جلد ۳ صفحہ ۲۴۶) (یہ واقعات زیادہ تفصیل سے حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں لکھے گئے ہیں۔

سیدہ جانتی تھیں کہ قرآن کے خلاف آنحضرتؐ کوئی جملہ ارشاد ہی نہیں فرمائیں گے۔ خدا صاف فرماتا ہے۔ ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدان والاقربون۔ اور جو ترکہ ماں باپ و رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حق ٹھہرا دیئے ہیں (پ ۵ ع ۲) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے ہر والدین کی اولاد کو ان کا وارث قرار دیا ہے اور کسی کو اس سے مستثنیٰ نہیں فرمایا لہٰذا اس حکم میں انبیاء و غیر انبیاء سب داخل رہیں گے اور اس حکم کے سبب سے اولاد انبیاء کو بھی اُن کے والدین کی میراث اسی طرح ملے گی جس طرح غیر انبیاء کی اولاد کو ملتی ہے۔ علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ جب جناب سیدہ نے حضرت

ابوبکر سے اپنی میراث طلب کی تو انھوں نے جناب معظمہ کو اس سے محروم کردیا۔ اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ ہمارا متروکہ صدقہ ہوجاتا ہے۔ اس پر جناب سیدہؑ نے قرآن مجید کی آیت للذکر مثل حظ الانثیین مرد کے لیے عورتوں سے (دوہرا حصہ ہے) کے عموم سے استدلال کیا اور گویا آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید کا عام حکم ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے خاص نہیں قرار پاسکتا ہے (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)۔ غرض جناب سیدہ نے بتا دیا کہ جو قول قرآن مجید کے خلاف ہو اس کے لئے یہ یقین کرنا ہوگا کہ آں حضرت نے نہیں فرمایا۔ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ انبیاء کی میراث اُنکے وارثوں کو ملتی تھی۔ مثلاً ورث سلیمان داؤد حضرت سلیمان نبی جناب داؤد پیغمبر کے وارث ہوئے (پ۱۹ ع ۱۷)۔ جناب زکریا پیغمبر نے دعا کی فہب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ اے اللہ تو مجھے ایک جانشین عطا فرما جو میرا وارث ہو اور نسل یعقوب کی میراث بھی پائے (پ۱۶ ع ۴)۔ پس اگر حضرت ابوبکر کی بیان کی ہوئی حدیث صحیح مان لی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ارشاد قرآن کو چھوڑنا ہوگا۔ حضرت جناب سیدہؑ ہی نہیں اس حدیث کو غلط سمجھتی تھیں بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؑ اور عباس بھی اس کو غلط سمجھتے تھے جس کی شکایت بھی حضرت عمر نے دونوں حضرات سے کی کہ جناب آپ دونوں صاحبوں نے کہا کہ جب رسول خدا نے انتقال کیا تو ابوبکر نے کہا میں رسول خدا کا قائم مقام ہوں۔ اس پر تم دونوں ان کے پاس آئے۔ تم (عباس) اپنے بھتیجے کی اور تم (علیؑ) اپنی زوجہ کی میراث طلب کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے ہماری میراث کسی کو نہیں ملتی ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اس پر تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا، گنہگار، دھوکے باز اور خائن سمجھا (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱)۔ غرض جناب سیدہؑ نے اپنے قول اور فعل سے قرآن مجید کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا اور امت کو تعلیم دے دی کہ قرآن مجید کے خلاف کسی شخص کا کوئی قول بھی سُننا تو اسکو باطل سمجھنا اور جو شخص دعویٰ کرے کہ آنحضرتؐ نے کوئی بات قرآن کے خلاف فرمائی ہے اس کو کاذب جاننا۔ عجیب لطیفہ ہے کہ حضرت ابوبکر تو قول رسولؐ نقل کریں کہ ہم انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں نہ میراث چھوڑتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت رسول خدا بھی وارث ہوئے ہیں۔ علماء سیرت والوں نے تصریح کی ہے کہ آں حضرتؐ کے والد جناب عبداللہ نے انتقال کے وقت پانچ اونٹ اور کچھ دنبیاں چھوڑیں اور حضرت رسول خدا صلعم نے ان کل چیزوں کو اپنے والد کی میراث میں پایا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۵۵) نیز اسی زمانہ حال کے نامور مصنف مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ میں ملیں (طبقات ابن سعد سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

جناب سیدہ نے اپنے عمل سے اسکو بھی ثابت کردیا کہ مسلمانوں کے ۷۳ فرقوں سے فرقہ ناجیہ کونسا ہے اور جنت میں جانے والا ہے۔ اس لیے کہ آں حضرت صلعم نے فرمایا من مات ولم یعرف امام زمانہ

فقد مات میتۃ جاھلیۃ جو شخص اس طرح مر جائے کہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرے گا (مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۲) اور معلوم ہے کہ جناب سیدہ نے آں حضرت کے بعد حضرت ابوبکر کو اپنا امام نہیں مانا۔ پس اگر حضرت ابوبکر واقعاً اس وقت امام تھے تو ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ جناب سیدہ جاہلیت کی موت مریں۔ پھر وہ سب حدیثیں غلط ہو جاتی ہیں جن میں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ سیدہ بہشت کی عورتوں کی سردار ہوں گی جن سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ جناب سیدہ ضرور بہشت میں جائیں گی۔ غرض جناب سیدہ جنھوں نے آں حضرت کے بعد خلیفۂ اول کو اپنا امام نہیں مانا بلکہ حضرت علیؑ ہی کو آں حضرت کا خلیفہ بلا فصل جانتی رہیں یقیناً مذہب حق پر رہیں اور ضرور بہشت میں جائیں گی تو شیعہ بھی جو خلیفۂ اول کو اپنا امام نہیں مانتے بلکہ حضرت علی ہی کو آنحضرت کا خلیفہ بلا فصل جانتے ہیں یقیناً مذہب حق پر ہیں اور ضرور بہشت میں جائیں گے۔ اگر انسان غور کرے اور انصاف سے کام لے تو اس پر مذہب حق کسی طرح پوشیدہ نہیں رہتا اور تسلیم کر لے گا کہ جناب سیدہ نے عملاً مستقیم کر کے اس کو آفتاب روشن کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی دو جماعتیں کھلی ہوئی ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر کو آں حضرت کا خلیفہ مانتے ہیں مگر ان میں جناب سیدہ نہیں کیونکہ عمر بھر میں ایک منٹ کے لیے بھی انھیں خلیفہ نہیں مانا۔ نہ ان کی خلافت کی کسی بات کو پسند کیا۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر کو آں حضرت کا خلیفہ نہیں مانتے۔ بلکہ جناب امیر ہی کو حضرت کا خلیفہ بلا فصل تسلیم کرتے ہیں اور انھیں لوگوں میں جناب سیدہ بھی ہیں۔ پس جس کا جی چاہے ان دونوں میں سے ایک جماعت میں داخل ہو جائے مگر یہ سمجھ کر کہ حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق جناب سیدہ تو یقیناً بہشت میں جائیں گی۔ اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کی جماعت بھی وہاں پہنچے گی۔ رہی دوسری جماعت اس کا انجام معلوم کر لینا دشوار نہیں ہے۔ جناب سیدہ فصاحت و بلاغت میں بھی اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔ اپنے مصائب کو ایسے اشعار میں ذکر کیا ہے جن کا مثل و نظیر دیوان عرب پیش کرنے سے عاجز ہے۔ فرماتی تھیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

جو شخص حضرت رسول خدا کے روضہ کی مٹی ایک مرتبہ سونگھ لے پھر اگر وہ زندگی بھر اعلیٰ درجہ کی خوشبو بھی نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا کیونکہ اب اسے کسی خوشبو کی حاجت ہی نہیں رہی۔ (۲) حضرت میرے اوپر ایسی اور ایسی مصیبتیں پڑی ہیں جو اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے (روضۃ الاحباب صفحہ ۲۳۲ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۵ وغیرہ) جس طرح حضرت رسول خدا کو جناب خدیجہ کی جانی و مالی قربانیوں کی وجہ سے اسلام کی جڑ مضبوط ہوئی اسی طرح اسلام کی اشاعت میں جناب سیدہ نے بھی بڑا احسان کیا۔ آپ کی والدہ نہایت دولت مند تھیں۔ انھوں نے اسلام کے لیے اپنے

خزانہ کا منہ کھول دیا تھا اور جب اُن کا انتقال ہو گیا تو اُنکی بچی ہوئی دولت کی وارث جناب سیدہؑ بھی
ہوئیں۔ آپ نے بھی اس کو اسی خوشی سے مذہب حق کی ترویج میں صرف ہو لینے دیا اور خود ہر قسم
کی زحمتیں برداشت کیں مگر دینی امور کا رُکنا کبھی پسند نہیں کیا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ سوائے حضرت
رسول خداؐ کے فاطمہؑ سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ اسی حضرتؐ نے چار خط کھینچ کر کہا کہ بہشت کی کل عورتوں
سے افضل چار ہی عورتیں ہیں۔ خدیجہؑ، فاطمہؑ، آسیہ، اور مریمؑ۔ حضرت ام سلمہ کہتی تھیں کہ جب میرے گھر یہ
آیت نازل ہوئی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم
تطھیرا (یعنی اے اہلبیتؑ رسولؐ خدا کا بس یہی ارادہ رہتا ہے کہ تم لوگوں سے ہر برائی کو دور رکھے اور تم کو
اعلیٰ درجہ کا پاک و پاکیزہ بنائے رہے) تو حضرت رسول خدا صلعم نے جناب فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ
کو اپنے پاس بلا کر فرمایا میرے اہلبیت یہی (چار) ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ جناب سیدہ بالکل اسی
طرح چلتیں جس طرح حضرت رسول خدا صلعم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے بارے
میں فرمایا کہ جو لوگ ان چاروں سے لڑیں گے اُن سے میں بھی لڑوں گا اور جو ان چاروں سے صلح
رکھیں گے ان سے میں بھی صلح رکھوں گا۔ جناب سیدہؑ حضرت رسول خدا صلعم کی ایسی اطاعت
کرتی اور بیٹی تھیں جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو گھر کے
کاموں سے بڑی زحمت ہے۔ اس وقت آں حضرتؐ کے پاس بہت سے قیدی آگئے ہیں۔ حضرتؐ سے
تم بھی کسی لونڈی کو مانگ لو کہ کام میں آسانی ہو۔ آپ گئیں اور اپنا مطلب بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے
فرمایا بیٹا صفہ والے غریب بے کس نادار مسلمان بڑی مصیبتوں میں ہیں اور ان کا خرچ چلانا مجھے
ضروری ہے۔ میں ان قیدیوں کو بیچکر ان صفہ والوں کی ضروریات میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور
تم کو وہ چیز بتا دیتا ہوں جس کا نفع تم کو لونڈی اور غلام سے زیادہ ہوگا۔ جناب سیدہؑ نے خوشی سے
عرض کی ارشاد ہو۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ہر روز ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ
کی تسبیح پڑھا کرو۔ جناب سیدہ خوش خوش واپس آئیں اور برابر اس تسبیح کو پڑھتی رہیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۹)
آج تک تمام دنیا کے مسلمان جو تسبیح فاطمہؑ ہر نماز کے بعد پڑھتے ہیں وہ یہی ہے۔ جناب سیدہؑ نے ۳ ر
جمادی الاخریٰ سنہ ۱۱ھ کو انتقال کیا۔ آپ کو پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ اس بات تک کو پسند نہیں
کیا کہ آپکی لاش پر نامحرم لوگوں کی نظر پڑے۔ انتقال کے پہلے اسماء سے فرمایا عورتوں کی لاش جس طرح
جاتی ہے کہ اس کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے وہ ایک تختہ پر رکھ دی جاتی ہے اور لوگ اسکو
اٹھالے جاتے ہیں جس سے عورت کا دُبلی یا موٹی۔ لانبی یا ناٹی۔ بھاری یا ہلکی ہونا معلوم ہوتا ہے یہ مجھے
پسند نہیں ہے۔ اس سے تو عورت کا بدن بالکل بے پردہ ہو جاتا ہے۔ اسماء نے کہا اے دختر رسولؐ
کیا میں آپ کو وہ چیز بتا دوں جسے میں نے ملک حبشہ میں دیکھا ہے۔ یہ کہکر اسماء نے کچھ نرم لکڑیاں

منگائیں اور ان سب کو موڑ کر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جس سے تابوت کی شکل ہو گئی۔ جناب سیدہؑ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور فرمایا واہ واہ۔ کیا اچھی چیز ہے کہ اس کے اندر عورت کی لاش رکھی جائے گی تو باہر کسی کو نظر نہیں آ سکتی۔ اسی طرح اپنے لئے بنوانے کی فرمائش کی اور انتقال کر گئیں۔ اسماءؓ اور حضرت علیؑ نے انکو غسل دیکر رات ہی کو جنت البقیع میں دفن کر دیا ۱۵؎ آج شریف مسلمانوں کی عورتوں کا جنازہ اسی طرح اٹھایا جاتا ہے کہ یا وہ کسی صندوق یا تابوت میں رکھا جاتا ہے یا چارپائی پر لاش رکھ کر لاش پر پتلی پتلی یا نرم لکڑیاں ڈال کر ایک طرف سے دوسری طرف موڑ دی جاتی ہے اور ان پر کپڑا ڈالا جاتا ہے جس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ اور یہ جناب سیدہؑ کا وہ احسان ہے جو قیامت تک مسلمان عورتوں پر رہے گا۔ اس سے ہماری بہنوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے کہ جناب سیدہؑ کو جب پردہ کا یہ خیال تھا کہ اپنے مرنے پر بھی اپنے بدن پر نامحرم لوگوں کی نظروں کا پڑنا گوارا نہ کر سکیں۔ تو ایسی شیعہ عورتیں کا بے پردہ ہو کے کیسے رہ سکتی ہیں اور ایسی عورتوں سے بروز قیامت وہ کس درجہ شکایت کریں گی۔ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے ایک دفعہ ہم حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرتؐ نے پوچھا بتاؤ عورتوں کے لئے اچھی بات کیا ہے مگر کسی نے حضرتؐ کا جواب نہیں دیا۔ جب ہم سب وہاں سے اٹھے تو میں سیدہؑ کے پاس آیا اور کہا آج تمہارے پدر بزرگوار نے لوگوں سے یہ بات پوچھی مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا مجھے اسکا جواب معلوم ہے۔ عورتوں کے لئے اچھی بات یہ ہے کہ وہ نامحرم مردوں کو دیکھیں اور نہ نامحرم مرد ان کو دیکھنے پائیں۔ فاطمہؑ کا جواب پا کر میں پھر حضرت رسولؐ کی خدمت میں واپس گیا اور عرض کی یا حضرت آپ نے جو بات پوچھی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اچھی بات یہ ہے کہ وہ نامحرم مردوں کو نہ دیکھنے پائیں اور نہ انکو نامحرم مرد دیکھ سکیں۔ حضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ یہ بات کس نے کہی ہے کیونکہ جب پہلے پوچھی تو تم نے نہیں بتائی۔ میں نے عرض کی سیدہؑ نے بتایا ہے۔ اس جواب سے جناب رسول خدا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کیوں نہ ہو فاطمہؑ میرے بدن کا ٹکڑا ہے (وسائل الشیعہ جلد ۳ ص[illegible])۔ ایک دفعہ جناب جابرؓ صحابی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ جناب سیدہؑ

۱۵؎ شمس العلماء دہلوی نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں۔ (امہات الامہ ص۹۹) حضرت عائشہؓ تک کو جانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ کے انتقال پر انھوں نے جانا چاہا تو اسماء نے کہا خبردار یہاں نہ آنا۔ جب عائشہ دوڑی ہوئی حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور شکایت کی یہ خثعمیہ عورت (اسماء) مجھے فاطمہؑ کے جنازے پر جانے نہیں دیتی۔ حضرت ابوبکر نے آکر سبب پوچھا تو اسماء نے کہا فاطمہؑ نے وصیت کی ہے کہ میں کسی کو آنے نہ دوں۔ حضرت ابوبکر چلے آئے (استیعاب جلد ۲ ص[illegible])۔ پھر شیخین نے حضرت علیؑ سے شکایت کی کہ آپ نے ہم لوگوں کو جنازے پر کیوں نہیں آنے دیا۔ حضرتؑ نے جناب سیدہ کی وصیت کا عذر بیان کر دیا کہ میں مجبور تھا۔

ہاں آئے تو دروازے پر پہنچ کر آنحضرت صلعم نے فرمایا السلام علیک۔ جناب سیدہ نے جواب دیا
وعلیک السلام یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ اندر آ سکتا ہوں۔ عرض کی ہاں
ضرور تشریف لائیے۔ حضرت صلعم نے فرمایا میرے ساتھ جو صحابی ہیں وہ بھی آئیں؟ عرض کی
یا حضرت میرے پاس تو کچھ نہیں اوڑھنے کو ہے۔ حضرت نے فرمایا چادر لے کر اوڑھ لو [illegible] جناب
سیدہ ایسا کر چکیں تو پھر حضرت صلعم نے پوچھا اب آؤں؟ عرض کی آپ تشریف لائیں۔ پوچھا میرے ساتھ
جو صحابی ہیں وہ بھی آئیں؟ عرض کی اور کیا ہے؟ فرمایا [illegible] جناب سیدہ نے عرض کی ہاں
اب وہ بھی آ سکتے ہیں (اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ [illegible]) آپ کی یہ حالت تھی کہ جس وقت حضرت [illegible]
صلعم نے جناب [illegible] کی زندگی میں اور [illegible] جناب سیدہ کی
زندگی بھر جناب امیر کے [illegible] کبھی کسی عورت [illegible] کرنا جائز نہیں تھا [illegible] اچھے اخلاق
کا یہ حالت تھی کہ اپنی زندگی [illegible] گھر کا [illegible] کام [illegible] کرتی تھیں بلکہ آپ نے تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک
روز فضہ خدمت انجام دیتیں اور دوسرے روز فضہ آرام کرتیں اور جناب سیدہ خود گھر کا کام
کرتیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ [illegible]) آپ کی سادہ زندگی اور فقیرانہ [illegible] حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت
صلعم آپ کے ہاں تشریف لائے دیکھا فاطمہ [illegible] پیوند لگے [illegible] کی حالت میں دونوں ہاتھ
سے چکی بھی پیس رہی ہیں۔ [illegible] کی وہ زندگی [illegible] تھی [illegible] جناب رسول خدا
صلعم نے یہ حالت دیکھی تو دونوں آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا [illegible] دنیا کی تلخی اور [illegible] پر صبر کرو
اس کے عوض میں تم کو آخرت کی [illegible] اور راحت بہت زیادہ ملے گی [illegible] آپ نے کس خوشی
فرمایا یا رسول اللہ الحمد للہ علی نعمائہ والشکر للہ علی آلائہ [illegible] قابل
اور آرام ولذت پر [illegible] آپ کا آنحضرت صلعم کی خوشی اس درجہ منظور رہتی
کہ ایک دفعہ جب [illegible] دروازے پر [illegible] پردہ لٹکا دیا تھا [illegible] کے [illegible] پہن لیے تھے اسی وقت
آنحضرت صلعم باہر کہیں تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ سب دیکھا تو ناراض ہو کر
گھر چلے آئے۔ جناب سیدہ کو معلوم ہوا تو فوراً وہ پردہ [illegible] اور [illegible] اتار کر آنحضرت کی خدمت
میں بھیج دیے اور عرض کی حضور ان سب کو راہ خدا میں خرچ کر دیجئے۔ آنحضرت نے تین مرتبہ فرمایا فاطمہ
کا باپ اس پر فدا ہو جائے۔ آل محمد کو دنیا سے کیا واسطہ یہ لوگ آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور دنیا
ان کے غیروں کے لیے ہے (مناقب [illegible]) جناب سیدہ کا مہر بھی اتنا کم رکھا گیا جس سے نادار [illegible] کو
نکاح میں بہت سہولت ہو گئی یعنی پانچ سو درہم جس کا اس وقت تقریباً ایک سو ساٹھ روپیہ
ہوتا ہے۔ جب جناب سیدہ کی شادی جناب امیر سے ہو گئی آپ کی خوشدامن جناب فاطمہ [illegible]
زندہ تھیں۔ انھوں نے خانہ داری کی خدمتیں اس طرح تقسیم کر لیں کہ جناب فاطمہ [illegible]

کے باہر کی خدمتیں مثلاً اعزّہ و اقربہ کے ہاں آمد و رفت بیاہ شادی کے امور وغیرہ ضروریات انجام دیتیں اور جناب سیدہؑ گھر کے اندر کی خدمتیں مثلاً آٹا پیسنے روٹی پکانے وغیرہ امور کو انجام دیتیں اور جس طرح جناب رسول خدا و جناب امیرؑ تمام کاموں کو اپنے ہاتھوں سے انجام دے کر مردوں کے لئے نمونہ بنے اسی طرح جناب فاطمہ بنت اسد و جناب سیدہؑ نے اپنی طرز روش سے عورتوں کے لئے نظیریں قائم کر دیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے آں حضرتؐ کی اولاد کا حال لکھتے ہوئے جناب سیدہ کے متعلق لکھا ہے "حضرت فاطمۃ الزہرا۔ فاطمہ نام زہرا لقب تھا سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ سنہ ۱ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آں حضرتؐ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ سنہ ۱ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔۔۔۔ حضرت فاطمہؑ اگر ان کا سال ولادت سنہ ۱ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو سنہ ۲ھ میں آں حضرت صلعم نے حضرت علیؑ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا۔ حضرت فاطمہؑ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر نے کی لیکن آں حضرت صلعم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جب حضرت علیؑ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لئے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ حضرت عثمان نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علیؑ نے قیمت لا کر آنحضرت صلعم کے سامنے لا کر ڈال دی۔ آں حضرتؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں عقد ہوا اور آں حضرت صلعم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک چادر دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔ نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔۔۔۔۔ حضرت فاطمہؑ کے پانچ اولاد ہوئیں۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔ محسنؑ۔ ام کلثومؑ۔ زینبؑ۔ محسنؑ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینبؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسین علیہ السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں" (سیرت النبی جلد ۲ صـ ۲۴۳)

حضرت رسول خدا صلعم کے اصحاب

مشہور ہے کہ آں حضرت کے اصحاب ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے جن کے حالات کہیں نہیں ملتے۔ چند ہزار صحابہ کے حالات مصنفین لکھ سکے۔ ان میں حسب ذیل حضرات بہت قابل قدر ہیں۔

(۱) جناب ابوذر۔ آپ کا نام جُندُب تھا۔ آپ کے والد جنادہ بن سفیان قبیلہ غفار کے ایک شخص تھے۔ جب آں حضرتؐ مکہ میں تھے تب ہی آپ مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے میں آپ کا چوتھا یا پانچواں نمبر تھا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت ابوذر جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے اور غیر متعین طریقے سے جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں۔ وہ مکہ میں آئے اور آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآن مجید کی سورتیں سنیں۔ واپس جاکر ابوذر سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہیں کوئی اور چیز ہے۔ تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہیں ہوئی۔ خود مکہ میں گئے۔ زبان مبارک سے آپ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کرلیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینہ سے نکلوا دیا تھا" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۲) یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول کو اسلامی سلام کیا۔ جب یہ مسلمان ہو چکے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ نبی صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو جنگ بدر واحد وخندق کے بعد پھر یہ آنحضرتؐ کے پاس چلے گئے اور وہیں رہے۔ انھوں نے نبی صلعم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ خدا کی راہ میں ان کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ ہوگا اور یہ کہ حق بات کہہ دیا کریں گے گو وہ تلخ ہو۔ آپ کے فضائل کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے آسمان نے سایہ نہیں کیا ہے اور زمین نے اپنے اوپر نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص کو جو ابوذر سے زیادہ راست گفتار ہو۔ نبی نے فرمایا کہ ابوذر دنیا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے زہد پر چل رہے ہیں۔ خلیفہ اول کے مرنے پر یہ ملک شام چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے معاویہ کی شکایت پر جناب ابوذر کو بلالیا اور ربذہ میں رہنے کی جگہ دی یہاں تک کہ وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی بی بی رونے لگیں۔ جناب ابوذر نے وجہ پوچھی تو کہا تمہارا کفن کہاں سے آئے گا۔ آپ نے کہا نہ روؤ۔ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے تم میں سے ایک شخص ویرانہ میں مرے گا اس کی تجہیز وتکفین میں مومنین کی ایک جماعت شریک ہوگی وہ میں ہی ہوں تم راستے میں جاکر انتظار کرو۔ واللہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے۔ بی بی جاکر راہ میں کھڑی ہوگئیں تو دیکھا کہ کچھ لوگ سواریاں دوڑاتے آرہے ہیں۔ بی بی نے جناب ابوذر کے انتقال کی خبر دی۔ وہ سب وہاں پہنچے اور غسل وکفن دیکر دفن کردیا۔ یہ واقعہ سنہ ۳۲ ہجری کا ہے۔ جناب ابوذر گندمی رنگ کے دراز قامت تھے۔ سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ [illegible]) [illegible]

جناب ابوذر کی جلا وطنی کو بہت مختصر کر کے لکھا ہے۔ جناب ابوذر شام میں رہنے لگے تھے معاویہ کی دنیا پسندی مشہور ہے۔ جناب ابوذر برابر سمجھاتے کہ یہ روش اسلام اور خدا و رسول کے خلاف ہے۔ غرض وہ برابر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے۔ معاویہ سے یہ باتیں برداشت نہ ہو سکیں حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ابوذر کسی طرح فتنہ کھڑا کر دیں گے۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ابوذر کو فوراً ایک بد رفتار ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے کسی تند مزاج رہبر کے ساتھ رات دن اونٹ کو دوڑاتا لائے اور کسی جگہ بھی نہ ٹھہرے تاکہ ابوذر پر مدینہ کا راستہ تلخ ہو کہ اسکی اذیت سے وہ مر جائیں اور قصہ تمام ہو۔ ذرا بھی آرام نہ پائیں اس طرح بھیجو۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ جناب ابوذر بلند قامت گندم رنگ دبلے پتلے شخص تھے اور اس وقت بوڑھے ہو گئے تھے کہ سر و داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ پھر آپ ایسے اونٹ پر سوار کئے گئے جس پر کوئی زین تھا نہ پالان۔ غرض رہبر بہت بری طرح نہایت سختی سے اونٹ کو ہنکا لایا۔ جناب ابوذر کو ایسی اذیت ہوئی کہ انکی رانوں کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا تھا۔ اور بری حالت ہو گئی تھی۔ جب آپ اس تباہ حالی میں حضرت عثمان کے پاس پہونچے تو انھوں نے کہا اے جندب تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ روشن نہ ہو اور بہت سخت کلامی کی۔ جناب ابوذر نے کہا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے پوچھا کیا تم نے لوگوں سے رسول اللہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب بنی امیہ کی تیس اولاد پوری ہو جائیگی تو وہ مال خدا کو اپنی دولت اور مال غنیمت قرار دے لیں گے۔ خدا کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیں گے اور خدا کے دین کو فریب مکاری کا ذریعہ بنا لیں گے۔ حضرت ابوذر نے کہا ہاں میں نے ضرور سنا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ حضرت عثمان کو بہت غصہ آیا اور جناب ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ربذہ مدینہ سے چند منزل پر جنگل میں ایک مقام تھا۔ یہ بھی حکم ہوا کہ ربذہ سے باہر کہیں جانے نہ پائیں اور مروان سے کہا ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے باہر نکالدو اور کسی کو ان کے رخصت کرنے کے لیے مدینہ سے باہر جانے نہ دینا۔ غرض آپ اسی سختی سے نکال دیے گئے۔ اصحاب رسول کو اس کا نہایت صدمہ ہوا اور باوجود خلیفہ کے حکم کے بعض لوگ جناب ابوذر کو رخصت کرنے آ گئے مثلاً حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جناب عبداللہ ابن عباس۔ جناب عمار یاسر۔ جناب مقداد وغیرہ۔ ان لوگوں نے جناب ابوذر کو تسلی دی اور صبر کی فرمائش کی۔ جناب ابوذر سنہ ۳۰ ہجری میں جلاوطن کئے گئے اور سنہ ۳۲ ہجری تک ربذہ ہی میں رہے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس آپ کی بیوی تھیں یا بیٹی اس میں اختلاف ہے۔ اسد الغابہ۔ اصابہ۔ استیعاب وغیرہ میں بیوی کو لکھا ہے مگر تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ طبری یعقوبی وغیرہ میں بیٹی لکھا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جب وقت وفات قریب ہوا تو آپ کی لڑکی نے کہا کہ بابا میں اس جنگل میں اکیلی کیا کروں گی آپ کو دفن کیسے کروں گی۔ جناب ابوذر نے کہا گھبراؤ نہیں چند مسافر یہاں آیا چاہتے ہیں۔ دیکھو کوئی قافلہ آتا ہے یا نہیں صاحبزادی نے

کہا نہیں۔ جناب ابوذر بولے شاید ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد پوچھا اب کوئی دکھائی دیتا ہے۔ صاحبزادی بولیں ہاں کچھ سوار اسی طرف چلے آرہے ہیں۔ جناب ابوذر جوش میں بولے اللہ اکبر خدا اور اس کے رسول کیسے سچے ہیں۔ اب میرا منہ قبلہ کی طرف کردے۔ اور جب وہ سوار یہاں پہنچیں تو ان سے میرا سلام کہنا۔ اور جس وقت وہ میری تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہو جائیں تو اُن کے لئے یہ بکری ذبح کرنا اور میری جانب سے قسم دیکر کہنا کہ بغیر کھائے ہوئے تم لوگ یہاں سے نہ جاؤ۔ اتنا کہہ کر جناب ابوذر انتقال کر گئے۔ اس کے بعد وہ سوار وہاں پہنچے تو صاحبزادی نے ان لوگوں سے کہا کہ ابوذر صحابی رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ بے گور و کفن پڑے ہیں یہ سنکر وہ سوار جو تعداد میں سات تھے سواریوں سے اتر پڑے ان میں مالک اشتر بھی تھے جناب ابوذر پر سب بہت روئے اور ان کو غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر سپرد دفن کیا جب اس سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا میرے باپ نے آپ لوگوں کو قسم دی ہے کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے یہاں سے تشریف نہ لے جائیے۔ ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی کو ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جناب ابوذر کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو حضرت رسول خدا کا خلیفہ بلافصل جانتے تھے مسجد رسولؐ میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے تھے کہ لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ اب جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میرا نام جندب بن جنادہ ربذی ہے۔ خدا نے حضرت آدمؑ و نوحؑ و آل ابراہیمؑ و آل عمران کو تمام عالم والوں پر برگزیدہ کیا ہے حضرت آدمؑ کے علم بلکہ کل فضائل کے وارث حضرت محمد مصطفےٰ تھے جن سے انبیاء کو فضیلت حاصل ہوئی تھی۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے وصی اور وارث علم حضرت علی ابن ابی طالب ہی ہیں۔ اے وہ امت جو اپنے نبی کے بعد حیران و سرگرداں ہو رہی ہے اگر تم اپنے نبیؐ کے بعد خلیفہ بنانے میں اسی شخص کو مقدم کرتے جس کو خدا نے مقدم کیا ہے اور اس شخص کو موخر کرتے جسے خدا نے موخر کیا ہے اور اسلام کی حکومت اور حضرت رسول خدا صلعم کی میراث کو اپنے نبیؐ کے اہلبیت ہی میں قرار دیتے تو خدا کی نعمتیں تمہارے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے سے بے حد و حساب حاصل ہوتیں اور خدا کا کوئی دوست فقیر و محتاج نہیں رہتا اور نہ فرائض خدا کا کوئی حصہ بیکار ہو جاتا اور نہ کبھی دو شخص حکم خدا میں اختلاف نہیں کرتے اس لیے کہ ہر امر کا حکم ان لوگوں کو اپنے نبیؐ کے اہلبیت کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسولؐ موجود ملتا ہے۔ لیکن جب تم لوگوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی اور جو کچھ اپنے نفس کی پیروی میں کرنا تھا کر چکے تو اب اپنے کرتوت کے وبال کا مزہ چکھو اور بہت جلد وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے جان لیں گے کہ اُن کی جائے بازگشت کس طرف ہے۔ اور حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہونچی کہ انھوں نے سنت رسول اور سنت شیخین میں جو تغیر و تبدل کیا ہے جناب ابوذر اسکی شکایت لوگوں سے کرتے رہتے ہیں (تاریخ یعقوبی و مجالس المومنین ص۹۲) جناب ابوذر کی عظمت و جلالت کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ علم کے خزانہ تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ سے لوگوں نے انکے متعلق پوچھا تو فرمایا ابوذر ایسے شخص ہیں کہ انھوں نے

جس قدر دینی علوم اور مذہبی مسائل کو سمجھا اور یاد کیا ہے دوسرے لوگ ان کے سمجھنے سے عاجز رہے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اکثر صحابہ نے حضرات اہلبیتؑ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر جو مقدس اور خدا رسیدہ صحابہ حق پر قائم رہے ان میں جناب ابوذر بھی تھے۔ اسی وجہ سے حضرات اہلبیتؑ ان کو بہت مانتے تھے۔ اور خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ سے مسلمانوں کو آپ کی محبت کا تاکیدی حکم دیا ہے (دیکھو تاریخ ائمہ)

جناب سلمان فارسی

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب سلمان خیر تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے خاص غلام تھے۔ جب آپ کا نسب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں۔ آپ کی اصل فارس (ایران) رام ہرمز سے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں جی سے ہیں جو اصفہان کا ایک شہر ہے۔ آپ کا نام اسلام سے پہلے مابہ بن بوذخشان بن مورسلان تھا۔ شاہ آپ بھی اولاد سے ہیں۔ آپ پہلے ایران میں مجوسی (آگ کے پوجنے والے) تھے۔ مسلمان ہونے کا سبب آپ خود اس طرح بیان کرتے تھے کہ میں اہل فارس علاقہ اصفہان کے شہر جی کے ایک زمیندار کا لڑکا تھا۔ میرے باپ مجھ کو بہت زیادہ چاہتے تھے یہاں تک کہ مجھ کو گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھا رکھا تھا۔ میں فارسی زبان حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میرے والد صاحب جائداد اور مکان والے تھے اور اسی کے انتظام میں رہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے ایک دن کہا بیٹا تم دیکھتے ہو میں یہاں مشغول ہوں۔ تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن رک نہ جانا کہ میں جائداد کا خیال چھوڑ کر تمھاری فکر میں پڑ جاؤں۔ غرض میں کھیتوں کے دیکھنے کو نکلا اور نصرانیوں کے گرجا کے پاس سے گذرا تو دیکھا کہ وہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کی طرف جھکا کیونکہ مجھ کو ان کی عبادت اچھی معلوم ہوئی۔ اور میں نے کہا خدا کی قسم یہ طریقہ میرے دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ غرض میں انھیں کے پاس کھڑا رہ گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا اور نہ میں کھیتوں پر گیا اور نہ گھر پلٹا۔ جب میرے واپس جانے میں دیر ہوئی تو میرے والد نے کئی قاصد میرے بلانے کو بھیجے۔ جب نصاریٰ کا فعل مجھ کو پسند آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ ان لوگوں نے بتایا شام میں۔ اس کے بعد میں والد صاحب کے پاس پلٹ آیا۔ انھوں نے پوچھا بیٹا کہاں تھے میں نے تمھاری تلاش میں قاصد روانہ کئے ہیں۔ میں نے کہا میں ایسی قوم کے پاس سے گذرا جو گرجا میں نماز پڑھتے تھے۔ مجھ کو ان کا یہ دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین میرے (مجوسی) دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ میرے والد نے کہا۔ نہیں تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا دین ان (نصاریٰ) کے دین سے بہتر ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اس پر انکو میرے متعلق اندیشہ ہوا کہ کہیں میں نصرانی نہ ہو جاؤں۔ انھوں نے مجھ کو قید کر دیا۔ مگر میں نے نصاریٰ کے ہاں کہلا بھیجا ان کے دین سے موافقت کا اظہار کیا اور ان سے خواہش کی کہ جو شام جانے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے مجھے آگاہ کریں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا تو میں نے بیڑیاں تو اپنے پاؤں سے نکالا اور ان کے ساتھ شام چلا گیا اور وہاں کے اسقف (پادری) کے ساتھ رہنے لگا۔ جب وہ پادری مرنے لگا تو مجھے موصل کی طرف ایک بڑے پادری کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ بھی

مرنے لگا تو کہا اب اُس نبی کا زمانہ قریب ہے جو دین حنیف ابراہیمؑ پر مبعوث ہوگا اُسکی ہجرت کی جگہ کھجوروں والی زمین (مدینہ) ہے جب وہ مرگیا تو عرب کا ایک قافلہ میری طرف سے گزرا۔ میں اُنکے ساتھ مکہ چلا آیا اور اس قافلہ نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس یہودی سے قبیلہ بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے خرید لیا اور مدینہ میں لایا۔ جب حضرت محمد مصطفےٰ مدینہ میں تشریف لائے تو میں حضرتؐ سے ملا اور مسلمان ہوگیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اے سلمان تم اپنے مالک کو کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کرکے اپنے کو آزاد کرالو میں راضی ہوگیا اور اپنے مالک سے تین سو درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے پر مکاتبت کرلی۔ غرض میں نے آنحضرتؐ اور آپکے اصحاب کی مدد سے تین سو درخت لگا دیئے۔ پھر حضرتؐ نے سونے کے انڈے سے میری مدد کی تو میں اپنی دونوں شرطیں پوری کرکے آزاد ہوگیا۔ سب سے پہلے آپ اُن حضرتؐ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوئے تھے اس کے بعد کسی جہاد میں حضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آنحضرتؐ نے اُن کے اور ابودرداء کے درمیان مواخات کی تھی۔ جناب سلمان فارسی بڑے مقدس اور خدا رسیدہ صحابی تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت تین شخصوں حضرت علیؑ، عمار یاسر، اور سلمان فارسی کی مشتاق ہے۔ آپ بہترین صحابہ اور زہاد اور فضلاء میں سے تھے اور آنحضرت صلعم کے نہایت مقرب تھے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ سلمان آنحضرت صلعم کے پاس رات کو بیٹھتے یہاں تک کہ قریب ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے رسول خدا صلعم کے بارے میں سبقت لے جائیں۔ حضرت علیؑ سے جناب سلمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ انکو اولین و آخرین دونوں کا علم حاصل ہے وہ ایسے دریا ہیں جو خشک نہیں ہوتا۔ سلمان منا اہل البیت (سلمان ہم اہل بیت سے ہیں)۔ ابودرداء شام میں چلے گئے اور جناب سلمان عراق میں رہے۔ ابودرداء نے جناب سلمان کو خط لکھا کہ خدا نے مجھے تمہارے بعد مال اور لڑکے عنایت کیے اور میں پاک زمین پر فروکش ہوا۔ اسکے جواب میں جناب سلمان نے ابودرداء کو کیسی اچھی بات لکھی کہ اے ابودرداء اس کو خوب یاد رکھو کہ مال اور اولاد کی زیادتی خیر نہیں ہے خیر یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع دے۔ اور تم نے مجھے لکھا ہے کہ تم پاک زمین پر فروکش ہو۔ حالانکہ زمین کسی کے واسطے عمل نہیں کرتی۔ تم خود اس طرح عمل کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپ کو مردوں سے شمار کرو۔ حذیفہ نے جناب سلمان سے کہا میں تم کو ایک گھر بنوا دوں۔ آپ نے پوچھا کیوں کیا میرے لیئے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا مدائن میں تمہارا گھر ہے۔ انھوں نے کہا نہیں بلکہ پھوس کا مکان جسکی چھت چٹائی کی ایسی ہو کہ جب تم کھڑے ہو تو وہ تمہارے سر کو چھونے کے قریب ہو اور جب تم سو رہو تو وہ تمہاری آنکھ پر گرنے کے قریب ہو۔ جناب سلمان نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور میری جو خواہش تھی اسی کو تم نے بیان کیا۔ آپ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا مگر آپ ایسے تارک تھے کہ جب وظیفہ ملتا سب کو تقسیم کر دیتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر خود کھاتے تھے آپ نے غزوہ احزاب میں حضرت رسول خدا صلعم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ مہاجرین و انصار میں اختلاف ہوا۔ مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان

ہم میں سے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا سلمان منّا اھل البیت (سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں) آپ کی وفات خلیفۂ سوم کی آخری خلافت ۳۵ھ ہجری (غالباً ۳۶ھ) میں ہوئی۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے لیکن ڈھائی سو میں کسی کو شک نہیں ہے آپکی تین لڑکیاں تھیں۔ ایک اصفہان اور دو مصر میں (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۱) علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ آپ کو آپکے یہودی مالک سے حضرت رسول خدا صلعم نے خرید لیا تھا جس زمانہ میں آپ مدائن کے حاکم تھے اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتے بنتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ حاکم ہیں اور شاہرہ پاتے ہیں پھر کیوں مزدوری کرتے ہیں؟ تو کہا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنی غذا کا سامان کروں۔ آپ کی ایک چادر تھی جسکی آدھی کو آپ بطور لباس پہنتے اور آدھی کو بطور فرش بچھاتے تھے۔ آپ کا کوئی گھر نہیں تھا دیواروں اور درختوں کے سایہ میں بسر کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کبھی کہ آپکے رہنے کو مکان بنوا دوں تو کہا حاجت نہیں ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپکی مدح میں فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا پر ہوگا تب بھی اس کو سلمان پالیں گے۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھے چار شخصوں کے دوست رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ (خدا) بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے وہ حضرت علیؑ۔ ابوذر۔ مقداد اور سلمان ہیں۔ آپ انجیل اور قرآن دونوں کے عالم تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ سلمان مثل لقمان حکیم کے ہیں۔ کعب الاحبار کہتے تھے کہ سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ جناب سلمان کے پاس صہیب و بلال وغیرہ کچھ لوگ موجود تھے وہاں ابوسفیان آیا تو ان لوگوں نے کہا اللہ کی تلواروں نے ابھی تک اس (ابوسفیان) کی گردن نہیں اڑائی اس پر حضرت ابوبکر بولے ایں! تم لوگ قریش کے بزرگ اور سردار (ابوسفیان) کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ اس کے بعد وہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس گئے اور کہا یا حضرت میں نے سلمان وغیرہ سے ایسی بات کہی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر غالباً تم نے اپنی اس بات سے ان لوگوں کو غضبناک کر دیا۔ یاد رکھو اگر ان لوگوں کو تم نے غضبناک کیا ہے تو یقیناً تم نے پروردگار تعالیٰ کو غضبناک کر دیا۔ پھر ابوبکر ان لوگوں کے پاس آئے اور گویا ان سے معافی مانگ لی آپ احکام خدا کی ہر طرف پر نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ابودرداء کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ ابودرداء کی بیوی میلے لباس پہنے میلی صورت بنائے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا تمہارے بھائی (ابودرداء) کو دنیا کی کوئی احتیاج نہیں ہے (ان کو مجھ سے کچھ کام ہے پھر کیوں زینت کروں) اتنے میں ابودرداء آگئے اور جناب سلمان کے لئے کھانا پیش کیا۔ آپ نے کہا تم بھی تو کھاؤ۔ انھوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ کہا جب تک تم نہ کھاؤگے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ اس رات کو جناب سلمان وہیں رہے۔ دیکھا کہ ابودرداء نے رات کو بھی عبادت شروع کی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور کہا جس طرح تم پر خدا کا حق ہے تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی حق ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق پہونچانا چاہئے (یعنی عبادت بھی کرو۔ بیوی سے معاشرت بھی کرو اور آرام بھی کرو) دوسرے دن دونوں شخص رسولؐ کی خدمت میں گئے اور یہ سب واقعہ

بیان کیا تو حضرتؐ نے فرمایا سلمان نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ غرض آپ کے فضائل ومناقب بے حد وحساب ہیں۔ آپ کی وفات مدائن میں ہوئی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷) اور لکھا گیا کہ اہل علم آپ کی عمر ڈھائی سو سال بتاتے ہیں مگر علامہ ذہبی لکھتے ہیں ظهر لی انه ما زاد علی الثمانین مجھے ظاہر ہوا کہ ان کی عمر اسی سال سے زیادہ نہیں تھی (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۳) آپ کے متعلق کیا اچھا شعر کسی نے کہا ہے ؎

کانت مودة سلمان لهم نسبا ولم یکن بین نوح وابنه رحما

جناب سلمان کی محبت کی وجہ سے ان کو نسب حاصل ہو گیا اور حضرت نوحؑ اور ان کے فرزند کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہا (یعنی حضرت سلمان نے خدا ورسولؐ سے محبت کرکے انکی اطاعت کی تو اسلام میں آپ کا یہ درجہ ہو گیا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے خاندان میں شامل کرکے فرمایا سلمان منا اهل البیت اور فرزند نوحؑ نے خدا ورسولؐ کی مخالفت کی تو اس رشتہ سے الگ کرکے نکال دیا گیا) باوجود آپ کے اس درجہ تقرب کے خلفاء وقت نے آپ کو بیعت کرنے کے لیے اس قدر مارا کہ آپکی گردن ٹیڑھی ہو گئی جو آپکی وفات تک ویسی ہی رہی۔ کتاب کامل بہائی ۲ میں ہے کہ جب جناب سلمان نے آل پیغمبرؐ کی پیروی میں خلیفہ اول کی بیعت نہیں کی تو خلیفہ دوم نے ان سے کہا کہ بنی ہاشم نے تو اس وجہ سے بیعت نہیں کی کہ وہ اپنے کو ہم لوگوں سے افضل کہتے ہیں مگر تم کو کیا ہوا کہ بیعت سے تخلف کرتے ہو؟ جناب سلمان نے جواب دیا انا شیعة لهم فی الدنیا والاخرة اتخلف بتخلفهم وابایع ببیعتهم میں ان حضرات کا شیعہ ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ حضرات بیعت سے تخلف کرینگے تو میں بھی تخلف کروں گا۔ اور اگر یہ حضرات بیعت کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ جناب سلمان یہ بھی فرماتے تھے انا بایعنا النبی علی نصح المسلمین والایتمام بعلی بن ابی طالبؑ میں نے رسولؐ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ مسلمانوں کی بھلائی کروں گا اور حضرت علیؑ کو اپنا امام سمجھوں گا۔ مختصر یہ کہ آپکا ہر امر میں جناب امیرؑ کی پیروی کرنا اور ہر حالت میں جناب امیرؑ سے مخصوص رہنا بالکل واضح ہے (مجالس المومنین صفحہ ۸۹)

جناب عمار بن یاسر

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسر مکہ میں آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیّہ تھا شادی کردی۔ عمار انہی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ انکے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا سمیّہ حضرت عمار کی والدہ تھیں۔ ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں۔ یاسر حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے" (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۴۹) اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں عمار کی کنیت ابو الیقظان

تھی۔ یہ اُن لوگوں میں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی۔ اُنکی والدہ سمیہ تھیں اور وہ پہلی خاتون ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید کی گئیں۔ جناب عمارؓ تیس سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے۔ یہ اللہ کی راہ میں بیحد ستائے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۱۶)

مسئلہ تقیہ

جناب عمار کا واقعہ اسلام کے مشہور مسئلہ تقیہ کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ تمام مؤرخین و مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیہ مبارکہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان جو شخص کفر کی طرف مجبور کیا جائے مگر دل اسکا ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں (پ ۱۴ ع ۲۰) جناب عمار ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مشرکوں نے پکڑکر مارنا شروع کیا اور کسی طرح نہیں چھوڑا یہاں تک کہ انھوں نے نبی صلعم کی برائی بیان کی اور اُن کے معبودوں کی تعریف کی۔ اُس وقت کافروں نے انکو چھوڑ دیا۔ پھر جب یہ رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا خبر لائے ہو۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ بہت ہی بُری خبر ہے۔ میں اس سبب سے زندہ بچکر آیا کہ میں نے آپکی برائی بیان کی اور اُن کے معبودوں کی تعریف کی حضرت نے پوچھا کہ تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟ انھوں نے عرض کی کہ دل تو ایمان پر قائم ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اب بھی وہ تم سے ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کرنا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۸ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۲۵) علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ھذا مما اجتمع اھل التفسیر علیہ۔ یہ وہ امر ہے جس پر کل علما علم تفسیر کا اجماع ہے۔ مؤرخین بھی باتفاق لکھتے ہیں کہ جناب عمار کو اس طرح تقیہ کرنے کا حکم حضرتؐ نے دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۴ وطبری و خمیس و سیرت حلبیہ و سیرت ابن ہشام وغیرہ) مگر ان حضرات کی قوت ایمانیہ قابل ملاحظہ ہے کہ کانوا یخرجون عمارا وابا ہ وامہ الی الابطح اذا حمیت الرمضاء یعذبونھم بحر الرمضاء فمر بھم النبی فقال صبرا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ فمات یاسر فی العذاب واغلظت امرأتہ سمیۃ القول لابی جھل فطعنھا فی قبلھا بحربۃ فی یدہ فماتت وھی اول شھید فی الاسلام وشدد العذاب علی عمار بالحرارۃ وبوضع الصخر احمر علی صدرہ اخری وبالتغریق اخری۔ لوگ جناب عمار اور ان کے باپ ماں کو جلتے ہوئے پتھر پر لٹاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رسولخدا اُدھر سے گزرے تو فرمایا کہ اے آل یاسر صبر کرو کیونکہ تم لوگوں کی وعدہ گاہ جنت ہے۔ یاسر تو اسی عذاب میں مرگئے اور سمیہ نے ابوجہل کو برابر کا جواب دیا تو اس نے آپکی اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے وہ فوراً جاں بحق تسلیم ہوگئیں اور یہ اسلام میں پہلی شہید بی بی ہیں۔ اور جناب عمار پر لوگوں نے اور زیادہ سختی کی کبھی ان کو جلتی دھوپ میں لٹاتے اور کبھی ان کے سینے پر پتھر کو خوب گرم سرخ کرکے رکھ دیتے اور کبھی ان کو پانی میں ڈبوتے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۴) ایک مرتبہ رسول خدا صلعم کا گزر عمار بن یاسر کی طرف ہوا وہ رو رہے تھے اور [illegible]

آنکھیں مل رہے تھے۔ رسول خدا نے پوچھا کہ کیا حال ہے کیا کافروں نے تمہیں پکڑ کر پانی میں غوطہ دیا اور تم نے ایسا ایسا کہا۔ اگر اب پھر وہ ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کہہ دینا۔ سعید بن جبیر کہتے تھے میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ کیا مشرکین مسلمانوں کو ایسا ستاتے تھے کہ مسلمان اپنے دین کے چھوڑ دینے میں معذور سمجھے جاتے تھے؟ انھوں نے کہا اللہ کی قسم بہت ستاتے تھے۔ بھوکا رکھتے تھے۔ پیاسا رکھتے تھے کہ اٹھ کر بیٹھنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ کہتے تھے جو کچھ ہم چاہتے ہیں اسکو منظور کرو اور کہو لات و عزیٰ ہمارے معبود ہیں۔ اللہ ہمارا معبود نہیں ہے۔ جب وہ ایسا کہہ دیتے تھے تو چھوڑے جاتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی جانور اُنکی طرف سے نکلتا تو کہتے کہ یہی تیرا معبود ہے۔ اللہ تیرا معبود نہیں۔ جان بچانے کے لیے اس کا بھی[1] اقرار کرنا پڑتا تھا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۶۲)۔ حضرت عمار نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور غزوۂ احد و خندق و بیعت الرضوان میں رسول خدا صلعم کے ساتھ شریک تھے۔ اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جناب عمار بن یاسر غزوۂ احد وغیرہ میں بھی شریک تھے۔ آں حضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ لوگ عمار کی روش سیکھو۔ مسلمانوں میں خالد بن ولید کا بڑا درجہ مانا جاتا اور ان کو سیف اللہ کا لقب دیا جاتا ہے مگر جناب عمار کے مقابلہ میں خالد بھی کوئی چیز نہیں تھے۔ خود خالد کہتے تھے کہ میرے اور عمار کے درمیان کچھ گفتگو ہو گئی تو میں نے ان کو سخت بات کہی اس پر عمار میری شکایت کرنے حضرت رسول خدا کے پاس گئے۔ اسکے بعد میں بھی آں حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت عمار میری شکایت کر رہے تھے۔ وہاں بھی میں نے ان کو سخت باتیں کہیں لیکن حضرت رسول خدا صلعم چپ بیٹھے ہوئے تھے کچھ بولتے نہیں تھے۔ میری گالی دینے پر عمار رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ خالد کا ظلم ملاحظہ نہیں فرماتے۔ تب حضرت رسول خدا نے سر اٹھایا اور فرمایا جو شخص عمار سے دشمنی رکھے جو شخص عمار سے بغض رکھتا ہے اللہ بھی اسکو اپنا مبغوض بنا لے۔ خالد کہتے تھے اس وقت مجھ کو دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ کسی طرح عمار مجھ سے راضی ہو جائیں۔ چنانچہ میں وہاں سے نکل کر عمار سے ملا تو وہ راضی ہو گئے[2] حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ عمار ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں گئے اور اندر جانے کی اجازت مانگی تو آں حضرت نے ان کو یہ الفاظ کہہ اجازت دی مرحبا بالطیب المطیب یعنی پاک اور پاکیزہ کیے گئے

---

[1] سمجھ دار مسلمان آج بھی اسی اصول پر عمل کرتے ہیں کہ جان بچانے کے لیے اپنے ایمان کو چھپا کر کوئی دشمن کی خواہش کے مطابق کوئی بات زبان سے کہہ دیتے ہیں اور اسی کو تقیہ کہتے ہیں جس کا حکم قرآن مجید میں بھی خدا نے کئی مقام پر دیا ہے مگر افسوس بعض لوگ ایسے ہیں کہ تقیہ پر اعتراض کر کے اس کا خوب مضحکہ اڑاتے اور قرآن مجید کے حکم اور رسول خدا صلعم کی احادیث سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ خدا اُن لوگوں کو سمجھ دے ۱۲

[2] معلوم نہیں بعض صحابہ کی تہذیب کیسی تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے سامنے بھی وہ اپنے بُرے اخلاق سے باز نہیں آتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو خالد کو اپنا عیب پوشیدہ رکھنا چاہیے تھا مگر یہ وہاں بھی اسی طرح بدزبانی کرتے رہے۔ از مترجم ۱۲

گئے صحابی کے لئے جگہ بہت کشادہ ہے وہ خوشی سے آئیں)۔ رسول خدا نے فرمایا کہ عمار کے سامنے جب کبھی دو باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ اُسی کو اختیار کرتے ہیں جس میں نیکی اور خوبی زیادہ ہوتی ہے۔ جناب عمار کا ایک کان کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا اس وجہ سے ایک شخص نے حضرت عمار سے کہا اے کن کٹے غلام۔ اُنھوں نے کہا میرے کان کی خبر اس قدر مشہور ہوگئی؟ جناب عمار پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے مسجد بنائی کیونکہ جب آں حضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے چند پتھر جمع کئے اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ پس یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو بنائی گئی۔ جناب عمار مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شریک تھے۔ آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں سب کے بیان کرنے طول ہوگا۔ خلیفہ دوم ان کے بارہ میں لکھتے ہیں ھو من نجباء اصحاب محمدؐ عمار حضرت رسول خدا صلعم کے برگزیدہ اصحاب سے تھے۔ یہ حضرت علیؑ کی خدمت میں رہنے لگے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ جنگ جمل اور صفین میں شریک ہوئے جن میں آپ نے بڑے کارنمایاں انجام دیئے۔

جنگ صفین میں جناب عمار کے کارنامے

ایک شخص بیان کرتا تھا کہ ہم جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے ہم نے دیکھا کہ جس طرف عمار جھکتے تھے تمام اصحاب نبی اُسی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا عمار اُن سب کے رہنما ہیں۔ ہم نے اُس دن عمار سے یہ بھی سنا کہ ایک شخص سے کہہ رہے تھے تم جنت سے بھاگتے ہو دیکھو جنت تلوار کی باڑھ کے نیچے ہے (کیونکہ یہ حضرت علیؑ کی حمایت میں جہاد ہو رہا ہے) آج میں جا کر اپنے دوستوں (حضرت رسول خدا صلعم وغیرہ) سے ملوں گا واللہ اگر یہ لوگ ہم کو ماریں اور مقام ہجر تک بھگاتے ہوئے چلے جائیں تب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ میں حق پر ہوں اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ جناب عمار نے جنگ صفین میں کہا کہ پینے کی کوئی چیز میرے واسطے لاؤ۔ لوگ دودھ لے گئے جناب عمار دیکھ کر کہنے لگے حضرت رسول خدا صلعم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دنیا میں تمہارے پینے کی آخری چیز دودھ ہوگا۔ اس کے بعد اُنھوں نے لڑنا شروع کیا اور شہید ہوگئے اُس وقت عمر اُنکی ۹۴ سال کی تھی۔ خزیمہ بن ثابت جنگ جمل میں شریک تھے مگر اُنھوں نے تلوار نہیں چلائی۔ وہ صفین میں بھی شریک تھے مگر لڑے نہیں اور یہی کہتے رہے کہ جب تک عمار شہید نہیں ہو جائیں گے میں نہیں لڑوں گا میں دیکھوں کہ اُنکو کون قتل کرتا ہے کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار افسوس عمار کو باغی گروہ قتل کریگا۔ عمار اُس گروہ کو جنت کی طرف بلاتے ہونگے اور وہ گروہ عمار کو جہنم کی طرف بلاتا ہوگا۔ جب عمار شہید ہوگئے تو خزیمہ نے کہا کہ اب مجھ کو (معاویہ والوں کی) گمراہی ظاہر ہوگئی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔ جناب عمار زخمی ہوئے تو مرتے وقت وصیت کی مجھ کو انھیں کپڑوں میں دفن کر دینا میں انھیں کپڑوں کے ساتھ خدا کے سامنے جاؤں گا۔ اور آپ کے قتل کے بارے میں دو شخص اختلاف کرنے لگے۔ ایک کہتا تھا میں نے قتل کیا دوسرا کہتا تھا میں نے قتل کیا۔ عمرو عاص نے سنا تو کہا خدا کی قسم یہ دونوں ہی دوزخ کے لئے لڑتے ہیں (کیونکہ عمار کا قاتل یقیناً دوزخی ہے)

واللہ میں اس وقت آرزو کرتا ہوں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے میں مر گیا ہوتا تاکہ میں بھی معاویہ کی طرف ہونے کی وجہ سے دوزخ میں نہ جاتا)۔ جناب عمار یاسر ربیع الثانی ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔ حضرت علیؑ نے انہیں بغیر غسل کے انہیں کپڑوں میں دفن کیا۔ جناب عمار کا رنگ گندمی قد لانبا سینہ کشادہ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں بال سفید ہو گئے تھے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۵)۔ جناب عمار کی زندگی شروع سے آخر تک مصائب ہی میں بسر ہوئی۔ کفار آپ پر جو مصیبتیں ڈھاتے تھے وہ پہلے بیان ہو چکیں۔ حضرت عثمان خلیفہ سوم نے بھی اپنے زمانہ میں آپ کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے اور ان کے پیٹ اور پیڑو پر خود اتنی لاتیں ماریں کہ عارضہ فتق لاحق ہو گیا۔

معاویہ اور حضرت علیؑ میں جنگ تھی تو معاویہ والوں کا بیان تھا کہ ہم حق پر ہیں۔ مگر حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں پیشینگوئی فرما دی جس سے معاویہ کا باطل پر ہونا یقینی تھا۔ مورخین نے تصریح کیا ہے و فی الصحیح المتفق علیہ ان رسول اللہ قال یقتل عمارا الفئۃ الباغیۃ صحیح حدیث میں جس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا عمار کو گمراہ جماعت والے قتل کریں گے۔ (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ و تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ وغیرہ)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی حضرت رسول خدا صلعم کی یہ حدیث موجود ہے۔

جناب عمار سے ہم لوگوں کو ثابت قدمی کا ایسا سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہاتھوں میں برچھا تھا اور یوں پڑھتے جاتے تھے ھذہ حربۃ قاتلت بھا مع رسول اللہ ثلاث مرات وھذہ الرابعۃ۔ یہ وہ حربہ ہے جس سے میں نے حضرت رسول خدا صلعم کی حمایت میں تین مرتبہ جہاد کیا ہے اور اب یہ چوتھی مرتبہ ہے (ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت علیؑ کو حضرت رسول خدا کی طرح اور حضرت علی کی حمایت کو حضرت رسول خدا کی حمایت کی مثل سمجھتے تھے۔ اس وقت آپ یہ رجز پڑھتے تھے

قتلناکم علی تاویله　　کما قاتلناکم علی تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقیله　　ویذهل الخلیل عن خلیله

اے معاویہ والو اب بھی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کی تاویل پر اسی طرح جہاد کر رہے ہیں جس طرح تم لوگوں سے قرآن مجید کی تنزیل پر پہلے بھی جہاد کر چکے ہیں۔ ہم ایسی جنگ کریں گے کہ سر اپنے ٹھکانے سے اڑتے نظر آئیں گے۔ اور ایک دوست دوسرے دوست کو بھول جائے گا (ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۸۲) جناب عمار یاسر کے شہید ہونے پر حضرت علیؑ کو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ آپ کو حضرتؑ بہت مانتے تھے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے اپنی فوج کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان ائمہ کفر سے لڑو یقیناً ان کے ایمان نہیں ہے۔ جناب عمار کی شہادت نے بہت سے غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور متعدد اعیان مہاجرین و انصار وغیرہ نے کہا کہ جب عمار یاسر مارے گئے تو جو تھوڑا سا شبہ ہم لوگوں کو تھا وہ بھی زائل ہو گیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ معاویہ اور اس کے ہمراہی باغی ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ بالکل ثابت قدم ہیں [1]۔

مقداد ابن عمرو حضرت رسول خدا صلعم کے مقدس صحابی تھے۔ آپ کو مقداد کندی بھی کہتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ پھر حبشہ

[1] لطف یہ ہے کہ جب معاویہ سے لوگوں نے کہا کہ عمار کی شہادت سے ہم لوگ پریشان ہیں کہ ہم لوگوں کا کیا حشر ہو گا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۷۰ پر)

سے مکہ واپس آئے اور جب رسول خدا صلعم نے مدینہ کیجانب ہجرت فرمائی تو مقداد ہجرت نہ کرسکے بلکہ مکہ ہی میں رہے اسوقت تک کہ رسول نے عبیدہ بن حارث کو ایک سریہ کا افسر کرکے بجانب مکہ روانہ فرمایا۔ یہ لوگ مشرکون کی اس جماعت سے ملے جن کا سردار عکرمہ بن ابوجہل تھا اور مقداد و عتبہ بھی مشرکوں کے ساتھ نکلے تھے انکا ارادہ یہ تھا کہ کسی حیلہ سے مسلمانوں کی جماعت تک پہونچ جائیں۔ غرض دونوں فریق ملے مگر لڑائی سے باز رہے۔ پھر موقع پاکر مقداد و عتبہ مسلمانوں کی جماعت میں مل گئے۔ مقداد غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اس غزوہ میں ان سے کار نمایاں ظاہر ہوئے۔ جب رسولؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور حضرتؐ کو یہ خبر پہونچی کہ قریش روانہ ہوچکے ہیں اور اُن کا قصد ہے کہ قافلہ کو سفر سے روک دیں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں جناب مقداد نے حضرت رسول خدا صلعم کی اطاعت و رضاجوئی کا حضرت ابوبکر سے زیادہ ثبوت دیا کیونکہ ان دونوں صاحبوں کے مشورہ سے حضرت رسول خدا صلعم کو رنج پہونچا۔ دونوں حضرات نے کفار کی تعریف کی جس سے آں حضرتؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ علامہ سید احمد زینی دحلان نے لکھا ہے کہ فتکلم ابو بکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ۔ آں حضرتؐ کے سوال پر حضرت ابوبکر بولے تو آں حضرتؐ نے اُنکی طرف سے منھ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بولے تو آں حضرتؐ نے اُنکی طرف سے بھی منھ پھیر لیا (سیرت محمدیہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱) اور بار بار آپ فرماتے رہے کہ پھر تم لوگ مشورہ دو۔ آخر جناب مقداد نے کہا انا لا نقول لک کما قال اصحاب موسیٰ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ولکن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکم متبعون۔ یا حضرت ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ کے اصحاب نے اُن سے کہی تھی کہ اے موسیٰ آپ اور آپکے اللہ جائیں اور آپ دونوں جہاد کریں۔ ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں۔ ہم بھی آپکے ساتھ ہیں (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) جناب مقداد نے یہ بھی کہا قسم اس ذات پاک کی جس نے آپکو نبی بناکر دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ ہم سب کو برک غماد تک لے چلیں گے تب بھی ہم آپکے ساتھ ہوکر تندہی اور جانفشانی سے ان لوگوں کا مقابلہ کرینگے جو برک غماد سے اس طرف ہیں اور آپ مقام مطلوب تک بہ آسانی پہونچ جائیں گے۔ آپکی اس تقریر پر حضرت رسول خداؐ کا وہ صدمہ زائل اور غیظ و غضب رفع ہوگیا جو حضرت ابوبکر و عمر کے جواب سے پیدا ہوگیا تھا اور آپ نے جناب مقداد کی تعریف کی اور اُنکے واسطے دعا فرمائی۔ راوی کہتا ہے کہ اس بات پر رأیت رسول اللہ تشرق وجھہ بذلک وسر واعجبہ۔ میں نے دیکھا کہ حضرت رسول خداؐ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا آپ کو بڑی مسرت ہوئی اور اس بات کو آپنے نہایت درجہ پسند کیا۔ جناب مقداد حضرت رسول خدا کے ساتھ جنگ بدر اور احد اور کل غزوات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹)

کیونکہ یہ وہ شخص تھے جن کے قاتل کو رسولؐ اللہ نے بددعا دی تھی۔ تو معاویہ نے کیا بات بنائی کہ عمار کو ہمنے قتل نہیں کیا۔ پوچھا گیا پھر کس نے قتل کیا۔ جواب دیا علیؑ نے۔ کیونکہ وہی ان کو جنگ کے لیئے لائے تھے۔ اس کا جواب کیا خوب دیا گیا کہ پھر حمزہ کو بھی رسول خداؐ ہی نے قتل کیا کیونکہ حضرتؐ ہی ان کو جنگ کے لیئے غزوۂ احد میں لائے تھے ۱۲

شریک رہے ہو حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ وہ خود بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے کسی نے سوال کیا کہ یا حضرت انکے نام بتا دیجئے تو فرمایا وہ علیؑ۔ ابوذر سلمان اور مقداد ہیں۔ جناب مقداد فتح مصر میں شریک تھے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں آپ نے بمقام جرف اپنی زمین میں ۳۳ھ میں وفات پائی۔ اور مدینہ میں آپکی لاش آئی اور وہیں آپ دفن کیے گئے آپکی عمر ۷۰ سال کی ہوئی جناب مقداد کی یہ جلالت قدر تھی کہ ایک مرتبہ وہ اور عبدالرحمن بن عوف بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ عبدالرحمن نے کہا اے مقداد تم شادی کیوں نہیں کرتے۔ مقداد نے کہا تم اپنی بیٹی سے کر دو تو میں کر لوں۔ عبدالرحمن نے اس بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نہایت درجہ غضبناک ہو کر مقداد کو بہت کچھ گالیاں دیدیں۔ مقداد نے اسکی شکایت حضرت رسول خدا صلعم سے کی تو حضرتؐ نے فرمایا کچھ پرواہ نہیں تمھاری شادی میں کر دیتا ہوں۔ اسکے بعد حضرتؐ نے اپنی چچازاد بہن ضباعہ دختر زبیر بن عبدالمطلب سے انکی شادی کر دی (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۳) آپکی موت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ آپ بلغمی موٹے آدمی تھے۔ پیٹ بھی نکلا ہوا تھا۔ آپکے پاس ایک رومی غلام تھا۔ اس کمبخت نے کہا میں آپکا پیٹ چاک کر کے چربی نکال دیتا ہوں اس سے آپکا بلغم نکل جائیگا اور آپ ہلکے ہو جائینگے آپنے اسکی بات مان لی۔ اس نے آپکا پیٹ چاک کر کے پھر سی دیا جس سے آپ انتقال کر گئے اور وہ غلام بھاگ گیا (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۳) پہلے سات شخص جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان میں آپ بھی تھے۔ وکان من الفضلاء الکبار الخیار من اصحاب النبیؐ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے فاضل نجیب عظیم الشان اور نیکوکار صحابہ سے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کو سات شریف وزیر اور رفیق ملتے تھے اور مجھے چودہ ملے ہیں۔ جن میں حمزہ۔ جعفر۔ علیؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔ سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد۔ بلال بھی ہیں۔ جب آپ مدینہ میں پہنچے تو حضرتؐ کے ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۹۰) جناب مقداد اور حضرت علیؑ میں بڑے اچھے مراسم تھے اور آپ حضرتؐ کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ ملا ابو القاسم دمشقی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ نے حضرت سیدہؑ سے دوپہر کا کھانا طلب کیا جناب سیدہؑ نے قسم کھائی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور حیا کی وجہ سے آپ سے ذکر نہ کر سکیں۔ حضرتؑ اسی فکر میں باہر نکلے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے دیکھا کہ مقداد با حال پریشاں چلے آ رہے ہیں دھوپ کی شدت سے انکا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور صورت بدل گئی ہے۔ حضرتؑ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے اسوقت کچھ نہ پوچھیے اور مجھے جانے دیجئے۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا بھائی تم کو تو یہ مناسب نہیں کہ اپنا حال مجھ سے چھپاؤ۔ تب جناب مقداد نے عرض کی مولا! میں کیا کہوں۔ میرے بچے اسوقت بھوک سے رو رہے ہیں اور مجھ سے ان کا حال تباہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ آپنے فرمایا اے بھائی جو باعث تمھارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی مجھے بھی درپیش ہے۔ مگر میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ کہکر وہ دینار ان کے حوالہ کیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آئے۔ یہاں خدا نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ اہلبیت خود بھوکے رہتے ہیں مگر دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں (پ ۲۸ س ۲)۔ جامع صغیر علامہ سیوطی میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان الجنۃ لتشتاق الی اربعۃ علیؑ وعمار وسلمان ومقداد۔ یقیناً بہشت چار شخصوں کی مشتاق ہے۔ علیؑ عمار سلمان اور مقداد کی (مجالس المومنین مطبوعہ ایران ورق ۴۱)

جناب جابر بن عبداللہ انصاری

آپ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں۔ اور خوش قسمت ایسے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ حضرتؐ کے پانچ جانشین (جناب امیرؑ، حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام حسینؑ۔ حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ) کا زمانہ پایا اور ان حضراتؑ کی صحبت میں رہکر ارشاد و ہدایات سے مستفیض ہوتے رہے سلسلۂ نسب یہ ہے جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن اسلمہ۔ آپ انصاری ہیں آپ کی جائے ولادت بھی مدینہ منورہ ہی ہے۔ آپ بیعت عقبۂ ثانیہ میں بحالت صغر سن اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ میں حضرت رسول اللہؐ کے ساتھ ۱۹ غزوے میں شریک ہوا مگر غزوۂ بدر و احد میں شریک نہیں ہو سکا کیونکہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا۔ جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرتؐ سے جدا نہیں ہوا۔ آپ کہتے تھے کہ رسول خداؐ نے میرے لئے اونٹ والی رات میں ۲۵ بار استغفار کیا۔ اونٹ والی رات سے مراد وہ رات ہے جس میں انھوں نے رسول خداؐ کے ہاتھ ایک اونٹ بیچا تھا[۱] اور یہ شرط کر لی تھی کہ مدینہ تک میں اس پر سوار ہو کر چلوں گا۔ یہ واقعہ ایک جہاد کا ہے۔ غرض آپ برابر آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ اس سبب سے آں حضرتؐ کی حدیثیں بھی بکثرت نقل کیں۔ آپ جنگ صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ بھی تھے (استیعاب جلد ۱ ص) حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جابر آخر شخص ہیں جو اصحاب پیغمبرؐ سے رہ گئے تھے اور انکی بازگشت ہم اہلبیتؑ کی طرف ہوئی فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ جابر ان اصحاب سابقین سے تھے جو آنحضرتؐ کے بعد جناب امیرؑ کے شیعوں میں داخل ہوئے۔ اور ابن عقدہؒ نے بھی جو اکابر محدثین اہلسنت سے ہیں تصریح کر دی ہے کہ جابر نے خلفائے ثلثہ کو ترک کر کے دامن اہلبیتؑ سے تمسک کیا۔ اور انھیں حضرات کی متابعت میں عمر بسر کر دی۔

آپکی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ کربلا کے خونی واقعہ کے بعد حضرت امام حسینؑ کے روضۂ منورہ کی زیارت کا شرف سب سے پہلے جناب جابر ہی کو حاصل ہوا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "جب حضرات اہلبیتؑ قید سے چھوٹ کر چلے تو رہبر سے کہا کہ ہم کو کربلا کی طرف سے لے چلو۔ اس طرح یہ حضرات دوبارہ کربلا میں داخل ہوئے تو جابر بن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کی ایک جماعت اور آل رسولؐ کے ایک گروہ کو کربلا میں پایا جو سب روضۂ امام حسینؑ کی زیارت کو حاضر ہوئے تھے دونوں قافلے جس وقت ملے ہیں شور و گریہ کا نعرہ بلند کیا۔ ہر شخص اپنے منہ پر طمانچہ مارنے لگا اور ایسا کہرام بپا ہوا کہ اس کو سن کر غیروں کے جگر بھی ٹکڑے ہونے لگے" (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۹) اور زیارت اربعین کی تاکید پر چند وجہوں کو لکھ کر اسکو ضعیف قرار دیکر تحریر فرمایا ہے حدیث سے دو معقول وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلے جو بزرگ آنحضرت صلعم کے صحابہ سے جناب امام حسینؑ کے روضہ کی زیارت کیلئے آئے اور اس شرف کو حاصل کیا۔ وہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری تھے اور وہ اسی روز اربعین کو کربلا میں پہونچے اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ حضرت امام حسینؑ

---

[۱] اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہے کہ ان کے پاس ایک اونٹ تھا جو کسی طرح چلائے نہ چلتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اسے اپنے دست مبارک سے مارا تو وہ ایسا تیز ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ پھر حضرتؐ نے وہ اونٹ ان سے مول لے لیا اور مدینہ منورہ پہونچکر اسکی قیمت انھیں دے دی اور وہ اونٹ بھی اُن کو بخش دیا ۱۲

کی زیارت بھی کی۔ اور چونکہ جناب جابر بزرگ صحابہ سے تھے اور اس عظیم الشان عبادت (زیارت امام حسینؑ) کی بنیاد انھیں نے قائم کی اس سبب سے ہوسکتا ہو کہ آج کے روز حضرت امام حسینؑ کی زیارت کا پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہو (زادالمعاد اعمال اربعین) اس بیان سے آپکی جلالت قدر انتہائے کمال پر ہو پہنچگئی کہ محض آپکے سبب سے خدا نے حضرت امام حسینؑ کی زیارت بروز اربعین کا خاص شرف و فضل مقرر کیا۔ غرض خاندان رسالت مآب صلعم سے آپکی خصوصیات بہت زیادہ ہیں منجملہ انکے ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب کربلا سے لٹ کر مدینہ میں جناب زینبؑ اپنے بھائی کے غم میں زندگی بسر کرنے لگیں تو آپنے ملاحظہ فرمایا کہ آپکے بھتیجے سید سجاد عبادت خدا میں ہلاک ہوئے جاتے ہیں اور کسی طرح اس سے آپ سیر ہی نہیں ہوتے تو انکی حالت پر بے چین ہو کر خود جناب جابر بن عبداللہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان سے کہلا بھیجا کہ بزرگوار آپ جلیل القدر صحابی ہیں آپ جانتے ہیں کہ آپ پر ہمارے خاندان کے کتنے حقوق ہیں۔ انمیں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ دیکھیں کہ ہم میں کا کوئی شخص عبادت خدا میں ہلاک ہو رہا ہو تو اسکو خدا کا واسطہ دیکر اپنی حالت پر رحم کرنے کے لیے آمادہ کریں۔ دیکھئے سید سجاد عبادت خدا میں کس قدر متغیر ہو گئے ہیں۔ جابر آپ جانتے ہیں کہ اب میرے بھائی کی نشانی روئے زمین پر یہی فرزند رہ گیا ہے جو تمام خاندان کا ملجا و ماویٰ ہے۔ آپ ان سے کہیئے کہ وہ اپنی حالت پر رحم کریں (امالی و مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ ص۲۱۱) ابوالزبیر مکی کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے دریافت کیا کہ علی ابن ابی طالب کیسے شخص تھے۔ جناب جابر کی بھویں بڑھاپے سے آنکھوں پر لٹک آئی تھیں انکو الٹ کر انھوں نے کہا خدا کی قسم وہ خیر البشر تھے۔ خدا کی قسم ہم لوگ جناب رسالت مآب صلعم کی زندگی میں منافقوں کو حضرت علیؑ کے بغض و عداوت سے پہچان لیتے تھے (جو شخص حضرت علیؑ سے بغض رکھتا تھا وہ سچا مسلمان نہیں۔ بلکہ منافقین کی جماعت سے ہوتا تھا جو اسلام کے مٹانے کے درپے رہتے تھے)[1]

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ اصحاب رسول سے جو لوگ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے ان سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے وہ ہم اہلبیتؑ سے متمسک رہے۔ دور آخر میں انکی یہ حالت تھی کہ مسجد رسول صلعم میں سیاہ عمامہ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم (اے علم کے باقر) پکارا کرتے۔ مدینہ والے یہ سنکر کہتے کہ یہ جابر کیا مہملات بکا کرتے ہیں۔ جس کا جواب جناب جابر دیتے کہ خدا کی قسم میں لغو نہیں بکتا ہوں۔ بلکہ مجھ سے جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا تھا کہ انک ستدرک رجلا منی اہل بیتی اسمہ اسمی شمائلہ شمائلی یبقر العلم بقرا۔ اے جابر تم میرے اہلبیت کے ایک فرزند سے ملوگے جس کا نام میرا نام اور جسکی صورت و سیرت میری صورت سیرت ہوگی۔ وہ کل علوم کا باقر ہوگا۔ اسی قول رسولؐ کی وجہ سے میں اس باقر علوم کو پکارتا ہوں چنانچہ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعۃً اس گلی میں پہونچ گئے جس میں مدرسہ تھا[2] اور وہاں حضرت محمد باقرؑ

---

[1] رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص۲۷۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرات اہلسنت کی کتابوں میں بھی بکثرت ہیں (ازالۃ الخفاء ص۲۶۲)۔ سنن نسائی ص۲ میں ہے قال رسول اللہ لعلی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق۔ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا جو مومن ہوگا وہ تمکو ضرور دوست رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہی تم کو دشمن رکھے گا اور امام ترمذی نے ابو سعید خدری سے اور امام احمد بن حنبل نے مجاہد بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ قال ولکنا نعرف المنافقین ببغضھم علیاً۔ [illegible] کہا ہم لوگ منافقوں کو اس ذریعہ سے پہچان لیتے تھے کہ وہ حضرت علیؑ کو دشمن رکھتے تھے ۱۲

[2] یہ حضرات خدا کے آگے پڑھا کر بھیجے جاتے اور خود اپنے بزرگوں کے ساتھ رہتے تھے مگر ملکی ہو دلبستگی کے لیے کبھی کبھی درسوں میں بھیج دیے جاتے ہوں تاکہ لڑکوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے گھبرائیں نہیں ۱۲

حضرت علیؑ (زین العابدین) بن حسینؑ تشریف فرما تھے۔ جناب جابر نے آپکو دیکھا اور رسالت مآب صلعم کے حلیہ سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے ذرہ میری طرف رُخ کیجئے۔ حضرتؑ نے ایسا ہی کیا۔ پھر اُنھوں نے کہا اب ذرہ پشت ادھر کیجئے۔ جب وہ پشت دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہو یہ شمائل رسول خدا صلعم ہیں۔ اور پوچھا صاحبزادے آپ کا اسم گرامی! فرمایا محمد بن علیؑ۔ یہ سنکر جناب جابر دوڑ پڑے اور حضرتؑ کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا یا حضرت! میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں حضرت رسول خدا صلعم نے آپکا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ آں حضرتؑ کا سلام آپکو پہونچا دوں اس کا جواب حضرتؑ نے دیا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھی سلام پہونچے اور آپ بھی میرا سلام قبول کیجئے۔ اسکے بعد جناب جابر نے عرض کی یا حضرتؑ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، بروز قیامت آپ میری شفاعت کی ضمانت فرمالیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا اے جابر میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی ص۲۹)۔ اسکے بعد جناب جابر نے عادت کر لی کہ ہر روز بلاناغہ صبح وشام حضرت باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے جس پر اہل مدینہ تعجب اور مضحکہ کرتے کہ جابر کو کیا ہو گیا ہے جو اسکے خدمت میں اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں وکان جابر واللہ یاتیہ یتعلم منہ۔ خدا کی قسم جابر امام محمد باقرؑ سے علم حاصل کرتے تھے۔ اور یہ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا جناب جابر ہاتھ میں عصا لئے ہوئے مدینہ کی گلیوں اور لوگوں کے مجمعوں میں گھومتے پھرتے اور کہتے جاتے تھے علیؑ خیر البشر من ابیٰ فقد کفر۔ معاشر الانصار ادبوا اولادکم علی حب علی فمن ابی فلینظر فی شان امہ۔ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد سب لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں۔ جو شخص اس سے انکار کریگا وہ کافر ہے۔ اے انصار والو تم لوگ اپنی اولاد کو حضرت علیؑ کی محبت سکھاؤ۔ اور اگر کوئی بچہ حضرتؑ کی محبت سے انکار کرے تو اسکی ماں کی عفت کی تحقیق کرو کیونکہ یہ اُسی کے سبب سے ہے۔ جناب جابر اگرچہ معرفت و یقین کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لیکن پھر بھی صحابی ہی تھے امام نہ تھے۔ اس سبب سے معرفت کا وہ درجہ حاصل کر ہی نہیں سکتے تھے جو انبیاء و ائمہ طاہرینؑ سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جناب جابر آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تو حضرت امام محمد باقرؑ آپکی عیادت کو تشریف لیگئے اور حال پوچھا تو جناب جابر نے کہا میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے بہتر بیماری کو تندرستی سے اچھی اور مرنے کو زندہ رہنے سے افضل جانتا ہوں۔ یہ سنکر حضرت امام محمد باقرؑ نے تنبیہ اور ارشاد کے طور پر بیان فرمایا اے جابر! لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ اگر خدا ہمیں بوڑھا کر دے تو بڑھاپے ہی کو جوانی سے بہتر سمجھیں۔ اور جوان کر دے تو جوانی کو خوب سمجھیں اور اگر بیمار رکھے تو بیماری کو پسند کریں۔ اور اگر شفا عطا فرمائے تو شفا ہی میں راضی رہیں اگر موت دے تو موت ہی گوارا کریں اور اگر زندہ رکھے تو زندگی ہی کو اختیار کریں۔ بغرض خدا ہمیں جس حالت میں رکھے اُسی حالت کو اپنے لئے سب سے بہتر اور مناسب و نفع بخش سمجھیں۔ جناب جابر نے یہ سنا تو فرط مسرت سے کھڑے ہو گئے اور حضرتؑ کے ہاتھ کو بوسہ دیکر فرمایا صدق رسول اللہ فانہ قال لی ستدرک ولدا من ولدی اسمہ اسمی یبقر العلوم بقرا کما یبقر الثور الارض۔ حضرت رسول خدا صلعم نے کس قدر سچ فرمایا تھا کہ اے جابر تم میری اولاد سے ایک لڑکے سے ملوگے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم و معارف کو اسطرح شگافتہ کریگا جس طرح زمین کو بیل زراعت کیلئے شگافتہ کر دیتا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جناب جابر مرتبہ صبر پر فائز تھے اور جناب امام محمد باقرؑ مرتبہ رضا پر (مجالس المومنین ص۱۱۷)۔ علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے مسجد نبوی صلعم میں لوگ جابر کو حلقہ کئے رہتے اور آپ سے علوم

معارف حاصل کرتے تھے۔ آخر میں آپکی آنکھ کی بصارت جاتی رہی تھی۔ آپ اپنی ڈاڑھی اور سر میں زرد خضاب لگاتے تھے اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اصحاب رسول سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان میں آخر جناب جابر تھے۔ آپنے ۷۴ھ (غالباً ۶۹۳ء) میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپکے جنازے کی نماز نہ پڑھانے پائے (اصابہ جلد ا صـ۲۱۳)

حذیفہ بن یمان انصاری حضرت رسول خدا صلعم کے مقدس صحابی تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں احد وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ان کے والد اسی جنگ میں شہید ہوگئے تھے۔ انکا نام اسطرح لیا جاتا ہے۔ حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین۔ منافقوں کے حالات رسول خدا صلعم نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہیں بتلائے۔ حضرت عمر کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو جناب حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ اسکی نماز میں شریک ہوںگے؟ اگر وہ اسکی نماز میں شریک ہوتے تو حضرت عمر اُسکے جنازے کی نماز پڑھتے ورنہ ہٹ جاتے۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ آپکو منافقین کا حال کیسے معلوم ہوگیا حالانکہ ابوبکر وعمر کو بھی معلوم نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا شب عقبہ میں رسول کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرتؐ کو نیند آگئی تھی تو میں نے سنا کہ کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسول کو اونٹ سے گرادیں کہ انکی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگ انکے ہاتھ سے نجات پائیں۔ یہ سنکر میں انکے درمیان پہونچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس سے حضرتؐ بیدار ہوگئے۔ اور پوچھا کون؟ میں نے عرض کی حذیفہ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے سب کے نام بتائے حضرتؐ نے فرمایا یہ سب منافق ہیں مگر تم کسی کو انکے نام نہ بتانا۔ وکان عمر یسأل حذیفة عن حدیث العقبة ویسأله من علامات النفاق هل یری فیه شیئا منها حضرت عمر جناب حذیفہ سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ اے حذیفہ مجھ میں بھی نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟ (اسماء الرجال قلمی ورق ۱۲۸ و مدارج النبوۃ رکن ۴ صـ۲۳ وغیرہ) سلہ مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہتے۔ آخر حضرت عمر نے خود ہی اس بات کو کہہ دیا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: عن روایته قول عمر یا حذیفة بالله انا من المنافقین۔ زید بن وہب جو تابعین کے سب سے جلیل الشان لوگوں اور انکے معتمد علیہ حضرات میں ہیں روایت کرتے تھے کہ حضرت عمر نے خود فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال جلد ا صـ۲۱۲) جناب حذیفہ حضرت رسول خدا صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ اس سے بچیں۔ جب انپر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو انھوں نے بہت جزع کی اور روئے کسی نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟ کہا دنیا کے چھوٹنے پر نہیں روتا بلکہ اس پر کہ مجھے معلوم نہیں خدا کی رضامندی کی طرف جارہا ہوں یا ناخوشی کی طرف۔ انکی وفات ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں ہوئی۔

سعد بن عبادہ انصاری۔ قبیلہ انصار کے شریف اور سردار بزرگ تھے۔ تمام مشاہد میں انصار کا علم انھیں کے پاس رہتا تھا اور یہ انصار میں صاحب وجاہت وریاست تھے۔ رسول کے پاس ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا لاتے تھے۔ ایکدفعہ سعد آنحضرتؐ کو اپنے گھر میں لائے اور ایسی خصوصیت برتی کہ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی اے اللہ اپنا درود اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما۔ سعد بہت غیرتمند آدمی تھے۔ آنحضرتؐ نے انکی غیرت کی بھی مدح فرمائی ہے۔ جب رسول خدا صلعم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر وعمر سقیفہ میں جمع ہوکر خلافت کا انتظام کرنے لگے تو جناب سعد کو بہت رنج ہوا کیونکہ تمام انصار یا اکثر انصار یہی کہتے رہے کہ لانبایع الا علیا ہم لوگ حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کرینگے

سلہ یہ عجیب اور نہایت حیرت ناک بات ہے کہ جناب حذیفہ سے اس قدر اصرار کرنے پر بھی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اسے عمر رسول خدا صلعم نے منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور نہ آپ میں منافقین کی کوئی علامت نہیں ہے ۱۲-

(تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)۔ آپ نے نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور نہ حضرت عمر کی بلکہ شام کی طرف چلے گئے۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۱ھ یا ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں بمقام حوران انتقال کیا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ انکا مزار مشہور ہے جسکی زیارت آج تک ہوتی ہے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۹۲) جب آپنے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تو آپ پر بڑی بڑی سختیاں کی گئیں اور اس بات کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ آپ صحابی رسول ہیں۔ خود حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا آوازیں بلند ہو گئیں تو مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کر لوں انھوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے جھٹ بیعت کر لی پھر اور لوگوں نے بیعت کی پھر ہم لوگ سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے ان کو کسی طرح خدا نے بچایا کہ تم لوگوں نے سعد کو قتل کر ڈالا حضرت عمر نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے [illegible] اس بیعت سے ان کو موقع ملا اور [illegible] ہوا [illegible] خزرجی [illegible] اس غصہ میں کیوں انصار کی بیعت [illegible] انصار نے دیکھا کہ لوگ حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ اگر انصار ہی میں سے کوئی شخص خلیفہ مقرر کیا جائے اور کہنے لگے ایک حاکم ہم لوگوں سے ایک تم میں سے ہو۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے تو قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں جس پر انکے ساتھیوں نے کہا دیکھو۔ مگر حضرت عمر بولے سعد کو قتل کر ڈالو خدا بھی اسکو قتل کرے۔ پھر انکے سرپر چڑھ گئے اور کہنے لگے میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو اسطرح کچل ڈالوں کہ تمھارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمھارے کل دانت توڑ ڈالوں گا اور تم اپنے گھر اسطرح واپس جاؤ گے کہ تمھارے منھ میں کوئی بھی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے۔ تب حضرت عمر سعد کے اوپر سے اترے۔ اسوقت سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری وہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم اور تمھارے سب ساتھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تمکو ان لوگوں میں ملا دیتا جنکے تم رعیت بنکر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے اس جگہ سے اٹھا لے چلو (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲) آپ اس زمانہ میں عربی رسم الخط میں لکھتے تھے اور تیر نے نیز تیر اندازی میں بھی بہت ماہر تھے آپ ایسے سخی تھے کہ ایک عالیشان محل پر سے روز آپکی طرف سے منادی کیجاتی تھی کہ جسکو گوشت اور چربی کھانا ہو وہ چلا آئے۔ اہل صُفّہ سے ہر رات میں اسّی آدمیوں کو آپ لے جا کر کھلاتے پلاتے تھے (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۵)

حجر بن عدی

آپ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے مشہور اور جلیل القدر صحابہ سے تھے مگر آپکے حالات حضرت امیرالمومنین کے مخصوص صحابہ کے حالات میں لکھے جائیں گے کیونکہ آپکے واقعات زیادہ تر حضرت ہی کے زمانہ یا بعد سے متعلق ہیں آپکا قتل بھی بہت دردناک ہے۔

جناب عبداللہ بن عباس

حضرت رسول خدا اور جناب امیر کے چچا زاد بھائی اور جناب امیر کے خاص شاگرد بھی تھے۔ آپکو لوگ بحر اور حبرالامت بھی کہتے تھے۔ آپ حضرت رسول خدا کی حدیثوں خدا و رسول کے احکام شعر عربیت تفسیر قرآن حساب نیز حکمت کے بڑے علامہ تھے صحابہ میں جب اختلاف ہوتا کہ کس کی بات صحیح ہے تو لوگ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے۔ آپ حدیث قرطاس یاد کر کے بہت رویا کرتے اور کہتے افسوس رسول کو لوگوں نے وصیت نہیں لکھنے دی۔ آپکو حضرت علی نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت علی کیساتھ آپ جنگ صفین میں شریک تھے۔ آپنے سنہ ۶۸ھ میں بمقام طائف انتقال کیا۔ آپکے جنازہ کی نماز محمد بن حنفیہ نے پڑھائی۔ انکی وفات پر جناب محمد حنفیہ کہتے تھے واللہ اس امت کا عالم مر گیا۔ آپ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ آپ ہی کی روایت سے ہے جو صحیح بخاری۔ مسند احمد۔ کنز العمال وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔

پہلا باب (۱)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نسب

جناب عبدالمطلب تک حضرت علیؑ کا نسب وہی ہے جو حضرت رسول خداؐ صلعم کا ہے۔ جناب عبدالمطلب کے دو بیٹے (ایک ہی بیوی سے) جناب عبداللہ اور جناب ابوطالب ہوئے۔ جناب عبداللہ کے صاحبزادے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور جناب ابوطالب کے فرزند حضرت علیؑ ہیں۔ آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد تھیں۔

آپ کا نور کب خلق ہوا

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ کنت انا وعلی نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم باربعة عشر الف عام فلما خلق آدم قسم ذالک النور جزئین فجزء انا وجزء علی۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اس سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ خدا کے سامنے ایک نور میں تھے۔ پھر جب خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو اس نور کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ میں ہوں اور دوسرا حصہ علیؑ ہیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴)

تاریخ ولادت

۳۰ عام الفیل (غالباً ۵۹۹ء یا ۶۰۰ء) میں جب کہ حضرت رسول خدا صلعم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی ۱۳ رجب کو جمعہ کے دن حضرتؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرتؑ کے والد یا والدہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اور حضرتؑ نے بھی کبھی بت کو نہیں مانا۔ اسی وجہ سے جب حضرت علیؑ کا نام آتا ہے تو کرم اللہ وجہہ (خدا نے ان کے منہ کو ہمیشہ بتوں کے سجدے سے پاک رکھا) کہتے ہیں۔ (نورالابصار صفحہ ۷۶) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے واخرج ابن سعد عن الحسن بن زید قال لم یعبد الاوثان قط لصغرہ ای ومن ثم یقال فیہ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت علیؑ نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں پوجا اسی وجہ سے آپ کا نام لے کر لوگ کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۷۲)

جائے ولادت

یہ حضرت علیؑ کی عظیم الشان اور مخصوص فضیلت ہے کہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۱ ومطالب السؤل صفحہ ۳۷ وغیرہ)

نام نامی

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر و اسد، جناب ابوطالب نے زید اور خدا نے علی رکھا۔

کنیت

آپ کی کنیتیں متعدد ہیں مثلاً ابوالحسنؑ ۔ ابوالحسینؑ ۔ ابوالسبطین ۔ ابوالریحانتین ۔ ابوتراب ۔ ابومحمد ۔

القاب

کئی ہیں مثلاً صدیق اکبر ۔ فاروق اعظم ۔ امیرالمومنین ۔ امام المتقین یعسوب المسلمین

قائد الغر المحجلین ۔ المرتضیٰ ۔ اسد اللہ ۔ ولی اللہ ۔ بیضۃ البلد ۔ الوصی ۔ سید الوصیین قسیم النار والجنۃ ۔ حیدر کرار ۔ خاتم الوصیین ۔ امام البررہ ۔ قاتل الفجرہ ۔ حجۃ اللہ ۔ وارث رسول اللہ ۔ خلیفۃ رسول اللہ ۔ صالح المومنین ۔ مولی المومنین ۔ قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین ۔ الصفی ۔ نفس الرسول ۔ سیف اللہ ۔ خیر البشر ۔ الساقی ۔ ساقی کوثر ۔ ید اللہ ۔ احب الخلق الی اللہ وغیرہ ۔

پرورش علامہ زمخشری نے خصائص عشرہ میں لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم ہی نے حضرت علیؑ کا یہ نام رکھا ۔ اور آپ ہی اپنے لعاب دہن سے حضرت علیؑ کو بہت دنوں تک غذا دیتے رہے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی ماں جناب فاطمہ بنت اسد بیان کرتی تھیں کہ جب علیؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو لیا ان کا نام علیؑ رکھا ، ان کے مُنہ میں دہن مبارک کا لعاب دیا پھر آپ کے مُنہ میں اپنی زبان مبارک دیدی جس کو حضرت علیؑ چُوستے چُوستے سو گئے ۔ جب دوسرا دن ہوا تو ہم لوگوں نے علیؑ کے لئے دایہ کی تلاش کی مگر علیؑ نے کسی عورت کا پستان مُنہ میں نہیں لیا ۔ تب پھر ہم لوگوں نے حضرت محمدؐ کو بلایا ۔ آپ نے پھر اپنی زبان مبارک علیؑ کے مُنہ میں دی جس کو چوستے چوستے علیؑ سو گئے ۔ اسی طرح بہت دنوں تک ہوتا رہا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ) ۔ اس طرح حضرت علیؑ کی پرورش بھی جناب رسول خدا صلعم ہی کے نور سے ہوتی رہی ۔

بچپن کا زمانہ حضرتؑ کے بچپن کا زمانہ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ ہی گزرا ۔ جس کا واقعہ مورخین و محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ پر خدا کی جو نعمتیں تھیں اور اس نے آپ کو جو فضیلتیں مرحمت فرمائیں اُن میں یہ بھی تھی کہ جب آپ بالکل بچے تھے قریش میں سخت قحط پڑا ۔ جناب ابوطالب کے عیال ماشاء اللہ کثرت سے تھے ۔ یہ خیال کر کے حضرت رسول خداؐ نے اپنے چچا جناب عباس سے جو اُس وقت خاندان بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوش حال و رفارغ البال تھے فرمایا کہ آپ کے بھائی ابوطالب کے عیال بہت ہیں اور اس وقت لوگوں پر قحط کی جو مصیبت پڑی ہے آپ دیکھتے ہیں ۔ اس سبب سے میری رائے ہے کہ میں اور آپ ان کے پاس چلیں اور ان کے عیال کا بوجھ ان سے کچھ ہلکا کر دیں اس طرح کہ ان کے بیٹوں سے ایک کو میں اپنے ذمہ لے لوں اور ایک کو آپ لے لیں اور ان دونوں کے بارے ہم لوگ اُن کو ہلکا کر دیں ۔ جناب عباس نے کہا تمہاری رائے بہت مناسب ہے ۔ غرض دونوں بزرگ گئے اور جناب ابوطالب کے پاس پہونچ کر کہا کہ جب تک لوگوں میں قحط کی مصیبت رہے ہم چاہتے ہیں آپ کے بوجھ کو کچھ تقسیم کر لیں ۔

جناب ابوطالب نے کہا اچھا میرے پاس عقیل کو چھوڑ دو اور جس کو چاہو تم لے جاؤ ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو لے کر اپنے سے ملا لیا اور جناب عباس نے جناب جعفر طیار کو لیا اور اپنے ساتھ رکھا ۔ اُس وقت سے حضرت علیؑ برابر حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خدا نے حضرتؐ کو پیغمبر بنایا تو

حضرت علیؑ فوراً حضرتؐ کے پیرو ہو گئے آپ پر ایمان ظاہر کر دیا۔ اور آپ کی پوری تصدیق کی۔ اور جناب جعفر برابر جناب عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ مسلمان ہوئے اور اپنا بار خود اٹھانے لگے۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲ وسیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ)۔

اظہار اسلام

عام مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سب سے پہلے کون شخص مسلمان ہوا مگر تحقیق کی جائے تو حضرت علیؑ کو اس میں رکھنے کی گنجائش ہی نہیں نکلے کیونکہ یہ بحث تو اُن لوگوں میں ہے جو پہلے کافر تھے بعد کو اُن حضرتؐ پر ایمان لائے۔ یا اسلام ظاہر کیا۔ لیکن حضرت علیؑ تو کبھی کافر تھے ہی نہیں۔ کبھی کسی بُت کو پُوجا ہی نہیں۔ چنانچہ او پر مورخین کی عبارت نقل کی گئی کہ جس وقت حضرت رسول خدا صلعم کو خدا نے پیغمبر مقرر کیا۔ اُسی وقت حضرت علیؑ نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور چونکہ اُس وقت آپ کی عمر دس برس کی تھی۔ اس سبب سے اس کے قبل کسی دوسرے مذہب کے اختیار یا ظاہر کرنے کا موقع ہی نہیں پیدا ہوا۔ علی محققین نے بتصریح لکھا ہے کہ واما علی ابن ابی طالب فلم یکن مشرکا باللہ ابداً لانہ کان مع رسول اللہؐ فی کفالتہ کاحد اولادہ یتبعہ فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعے للاسلام فیقال اسلم۔ حضرت علیؑ تو کبھی کافر رہے ہی نہیں۔ کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسول خدا صلعم کی کفالت میں اس طرح رہے جس طرح خود حضرتؐ کی اولاد رہتی کہ کل امور میں حضرتؐ کی پیروی کرتے رہتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام کی طرف بلایا جائے جس کے بعد کہا جائے کہ آپ مسلمان ہوئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹) نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کبھی کافر نہیں تھے حضرت علیؑ بھی کافر نہیں رہے۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ مسلمان ہوئے اسی طرح حضرت علیؑ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مسلمان ہوئے۔ محمد بن کعب قرظی سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ حضرت علیؑ یا حضرت ابوبکر۔ انھوں نے کہا سبحان اللہ!! حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ لوگوں کو شبہ صرف اس سبب سے ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۳) یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ آپ اسلام کے سوا کبھی کسی دین پر تھے ہی نہیں اس وجہ سے ظاہر ہی نہیں کیا کہ میں بھی مسلمان ہوا۔ جو لوگ پہلے سے مسلمان نہیں تھے وہ کہتے تھے کہ میں مسلمان ہو گیا لیکن جو لوگ بچپن سے مسلمان ہی تھے وہ یہ بات کیسے کہتے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ فرشتے میرے اور علیؑ کے لئے سات برس تک دعا مانگا کئے اور وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں سوائے علیؑ کے کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ علامہ محقق و مورخ جلیل مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے اسلام کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر لوگوں کا تو یہ قول ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی شرک کیا ہی نہیں پھر وہ نیا اسلام کیوں قبول کرتے کیونکہ وہ تو شروع سے اسلام پر تھے۔ اس لئے

کہ آپ اپنے کل کاموں میں حضرت رسول خداؐ کے تابع اور پیرو تھے۔ اور اسی حالت میں حد بلوغ تک پہونچے اور خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ اور آپ کو اس بات کی توفیق دی کہ برابر حضرت رسول خدا صلعم کی پیروی کرتے رہیں۔ کیونکہ دونوں بزرگ (حضرت رسول خداؐ اور حضرت علیؑ) اس دین کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے نہ اُن سے کوئی زبردستی کی گئی تھی کہ خدا کی اطاعت ہی کے کام کریں بلکہ ان حضرات کو پورا اختیار اور ہر طرح کی قدرت دی گئی تھی کہ جو راہ چاہیں اختیار کریں۔ تو دونوں حضرات نے خدا کی اطاعت اور اس کے احکام کی پابندی اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتے رہنے ہی کو اختیار کیا۔ اور بعض علماء کی تحقیق ہے کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے اور حضرت رسولؐ نے آپ کو ایمان کی طرف دعوت دی تھی۔ (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۶)۔ خود حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ میں اس امت میں کسی کو نہیں جانتا جس نے مجھ سے پہلے خدا کی عبادت کی ہو۔ بیشک میں نے پانچ یا سات سال پہلے سے خدا کی عبادت کی اور میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں جس نے رسول خدا صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۷) حضرتؑ کا مشہور شعر ہے

سبقتکم الی الاسلام طراً غلاما ما بلغت اوان حلمی

میں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہیں پہونچا تھا۔ (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲) اور حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے ثلاثۃ ما کفروا باللہ قط مومن آل یسین وعلی ابن ابی طالب وآسیۃ امرأۃ فرعون والذی فی العرائس روی عن النبیؐ انہ قال سباق الامم ثلثۃ لم یکفروا باللہ طرفۃ عین حزقیل مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب یسین وعلی ابن ابی طالب وھو افضلھم حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے تین آدمی کبھی کافر ہے ہی نہیں۔ مومن آل یسینؑ۔ علی ابن ابی طالبؑ اور آسیہ زوجۂ فرعون۔ اور عرائس میں حضرت رسول خدا صلعم سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کل اُمتوں پر سبقت کرنے والے تین آدمی ہوئے جنھوں نے کبھی خدا کا انکار نہیں کیا۔ نہ ایک سکنڈ کو کافر ہوئے۔ ایک حزقیل مومن آل فرعون۔ دوسرے حبیب النجار صاحب یسینؑ۔ تیسرے حضرت علیؑ اور یہ سب سے افضل ہیں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ وغیرہ) اور علامہ رازی نے لکھا ہے عن رسول اللہؐ انہ قال الصدیقون ثلاثۃ مومن آل یسین ومومن آل فرعون والثالث علی وھو افضلھم۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے صدیق تین ہیں۔ مومن آل یاسین ومومن آل فرعون اور علیؑ اور ان سب میں افضل علیؑ ہی ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۱۱) حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے انا عبد اللہ واخو رسولہ انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللہ قبل الناس بسبع سنین ۔ میں بندۂ خدا و برادر رسول ہوں میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ اس بات کو میرے سوائے کوئی نہیں کہے گا مگر وہ شخص جو بڑا جھوٹا اور مفتری ہو گا۔ میں نے

سب لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص۳) حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول خداؐ کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں یہ دعویٰ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیا اور نہ میرے بعد کوئی کر سکتا ہے۔ جو ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری ہے۔ میں نے سب لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۱) مگر کسی شخص نے حضرتؑ کے بارے میں آپ کے سامنے یا غیبت میں یہ نہیں کہا کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) غلط فرماتے ہیں۔ البتہ بندۂ خدا و برادر رسولؐ ہونے کا غلط دعویٰ ایک شخص نے کیا تو خدا کی طرف سے سزا بھی پا گیا۔ علامہ علی متقی وغیرہ نے لکھا ہے "ابو یحییٰ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؑ کو سُن کر فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ میرے بعد اس دعوے کو کوئی نہیں کرے گا مگر وہ جو جھوٹا ہوگا لیکن ایک شخص نے ایسا کہہ دیا تو فوراً پاگل ہوگیا"۔ (کنزالعمال جلد ۶ ص۳۹۶)

حلیہ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ "حضرت علیؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی اور کشادہ تھیں۔ شکم پر بال نہ تھے۔ میانہ قد تھے۔ خضاب نہیں لگاتے تھے۔ داڑھی بڑی تھی۔ دونوں شانے پُرگوشت تھے۔ جو دُور سے دیکھتا کہتا کہ کھلتا ہوا گندمی رنگ ہے اور جو قریب سے دیکھتا کہتا کہ گندمی رنگ سے کچھ روشن رنگ ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ حضرتؑ کی کہنیاں اور پنڈلیاں بھی پُرگوشت تھیں۔ میں نے حضرتؑ کو جاڑے میں خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اُس وقت حضرت ایک قمیص اور ایک قطری پہنے اور کسی بُنے ہوئے کپڑے کا عمامہ باندھے تھے ابوالحجاج نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علیؑ کو خطبہ پڑھتے ہوئے سُنا۔ حضرتؑ نہایت حسین تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؑ کی صورت خوب اچھی طرح کمال صنعت سے بنائی گئی ہے۔ سفید بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تھے۔ بہت ہلکی چال چلتے تھے۔ دانتوں پر مسکراہٹ سی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ ص۲۲) بڑھاپے سے آپ کی ہیئت میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوا تھا۔ بڑے ہنس مکھ اور خوبصورت تھے سینہ پر بال بہت۔ ہاتھ پاؤں کے پٹھے زبردست۔ کندھوں کی ہڈیاں چوڑی اور شیر کے کندھوں کی ہڈیوں ایسی تھیں ہتھیلیاں سخت تھیں۔ گردن مثل ایک چاندی کی صراحی کے تھی۔ داڑھی اس قدر تھی کہ کندھوں کے دونوں طرف جھکی ہوئی تھی۔ کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو اس کا دم گھٹنے لگتا۔ جنگ کو جاتے تو ٹھنڈے دل اطمینان سے دوڑ کر۔ ایسے بہادر تھے کہ جس سے لڑتے ضرور فتحیاب ہوتے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۵۱ و استیعاب جلد ۲ ص۴۷۵)

دینِ اسلام کی حمایت حضرت ابھی ۱۳ سال کے ہونے پائے تھے کہ اسلام کو ایک حامی اور رسول خداؐ کو ایک ناصر کی ضرورت ہوئی اور آپ اس کے لئے تن تنہا آمادہ ہوگئے جس کی تفصیل پہلے (ص ۔۔۔ و ص ۔۔۔ میں) گزر گئی۔ آپ نے اس موقع پر جو کہا تھا پھر ویسا ہی

کرتے رہے۔ شب ہجرت آپ نے جو جاں نثاری کی اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز ہے۔ حضرت رسول خداؐ نے دو مرتبہ صحابہ میں مواخاۃ کرائی اور دونوں مرتبہ اپنے کو حضرت علیؑ ہی کا اور حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ سنہ ۲ھ میں جناب سیدہؑ سے آپ کی شادی خود خدا کے حکم سے کی گئی اُس وقت حضرتؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد کے سوائے کوئی قریبی رشتہ دار حضرت کے گھر میں نہ تھا۔ نہ کوئی لونڈی غلام خدمت کرنے والا تھا۔ حضرت علیؑ نے یہ انتظام کیا کہ باہر کے کام مثلاً پانی لانا وغیرہ خود انجام دیتے اور کچھ آپ کی والدہ کرتیں اور گھر کا کام مثلاً چکی پیسنا۔ آٹا گوندھنا۔ روٹی پکانا وغیرہ جناب سیدہؑ کرتیں۔ اس زہد اور سادگی کو حضرتؑ نے زندگی بھر نباہا۔ جب غزوات کا سلسلہ شروع تو ہر جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جنگ آپ ہی کی وجہ سے فتح ہوئی۔ ان سب کی تفصیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں گزر چکی ہے۔

کسبِ حلال کی کوشش

حضرت امیر المومنینؑ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کسب کرکے رزق مہیا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے ایک مرتبہ مدینہ میں مجھے بھوک لگی تو مزدوری کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ ایک عورت گارا بنانے کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کام کو قبول کر لیا۔ ایک ڈول پانی کی اُجرت ایک دانہ کھجور قرار پائی۔ میں نے ابھی سولہ ڈول پانی نکالے تھے کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ مجبوراً کام چھوڑ دیا۔ اس عورت نے سولہ کھجوریں دے دیں۔ میں لے کر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس واپس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے بھی وہ کھجوریں میرے ساتھ تناول فرمائیں۔ (ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۷) حضرتؑ کی زندگی میں ایسے واقعات بہت کثرت سے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس کوئی مشکل مسئلہ آیا۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ اُس کا جواب کسی طرح آپ کو معلوم ہو جائے اور آپ سائل کو بتادیں مگر کامیاب نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کو تلاش کرنے نکلے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ایک زمین کی طرف گئے ہیں۔ آپ وہیں پہونچے دیکھا کہ حضرت علیؑ اپنے ہاتھ سے زمین کی مٹی برابر کر رہے ہیں۔ خلیفہ دوم نے اس مسئلہ کو پیش کرکے حضرتؑ سے اس کا حکم دریافت کیا حضرتؑ نے فوراً اس کا جواب دے دیا۔ خلیفہ دوم صاحب وہاں سے خوش خوش واپس آئے اور کہتے آتے تھے اللھم لا تنزل بی شدیدۃ الا و ابو حسن الی جنبی۔ اے خدا تو میرے اوپر کوئی مصیبت نازل نہ کرنا مگر اُس وقت جب حضرت علیؑ میرے پاس ہوں (تاکہ اس کو وہ دفع کر دیں۔ ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۹۴)۔ ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم نے کسی ضروری امر کے لئے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کو خدا کبھی رسوا نہیں کرے گا اور وہ اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ آں حضرتؐ کی اس بات پر صحابہ نے گردن اونچی کر کرکے حضرتؐ کو دکھانا شروع کیا (اس مطلب سے کہ حضرتؐ انھیں کو بھیج دیں) مگر آں حضرتؐ نے پوچھا علیؑ کہاں ہیں۔ لوگوں نے

کہا وہ تو چکی میں آٹا پیس رہے ہیں۔ حضرتؑ نے آپ کو بلایا اور وہ کام آپ کے سپرد کر دیا۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳) علامہ محب طبری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے کسی کا باغ سینچنے کی مزدوری لی۔ اور یہ طے ہوا کہ رات بھر حضرتؑ اس کو سینچیں گے تو باغ کا مالک جَو کی ایک مقدار اس کی اُجرت حضرت کو دے گا۔ غرض حضرت رات بھر اس میں پانی چلاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو جَو لے کر گھر آئے اور اس کو پیس کر اس کے ایک ثلث کی روٹی پکائی۔ جب روٹی طیار ہوئی تو ایک مسکین آیا اور سوال کیا۔ حضرتؑ نے وہ روٹیاں اس کو کھلا دیں۔ پھر دوسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ جب وہ طیار ہوئیں تو ایک یتیم آیا اور سوال کیا۔ حضرتؑ نے وہ روٹیاں بھی اس یتیم کو دے دیں۔ پھر تیسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ وہ جب طیار ہوئیں تو ایک اسیر آیا اور سوال کیا۔ ان حضرتؑ نے وہ روٹیاں بھی اس کو دیدیں۔ اور اسی طرح سو رہے جس کے بعد ان حضرتؑ کی شان میں خدا نے یہ آیت نازل کی ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۷) اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرتؑ اپنے ہاتھ سے باغ سینچا کرتے تھے

لہ حضرات اہلبیتؑ کی فضیلت کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ علامہ محب طبری نے اس کو مختصر کر کے لکھا۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام بیمار ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے۔ اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے۔ یہ سنتے ہی جناب امیرؑ۔ فاطمہ زہراؑ اور فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کی۔ غرض جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پوری کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ تھا نہیں۔ جناب امیرؑ نے شمعون یہودی سے تین صاع جَو قرض لئے کہ اس کے عوض فاطمہؑ اُون کات دیں گی۔ پھر جناب سیدہؑ نے ایک صاع جَو پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو ان روٹیوں سے روزہ افطار کرنا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ میں ایک مسلمان مسکین ہوں۔ مجھے کھانا دو۔ خدا تمھیں جنت کے خوان عطا کرے گا۔ یہ آواز سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں اور فقط پانی پی کر سو رہے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا۔ حسب دستور جناب سیدہؑ نے ایک صاع آٹے کی پھر پانچ روٹیاں پکائیں اور سب حضراتؑ روزہ افطار کرنے بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی اور صرف پانی سے افطار کیا۔ تیسرے روز پھر باقی آٹے کی روٹیاں پکائیں اور کُل حضرات روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک قیدی نے آواز دی اور تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹی اس سائل کو دے دی اور خود پانی سے افطار کر کے اس رات کو بھی سو رہے۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیرؑ نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آں حضرتؐ کی نظر ان پر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں کو کس درجہ تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اُٹھے اور سب کے ساتھ جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ

اور اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے تھے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنے ہاتھ سے اپنی اور حضرت رسول خدا صلعم کی جوتی بھی ٹانک لیتے تھے۔ (دیکھو اس کتاب کا صفحہ)

خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان صاف صاف ۳ھ بعثت ہی میں کرا دیا تھا اور اس کے بعد حضرت رسول خدا صلعم شب ہجرت میں غزوہ تبوک کے وقت اور غدیر خم میں بھی اس کی تاکید کرتے رہے۔ مگر حضرتؐ کے انتقال کے وقت حضرت علیؑ آں حضرت صلعم کے غسل دینے کفن پہنانے اور دفن کرنے میں مشغول رہے اور حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچ کر اپنی خلافت کا انتظام کر لیا اور حضرت علیؑ کو اس سے علیحدہ کر دیا۔ چونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے رحلت کے قبل حضرت علیؑ سے وصیت کر دی تھی کہ "میرے بعد تم کو سخت صدمات پہونچیں گے چاہئے کہ تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کر لی تو تم آخرت اختیار کئے رہنا" (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۹ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱ وغیرہ) اس سبب سے حضرت علیؑ صبر کئے رہے اور فتنہ و فساد کو پسند نہیں کیا۔ نہ خلافت کی کوئی کوشش کی۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کے متعلق بعض عیسائی محققین کی رائیں

مصر کے مشہور عیسائی مورخ علامہ جرجی زیدان نے لکھا ہے "علیؑ کی حالت کیا بیان ہو۔ زہد و تقویٰ کے متعلق آپ کی حکایتیں اور واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے ہر قول و فعل میں نہایت شریف اور آزاد تھے۔ چھل فریب۔ دھوکا۔ مکر کو آپ جانتے تک نہیں تھے اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال۔ حیلہ۔ غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رُخ نہیں کیا۔ آپ کی تمام تر ہمت محض دین کے متعلق رہتی تھی۔ اور آپ کا کل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے جس وقت رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی سوائے دنبہ کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳)

فاطمہ زہرا محراب عبادت میں کھڑی ہیں اور ان کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی ہے اور آنکھیں ڈھنس گئی ہیں۔ آں حضرت صلعم چیخ اُٹھے اور فرمایا واغوثاہ یا اللہ۔ اھل بیت محمد یموتون جوعا۔ اُف وہ کیسی مصیبت ہے۔ اے اللہ کیا محمدؐ کے اہل بیت بھوک سے مر ہی جائیں گے؟ اُسی وقت جناب جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا یا حضرت اس تحفہ کو قبول فرمایئے جسے خدا نے آپ کے اہلبیتؑ کی شان میں بھیجا ہے۔ حضرتؐ نے پوچھا وہ کون تحفہ ہے۔ جبرئیلؑ نے سورہ ھل اتیٰ پڑھ کر سنا دی ہے (تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ و تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۹۲) اس سورہ سے حضرات اہلبیتؑ کی وہ عظیم الشان فضیلت ثابت ہوتی ہے اور ان کے خالص اعمال خصوصاً جود و سخا کا وہ کارنامہ ظاہر ہوتا ہے جو قیامت تک کے لئے یادگار ہوگیا۔ ۱۲ منہ

(میاں بیوی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ) شب کو پڑکر سو رہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ملازم بھی نہیں تھا جو آپ کی خدمت کرتا۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ اصفہان سے (خراج کا) کچھ مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصّوں پر تقسیم کر دیا پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے (اور خراج کے ہر حصّے پر اُس روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا) آپ ایسے کپڑے کا لباس پہنتے تھے جو کچھ بھی سردی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اُٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درہم (۳۰ پیسہ) میں خریدا تھا تو عرض کی کہ اے امیرالمومنینؑ یہ ہمیں دے دیں کہ پہنچا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے عیال ہیں بہتر ہے کہ وہی ان کے بوجھ کو اُٹھائے۔ آپ کے زرّیں اقوال سے یہ جملہ بھی ہے جس میں آپ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔ چاہئے مسلمان اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے ان کے پیٹ ہلکے رہیں اور اتنا کم پئیں کہ پیاس ان کے ہونٹ سوکھے رہیں اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۱)

اور آپ کے عدل و انصاف کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ آپ نے (ظاہری خلافت کے زمانہ میں) اپنی زرہ کسی کے پاس دیکھی تو (اس کو اس سے لے نہیں لیا بلکہ) آپ اور وہ شخص قاضی شریح کے پاس اس کا فیصلہ کرانے کے لئے گئے۔ وہاں آپ صرف اصول انصاف کی پابندی اور مساوات کا لحاظ کرانے کے لئے اس عدالت میں اس شخص کے مقابلہ میں کھڑے رہے (اور بہ حیثیت خلیفہ ہونے کے بیٹھنے کی خواہش نہیں کی حالانکہ اس وقت بھی کہ علم و تہذیب کا زمانہ کہا جاتا ہے اگر کوئی معزز شخص عدالت میں جاتا ہے تو اسے کرسی ملتی ہے جس پر وہ بیٹھتا ہے۔ مگر حضرت علیؑ وہاں بیٹھے نہیں اور اس طرح اپنے ہر فعل سے لوگوں کو عدل و مساوات برتنے کی تعلیم دیتے رہے) حضرت کا معمول یہ تھا کہ جب اپنی فوج کو کسی لڑائی میں بھیجتے تو ہر شخص کو وصیت فرماتے کہ بھائی! دیکھو فریق مقابل سے نرمی اور نیکی کا برتاؤ کرنا۔ عورتوں کی پوری حفاظت کرنا اور ان کو اذیت و پریشانی سے بچانا۔ باوجود اس رحم دلی کے آپ مسلمانوں کے مال کی نگرانی کرنے میں ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت کام کرنے والوں، تحصیلداروں اور عاملوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیتے اور اس میں بہت شدت کرتے صرف اس وجہ سے کہ آپ کو عدل اور حق قائم کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور سچا تدین باقی تھا حضرت علیؑ ہی خلیفہ اور مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن (افسوس) آپ کے پاس خلافت کو خدمت اُس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی و اصول حکمت کے

متعلق آپ کے والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص وطمع پیدا ہوگئی تھی۔ اور ان سب سے زیادہ طماع اور مکار معویہ بن ابوسفیان تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی حکومت جمانے کے لئے لوگوں کو دھوکا فریب دے کر ان کے ساتھ مکر وحیلہ کرکے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کرلیا تھا۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ کی یہ حالت تھی کہ اپنے عمال اور سرداران فوج سے چھوٹی چھوٹی رقم تک کا باقاعدہ حساب لینے۔ اور دین کی پابندی عدل وحق کی محافظت اور امور تقویٰ و تقدس کی تاکید کرتے رہنے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے سے علیحدہ کرتے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر صحابہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپ کے چچا زاد بھائی (اور شاگرد) عبداللہ بن عباس بھی آپ سے الگ ہوگئے یہ حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ ابوالاسود دئلی نے حضرت علیؑ کے پاس ان کی شکایت لکھ بھیجی (کہ ابن عباس خیانت کررہے ہیں) حضرت علیؑ نے جناب ابن عباس کو لکھا کہ مجھ تک تمھاری شکایت پہونچی ہے مگر اس خبر دینے والے کا نام نہیں ظاہر کیا۔ ابن عباس نے حضرتؑ کو جواب دیا کہ آپ کو جو شکایت پہونچی ہے وہ سب غلط ہے اور میں اپنے فرائض بہت پابندی اور خوبی سے انجام دے رہا ہوں اور ہر بات کی پوری نگرانی کرتا ہوں آپ بدگمانوں کے شبہ اور افتراء پردازوں کی بات کا کوئی خیال نہ کریں۔ لیکن حضرت علیؑ نے اس کو نہیں مانا بلکہ اُن کو پھر لکھا کہ مجھے تفصیلاً مطلع کرو تم نے جزیہ کی کس قدر رقم وصول کی ہے کہاں کہاں سے لی ہے اور اس کو کہاں رکھا یا کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔ اس کے جواب میں ابن عباس نے حضرتؑ کو لکھا کہ آپ کا خط پہونچا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ اس طرف والے میری مخالفت میں جو شکایتیں آپ کو لکھتے ہیں ان کو آپ بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ اس وجہ سے میں اب یہاں رہ نہیں سکتا آپ صوبہ کی حکومت کے لئے اور جس شخص کو پسند کریں بھیج دیں کہ میں اب یہاں سے روانہ ہوجاتا ہوں والسلام یہ خط لکھ کر ابن عباس نے اپنے ننہال کے قبیلہ بنی ہلال بن عامر والوں کو بلا بھیجا۔ جس پر ان کے پاس پورا قبیلہ قیس جمع ہوگیا۔ تب ابن عباس بکثرت مال لے کر وہاں سے روانہ ہوگئے اور ظاہر کیا کہ یہ سب وہ مال ہے جو میرے مشاہرہ سے بچتا گیا تھا۔ بصرہ والوں نے مکہ تک ان کو پہونچایا اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے حضرت علیؑ کوئی نفع نہیں اُٹھا سکے (کیونکہ باقاعدہ حساب کی گرفت کرنے سے ابن عباس بھی چھوٹ گئے۔ اگر حضرت علیؑ ان سے مسلمانوں کے مال کے متعلق بازپرس نہ کرتے اور خوف خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے تو ابن عباس بھی برابر آپ کے ساتھ ہی رہتے)۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ وہی کیا جو حضرت عمر اپنے عمال کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن زمانہ بدل گیا تھا حالتیں متغیر ہوگئی تھیں اور دوسری طرف معویہ خزانہ کا مُنہ کھولے ہوئے اور آنکھ بند کرکے روپیہ اشرفی لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کرتا جاتا اور لشکروں کے سرداروں کو بھی اپنے مکر وفریب سے اپنی جانب کھینچتا جاتا تھا

(اس حالت میں حضرت علیؑ کی حکومت کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا ظاہر ہے)۔ (تاریخ التمدن الاسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۳۷)

مسٹر کارلائل نے لکھا ہے "یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے ہر شخص اس کو پسند ہی کرے وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا جس کی آگ جیسی تیز و تند جرائت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں عجیب طور کی جواں مردی تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی۔ رحم دلی۔ سچائی اور محبت تھی کہ ایک عیسائی دیندار جواں مرد کے شایاں ہونی چاہیئے" (کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم)

مصنف انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کی رائے "علیؑ تقریباً سنہ ۶۰۰ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔ علیؑ لڑکپن ہی میں اول وہ شخص تھے جنھوں نے پیغمبر صاحب کی غرض اور غائت کی اعانت و نصرت میں ناموری حاصل کی جس کے عوض پیغمبر صاحب نے علیؑ کو اپنا جانشین کیا اور چند سال کے بعد اپنی دختر فاطمہؑ کا نکاح علیؑ کے ساتھ کر دیا۔ علیؑ نے اپنے کو ایک بہادر اور وفادار سپاہی ثابت کر دکھایا۔ جب محمدؐ صاحب نے انتقال فرمایا تو علیؑ میں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق معلوم ہوتے تھے لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علی ملقب بہ خلیفہ نہ ہوئے مگر بعد عثمان سنہ ۶۵۶ء میں علیؑ کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ و زبیر کی بغاوت کا دور کرنا تھا جنھیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہ علیؑ کی سخت دشمن تھیں اور خاص انھیں کی وجہ سے علیؑ اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔ علیؑ ایک بہادر شریف۔ سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور ان سب میں لائق ترین اب فقط علیؑ ہی تھے جو کہ خود پیغمبر صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کر کے آخر عمر تک آں حضرتؐ کے سادہ مثال کی پیروی کرتے رہے۔ علیؑ علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب الامثال اشعار کے ان سے منسوب ہیں خصوصاً مقالات علیؑ جس کا انگریزی ترجمہ ولیم یول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام اڈنبرا شائع کرایا ہے" (تہذیب مکالمہ ص ۳۲)

مسٹر ڈیون پورٹ نے لکھا ہے "محمدؐ صاحب نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہیں کیا اور دوبارہ لوگوں کو جمع کر کے اپنی تقریر اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ تم میں سے کون شخص میرے اس بار گراں کے برداشت کرنے میں میری مدد کرے گا تاکہ وہی میرا وزیر اور خلیفہ ہو جس طرح ہارونؑ موسیٰ کے وزیر و خلیفہ تھے۔ کل مجمع تعجب کے ساتھ سکوت میں ہو گیا۔ اور کسی کو اس مجوزہ خطرناک عہدے کے قبول کرنے کی جرائت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان بہادر علیؑ نے اٹھ کر اور للکار کر کہا کہ اے رسولؐ میں آپ کی مدد کروں گا۔ اگرچہ میں درحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری ٹانگیں ان لوگوں کے مقابلہ میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اے رسولؐ میں ان لوگوں پر آپ کا خلیفہ ہوں گا۔ یہ سن کر محمدؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان علیؑ کی گردن پر رکھ کر اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر باواز بلند کہا کہ دیکھو میرے بھائی وزیر

اور خلیفہ کو۔ اس طرح آغاز کر کے محمدؐ صاحب نے عام طور پر مکہ میں وعظ کہنا شروع کیا اور روز بروز اپنے معتقدین کی تعداد کو زیادہ کرتے رہے۔ (کتاب اپالوجی فرام محمدؐ اینڈ دی قرآن مولفہ ڈیون پورٹ)۔

مسٹر واشنگٹن ایرونگ نے لکھا ہے "محمدؐ صاحب نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب ہونے کے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا اور کہا جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔ اُسی کے نام سے میں تم لوگوں کے پاس دنیا کی برکتیں اور آئندہ کی خوشیاں لایا ہوں تم میں سے کون شخص میرا بھائی۔ میرا خلیفہ اور وزیر ہوگا؟ یہ سُن کر سب لوگ خاموش رہے۔ بعض تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر کے حضور میں عرض کیا کہ میں موجود ہوں۔ محمدؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی گردن میں ڈالا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر بآواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی، میرے وزیر اور میرے خلیفہ کو تم سب لوگ دیکھ لو۔ اور تم لوگ اس کی ہر بات سُننا اور اس کی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ نوجوان علیؑ کی جرأت اور مستعدی پر قریشیوں نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ (ابوطالب) کو اپنے لڑکے کے سامنے جھکنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے پر چوٹ کی"۔ (کتاب محمدؐ اینڈ ہز سکسیسرز مولفہ واشنگٹن ایرونگ)

مشہور مورخ ایڈورڈ گبن نے لکھا ہے "محمدؐ صاحب اعلان دعوت میں تامل کرتے رہے لیکن چوتھے برس انھوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کے خیال سے انھوں نے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور ان کے کھانے کے لئے سامانِ ضیافت مہیا فرمایا۔ بعدہٗ اُن لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اے دوستو۔ اے عزیزو۔ میں تم لوگوں کے لئے افضل ترین نعمتیں اور دنیا و آخرت کا خزانہ لایا ہوں جس کو میرے سوائے دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اُس کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ پس کون تم میں سے میرے اس کام میں میرا رفیق و وزیر ہوگا؟ مگر آپ کی اس بات کا جواب کچھ نہ دیا گیا یہاں تک کہ وہ حقارت، رشک اور تعجب کا سکوت حضرت علیؑ کی جرأت سے دفع ہوا جو ایک چاردہ سالہ جوان تھے۔ انھوں نے عرض کی اے نبیؐ میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت و رفاقت کے لئے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا۔ اُن کے دانت توڑ ڈالوں گا۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اے نبیؐ میں حضور کی وزارت کے لئے حاضر ہوں۔ محمدؐ صاحب نے علیؑ کی درخواست کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا۔ اور حاضرین نے ابوطالب کو اپنے لڑکے کے اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے"۔ (ڈکلائن آف رومن ایمپائر از مسٹر گبن)

مسٹر ٹامس لائل سابق اسسٹنٹ ڈائرکٹر آپوڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بغداد نے لکھا ہے "وفات رسولؐ پر اس بزرگ ہستی کے ساتھ جس میں نبرد آزمائی کے جوہر موجود تھے۔ قدیم اختلافات اور رشک و عناد جلد ظاہر ہونے لگے۔ ابوبکر کا خلیفہ ہو جانا اتحاد کو قائم نہ رکھ سکا۔ وہ خود اور ان کے جانشین لوگوں میں

یک جہتی پیدا نہ کر سکے - ان کی خلافت میں کوئی غیبی مدد شامل نہیں تھی اور اُن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ معمولی انسانوں سے زیادہ سمجھے جاتے سوائے اُن کے بعض خاص واقعات کے - اب ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو سب سے اعلیٰ ہو، وہ بلا شبہ عام طور پر ہادی تسلیم کر لی جائے اور جس پر ہر کہ ومہ کی نظر پڑے - بالآخر ایسا ہادی امام علیؑ کی صورت میں ان کو مل گیا - یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ ایک امت جس کو خدا نے کامل وحی کے ساتھ مخصوص کیا ہو جو انھیں میں سے ایک خدائی پیغمبر کے ذریعہ سے پہونچتی رہی ہو اب بالکل کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دی جائے اور معمولی آدمی ان کی ہدایت کر سکے - علاوہ بریں سیاسی اختلافات اور باہمی بغض وعناد کی وجہ سے ضرورت تھی کہ کوئی ہادی خدا کا منتخب کردہ ان لوگوں کو ملے - لیکن بالآخر اس خواہش کا خاتمہ ان واقعات نے کر دیا جو قتل علیؑ وحسنؑ اور میدان کربلا میں شہادت حسینؑ سے تعلق رکھتے ہیں - یہ ظاہر ہے کہ اگر اسلام کا پیشوا حسب ہدایت خدا کام کرنے والا ہو تو وہ پیغمبر کے خاندان کا ممبر ہونا چاہیے - علیؑ کی ذاتی شہرت - میدان کارزار میں بہادری پیغمبرؐ کی اطاعت اور سب سے بالاتر پیغمبرؐ سے رشتہ داری (کیونکہ وہ پیغمبر کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے) ان تمام باتوں نے ظاہر کر دیا کہ وہ خدائی منتخب کردہ امام - نمونہ رسولؐ - خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ تھے - اور ان کے جانشین اسی قسم کے خدا والے ہونے چاہئیں - اس اصول کی ترقی قابل ذکر تھی - اُس کا تدریجاً پتا لگانا ناممکن نہیں تھا لیکن امام کی جو وقعت آج شیعوں کے نزدیک ہے اس سے یہ مطلب بخوبی واضح ہو سکتا ہے "۔ (مسٹر موصوف کی کتاب النس اینڈ والٹس آف میسوپوٹیمیا مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

مسٹر واشنگٹن ایرونگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "جنگ جمل کی فتح نے عائشہ کی سازش یا اتفاق کو توڑ دیا اور مملکت مصر - عرب وفارس پر بالکل علیؑ کا قبضہ ہو گیا - تاہم اُس کا نہایت مہیب دشمن غیر مغلوب باقی رہا - معویہ بن ابو سفیان نے شام کے دولت مند اور آباد صوبہ پر اپنی حکومت قائم رکھی اور اُس کے پاس بے انتہا خزانہ تھا اور اُس کے زیر حکم قوی فوج تھی - اہل شام اُس کے طرفدار تھے کیونکہ معویہ نے اُن کو یہ تعلیم دے کر کہ قتل عثمان علیؑ کے اشارے سے ہوا علیؑ کی خلافت سے انکار کر دیا تھا - تاہم اپنے آپ کو سلطنت کے رو سے مستحکم کرنے کے علاوہ اُس نے عمرو عاص سے عہد و پیمان کر لیا جس کو کہ علیؑ نے صوبۂ مصر سے معزول کر دیا تھا اور ناراض ہو کر اس وقت وہ فلسطین میں مقیم تھا - یہ امر قرار پا گیا کہ علیؑ کی معزولی میں عمرو عاص معویہ سے متفق رہے تو انعاماً اپنے سابق عہدہ پر بحال کیا جاوے - عمرو عاص نے ایک جاں نثار فوج کے ساتھ دمشق جانے میں جلدی کی اور حسب دلخواہ کو موافق مقصد پختہ دل پاکر فوجی مجمع کے روبرو معویہ کی اطاعت قبول کر لی اور ہجوم کی آوازوں سے اُس کو خلیفہ مشہور کیا - علیؑ نے جب اس کے عہد و پیمان کو سُنا اُسے حملہ دل پسند ذرائع سے (یعنی رضامندی سے) بے فائدہ معویہ کے حملہ کو روکنے کا قصد کیا اور کچھ کامیابی نہیں ہوئی - تب تو سے نزلہ

فوج کے ساتھ لڑائی کے واسطے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ عرب چونکہ عادۃً عجائب و غرائب کے شائق ہوتے ہیں حسب عادت شگون لے کر حدود شام میں داخل ہوئے۔ علیؑ نے اپنی فوج کو جائے لب آب میں ٹھہرا کر ایک عیسائی راہب کو جو قریب کے دیر میں رہتا تھا حکماً بلایا اور اس سے پانی کا کنواں بتانے کی استدعا کی۔ راہب نے بیان کیا کہ یہاں صرف ایک حوض ہے جس میں تین ڈولچی آب باراں بھی نہیں رہتا ہے۔ علیؑ نے بیان کیا کہ یہاں زمانہ سابق میں چند انبیاء بنی اسرائیل کے مکان تھے اور انھوں نے یہاں ایک کنواں کھودا تھا۔ راہب نے جواب دیا کہ بے شک یہاں ایک کنواں موجود ہے مگر وہ مدت دراز سے بند ہے اور اس کے تمام نشان غائب ہو گئے ہیں اور اب وہ اُس کے ہاتھ سے کھولا جائے گا جس کو خاص خدا نے مقرر کیا ہے اور ید اللہ سے ظاہر ہوگا۔ عرب کی حدیث یہاں بیان کرتی ہے کہ اس کے بعد اس نے ایک پھٹی ہوئی چمڑے کی وصلی نکالی جس میں کہ شمعون بن صفا نے جو کہ جیسس کرائسٹ (حضرت عیسیٰؑ) کے بارہ حواریین میں سے تھا یہ پیشین گوئی لکھی تھی کہ محمدؐ آخری پیغمبر تشریف لائیں گے اور ان کا شرعی وارث اور حقیقی خلیفہ اس کنویں کو پھر کھول کر ظاہر کرے گا۔ علیؑ نے مناسب تعظیم سے اس پیشین گوئی کو سُنا۔ اس کے بعد حضار کی طرف متوجہ ہو کر اور ایک جگہ کا نشان دیکر کہا کہ یہاں کھود دو۔ ان لوگوں نے کھودا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا پتھر برآمد ہوا جس کو بمشکل علیحدہ کیا گیا اور وہ کنواں معجزہ سے ظاہر ہوا جس سے فوج نے بہ کل کافی ذخیرہ پانی کا مہیا کیا اور جو کہ جائز خلافت (رسول اللہؐ) کے دعوے کا ایک بلا اعتراض ثبوت تھا۔ معزز راہب کو اعتقاد ہو گیا وہ علیؑ کے قدموں پر گر پڑا اور اُن کے زانو سے لپٹ گیا اور اس کے بعد علیؑ سے جُدا نہیں ہوا" (تاریخ سکسیسرز آف محمدؐ مطبوعہ لندن ولیم کلوز اینڈ سنس لیمٹڈ اشام فورڈ اسٹریٹ اینڈ چارجنگ کراس ۱۸۸۰ و ۱۸۱)

مسٹر اوکلی نے لکھا ہے " محمدؐ تین سال تک لوگوں کو مخفی طور پر حلقہ اسلام میں داخل کرتے رہے لیکن اس عرصہ کے بعد انھیں حکم ملا (آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھائیں۔ چنانچہ آپ نے علیؑ سے ارشاد کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو جن کی تعداد قریب چالیس کے تھی دعوت میں بلائیں اور ان کے سامنے ایک بھُنا ہوا بھیڑی کا بچہ اور دودھ کا برتن رکھیں۔ جب وہ لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تب محمدؐ نے وعظ فرمانا شروع کیا لیکن ابولہب کے بات کاٹ دینے پر آپ نے پھر سب کو دوسرے روز ویسی ہی ضیافت کے لئے دعوت دی اور جب اس سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان الفاظ میں اُن لوگوں کو مخاطب کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جو تحفہ میں تمھارے لئے لایا ہوں عرب میں کوئی شخص اس سے بہتر ہدیہ پیش کر سکتا ہے۔ میں تمھارے سامنے دنیا و آخرت دونوں کی بہتری پیش کرتا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اُس کی طرف بلاؤں۔ بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا وزیر، میرا بھائی اور میرا خلیفہ ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک مُہر سکوت تھی جو

سب کے لبوں پر لگی رہ گئی کہ دفعتہً علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اس خدمت کو میں انجام دوں گا۔ جو لوگ آپ کی مخالفت کریں گے میں اُن سب کے دانت اُکھاڑ ڈالوں گا۔ اُن کی آنکھیں نکال لوں گا۔ اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اُن کے پاؤں توڑ ڈالوں گا۔ ان زحمات میں آپ کا وزیر (ہاتھ بٹانے والا) میں ہوں گا۔ اس جواب پر خدا کے رسولؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا اور پکار کر کہہ دیا کہ دیکھو یہی میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے۔ تم سب لوگ اس کی اطاعت کرنا۔" (تاریخ عرب از مسٹر اوکلی ص ۱۴ و ۱۵)

مورخ گلمن نے لکھا ہے "اب محمدؐ نے جیسا کہ حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کی غرض سے اہل قریش کو کھانے پر بلایا جس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انھیں مخاطب فرما کر یہ ارشاد کیا کہ کسی عرب نے کبھی اپنے لوگوں کو ایسے بیش بہا فوائد عطا نہیں کئے ہیں جیسے میں تمھیں پیش کرتا ہوں۔ یعنی اس دُنیا میں مسرت اور آخرت کی دائمی عافیت۔ اللہ نے مجھے مامور کیا ہے کہ لوگوں کو اُس کی طرف بلاؤں۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس مقدس کام میں میری شرکت کرے گا اور وہی میرا بھائی اور خلیفہ ہو گا؟ تمام مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ یہاں تک کہ علیؑ جو اُن سب میں چھوٹے تھے جوش میں بول اُٹھے۔ اے اللہ کے رسولؐ میں حاضر ہوں۔ میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا اس جواب پر محمدؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا اور لوگوں سے پکار کر کہا دیکھو یہی میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم لوگ ان کی باتیں بغور سُننا اور ان کے احکام مانا کرنا۔" (تاریخ عرب از گلمن ص ۴۲ و ۴۳)

مسٹر ایرونگ نے دوسری جگہ لکھا ہے "تمہ کلام میں ہم علیؑ کے اعلیٰ خصائل اور مکارم اخلاق پر کسی رائے زنی کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ آپ کے لکھے ہوئے تمام سوانح زندگی میں اس پر پوری بحث اور اس کی کافی وضاحت ہو چکی ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ بہترین اور سب سے افضل تھے۔ انھیں خود پیغمبر صاحب کی صحبت اور رفاقت نے دین کے نشہ سے سرشار کر دیا تھا اور اپنی زندگی کے آخر وقت تک رسولؐ کی سادہ اور زاہدانہ معاشرت کی پیروی کرتے رہے۔ آپ کا بہت عزت و احترام سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت اور حفاظت فرمائی۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا مذاق تھا اور آپ کے بہت سے لکھیانہ مقولے اور ضرب المثلیں اس وقت تک لوگوں کے زباں زد ہیں اور مختلف زبانوں میں اُن کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔" (کتاب خلفاء رسولؐ از ایرونگ ص ۱۵)

مسٹر اوکلی نے اور ایک جگہ لکھا ہے "تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے "صد کلمات" ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی اور فارسی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ماسوائے اس کے آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے جس کا نام انوار الاقوال ہے اور بوڈلین لائبریری (کتب خانہ) میں آپ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب موجود ہے جس کا نمونہ اس تاریخ میں شامل ہے۔ لیکن آپ کی مشہور ترین تصنیف "جفر و جامعہ" ہے جو ایک وصلی پر ایک بعید الفہم خط

ہیں جس کے ساتھ اعداد و ہندسے بھی شامل ہیں لکھی ہوئی ہے۔ یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک ہونے والے ہیں بتلاتے ہیں یا ان پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ وصلی جو آپ ہی کے خاندان میں بطور امانت رہا کی ہے اس وقت تک پڑھی نہیں جا سکی ہے۔ البتہ امام جعفر صادقؑ اس کے کچھ حصہ کی تشریح و تفسیر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں لیکن ان کے مطالب کا مکمل حل بارھویں امامؑ کے لئے مخصوص ہے جن کا لقب آپ کے فضل و کمال کے باعث مہدی (بڑے ہدایت کرنے والے) ہے۔ علاوہ ان کتابوں کے جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں متعدد مصنفین کی کتابوں میں ہم کو بہت جملے اور کلمات حکمت علیؑ کے نام سے ملتے ہیں۔ . . . اس جلیل القدر خلیفہ کی خاص خاص یادگار زمانہ داستانیں ہیں۔ اگر اُن تمام خارق عادت لکھے ہوئے قصوں سے جو آپ کے بارے میں ذکر کئے جاتے ہیں قطع نظر بھی کر لی جائے اور آپ کا صرف آپ کی جرأت و ہمت خصلت۔ مزاج۔ پرہیزگاری اور فہم و دانست سے اندازہ کیا جا سکے جب بھی اُس قوم عرب میں جو عظیم الشان شخصیتیں گزری ہیں اُن میں آپ سب سے ممتاز تھے۔" (تاریخ عرب از مسٹر اوکلی صفحہ ۳۳۲ تا صفحہ ۳۳۶)

مورخ گلمن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "وہ حضرت علیؑ اس لحاظ سے بھی قابل احترام ہیں کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے علم اور فن کی کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے۔ اگر وہ واقعی آپ ہی کی عقل و فکر اور علم و دماغ کے نتائج ہیں تو یقیناً آپ کا قلب و دماغ ہر شخص سے خراج تحسین وصول کرتا رہے گا۔ آپ کے متعلق بہت سے دلچسپ اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات لکھے ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا..... جب ہم زوج فاطمہؑ کے حسرت ناک انجام پر پہنچتے ہیں تو اپنے جذبات سے مجبور ہو جاتے ہیں کہ تھوڑی دیر توقف کر کے ان کی گزشتہ زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں اُس روز سے جب عنفوان شباب میں علیؑ نے محمدؐ کے پیرو ہونے کا مسلم ارادہ ظاہر کیا تھا اور غور کریں اس استقلال مزاج پر جس کے ذریعہ آپ اُس مقصد پر اڑے رہے جو محض وقتی آمد کا نتیجہ معلوم ہوتا تھا۔ ہم یاد کرتے ہیں اُس امداد کو جو آپ نے ہجرت کے وقت محمدؐ کو دی۔ وہ شجاعانہ جنگی کارنامے ہیں جو اس کے وقوع پذیر ہوئے۔ ابوبکر کی بیعت خلافت کو خود قبول کرنے میں پس و پیش کو جانتے تھے کہ اس عہد کی عزت ان کا حق تھی اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی حسرت و آلام و شکست سے مملو تھی۔ آپ نرم دل۔ متحمل مزاج۔ دنیوی لذت و عافیت سے بے پروا اور بے فکر تھے۔ مخالفت اور انتقام کو طرح دینے کے عادی تھے صلاح و مشورہ میں آپ کی دانائی اور پر مغز نکتہ سنج ضرب الامثال کے ایجاد میں آپ کی مسلم اور مشہور فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی"۔ (تاریخ عرب از گلمن صفحہ ۲۸۶ و ۲۸۷)

مورخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "امیر شام (معاویہ) بھاگنے کی تدبیر سوچنے لگا تھا لیکن

علیؑ کے قبضہ سے بسبب ان کے سپاہیوں کی نا فرمانی اور جوش و خروش کے فتح جو یقینی تھی نکل گئی معویہ نے قرآن مجید کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کر کے لوگوں کو سنجیدگی سے اُن کی طرف رجوع کیا۔ اس سے ان کے قلوب مرعوب ہو گئے۔ اور اس طرح علیؑ کو ایک نامعقول اہانت آمیز مہلت جنگ اور عیارانہ مصالحت پر مجبور کر دیا گیا وہ جناب غم و غصہ سے بھرے ہوئے کوفہ کی جانب واپس چلے آئے " (تاریخ زوال سلطنت روم از گبن جلد ۳ صفحہ ۵۲۲)

مورخ ایرونگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے" مالک اشتر معویہ کے خیمہ گاہ تک پہونچ کر اپنی فوج کو بڑھا رہے تھے۔ معویہ کی امیدیں منقطع ہو گئی تھیں کہ دفعۃً عمرو عاص نے ایک ایسی تدبیر سوچ لی جو مسلمانوں کے مذہبی توہمات پر مبنی تھی۔ دفعۃً شامیوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر بلند کر لیا اور چلا اُٹھے" خدا کے کلام کی طرف دیکھو اور آؤ اسی سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر لیں" اس کے سُننے ہی علیؑ کے سپاہیوں نے فوراً اپنے ہتھیاروں کی نوکوں کو نیچے کر لیا اور علیؑ کا یہ کہنا کہ یہ سب فریب ہے اور کوشش کرنا کہ انھیں آگے بڑھائیں بالکل بے سود ثابت ہوا۔ وہ لوگ چلانے لگے کہ کیا آپ کلام خدا کے فیصلہ پر راضی ہونے سے انکار کرتے ہیں؟ علیؑ نے دیکھا کہ اپنی بات پر اصرار کرنے سے اُن کے جوش عصبیت سے اور تصادم ہوگا اور ایک طوفان اپنے سر پر بپا ہو جائے گا۔ اس لئے چار و ناچار آپ نے پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا لیکن مالک اشتر کو واپس بلانے میں متواتر جھکولوں کی ضرورت پیش آئی اور جب یہ آئے تو خنجر سے خون ٹپک رہا تھا اور گویا خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے کہ ایک عظیم الشان فتح عیاری کے ہاتھوں چھین لی گئی " (تاریخ خلفائے محمدؐ صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

مورخ مذکور نے دوسری جگہ لکھا ہے" علیؑ محمدؐ کے ابن عم اور رسولؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمہؑ کے شوہر تھے۔ قرابت کے لحاظ سے خلافت علیؑ ہی کا حق تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب اور آپ کی اسلامی خدمات آپ کو اس عہدہ کا بدرجہ اتم مستحق ثابت کر رہی تھیں۔ آپ کی عالی ہمت سرگرمی اور جوش کے پہلے ہی بار پھوٹ پڑنے (اظہار) پر جب کہ دین اسلام مستحقر اور ایذا دہی کا نشانہ بنا ہوا تھا محمدؐ نے آپ کو اپنا بھائی اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور اُسی وقت سے آپ نے قول و فعل سے اپنی ذات کو رسولؐ کے لئے وقف کر دیا تھا اور اسلام کو اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی سے اتنی ہی عزت بخشی جتنی اپنی بہادری سے اُس کی حفاظت کی"۔ پھر لکھا ہے" بہر کیف جب کہ علیؑ اور آپ کے دوست خانۂ فاطمہؑ میں سرگرم مشورہ تھے ان کو بالکل بے خبر رکھ کر بہت سے سربرآوردہ مسلمان ایک جگہ مجتمع ہوئے تاکہ خلافت کے مسئلہ کو آپس میں طے کر ڈالیں۔ اس مجمع میں سب سے ممتاز دو شخص ابوبکر اور عمر تھے۔ اس مجمع کا پہلا کام اس امر کا اعلان کرنا تھا کہ اسلام کی حکومت موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہونا چاہئے۔ اور اس طرح علیؑ کے حقوق کو جو قرابت پر بھی مبنی تھے فوراً ضائع کر دیا اور معاملہ خلافت کو لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔ اس کی توجیہ خاندان قریش کی شاخ عبدالشمس کے حسد سے کی گئی ہے۔ ان کو خوف تھا کہ اگر علیؑ کے حقوق تسلیم کر لئے گئے تو حکومت کا

اقتدار مانند کعبہ کی محافظت کے ہاشم کے مغرور خاندان میں ہمیشہ کے لئے مخصوص ہو جائے گا۔ بعض لوگ اس امر میں عائشہ کی پرفتن معاندانہ اثر کو دیکھنے کے لئے مدعی ہیں ... اس کے بعد عمر یکایک اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوبکر کی طرف بڑھے اور یہ کہہ کر ان کا خیر مقدم کیا کہ آپ ہی سب سے پہلے سب سے بہتر سب سے زیادہ جانے بوجھے ہوئے پیغمبر کے پیرو ہیں۔ اور آپ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے بیعت کے طور پر ابوبکر کا ہاتھ چوما اور بادشاہ سمجھ کر اطاعت کرنے کی قسم کھائی۔ عمر کا اتباع فوراً دوسروں نے کیا اور اس طرح ابوبکر سردار تسلیم کر لئے گئے۔ عمر اس کے بعد منبر پر گئے اور بولے کہ اس کے بعد اگر کوئی شخص بلا عوام کی آواز کے شاہی اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جسارت کرے گا تو اُس کی سزا موت ہوگی اور علیٰ ہذا القیاس اُن سب کی جو ایسے شخص کو مقرر کرے گا یا اس کی پاسداری کرے گا۔ یہ بات سب نے فوراً مان لی اور اس طرح کسی دوسرے امیدوار کی کوششوں میں رکاوٹ ڈال دی گئی۔ اس پوری کارروائی میں عمر نے جو پالیسی برتی وہ اگرچہ سرسری نظر میں ان کی عالی ظرفی کا دھوکا دیتی ہے لیکن (غائر نظر والوں میں) اس کی سخت نکتہ چینی کی گئی ہے اس بنا پر کہ یہ سب مکاری اور خود غرضی کی چالیں تھیں۔ تاڑنے والے اس کو سمجھ گئے کہ ابوبکر کا سن بہت ہو چکا تھا کیونکہ پیغمبرؐ کی عمر کو تو وہ پہونچ ہی چکے تھے۔ اغلب تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتے اس لئے اُسی وقت عمر کو تھوڑے ہی دنوں بعد بر سر حکومت ہو جانے کا یقین تھا۔ اُن کی اس آخری کارروائی نے علیؑ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ علیؑ جو ان کے سب سے بڑے (رقیب) تھے جو اپنے دوستوں کے ساتھ خانہ فاطمہؑ میں بند رہ کر اس جلسہ کا کچھ علم نہیں رکھتے تھے۔ جس میں آپ کی توقعات اس طرح پائمال کر دی گئیں"۔

پھر لکھتے ہیں "محمدؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق امیدوار علیؑ تھے جن کا دعویٰ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اور جن کا حق سب سے زیادہ فطری تھا کیونکہ یہ محمدؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے اور فاطمہؑ سے اُن کی جو اولاد تھی صرف وہی رسولؐ کی یادگار رہ گئی تھی"۔ (تاریخ خلفا محمدؐ از ایرونگ ص۱۶۵)

آنریبل مسٹر ٹاٹیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا"۔ (ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری مطبوعہ ۱۸۵۱ء ص۲۲۹) انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی ہے "رسولؐ کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علیؑ کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا"۔ (منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ ص۲۶)

مسٹر سڈیو نے لکھا ہے "اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علیؑ کے موافق مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جنھوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا"۔ (اسپرٹ آف اسلام از مسٹر سڈیو مورخ فرانس۔ منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ ص۲۶)

مصنف بریف سروے نے لکھا ہے "علیؑ ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ جو حقیقت کے لحاظ سے ۲۴ سال قبل رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہئے تھا۔" (بریف سروے آف ہسٹری۔ منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

مورخ گبن نے ایک اور جگہ لکھا ہے "اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے مگر وہ دھوکے میں آ کر علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر ان کی سبز چادر اوڑھے سو رہے تھے ... صرف قبیلۂ قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ہیرو (علیؑ) کے اس اعلیٰ درجے کے کام کو جس سے ثابت ہوگیا کہ اُس کے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابل قدر خیال نہیں کیا بلکہ خود اُس کے چند اشعار جواب تک مشہور ہیں اُس قوی الیقین کی جو اُس کو اپنے مذہب کا تھا نیز اس فکر و تردّد کی جو اُس کو اپنے مذہب کے متعلق تھا اور نیز اس فکر و تردد کی جو اُس کو اپنے چچازاد بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں۔" (منقول از اعجاز التنزیل صفحہ ۴۵)۔

بمبئی ہائی کورٹ کے فاضل جج مسٹر ارنولڈ نے ایڈووکیٹ جنرل بنام محمد حسین خوجہ کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا ہے "الغرض علیؑ کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑ گیا۔ علیؑ کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اُس زمانے میں بھی جب کہ شجاعان عرب شہرۂ آفاق تھے۔ ضرغام آل ابوطالب اسد اللہ الغالب اُن کا لقب تھا اور ان کو اشجع العرب کہتے تھے۔ شجاعت۔ حکمت۔ ہمت۔ عدالت۔ سخاوت۔ زہد اور تقویٰ میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔" (لا رپورٹ بمبئی جلد دوازدہم۔ منقول از اعجاز التنزیل صفحہ ۶۶)۔

اور مسٹر ڈیون پورٹ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "ان دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے ایک نے محمدؐ کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف و حمیت ہے تولّا رکھی۔ بایں نظر کہ آں حضرتؐ ان سے ہمیشہ محبت و الفت علانیہ رکھتے تھے۔ اور چند مرتبہ ان کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔ علی الخصوص دو موقعوں پر (۱) جب آں حضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان لانا ظاہر کیا۔ حضرتؐ نے اپنی باہیں اس جوان کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کے بآواز بلند کہا دیکھو میرے بھائی، میرے وصی اور میرے خلیفہ کو" اور (۲) دوسرے جب آں حضرتؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا۔ بحکم خدا جس کو جبرئیل آں حضرتؐ کے پاس لائے تھے اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیرؤں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سنا دیجئے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے۔ اس واسطے کہ وہ خدا توانا ہے اور آپ کو لوگوں کے شر سے

بچا لے گا۔ بموجب اس حکم کے آں حضرتؐ نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کرے جس میں آں حضرتؐ کے پیرو اور یہودی اور نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں۔ یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں۔ جو نواح شہر جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پہلے اس مقام کو کل موانع سے صاف کیا گیا اور ۱۰ را پریل ۱۳۱ء کو آں حضرتؐ ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لئے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سُنتے تھے ایک خطبہ حضرتؐ نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے " تمام حمد و ثنا اُس یکتا خدا کو ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم گزشتہ و حال و آیندہ کو شامل ہے اور اُس کو آدمیوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم رہتے ہیں اس لئے کہ اُس سے کوئی چیز چھُپ نہیں سکتی۔ اگرچہ وہ بے قیاس بعید ہے تاہم سب سے قریب ہے۔ وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کیا۔ وہی ایک غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اُس کی قدرت و اختیار کے تابع ہے۔ مگر اس کی رحمت و فضل سب کو شامل ہے۔ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس میں ضرور مصلحت ہوتی ہے۔ وہ گنہ گاروں کے عقاب میں تاخیر کرتا ہے۔ اُس کا سزا دینا بھی رحمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اُس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم ہی نہیں ہے اور ہمیشہ غیر معلوم ہی رہے گا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اُسی کے حکم سے اپنی راہ پر جو اُسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں ... بعد حمدِ خدا واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندہ محکوم ہوں۔ مجھ کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سرِ نیاز بکمال خضوع و ادب جھکاتا ہوں۔ تین دفعہ جبریلؑ میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سب پیرووں سے خواہ وہ گورے ہوں خواہ کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وصی اور امام ہیں اور میرے گوشت و خون ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰؑ کے ہارون تھے۔ اور میری وفات کے بعد وہی تمھارے ہادی ہوں گے۔ جب میں اس دُنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیرووں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہئے جیسی اطاعت میری کرتے تھے جب کہ میں تم میں موجود تھا۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اُس نے درحقیقت خدا و رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علیؑ نے مجھ سے سیکھ لی ہیں۔ جو اس حکم کو نہ مانے گا اور علیؑ کا حکم نہ بجا لائے گا اللہ کی دائمی لعنت اُس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کے ہر سورہ میں علیؑ کی تعریف کی ہے۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علیؑ میرے چچا کے بیٹے اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عنایت کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ اور ان کے جانشین ہوں گے۔

اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور ان کو رسولؐ کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارکباد دی اور اقرار کیا کہ اُن کے کل احکام کو سچے طور سے

بجالائیں گے سن ۶۳۲ء میں صرف تین دن قبل اپنے انتقال کے آں حضرتؐ نے پھر اپنے تابعین کو ... قسم ان عقیدوں کی بمزید تاکید اس بات پر دی کہ آپ کی آل سے زیادہ تر خاص کر ہمیشہ محبت رکھیں اور اُن کی عزت و توقیر کریں ۔ بڑے شد و مد سے یوں فرمایا جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے۔ اللہ تائید کرے ان کی جو دوستی رکھتے ہیں علیؑ سے اور غضبناک ہو اُن پر جو ان کے دشمن ہیں۔ ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خود رسولؐ کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک و شبہ بالکل دُور رہا۔ مگر آخر میں سب کو مایوسی ہوگئی۔ کیونکہ ابوبکر کی بیٹی اور آں حضرتؐ کی دوسری زوجہ عائشہ نے کچھ اپنے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرا لیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آں حضرتؐ کا عائشہ کے حجرہ میں جانا خواہ آپ کی مرضی سے ہوا ہو یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے مفید مطلب بات ہوگئی کہ آں حضرتؐ کا حکم در بارہ خلافت علیؑ لوگوں کے کانوں تک نہ پہونچنے پائے۔ پس علی العموم یہ سمجھا گیا کہ رسولؐ نے بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کئے ہوئے انتقال کیا۔ اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تین خلیفوں نے بہم راج کیا قبل اس کے کہ علیؑ اپنے حق کو پہونچیں جس کے وہ اس قدر مستحق تھے نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت فاطمہؑ دختر رسولؐ کے بلکہ نیز بلحاظ اُن بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو اُنھوں نے مذہب اسلام کی کیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ شاید بی بی عائشہ کی اس تدبیر کے باعث ہوئی ہے ایک خدمت فرزندی ہو کہ اپنے باپ کے خلیفہ ہونے میں اعانت کی۔ مگر بے شک و شبہ نہایت قوی باعث اس کا علیؑ کی طرف سے پُرانا بغض و کینہ تھا جس کا سبب قصہ افک تھا ... اس میں علیؑ کی یہ رائے کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کی جائے اس کو وہ کبھی نہیں بھولیں اور کبھی درگزر نہیں کی بلکہ اس کے عوض ہمیشہ علیؑ کو ستایا کیں۔ اور ایسا انتقام لیا کہ مثل اس کے کسی نے نہ لیا ہوگا "

اس کے بعد ڈیون پورٹ نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ بننے کی روایت اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہؑ کا گھر پھونکنے کے لئے دھمکی دینے کا حال ذکر کر کے لکھا ہے کہ "عمر کے اس طرح جری بلکہ بیباکانہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں وہ بعد رسولؐ غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انھوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے خلیفہ ہو جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس عہدہ سے علیؑ کو خارج کر سکیں کہ وہی ایک مد مقابل تھے جن سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا " (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۵)

مورخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے " علیؑ کی ولادت یفضیلت۔ خاندان اور قرابت اُنھیں اپنے ہم وطنوں سے زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتی تھی۔ اور عرب کے خالی تخت کے لئے اُن کا حق جائز ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ رسولؐ اب زندہ نہ تھے لیکن فاطمہؑ کا شوہر ان کے باپ کی میراث اور دعا کی امید کر سکتا تھا۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں ۔ رسولؐ نے اپنے دونوں نواسوں کو گود میں

پالا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھا دیا تھا کہ یہ سرداران جوانان بہشت اور میری زندگی کی امید ہیں۔ علیؑ ہیں شاعر، سپاہی اور ولی ہونے کی صفتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کی عقل اب تک اخلاقی ضرب الامثال سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا ہر دشمن تلوار سے لڑے یا زبان سے اُس کی جرأت وفصاحت سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ اسلام کے شروع سے تجہیز وتکفین کے آخری کام تک اس عالی ہمت دوست نے رسولؐ کو نہیں چھوڑا۔ رسولؐ نے اُسے خوشی سے اپنا بھائی خلیفہ اور دوسرے موسیٰؑ کا ہارون کہا۔ ابن ابی طالبؑ کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا کہ اپنے فائدہ کے لحاظ کے لئے اپنے حق کا اظہار نہیں کیا۔ جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور حکم خدا سے خلافت پر مہر ہو جاتی[1] لیکن اُس غیر متوہم مرد میدان کو اپنے اوپر بھروسا تھا۔

---

[1] حکم خدا سے تو خلافت پر مہر ہو ہی چکی تھی۔ خدا نے قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ میں ہی زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں (پ۱ رکوع ۴) یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد تم کو زمین میں خلیفہ ہیں نے مقرر کیا ہے (پ۲۳ ع ۱۱) حضرت ابراہیمؑ سے بھی خدا نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین میں ہی تم لوگوں کو امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا ہاں مگر میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا (پ۱ ع ۱۵)۔ غرض جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفہ رسول ہو سکتا ہے نہ امام زمانہ۔ یہی عقل کا حکم ہے اور خدا کا فیصلہ بھی اُس نے صاف کہہ دیا ہے ماکان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ جب اللہ اور اُس کے رسولؐ کوئی امر طے کر دیں تو کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے (پ۲۲ ع ۵/۲) ربک یخلق ما یشاء ویختار۔ ماکان لھم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون۔ تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے (نبوت اور خلافت کے لئے) منتخب کر لیتا ہے کیونکہ انتخاب کا اختیار خدا نے لوگوں کو نہیں دیا ہے۔ یہ لوگ، جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ اس سے برتر ہے (پ۲۰ ع ۱/۱۰) ان آیات کی وجہ سے بھی خدا کا فرض تھا کہ حضرت رسول خداؐ کا خلیفہ وہی مقرر کرے۔ چنانچہ اُس کے حکم کے مطابق حضرت رسول خداؐ نے نبوت کے چوتھے ہی سال پورے مجمع میں اعلان کر دیا کہ یہی علیؑ میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کی اطاعت کرتے رہنا (دیکھو تاریخ ائمہؑ ص) خدا نے قرآن مجید میں بھی حضرت علیؑ کی خلافت ذکر کر دی ہے۔ فرمایا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ اے ایمان والو تمہارے سرپرست، حاکم تو بس یہی ہیں خدا۔ اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز قائم رکھتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (پ۶ ع ۱۲) یہ آیت باتفاق مفسرین شیعہ وسنی حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایک روز حضرت رسول خداؐ مسجد میں نماز ظہر پڑھتے تھے کہ ایک فقیر آیا اور سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہیں دیا۔ جناب امیرؑ رکوع میں تھے حضرت نے اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا کہ یہ انگوٹھی لے لے جو بہت قیمتی تھی۔ اس سائل نے اس کو اتار لیا۔

سلطنت کا حسد اور مخالفت کا خوف ممکن تھا کہ رسولؐ کے ارادہ کو معلق رہنے دیتا کیونکہ رسولؐ کے بستر علالت کو پُرفن عائشہ نے جو علیؑ کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں محصور کر رکھا تھا۔" (زوال سلطنت روم منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

اس قسم کی تحریریں بہت کثرت سے ہیں۔ باوجود ایسی واضح حقیقت کے جب آپ نے دیکھا کہ قول رسولؐ کے مطابق صحابہ کبار دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے اور خلافت پر قبضہ کر لیا تو حضرتؑ نے وصیت رسولؐ کے مطابق صبر کر لیا۔ مگر اس پر بھی وہ لوگ راضی نہیں ہوئے بلکہ آپ پر بیعت کے لئے نہایت سختی کی۔ حضرتؑ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت عمر نے آگ لکڑی منگائی اور کہا خدا کی قسم تم نہیں نکلو گے تو اس گھر کو اور جو لوگ اس میں ہیں سب کو پھونک ڈالوں گا۔ کسی نے کہا اے عمر اس گھر میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔ کہا ہوا کریں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ ۔ مروج الذہب جلد ۹ صفحہ ۱۴۹ ۔ ملل و نحل جلد ۱ صفحہ ۲۵ ۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ ۔ عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ وغیرہ)۔ حضرتؑ نے جواب دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کے ردا دوش پر نہیں ڈالوں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کلام الٰہی کا کوئی حصہ لوگوں کے دلوں سے محو نہ ہو جائے۔ غرض حضرتؑ نے خلفا ثلثہ سے کسی کی بھی بیعت نہیں کی۔ اور ان سے لڑنا بھی پسند نہیں کیا۔ ابوسفیان کہتا تھا اے علیؑ اگر تم خلافت کے لئے کوشش کرنی چاہو تو میں تمھاری طرف ہوں خدا کی قسم مدینہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا مگر حضرتؑ نے انکار کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)۔ انصار بھی علانیہ کہتے تھے لا نبایع الا علیا۔ ہم لوگ سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے (کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) لوگوں نے خلافت کو حضرت سے نکال لیا تو اس وقت کے انصاف پسند صحابہ کو بڑا تعجب ہوا اور انھوں نے یہ اشعار کہے ؎

ما کنت احسب ان الامر منصرف عن ھاشم ثم منھم عن ابی حسن

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸

اس پر حضرت رسول خداؐ نے دعا کی کہ اے اللہ تو علیؑ کو میرا وزیر اور خلیفہ بنا۔ فوراً جناب جبرئیلؑ آئے اور کہا یا حضرتؐ آپ اس آیۃ انما ولیکم اللہ کو پڑھئے جو خدا نے نازل کی ہے کہ مسلمانو! تم لوگوں کا حاکم بس اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں جو نماز قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۱۸) علماء محققین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ خدا نے نماز قائم کرنے والوں کو حاکم کہا ہے جس سے مراد کئی آدمی ہیں پھر یہ آیت خاص حضرت علیؑ کے بارے میں کیسے ہو سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگرچہ اس سے مراد ایک ہی بزرگ صرف حضرت علیؑ ہیں مگر خدا نے جمع کا لفظ اس لئے رکھا کہ دوسرے لوگ بھی حضرت علیؑ کی طرح خیرات کرنے کی کوشش کریں بلکہ موقع مل جائے تو نماز میں بھی اس کو نہ چھوڑیں۔ (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۴۲۲) آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک بھی حضرت علیؑ کی خلافت ہی کے متعلق نازل ہوئی تھی ۱۲ منہ

عن اول النّاس ایمانا و سابقة — واعلم النّاس بالقرآن والسنن
وآخرالناس عهدا بالنبی ومن — جبریل عون له فی الغسل والکفن
من فیه ما فیهم لا یمترون به — ولیس فی القوم ما فیہ من الحسن

یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ رسولؐ کی خلافت خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائیگی اور خاص کر حضرت علیؑ سے جوسب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب پر سبقت حاصل کی اور جو قرآن اور احادیث کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔ جو حضرت رسولؐ کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے اور جن کی مدد رسولؐ خدا کے غسل دینے اور کفن پہنانے میں جبریلؑ نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرتؑ میں بھی ہیں۔ لیکن حضرتؑ میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ کسی میں بھی نہیں ہے۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ وغیرہ)

حضرت علیؑ نے خلیفہ اول و دوم وسوم کا زمانہ زیادہ تر خاموشی اور عبادت میں بسر کیا۔ البتہ خود یہ لوگ مشکل موقعوں پر حضرتؑ سے مدد لیتے اور حضرتؑ نہایت خندہ پیشانی سے اسلام کی حفاظت کی غرض سے ان کی مدد کرتے۔ ان کو مفید مشورے دیتے اور بڑے بڑے ہلکوں سے بچاتے رہتے۔ حضرت عمر برابر کہا کرتے لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

مشہور مسٹر امیر علی نے لکھا ہے "حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے"۔ (تاریخ اسلام)

حضرت کی ظاہری خلافت

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے قتل پر صحابہ نے حضرتؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا اور ۲۵/ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ کی بیعت عامہ عمل میں آئی۔ بیعت کے وقت آپ نے فرمایا" جان لو کہ میں حد شرع سے تجاوز نہیں کروں گا اور نہ کسی کی طرف داری مجھ سے ہو سکے گی نہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دوں گا۔ سب کو ایک نظر رحمت و عطوفت سے دیکھوں گا۔ اور لوگوں کے درمیان احکام بموجب کتاب خدا و حدیث و سنت رسولؐ جاری کرونگا بیت المال سے ایک درہم بھی اپنے واسطے نہیں لوں گا"۔ سب سے پہلا جو خطبہ آپ نے پڑھا اس میں فرمایا الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ۔ خدا کے اس احسان پر کہ آج حق اپنی جگہ پر پلٹ آیا میں اس کی حمد وثنا کرتا ہوں (روضۃ الاحباب) بیعت کے دوسرے دن حکم دیا کہ بیت المال کا دروازہ کھول دو اور اس کا کُل مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

گورنروں کا تقرر

محرم ۳۶ھ ہجری میں حضرت علیؑ نے اسلامی صوبوں میں حسب ذیل حکام مقرر کئے۔ یمن میں عبیداللہ بن عباس۔ بحرین میں سعید بن عباس۔ تہامہ میں سماحہ بن عباس۔ یمامہ میں عون بن عباس۔ مکہ میں قثم بن عباس۔ مصر میں قیس بن سعد بن عبادہ۔ [illegible]

عثمان بن حنیف۔ کوفہ میں عمارہ بن شہاب۔ شام میں سہل بن حنیف۔

جنگ جمل

حضرتؑ کے خلیفہ ہوتے ہی طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے جو سب کے سب قتل حضرت عثمان میں پیش پیش تھے، حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا الزام لگا کر آپ کی مخالفت شروع کر دی اور ایک کافی جماعت مہیا کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو آپ بھی آخر ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرہ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ اس سفر میں ایک چشمہ پر پہونچیں جس کا نام حواب تھا۔ آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں (اسی وجہ سے اس لڑائی کو جنگ جمل کہتے ہیں) حواب کے کتے حضرت عائشہ کے اونٹ کو دیکھ کر جمع ہوئے اور بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ اس چشمہ کو حواب کہتے ہیں تو چلائیں کہ مجھے واپس لے چلو۔ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ "میری ایک بی بی ایسی ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اے عائشہ ڈرنا کہیں تم ہی وہ بی بی نہ ہو" مگر ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نے جھوٹی قسم کھا کر ان کو یقین دلایا کہ یہ حواب نہیں ہے۔ غرض حضرت عائشہ وہاں سے آگے بڑھیں بصرہ میں اتریں اور لڑائی کا سامان شروع کر دیا۔ جمادی الاخری ۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ کی فوج ۳۰ ہزار اور جناب امیرؑ کی ۲۰ ہزار تھی۔

حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ اہل جمل کسی طرح باز نہیں آتے تو اپنی فوج کو اس طرح سمجھانے اور ہدایت کرنے لگے (۱) بہادرو! دیکھو اس جنگ سے ہماری نیت صرف دشمن کا دفع کرنا ہو (۲) جب تک فریق مخالف کی طرف سے ابتدا جنگ نہ ہو تم لڑائی شروع نہ کرنا (۳) خبردار جو لوگ بھاگیں ان کا تعاقب نہ کرنا (۴) زخمی۔ بیمار۔ عورتوں اور بچوں سے تعرض نہ کرنا نہ ان پر ہتھیار اٹھانا (۵) جو لوگ مقتول ہو جائیں ان کے کپڑے نہ اتارنا (۶) جو شخص صلح پیش کرے اس کے ہتھیار نہ لینا اور نہ اسے مارنا (۷) بعد فتح کوئی شخص کسی کے گھر میں نہ گھسے۔

جب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کو اس شان سے دیکھا تو اپنے پاس کے لوگوں سے کہا علیؑ کی طرف دیکھو کہ آج ان کے افعال اُن افعال سے بالکل مشابہ ہیں جو رسول خدا صلعم کے بدر کے روز تھے۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے جناب عائشہ کی طرف دیکھ کر فرمایا اے عائشہ بہت جلد تم اپنے اس فعل پر شرمندہ اور پشیمان ہوگی۔ غرض دشمن کی فوج نے حضرت علیؑ کی فوج پر تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حضرت علیؑ نے اپنے سرداروں کو جنگ شروع کرنے کی اجازت نہیں دی جب حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی جواب دینے کی اجازت مرحمت ہو کہ دشمن زیادہ سختی سے حملے کر رہے ہیں تو حضرتؑ نے خدا کی درگاہ میں عرض کی "اے اللہ میں نے بہت عذر کئے اور ان سب کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہ نہیں مانتے۔ تو گواہ رہنا" پھر ایک شخص کو ان کی طرف بھیج کر ان کو جنگ سے باز رہنے کی آخری فہمائش کی مگر اس کو ان لوگوں نے قتل کر دیا تب حضرتؑ نے فرمایا اب ان سے لڑنا

حلال ہوگیا۔ غرض جنگ شروع ہوئی طلحہ قتل ہوگئے۔ زبیر بھی مارے گئے۔ حضرت عائشہ شکست کھاکر مغلوب ہوئیں اور اُن کی فوج بھاگ گئی۔ جناب امیرؑ نے جناب عائشہ کی حفاظت کی اور کوئی زخم نہیں لگنے دیا۔ انھوں نے حضرتؑ سے کہا "اے علیؑ تم نے فتح پائی اب نیکی اور احسان کرو"۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے سب اہل لشکر کو امان دی۔ اس کے بعد حضرتؑ نے حکم دیا کہ کشتوں کو دفن کردیں اور مخالفین کے ہتھیاروں اور مال و اسباب کو جامع بصرہ میں جمع کرا کے اعلان کرا دیا کہ لوگ اپنا مال لے جائیں۔ اس جنگ میں ۱۳ ہزار آدمی حضرت عائشہ کی طرف کے اور ۵ ہزار جناب امیرؑ کی فوج کے مارے گئے۔ (مروج الذہب جلد ۵ ص۱۷۱) پھر حضرتؑ نے جناب عائشہ کو پچاس ہزار درہم دلوا کر اور بصرہ کی چالیس یا اسّی عورتوں کو مردانہ لباس میں مسلح کرا کے ان کے ساتھ نہایت عزت و حرمت و آرام سے مدینہ روانہ کر دیا۔ اس موقع پر ایک یوروپین مورخ نے لکھا ہے کہ "عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کا خوف ہوسکتا تھا مگر وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن کو اپنی شان دکھاتا۔ اس نے ان کی عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کردیا"۔ (ایروِنگ)

فتح کے بعد جناب امیرؑ نے جناب عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر اور زیاد کو ان کا نائب مقرر کیا اور ۱۶ رجب ۳۶ھ کو اپنے پورے لشکر کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں یہاں رہ کر کوفہ، عراق، خراسان، یمن، مصر اور حرمین کا انتظام کیا اور اس اندیشے سے کہ معویہ عراق پر قبضہ نہ کرے کوفہ کو دارالخلافہ مقرر کرکے یہیں مقیم ہوگئے۔

جنگ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی جناب امیرؑ نے اس کو فرو کرا دیا جس کے بعد تمام بلاد سیستان پر حضرتؑ کا تسلط ہوگیا۔ اسی سال اہل مرو (خراسان) نے سرکشی کی اور حضرتؑ نے خلید کو اس طرف روانہ کردیا۔

جنگ صفین جنگ جمل کے زمانے میں معویہ جو حضرت عمر کے زمانے سے شام کا گورنر تھا شامیوں کو قتل عثمان کی سازش کے اتہام میں حضرت علیؑ سے بھڑکا رہا تھا اور اسی حیلے سے حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول کرنے اور خود خلیفہ بن جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جنگ کا پورا سامان کرلیا۔ حضرت علیؑ نے اس کو فتنہ و فساد سے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں مانا بلکہ حضرتؑ سے لڑنے کے لئے اپنی ایک لاکھ بیس ہزار فوج مقام صفین میں جمع کی تو جناب امیرؑ بھی نوے ہزار فوج سے اس کے مقابلے پر چلے۔ حدود جزیرہ میں پہونچے تو پانی نہیں ملا۔ لشکر پیاس سے بے چین ہوا وہاں عیسائیوں کا ایک دیر تھا۔ حضرتؑ نے اس کے راہب کو بلا کر فرمایا وہ چشمہ بتاؤ جو یہیں ہے اور اس سے انبیاء بنی اسرائیل نے پیا ہے۔ راہب نے عرض کی اس منزل میں ایک پوشیدہ چشمہ ہے ضرور مگر اسے پیغمبر یا وصی پیغمبر کے سوائے کوئی کھول نہیں سکتا۔ اگر آپ وہ چشمہ مجھے دکھا دیں تو میں

آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں۔ حضرت نے ایک جگہ کھدوایا تو بڑا پتھر نکلا جس کو بہت سے آدمی مل کر بھی نہ ہٹا سکے۔ تب حضرت نے خود اکیلے اُس پتھر کو نکال کر پھینک دیا جس کے نیچے صاف پانی کا چشمہ نکل آیا۔ سب لشکر والوں نے پیا۔ (عیسائی) راہب یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا اور ایک صحیفہ دیر سے نکال کر دکھایا جس میں نبی آخرالزماں کی بعثت اور جناب امیرؑ کے اس جگہ پہونچ کر چشمہ ظاہر کرنے کا حال لکھا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ کے حواری جناب شمعون الصفا کا لکھا ہوا تھا۔ حضرتؑ اُسے دیکھ کر شکر خدا بجا لائے اور آگے روانہ ہوئے۔ راہب بھی ساتھ رہا اور جنگ صفین میں شہید ہوگیا (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۹۲۔ حبیب السیر جلد ۱ ص ۵۶۔ جامع التواریخ ص ۲۳۸۔ سوانح المصطفیٰ ص ۳۲۔ سکسبر آف محمد از مسٹر ایرونگ وغیرہ)

جب حضرتؑ کی فوج لشکر معویہ کے مقابل پہونچ گئی تو معویہ نے نہر فرات پر پہلے ہی قبضہ کرکے اُس کا پانی حضرتؑ کی فوج پر بند کردیا۔ حضرتؑ نے معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی روکنا مناسب نہیں مگر معویہ کسی طرح نہیں مانا۔ تو حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ حضور اجازت دیں ہم لڑکر پانی لائیں۔ مجبوراً حضرتؑ نے اجازت دی۔ حضرتؑ کی فوج نے زور شور سے لڑکر گھاٹ چھین لیا۔ اب تو معویہ بہت گھبرایا کہ پیاس سے اس کا لشکر ہلاک ہوگا مگر اس کے وزیر عمرو عاص نے کہا حضرت علیؑ تمھارے ایسے نہیں ہیں۔ وہ کفو کریم ہیں۔ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ معویہ نے مجبوراً جناب امیرؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہمارے لشکر پر پانی بند نہ کیا جائے۔ حضرتؑ تو کریم بن کریم خلیفہ رحمۃ للعالمین اور ساقی کوثر تھے۔ جواب دیا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے مطمئن رہو۔ اور عام منادی کرادی کہ پانی سب کے لئے حلال ہے۔ دونوں لشکروں سے جس کو ضرورت ہو لے جائے۔ مگر معویہ نے اپنی کارروائی نہیں روکی۔ عراق کی طرف سے جو رسد جناب امیرؑ کے لشکر میں آتی تھی بند کرادی۔ غرض معویہ حضرتؑ کو ہر طرح ستانے کی تدبیریں کرتا اور حضرتؑ اس کو سمجھانے اور مسلمانوں کی خونریزی سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہے مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی نے لکھا ہے پیغمبر خدا کو (ہرے) ہوئے ۲۵ برس ہو چکے تھے۔ اُن کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چکا تھا۔ جنگ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کہہ کر چھپایا گیا لیکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ اب صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے یعنی دین اور دنیا دونوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ امت محمدی پر کوئی نااہل حکمراں یا امیر ہو ۔۔۔ وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تھے تو اس لئے کہ بغاوت کا قلع قمع اور نامنراؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھا۔ یہ بھلا یا برا۔ بس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے جو کسی فریق کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا مسلمانوں کا

دوسرا گروہ اُن لوگوں کا مجموعہ تھا جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا زود ولا یحصل الا بالزود پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے ۔ یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سنت نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا ۔ معویہ اس گروہ کا سردار تھا ۔ اتفاق زمانہ نے اس کو سردار بنا دیا یا یوں کہئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا موقع ملا ... معویہ کے بعض ساتھیوں کو مکر کرنے ۔ جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کے خون ناحق بہانے میں کوئی تامل نہ تھا اور یہاں علی ابن ابی طالبؑ کو بڑی دقت یہ تھی کہ وہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے شروع میں وہ تلوار سے کام نہ لیتے تھے ۔ تلوار جب اُٹھاتے تھے کہ معاملہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا ۔ اور اس پر ایک دقت یہ تھی کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے رُک جاتے تھے ... غرض کہ علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجیب کشمکش میں تھی اور رسول اللہ صلعم کے صحابیوں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی سی روحانی تکلیف نہیں اُٹھائی ۔ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہے ۔ اگر واقعہ کربلا کو طاعون سے تشبیہ دیں تو حضرت علیؑ کی دقتوں کو عارضہ سل سے تشبیہ دے سکتے ہیں ... بعض کج رائے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی خودرائی ناکامی کا سبب ہوئی لیکن حضرت علیؑ پر خودرائی کا الزام غلط ہے ۔ علم ۔ شجاعت ۔ متانت اور حکمت ان کے حصہ میں تھی ۔ خودرائی چہ معنے دارد ۔ خودرائی نہیں بلکہ وہ حالات ان کی ناکامیابیوں کے سبب ہوئے جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا ۔" (تاریخ اسلام ص ۳۰۳)

غرض ماہ ذی الحجہ سنہ ۳۶ ہجری میں فریقین کی فوجیں بمقام صفین جمع ہوئیں ۔ حضرتؑ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج کو تاکید کر دی تھی کہ "جب تک یہ لوگ ابتدا نہ کریں تم ہرگز ان سے جنگ نہ کرنا ۔ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا ۔ ان کے مالوں سے کچھ نہ لینا ۔ کسی کا راز فاش نہ کرنا ۔ مریض اور برہنہ کو آزار نہ پہونچانا ۔ زخمی کے ساتھ سختی نہ کرنا ۔ عورتوں کو اذیت پہونچا کر غیظ و غضب میں نہ لانا اگرچہ وہ تمہارے سرداروں کو سب و شتم کریں کیونکہ ان کی قوتیں کمزور اور ان کی عقلیں ان کے نفوس ضعیف ہیں ۔ عہد رسولؐ میں بھی ہم اسی پر مامور تھے کہ ان سے باز رہیں حالانکہ وہ مشرکہ عورتیں تھیں ۔" ذی الحجہ معمولی لڑائیوں میں گزرا ۔ محرم سنہ ۳۷ ہجری میں لڑائی بند رہی ۔ یکم صفر سنہ ۳۷ ہجری سے سات دن تک برابر صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی ۔ ایک دن حضرتؑ نے پکار کر فرمایا "اے ابن ہند کیوں مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو ۔ خود میدان میں نکلو کہ ہم تم فیصلہ کر لیں ۔" مگر معویہ کو نکلنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ تب حضرتؑ بھیس بدل کر میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا ۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو نہ پہچانا اور سامنے آکر رجز پڑھا ۔ حضرتؑ نے بھی رجز پڑھ دیا ۔ عمرو عاص کو معلوم ہو گیا کہ حضرتؑ ہیں ۔

بھاگا۔ حضرتؑ نے جاتے ہوئے ایک نیزہ لگایا۔ وہ گھوڑے سے گرا اور دونوں ٹانگیں اٹھادیں۔ حضرتؑ نے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا جا تو اپنی شرم گاہ کا آزاد کردہ ہے۔ ایک دن بُسر بن ابی ارطاۃ بھی حضرتؑ کے مقابلے پر آیا اور عمرو عاص کی طرح شرم گاہ کھول کر حضرتؑ سے بچ گیا۔ اسی جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر بھی شہید ہوئے۔ (دیکھو تاریخ ائمہ ص ۱۶۸)

آٹھویں رات کو جسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں سب سے شدید لڑائی ہوئی۔ حضرتؑ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو قتل کرتے تو تکبیر کہتے۔ اس رات کو آپ کی ۵۲۳ تکبیریں سنی گئیں۔ (نور الابصار ص ۶۹) معویہ نے کہا کہ "لیلۃ الہریر میں علیؑ نے ۹ سو آدمی سے زیادہ قتل کئے تھے۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ یا علیؑ سے معافی مانگ کر مکہ میں سکونت کر دوں یا قیصر روم کے پاس جا کر اس کے کسی جزیرہ میں رہنے لگوں۔" لشکر شام میں ہر طرف الغیاث الامان کی فریادیں بلند تھیں۔ غرض نہایت سخت گھمسان کا رن پڑا تھا۔ آخر معویہ کی فوج بھاگنے لگی اور اسے پوری شکست ہونے ہی کو تھی کہ عمرو عاص کا مکر و فریب کام آ گیا۔ اس نے نیزوں پر قرآن بلند کرا دیے اور آواز بلند یہ کہلانا شروع کیا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ کلام اللہ ہے۔ مقصود یہ تھا کہ جنگ موقوف کر کے اس کے مطابق ہم لوگ فیصلہ کر لیں۔ اس پر حضرتؑ کی طرف والوں میں سے اشعث بن قیس اور چند دوسرے سرداروں نے جو معویہ سے بڑی بڑی رشوتیں لے چکے تھے لڑائی موقوف کر دی اور حضرتؑ سے کہا کہ قرآن کو ماننا چاہیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا معویہ، عمرو عاص اور ان کے طرف داروں کو دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں ان سے اسی لئے لڑتا ہوں کہ یہ دیندار ہو جائیں۔ انھوں نے فریب دینے کے لئے قرآن بلند کئے ہیں۔ مگر انھوں نے کچھ نہ سُنی اور حضرتؑ کو لڑائی بند کر دینے پر مجبور کیا۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا۔ تب زور دیا کہ مالک اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ حضرتؑ نے ان کے پاس آدمی بھیجا تو انھوں نے جواب دیا کہ اب معرکہ ختم ہے۔ لشکر معویہ کے پاؤں اُٹھتے ہی ہیں مگر حضرتؑ نے جو بلایا تو وہ افسوس کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور دیکھا کہ لشکر کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ یہ حضرت علیؑ سے انحراف کرنے والے اُس وقت سے خارجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر اشعث بن قیس حضرتؑ سے اجازت لے کر معویہ کے پاس گیا اور پوچھا تم نے قرآن کیوں بلند کئے ہیں۔ معویہ نے کہا اس غرض سے کہ ہم اور تم دونوں اس بات کو قبول کریں جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ایک آدمی کو تم اپنی طرف سے حَکَم مقرر کرو۔ ایک کو ہم مقرر کرتے ہیں۔ وہ دونوں حَکَم کتاب اللہ کے موافق جو حکم دیں ہم دونوں اس پر عمل کریں۔ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ شامیوں نے عمرو عاص کو اور اشعث و خوارج نے ابو موسیٰ اشعری کو حَکَم مقرر کیا مگر حضرتؑ نے ابو موسیٰ کو پسند نہیں کیا اور چاہا کہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کریں۔ لیکن خوارج نے کہا ہم ابو موسیٰ کے سوا کسی سے راضی نہیں ہوں گے۔ مجبوراً حضرتؑ نے فرمایا جب تم میری بات مانتے ہی نہیں تو جو چاہو کرو۔ اس کے بعد لڑائی بند ہو گئی۔ دونوں حَکَم حضرتؑ کے پاس

آئے۔ اقرار نامہ اس طرح لکھنا شروع ہوا "یہ وہ اقرار نامہ ہے جس پر فیصلہ کیا امیرالمومنین علی مرتضیٰؑ نے"
اس پر عمرو عاص نے ٹوکا کہ یہ تمھارے امیر ہیں ہمارے نہیں۔ اس پر جھگڑا ہوا تو حضرتؑ نے فرمایا۔
"اللہ اکبر یہ قضیہ مثل قضیہ حدیبیہ کے ہے۔ صلح حدیبیہ میں جب میں نے محمدؐ رسول اللہ لکھا تھا تو کفار
نے کہا آپ رسول اللہ نہیں ہیں۔ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوایئے اُس وقت آں حضرتؐ نے
لفظ رسول اللہ مٹا دیا اور مجھ سے فرمایا تھا اے علیؑ تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۲۷)
غرض ۱۳؍ صفر ۳۷ھ ہجری کو اس امر پر صلح ہو گئی کہ یہ دونوں حکمؑ موافق قرآن و سنت کے حکم دیں۔ اگر
خلاف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ حکم دیں تو امت رسولؐ اس حکم سے بیزار ہو جائے۔ اس وقت
فریقین اپنے گھر واپس جائیں اور ماہ رمضان میں فیصلہ دیں۔ اس کے بعد طرفین کے لوگ میدان جنگ
سے روانہ ہونے لگے تو خارجیوں نے اس صلح پر بھی شور مچایا کہ "علیؑ نے حکمؑ پر رضامندی ظاہر کی۔ وہ
اب مسلمان نہیں رہے۔ اللہ جو حکم دیتا وہی ٹھیک تھا ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں
ہو سکتا) لڑائی ہی سے فیصلہ کر لیا جاتا عمرو عاص اور ابو موسیٰ کیا فیصلہ کریں گے۔" حضرتؑ نے فرمایا کہ
تم لوگوں نے نیزوں پر قرآن دیکھ کر مجھ کو مجبور کیا اور اب کہتے ہو کہ حکمؑ کیوں مقرر کئے گئے۔" غرض یہ لوگ
وہیں سے جدا ہو گئے اور خوارج کہلانے لگے۔ صفین میں نوّے لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا
وہاں قیام رہا۔ معویہ کے ۹۰ ہزار اور حضرتؑ کے ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے۔

فیصلہ حکمین

حکمین اذرح میں جمع ہوئے۔ اور رائے کی کہ علیؑ اور معویہ دونوں کو معزول کر کے
نیا خلیفہ مقرر کیا جائے۔ عمرو عاص نے ابو موسیٰ سے کہا آپ بزرگ ہیں پہلے آپ ہی
تقریر کیجئے۔" ابو موسیٰ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا "ہم دونوں کی متفقہ رائے ہے کہ علیؑ و معویہ دونوں
معزول کر دیئے جائیں اب جس کو چاہو تم لوگ خلیفہ بنا لو۔" اس کے بعد عمرو عاص کھڑا ہوا اور کہا "جو کچھ
ابو موسیٰ نے کہا تم لوگوں نے سُنا۔ اُنھوں نے علیؑ کو برطرف کر دیا ہے۔ میں بھی ان کو برطرف کرتا ہوں اور
معویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔" اس پر ابو موسیٰ بگڑے کہ تو نے فریب کیا اور مجمع پراگندہ ہو گیا۔ اس مکاری کی
کارروائی کے بعد عمرو عاص نے دمشق جا کر معویہ کو خلیفہ بنا دیا۔ اور معویہ نے حکم دیا کہ علیؑ حسنؑ حسینؑ۔
ابن عباس اور مالک اشتر پر لوگ منبروں پر لعنت کیا کریں۔ غرض اُس روز سے حضرتؑ کے ہر کام
میں ضعف ہوتا اور معویہ قوت پکڑتا گیا۔

جنگ نہروان

حضرت علیؑ اور آپ کے طرفداروں نے اس مکاری کے فیصلہ کو نامنظور کر کے
معویہ پر دوبارہ فوج کشی کرنی چاہی کہ خارجیوں کی بغاوت کی خبر پہنچی جو حضرتؑ
سے علیحدہ ہو کر کوفہ کے پاس مقام حروراء میں آ رہے تھے تو حضرتؑ نے بہت سمجھایا کہ حکمؑ مقرر کرنے کا
حکم خود قرآن میں موجود ہے مگر وہ کسی طرح نہ مانے اور ۱۰؍ شوال ۳۸ھ ہجری کو اپنا ایک سردار مقرر کر کے

بغداد سے ۴ فرسخ پر مقام نہروان میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو بری طرح ستانے لگے۔ مجبوراً حضرتؑ نے ان پر چڑھائی کی۔ اواخر ۳۸ھ ہجری میں جنگ نہروان ہوئی۔ ۱۲ ہزار خارجی تھے۔ ان میں سے بعض نے حضرتؑ کی اطاعت کر لی اور بعض کوفہ و مدائن کو چلے گئے۔ چار ہزار خوارج نے حضرتؑ کی فوج پر حملہ کیا مگر سب مارے گئے۔ صرف ۹ بچے۔ اور حضرتؑ کی طرف سے صرف ۹ شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا مگر سوائے چند آدمیوں کے سب نے تھکن اور ہتھیاروں کی خرابی کا عذر کیا۔ اس وجہ سے حضرتؑ نے چند روز تک جنگ کو ملتوی کر دیا۔ اسی زمانہ میں حضرتؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ معویہ نے حضرت علیؑ کو خوارج کے ساتھ مشغول جنگ دیکھ کر ۳۸ھ ہجری کے شروع میں عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا تو محمد بن ابی بکر نے تمام واقعہ کی اطلاع حضرتؑ کو بھیج دی۔ حضرتؑ نے فوراً مالک اشتر کو محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کر دیا۔ معویہ کو یہ خبر پہنچی تو بہت گھبرایا کہ اب کیا ہو۔ آخر مخفی طور پر عریش کے زمیندار کو لکھ کر بھیجا کہ مالک اشتر مصر جاتے ہوئے تمہارے گاؤں سے ضرور گزریں گے ان کو زہر سے ہلاک کر دو تو میں تمہیں بیس سال کا خراج معاف کر دوں گا۔ مالک وہاں پہنچے تو روزے سے تھے۔ زمیندار نے دعوت کر کے زہر کا شربت پلا کر کام تمام کر دیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۵۴ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴ وغیرہ) غرض ۳۸ھ ہجری میں محمد بن ابی بکر اور عمرو عاص میں جنگ ہوئی۔ محمد زخمی ہو کر پکڑے گئے اور انھیں زندہ ایک گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا جس کے بعد عمرو عاص نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت عائشہ نے اپنے بھائی محمد کے اس طرح مارے جانے کی خبر سنی تو بہت رنج کیا اور ہر نماز کے بعد معویہ اور عمرو عاص کے لئے بددعا کرتی تھیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

معویہ دلیر ہوتا گیا اور ۳۹ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک حضرت علیؑ کے مختلف ملکوں پر تاخت کرتا اور بصرہ۔ عین التمر۔ ہیت۔ انبار۔ تیماء۔ ثعلبیہ۔ قطقطانہ۔ حجاز و مکہ و مدینہ وغیرہ اور یمن پر لوٹ مار کی۔ جنگی مہمیں بھیجتا رہا جو وہاں کے باشندوں کو قتل و غارت کرتیں اور جب حضرتؑ کی فوجیں پہونچتیں تو بھاگ جاتیں۔ ۴۰ھ ہجری میں معویہ نے حضرت علیؑ سے خط و کتابت کر کے حضرتؑ کو اس پر راضی کر لیا کہ طرفین کے حملے روک دیئے جائیں۔ کوئی لوٹ مار کے ارادہ سے دوسرے ملک میں داخل نہ ہو اور شام و مصر میں معویہ کا اور عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں حضرت علیؑ کا قبضہ رہے۔

حضرتؑ کے کل ایام خلافت باغیوں سے لڑنے میں بسر ہوئے۔ جنگ جمل کے بعد خراسان و سیستان کی بغاوتیں فرو کر کے ان کو مطیع بنایا گیا۔ آپ کے عہد میں فارس کا لشکر مکران اور بہرج اور کوہ پایہ سے ہو کر قیقان کے پہاڑ تک آیا مگر اہل اسلام لڑ کر مکران میں جا ٹھہرے۔

حضرت علیؑ کی شرعی پابندی

حضرتؑ شرعی امور کے ایسے پابند تھے کہ جناب عقیل کے وظیفہ میں اضافہ نہیں کیا۔ (دیکھو تاریخ ائمہ ص) اور عبداللہ بن عباس کی خیانت کی خبر سنی تو ان سے بھی تعرض کیا جس پر وہ بھی حضرتؑ سے ناراض ہو گئے۔

وفات

واقعہ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے کی کہ تینوں شخصوں (معویہ۔ عمرو عاص اور حضرت علیؑ) کی وجہ سے انتشار ہو رہا ہے۔ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے لئے ۱۹ ررمضان مقرر ہوئی۔ چنانچہ تینوں خارجی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معویہ کے لئے۔ دوسرا فسطاط مصر میں عمرو عاص کے لئے اور تیسرا ابن ملجم حضرت علیؑ کے لئے۔ معویہ اور عمرو عاص تو بچ گئے مگر ابن ملجم جب اس ارادہ سے کوفہ پہونچا تو مسجد کوفہ میں جا کر چھپ رہا۔ حضرت علیؑ ایک شب امام حسنؑ کے پاس۔ دوسری رات امام حسینؑ کے پاس افطار کرتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ کرتے۔ جب ۱۹ ررمضان ۴۰ھ ہجری کو حضرتؑ نماز صبح کے لئے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطخیں چیخنے لگیں۔ حضرتؑ پر اس کا اثر ہوا اور مسجد میں تشریف لائے اذان دی جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے تلوار ماری جس سے تا ابرو سر شگافتہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا فزت و رب الکعبہ قسم بخدا میں اپنے مطلب پر فائز ہوا۔ اس کے بعد لوگ حضرتؑ کو گھر میں لائے۔ ابن ملجم بھی گرفتار ہو کر آیا حضرتؑ نے حکم دیا اس کی حفاظت کرو۔ اچھا کھانے کو اور نرم بچھونا سونے کو دینا۔ اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا ولی ہوں خواہ معاف کر دوں، خواہ قصاص لوں۔ اور اگر مر گیا تو اسے بھی مار دینا مگر حد سے نہ گزرنا۔ (طبری جلد ۵ ص) ۱۹ ر ماہ رمضان روز چہار شنبہ صبح کو آپ پر ضربت پڑی اور شب جمعہ ۲۱ ماہ صیام کو آدھی رات سے پہلے حضرتؑ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرتؑ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ حضرتؑ کی حقیقی خلافت تیس سال (وفات رسولؐ ۱۱ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک) تھی۔ مگر ظاہری حکومت صرف پونے پانچ سال رہی۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا۔ جناب محمد بن حنفیہ نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت امام حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور شب ہی کو نجف اشرف میں دفن کر دیا اور حضرتؑ کی وصیت کے مطابق قبر کا نشان چھپا دیا گیا۔ (ارشاد شیخ مفید ص)

قبر مبارک کی کرامت

علامہ دمیری و مورخ حبیب السیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے تک سوائے ائمہ اہلبیتؑ کے کسی کو حضرتؑ کی قبر کا پتا نہ تھا۔ ایک دن ہارون اسی طرف شکار کھیل رہا تھا۔ ایک ہرن یا اور کسی شکار پر اس نے اپنے شکاری کتوں یا چیتوں کو چھوڑا۔ وہ شکار اسی قبر پر بھاگ گیا۔ ہارون نے بڑی کوشش کی کہ اسکے شکاری کتے یا چیتے اوپر چڑھ کر اس شکار کو پکڑیں مگر ان سبھوں نے بالکل قدم نہیں بڑھایا۔ تو ہارون کو بڑا تعجب ہوا اور اس راز کی تحقیق شروع کی بہت کچھ تفتیش کے بعد ایک بوڑھا بولا کہ یہ حضرت علیؑ کی قبر ہے۔ ہارون نے پوچھا تم کو کیسے معلوم۔ کہا میرا

باپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ یہاں زیارت کے لئے آیا کرتا تھا اور وہ اپنے والد حضرت امام محمد باقرؑ کے ساتھ اور وہ اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تشریف لاتے تھے جن کو اس کا پورا علم تھا۔ ہارون نے وہاں کٹہرا لگوا دیا۔ پھر سلاطین سامانیہ کے عہد حکومت میں یہاں بہت سی عمارتیں بنیں۔ پھر بنو بویہ کے عہد حکومت میں وہ بنائیں ویران ہو کر نئے سرے سے اور عمارتیں بنائی گئیں۔ (حجۃ الحیوان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

حضرتؑ کی ازواج و اولاد

حضرتؑ کی حسب ذیل ازواج سے یہ اولاد ہوئیں (۱) حضرت فاطمہؑ سیدہ نساء العالمین:۔ تین بیٹے امام حسنؑ و امام حسینؑ و محسنؑ جن کا حمل ساقط ہوا۔ اور دو بیٹیاں جناب زینب کبریٰ و جناب زینب صغریٰ (انھیں کی کنیت ام کلثوم تھی)۔ (۲) خولہ دختر جعفر بن قیس حنفیہ:۔ ان سے ایک بیٹے محمد بن حنفیہ تھے۔ (۳) ام حبیب بنت ربیعہ:۔ ایک بیٹے عمر اور ایک بیٹی رقیہ ہوئیں۔ (۴) ام البنین دختر حزام بن خالد بن دارم کلابی:۔ چار بیٹے حضرت عباس علمدار، جعفر، عثمان و عبداللہ یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے۔ (۵) لیلیٰ دختر مسعود دارمی:۔ دو بیٹے محمد اصغر و عبداللہ۔ (۶) اسماء بنت عمیس:۔ ایک بیٹے یحییٰ (اور بعض مؤرخین نے دوسرے بیٹے عون یا محمد بھی لکھا ہے)۔ (۷) ام سعید دختر عروہ بن مسعود ثقفی:۔ دو بیٹیاں ام الحسن و رملہ۔ ان ازواج کے علاوہ بھی کچھ بیٹیاں تھیں جن کے نام نفیسہ۔ زینب صغریٰ۔ رقیہ صغریٰ۔ ام ہانی۔ ام الکرام۔ جمانہ۔ امامہ۔ ام سلمہ۔ میمونہ۔ خدیجہ اور فاطمہ ہوئیں۔ اس طرح حضرتؑ کے ۱۷ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں ہوئیں۔ (ارشاد صفحہ ۱۹۹) ان کے علاوہ امامہ بنت ابی العاص بھی حضرتؑ کی زوجہ تھیں جن سے محمد اوسط پیدا ہوئے تھے۔

حضرتؑ کے غلام

حضرتؑ کے دو غلام تھے قنبر اور یحییٰ بن کثیر۔ یہ یحییٰ اور ان کے بیٹے عبداللہ بڑے عالم تھے۔

حضرتؑ کی فتوحات پر تبصرہ

مولوی عبداللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے "اس قدر قلیل میں خانہ جنگیوں سے آپ کو دم بھر مہلت نہ ملی۔ ابھی بیعت کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ واقعہ جمل پیش آیا۔ اور ابھی اس واقعہ کا خاتمہ نہیں ہو چکا تھا کہ صفین کا ٹنٹا شروع ہو گیا۔ جس میں آپ کی خلافت کا بڑا حصہ صرف ہوا۔ علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں جناب علیؑ سے امیر معاویہ پانچ برس تک لڑتے رہے اور ابن عمر کہتے ہیں تقریباً یہ بات صحیح ہے کہ چار برس لڑے۔ غرض کہ ابھی اس معرکے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو خارجیوں سے لڑنا پڑا۔ پس یہ ایسے واقعات تھے جن کے سد راہ ہونے سے نہ آپ ممالک غیر پر فوج کشی کر سکتے تھے اور نہ فتح بلاد کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ اگر صحابہ کا وہی اتفاق جو عہد شیخین میں تھا جناب امیرؑ کی

خلافت کے وقت بھی قائم رہتا تو البتہ دونوں زمانوں کے فتوحات کا موازنہ کیا جاتا۔ تاہم کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ باوجود ان خانہ جنگیوں کی مزاحمت کے آپ نے اشاعت اسلام اور بلاد کے فتح کرنے میں اپنی ہمت کو مبذول رکھا ہے۔ اور اس جہاد میں بھی آپ دیگر صحابہ کرام سے کم نہیں تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر کامل التواریخ (جلد ۳ صفحہ ۱۵۲) میں لکھتے ہیں:۔ وفیہا توجہ الحرث بن مرۃ العبدی الی بلاد السند غازیا متطوعا بامر امیر المومنین علی فغنم واصاب غنمۃ و سبیا کثیرا وقسم فی یوم واحد الف راس وبقی غازیا الی ان قتل بارض القیقان هو ومن معه۔ یعنی جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے حرث بن مرہ العبدی نے ملک سندھ کا قصد کیا اور جہاد کرکے بہت غنیمت حاصل کی اور کفار کو گرفتار کر لیا چنانچہ ایک دن میں ایک ہزار لونڈی اور غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کئے گئے اور ایک مدت تک حرث بن مرہ وہاں پر مصروف جہاد رہے۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کے تمام ہمراہی ارض قیقان میں شہید ہوگئے" (ارجح المطالب صفحہ ۱۶۵)

لیکن جو لوگ حضرت امیر المومنینؑ سے دنیوی فتوح کے خواہاں ہوتے ہیں ان کو حضرتؑ کی حقیقی معرفت نہیں ہے۔ انبیاء، اوصیاء کو خدا نے دنیا میں کبھی بھی اس غرض سے نہیں بھیجا کہ وہ ملکوں کو فتح کریں۔ زبردستی کی بادشاہت حاصل کریں۔ اور بزور و قہر حکومت کریں۔ فتوح اور قتل و غارت کے واقعات کیا کسی دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایان شان ہوسکتے ہیں؟ حضرت آدمؑ سے حضرت رسول خدا صلعم تک کوئی نبی یا وصی ایسا گزرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو؟ کیا انبیاء و مرسلین اور ان کے اوصیاء و خلفاء خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے تھے؟ کیا وہ مخلوق خدا کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لئے مقرر کئے جاتے تھے؟ کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ جو خدا کو نہ مانے۔ تم کو پیغمبر یا وصی نہ تسلیم کرے اس کو گرفتار کر دو۔ قتل کر دو۔ آگ میں پھونک دو۔ پہاڑ سے گرا دو۔ کنویں میں الٹا لٹکا دو۔۔ ان کی عورتوں، بچوں تک کو ذبح کر ڈالو۔ دنیا میں کسی پیغمبر نے یہ کارروائیاں کیں؟ کسی وصی یا خلیفہ نبی نے اس کا لاکھواں حصہ بھی کیا؟ خود حضرت رسول خدا صلعم نے کیا کسی کو اس سبب سے قتل کیا کہ وہ اسلام کیوں نہیں قبول کرتا۔ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا۔ آپ کو پیغمبر کیوں نہیں تسلیم کرتا؟ خدا نے تو صاف کہہ دیا ہے:۔ لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں۔ (پ ۳ ع ۳) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد۔ پس اگر یہ لوگ اسلام لائیں تو خود ہی ہدایت پائیں گے لیکن اگر انکار کریں تو تم پر صرف پیغام پہونچا دینا ہے۔ اس کے سوائے تم کچھ نہیں کر سکتے اور خدا تو اپنے بندوں کو دیکھ ہی رہا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیہم حفیظا۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے

تم کو ان لوگوں پر پاسبان مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے (پ۵ ع ۸) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و احذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین ۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور نافرمانی سے ڈرو۔ لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا کام صرف اچھی طرح حکم خدا کا پہونچا دینا ہے ۔ نہ کہ دھیا ہے نہ کرو تم کو اختیار ہے ۔ (پ۷ ع ۲) ما علی الرسول الا البلاغ خدا کے پیغمبروں کا کام صرف حکم خدا کا پہونچا دینا ہے ۔ (پ۷ ع ۳) فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین ۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو اور کچھ نہ کرو کیونکہ تمہارے ذمہ صرف حکم خدا کا صاف پہونچا دینا ہے بس (پ۱۴ ع ۱۷) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار ۔ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں ۔ اور اے رسولؐ تم ان لوگوں پر جبر و سختی کو نہیں بھیجے گئے ہو (پ۲۶ ع ۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولی وکفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم ۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کو سمجھاتے رہو کیونکہ تم سمجھانے ہی کے لئے مقرر کئے گئے ہو ۔ ان پر داروغہ نہیں مقرر کئے گئے ہو ۔ ہاں جو لوگ انکار کریں گے اور کافر ہی رہیں گے تو ان کو (تم نہیں بلکہ) خدا ہی بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا ۔ کیونکہ وہ (مر کر) تو ہمارے پاس ضرور ہی آئیں گے پھر ان سب کا حساب لینا ہمارا کام ہے (پ۳۰ ع ۱۳)

ان آیات نے اچھی طرح بتا دیا کہ کوئی نبی زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے ۔ ان سے کلمہ پڑھوانے ۔ ان سے خدا کو سجدہ کرانے ۔ ان سے نماز پڑھوانے ۔ ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ سب کا فرض صرف اس قدر تھا کہ لوگوں کو سمجھا دیں اور دین خدا تک پہونچا دیں ۔ اگر وہ مانیں تو خیر ورنہ ان کو چھوڑ دیں مرنے پر خدا ان سے خود سمجھ لے گا ۔

بعض نادان مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے بڑے بڑے ملک فتح کئے ۔ کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں ۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی مگر حضرت علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا کسی شہر پر قبضہ نہیں کیا ۔ اسلام میں کسی جزو کا اضافہ نہیں کر سکے مسلمانوں کی سلطنت نہیں بڑھا سکے ۔ ان لوگوں کے لئے دنیا حاصل نہیں کر سکے ۔ اہل اسلام کو دولتمند نہیں بنا سکے ان کی زندگی کو عیش و عشرت کا سامان مہیا نہیں کر سکے ۔ اور حضرت ابوبکر و عمر سے یہ کل فوائد اہل اسلام کو حاصل ہوئے ۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو کیا حضرت آدمؑ نے کیا ؟ حضرت نوحؑ سے یہ کام ہو سکے ؟ حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں لکھے ہیں ؟ حضرت موسیٰؑ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے ؟ حضرت عیسیٰؑ نے یہ باتیں انجام دیں ؟ حضرت رسول خداؐ سے یہ فوائد حاصل ہوئے ؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت علیؑ کو اس جماعت سے الگ نہ کیجیے

یہ پیشوایان دین گزرے ہیں - اور حضرت ابوبکر و عمر کو اس فہرست میں جگہ نہیں دی ہے کہ دنیا کے عظیم الشان فاتحین و سلاطین تھے - کیونکہ شروع سے دنیا میں دو قسم کے سردار گزرے ہیں - ایک قسم دنیا کے حکام - دوسری قسم دین کے پیشوا - اگر حضرت ابوبکر و عمر دنیوی سرداروں میں قرار پاتے ہیں تو حضرت علیؑ دینی سرداروں میں محسوب کئے جائیں گے - اور واقعات سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائے گی :-

دنیا کے بڑے فاتح	دنیا کے بڑے ہادی
(۱) سکندر	(۱) حضرت آدم علیہ السلام
(۲) چنگیز خاں	(۲) حضرت نوح علیہ السلام
(۳) جولیس سیزر	(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(۴) بخت نصر	(۴) حضرت ایوب علیہ السلام
(۵) نپولین بوناپارٹ	(۵) حضرت یحییٰ علیہ السلام
(۶) محمود غزنوی	(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۷) تیمور	(۷) حضرت ہارون علیہ السلام
(۸) اکبر	(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(۹) حضرت ابوبکر	(۹) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
(۱۰) حضرت عمر	(۱۰) حضرت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

غالباً اسی مناسبت کو پیش نظر رکھ کر حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی قال قال رسول اللہ ص من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والی ابراہیم فی حلمہ والی یحییٰ بن زکریا فی زہدہ والی موسیٰ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی بن ابی طالب - جو شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم میں - حضرت نوحؑ کو ان کی فہم میں - حضرت ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں - حضرت یحییٰ بن زکریا کو ان کے زہد میں - اور حضرت موسیٰ بن عمران کو ان کی صولت میں دیکھے وہ نظر کرے حضرت علی بن ابی طالب کے (ریاض النضرہ جلد دوم) اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخرالدین رازی نے کہا ہے - ہذا الحدیث یدل علی ان علیا کان مساویا لہؤلاء الانبیاء فی ہذہ الصفات ولا شک ان ہؤلاء الانبیاء کانوا افضل من سائر الصحابۃ والمساوی للافضل افضل فوجب ان یکون علی افضل منہم - یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم - فہم - حلم - زہد - بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل انبیاء جمیع صحابہ سے افضل تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا - لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ

کل صحابہ سے افضل تھے (النجوم فی اصول الدین و ارجح المطالب صفحہ ۴۵۵)

آں حضرت نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہؐ ما من نبی الا وله نظیر فی امته وعلی نظیری اخرجه الخلعی والدیلمی انس بن مالک صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی کوئی مثال اُس کی امت میں ضرور ہوتی ہے۔ اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو ذکر کیا ہے خلعی اور دیلمی نے (ارجح المطالب صفحہ ۴۵۴)۔

پس جس طرح حضرت رسول خدا صلعم فاتح ممالک و بلاد و ناظم اموال و املاک نہیں تھے اُسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ خطابات نہیں مل سکتے۔ لیکن جس طرح حضرت علی علیہ السلام سب سے بڑے خلیفہ اور وصی تھے۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی اُسی طرح حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرتے اور صراط مستقیم دکھاتے رہے۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرتؐ نے اپنی ذات اور مومنین کو بچانے کے لئے اُن سے دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل و صفین و نہروان میں دشمنوں نے یورش کی تو حضرتؑ نے اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لئے ان سے جہاد کئے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلعم نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ حضرت علیؑ سے فرماتے تھے انك تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله۔ اے علی تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لئے لوگوں سے اسی طرح جہاد کرو گے جس طرح میں قرآن کا حکم پہنچانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کر رہا ہوں۔ (صواعق محرقہ باب ۱۱ صفحہ ۱۰۸)

روی ابن عساکر عن علیؑ قال امرنی رسول اللہؐ بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین والمراد بالناکثین طلحة والزبیر اصحاب الجمل و بالمارقین الخوارج و بالقاسطین معاویة یعنی ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے مجھے حضرت رسول خدا صلعم نے حکم دیا تھا کہ ناکثین و مارقین و قاسطین سے جہاد کرنا۔ ناکثین سے مراد طلحہ و زبیر جنگ جمل والے ہیں۔ مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین سے مراد معاویہ ہیں (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۵۹ و بحار الانوار لغت نکث صفحہ ۴۹۵ و انوار اللغۃ پ ۲۵ صفحہ ۱۳)۔

مگر آں حضرت صلعم کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ کی جنگ اور ان کی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور ان دونوں حضرات کے بارے میں سوال بھی کیا گیا تو حضرتؐ نے سوائے لا (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا۔ محدثین محققین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے فرمایا یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلا منکم قد امتحن اللہ قلبه الایمان و یضرب رقابکم علی الدین

او فیھم صاحبکم۔ قال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ۔ قال لا۔ قال عمر انا ھو یا رسول اللہ قال لا۔ ولکن ذالک الذی یخصف النعل وقد اعطی علیا نعلہ یخصفھا۔ اے گروہ قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اللہ اُس شخص کو مقرر کرے گا جو تم ہی میں سے ہے۔ اور جس کے دل کا امتحان اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ تم لوگوں سے یا تمھاری ایک جماعت سے دین حق پر جہاد کرے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر نے پوچھا میں ہوں گا؟ آں حضرت نے ارشاد کیا نہیں بلکہ یہ ہوگا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے۔ اور اُس وقت حضرت نے اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دی تھی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا نے پیشین گوئی فرما دی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص طور پر دینی ہوگا۔ اور حضرت کے ایمان کا امتحان بھی خدا لے چکا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت ابوبکر و عمر کے فتوحات کو آں حضرت نے دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان دونوں بزرگوں کے ایمان کی تصدیق کی۔

یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ بدرجۂ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل رسولؐ کی پیروی کی۔ لیکن حضرت کے اصلی فرائض وہ تھے جو حضرت رسولؐ خدا کے تھے اور جو اوپر بیان کیے گئے کہ جس طرح آں حضرت صلعم لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کرتے تھے۔ لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے تھے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے بالکل اُسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات انجام دیں۔ آیات خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان تازہ کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دُنیا حضرت کی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ حضرت علیؑ کی مشہور کتاب نہج البلاغہ کو آج عیسائی علماء و محققین بھی پڑھ کر اپنا سر دُھنتے اور اسلام کی اس عظیم الشان ہستی کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں زیادہ تر توحید خدا اور تزکیۂ اخلاق ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے جس پر انسان اگر عمل کرے تو فرشتہ ہو جائے۔

یہی کتاب و حکمت کی تعلیم تو صفت تھی حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جو تمام حضرت علیؑ ہی میں تھی۔ قرآن مجید پر سیکڑوں اعتراضات خلفاء ثلثہ کے زمانے میں ہوئے اور حضرت علیؑ ہی نے ان سب کو حل کیا۔ اُس کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے تو شام سے صبح تک کسی ایک لفظ کی تفسیر ختم نہیں ہوتی عن ابن عباس قال یشرح لنا علی نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم لیلۃ فانفلق عمود الصبح ورأیت نفسی فی جنبہ کالفوارۃ فی جنب البحر المتفجر۔ ابن عباس کہتے تھے کہ ایک رات کو حضرت علیؑ باء بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نقطہ کی شرح فرمانے لگے تو صبح ہو گئی مگر وہ تفسیر پوری نہیں ہوئی۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ کو جو قرآن کا علم ہے وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڑھا سمندر کے بازو۔ کہاں سمندر اور کہاں ایک گڑھا (انوار النعمانیہ ص ۳۶)

اور حکمت کی تعلیم آپ نے ایسی اعلیٰ درجے کی کہ کتابیں اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے۔ ایک کتاب درر الکلم و غرر الحکم بھی انھیں چیزوں کا ایک جزو ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) پس جس کو وہ روحانی منافع اور نورانی فوائد دیکھنے ہوں جو حضرت رسول خدا صلعم سے حاصل تھے وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرے۔ اور جس کو حکومت دنیا۔ ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشہ دیکھنا ہو وہ دوسری جماعت کا خیال کرے۔ کیونکہ جب حضرت علیؑ رحمۃ للعالمینؐ کے نفس اور جانشین تھے تو کسی پر بے وجہ حملہ کیوں کرتے۔ کسی ملک پر فوج کس غرض سے بھیجتے۔ اور جب یہ باتیں آپ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک کس طرح فتح ہوتا۔ اور جب کسی سلطنت کو لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے۔ اور جب زہد کو پسند کیا تو عیش کا سامان کہاں سے مہیا ہوتا۔ البتہ حضرت رسولؐ خدا اور دوسرے انبیاء کی طرح حضرتؑ کی علمی خدمات کو دیکھنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کے علمی کارنامے

حضرتؑ کے علمی کارنامے بے حد و حساب ہیں۔ ہم یہاں صرف مشہور علامہ اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی کی رائے کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ ممدوح نے لکھا ہے "کل علوم کا اشرف علم الٰہی ہے۔ اور یہ حضرت علیؑ ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا۔ حضرتؑ ہی سے منقول ہوا۔ حضرتؑ ہی سے اس کی ابتدا اور حضرتؑ ہی تک اس کی انتہا ہوتی ہے۔ عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہوئے ان سے ایک معتزلہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی واصل بن عطا رشاگرد تھا ابوہاشم کا اور وہ شاگرد تھے اپنے باپ محمد بن الحنفیہ کے اور وہ اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے۔ دوسرا فرقہ اشعریہ ہے جو منسوب ہے ابوالحسن اشعری کی طرف۔ اور وہ شاگرد تھا ابوعلی جبائی کا جو مشائخ معتزلہ سے تھا۔ پس یہ فرقہ بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ تیسرا فرقہ امامیہ و زیدیہ ہے اس کا حضرتؑ کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے (کیا بلکہ حضرتؑ ہی کا پیرو ہے)۔

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے۔ اور اسلام کا ہر فرقہ و مجتہد حضرتؑ ہی کا شاگرد ہے۔ چنانچہ اہلسنت میں چار فرقے ہیں مالکی۔ حنفی۔ شافعی اور حنبلی۔ مالکی فرقہ کے امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ الرائی کے جو شاگرد تھے عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے عبداللہ بن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علیؑ کے۔ پس پورا فرقہ مالکی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہے۔ دوسرے فرقہ حنفی کے امام ابوحنیفہ حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ اور یہ حضراتؑ شاگرد تھے امام زین العابدینؑ کے وہ حضرت امام حسینؑ کے اور وہ حضرت علیؑ کے۔ پس پورا فرقہ حنفی بھی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا

شاگرد ہیں۔ تیسرے فرقے کے امام شافعی شاگرد تھے امام محمد کے جو شاگرد تھے امام ابو حنیفہ کے۔ اس طرح فرقہ شافعی بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ چوتھے فرقہ حنبلی کے امام احمد بن حنبل شاگرد تھے امام شافعی کے۔ اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ رہا فرقہ شیعہ تو اس کا شاگرد علیؑ ہونا ظاہر ہے۔

علاوہ بریں صحابہ کے فقہا حضرت عمر و عبداللہ بن عباس تھے اور دونوں نے علم فقہ حضرت علیؑ ہی سے سیکھا۔ عبداللہ بن عباس کا شاگرد حضرت علیؑ ہونا تو واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو معلوم ہے کہ بکثرت مسائل میں ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ و تدبیر بالکل بند ہو جاتی تھی تو وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے اور حضرتؑ ہی سے ان مشکل مسائل کو حل کرایا کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے صحابہ پر بھی جو مشکل مسائل وارد ہوتے ان کو بھی حضرت عمر آخر کار حضرت علیؑ ہی سے حل کرا کے اپنی مصیبت دفع کرتے تھے۔ ان کا بار بار کہنا لولا علیٌ لھلک عمر (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) لابقیت لمعضلۃ لیس لھا ابو الحسن (جس مصیبت کے دفع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوں اس کے نازل ہوتے وقت میں زندہ ہی نہ رہوں) لایفتین احد فی المسجد وعلی حاضر (خبردار حضرت علیؑ کے رہتے کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے) عام طور پر مشہور و معروف ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ علم فقہ کی انتہا حضرت علیؑ ہی تک ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ ہی وہ ہیں جنھوں نے اس عورت کے مقدمہ میں منصفانہ فتویٰ دیا جس نے چھ مہینہ پر بچہ جنا تھا اور وہی حضرت ہیں جنھوں نے زناکار حاملہ عورتوں کے بارے میں درست فتویٰ دیا تھا اور وہی حضرت ہیں جنھوں نے مسئلہ منبریہ میں فرمایا تھا کہ اس کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا۔ یہ ایسا مشکل اور دقیق مسئلہ تھا کہ اگر علم ریاضی کا کوئی بڑا استاد عرصہ تک غور و فکر کرنے کے بعد یہ جواب دیتا تو اس کی بھی مدح و ثنا کی جاتی پھر اس بزرگ (حضرت علیؑ) کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے مسئلہ کو سنتے ہی بغیر کچھ غور و فکر کئے فوراً ٹھیک جواب دے دیا۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کا علم بھی ہے۔ یہ علم بھی حضرت علیؑ ہی سے حاصل کیا گیا۔ جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اُسے آسانی سے اس دعوے کی صحت معلوم ہو جائے گی کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علیؑ اور عبداللہ بن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبداللہ بن عباس تو حضرتؑ کے مشہور شاگرد تھے۔ لوگوں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے؟ کہا جتنا ایک دریائے زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت و اصول تصوف بھی ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ اس فن کے کل علماء و ماہرین اپنے کو حضرتؑ ہی کی طرف منسوب کرتے اور حضرتؑ ہی تک اپنا سلسلہ پہنچاتے ہیں۔

اس کی تصریح اُن لوگوں نے بھی کی ہے جو صوفی فرقہ کے امام و پیشوا مانے گئے ہیں مثل شبلی جنید۔ سری۔ ابویزید بسطامی۔ ابو محفوظا معروف کرخی وغیرہ کے۔ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ وہ خرقہ جو آج تمام صوفی حضرات کا شعار ہے حضرت ہی کی طرف منسوب ہے اور کل صوفی حضرات متصل اسناد سے اس خرقہ کو حضرتؑ ہی کا قرار دیتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔

منجملہ علوم علم نحو وعربیت بھی ہے اور دنیا میں علم عربی کے جس قدر ماہرین حقائق ہیں سب کو معلوم ہے کہ حضرتؑ ہی نے اس علم کی ایجاد کی۔ اس کے قواعد وضوابط مدون فرمائے اور ابوالاسود دئلی کو اس علم کے اصول وجوامع کی تعلیم فرما کر اُسی نہج پر اس کے قوانین کو ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا۔ حضرتؑ نے جو مختصر اور جامع اصول بتائے ان میں یہ بھی تھا کہ فرمایا کلام تین ہی ہوگا۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اور کلمہ کو معرفہ ونکرہ میں اور اعراب کو رفع۔ نصب۔ جر وجزم میں تقسیم فرمایا۔ حضرتؑ کے ان مختصر اصول وضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے اس لیے کہ انسانی دماغ کی قوت اس طرح حصر اور محدود کرنے پر قادر نہیں ہوسکتی اور ایسی تحقیق وتدقیق سے اس قاعدہ کا بنانا آدمی کے ذہن کا کام نہیں ہوسکتا۔ یہ تو حضرتؑ کے علم کی حالت تھی۔ اب اگر تم حضرتؑ کی ان خصوصیات ومحاسن کی طرف رجوع کرو جو خلقی تھیں یا اُن فضائل ومناقب کو دیکھو جو حضرتؑ کے نفس وروح اور امور دینیہ سے متعلق ہیں تو تم ان اوصاف میں بھی حضرتؑ کو سب سے بڑھا ہوا اور تمام مدارج پر فائز پاؤگے اور کسی فضیلت میں بھی حضرتؑ کی ذات کو کسی طرح کم نہ پاؤگے"۔

حضرتؑ کی اصابت رائے اور حسن تدبیر

علامہ مذکور نے لکھا ہے "سب لوگوں سے زیادہ حضرت علیؑ کی رائے صائب، محکم وصحیح اور سب کی تدبیروں سے زیادہ آپ کی تدبیر مناسب اور مفید ہوتی تھی۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم وایران میں جائیں تو حضرت علیؑ ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور اپنے ارادے سے باز رہے اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دیئے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انھیں جن حوادث وآفات سے سامنا ہوا اُن سے محفوظ رہ جاتے۔ اور حضرتؑ کے دشمنوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ حضرتؑ صاحب رائے نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ دین اور شریعت کے نہایت سخت پابند تھے۔ اس کے خلاف توجہ ہی نہ کرتے اور دینی حیثیت سے جو امور حرام ہوتے وہ خواہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی مفید ہوتے حضرتؑ کبھی ان کا ارادہ تک نہیں کرتے۔ آپ خود فرماتے تھے لولا الدین والتقیٰ لکنت ادھی العرب اگر دین کی پابندی اور خدا کا خوف نہ ہوتا تو چالاکی اور ہوشیاری میں عرب کا کوئی شخص میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور حضرتؑ کے سوائے جو خلفاء تھے وہی راہ اختیار کرتے جس میں دنیوی حیثیت سے مصلحت دیکھتے اور جس کو اپنے مفید مطلب پاتے خواہ وہ راہ شرع کے مطابق

ہوتی یا نہ ہوتی ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص صرف اپنی عقل و تدبیر کے مطابق عمل کرے گا۔ وہ کسی شریعت یا اصول کی پابندی نہیں کرے گا جس کے سبب سے اس کو اپنے ان کاموں کو ترک کرنا پڑے جن میں وہ اپنی مصلحت اور نفع دیکھے ۔ غرض جو شخص بغیر کسی مذہب کی پروا اور خوف کئے صرف اپنے دنیوی نفع کا لحاظ کر کے کام کرے گا اس کی دنیوی زندگی کہیں زیادہ کامیاب ۔ درست اور منظم ہوگی بمقابلہ اس شخص کی زندگی کے جو اپنے ہر کام میں دین کا لحاظ رکھے اور قدم قدم پر خوف خدا کا خیال کرے کہ ایسے شخص کے دنیوی امور یقیناً منتشر اور غیر منظم ہوں گے اور اس کی زندگی زیادہ ناکامیاب نظر آئے گی "

حضرتؑ کی سیاست

علامہ مذکور نے لکھا ہے "اب صرف حضرتؑ کی سیاست کے بارے میں کچھ لکھنا رہ گیا تو کان شدید السیاسۃ خشنا فی ذات اللہ حضرتؑ بہت زبردست سیاست کے اور ذات خدا یعنی حق باتوں میں بڑے سخت اور غیر متزلزل تھے ۔ اپنے چچازاد بھائی ابن عباس کو ایک مقام کی حکومت دی اور اس میں ان سے کچھ نامناسب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کے ساتھ بھی تشدد سے پیش آئے ۔ آپ کے حقیقی بھائی نے اپنا وظیفہ زیادہ کرانا چاہا تو ان کا بھی خیال نہ کیا غرض حکم خدا کے خلاف جو بھی چلا اس کو شرعی سزائیں دینے میں کبھی تامل نہیں کیا اور کسی قرابت یا ذاتی خصوصیت کے سبب سے باز نہ رہے ۔ حضرتؑ کے سیاسی کارناموں سے جنگ جمل وصفین و نہروان بھی ہیں جو آپ کی ابتداء خلافت سے آخر تک جاری رہیں اور سب میں آپ نہایت استقلال و جواں مردی سے جہاد کرتے اور کامیاب ہوتے رہے ۔ اگر ان واقعات کا صرف اقل قلیل ظاہر ہوتا جب بھی حضرتؑ کا کمال سیاست ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔ چہ جائیکہ اس کثرت سے امور صادر ہوئے اور حضرتؑ نے سب کا تنہا مقابلہ کیا اور اس قدر لوگوں کی مخالفت نے کسی وقت آپ کو گھبرایا نہیں نہ ضعیف ہونے دیا۔ امور سیاست میں بھی حضرتؑ کے بے مثل و نظیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لڑائیوں میں جو قوت و شجاعت ۔ دبدبہ و شوکت ۔ دلجمی و اطمینان ۔ حملہ و گرفت ۔ دشمن سے انتقام اور باطل کا کسر حضرتؑ کے ہاتھ آیا آپ کے اعوان و انصار سے ظاہر ہوا اس کا دسواں حصہ بھی دنیا کے کسی زبردست سے زبردست سیاست والے سے نہیں دیکھا گیا " (شرح نہج البلاغہ جلد ا صٹ)

حضرتؑ کی سیاست کا نمونہ

علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ ہمدان سے نکلے تو دو جماعتوں کو لڑتے دیکھا ۔ حضرتؑ نے دونوں کو متفرق کر دیا ۔ آگے بڑھے تو آواز سنی کہ کوئی فریاد کر رہا ہے ۔ حضرتؑ اس کی طرف دوڑے اور فرماتے جاتے تھے میں پہونچا ۔ میں پہونچا ۔ جا کر دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے لپٹا ہوا ہے ۔ اس نے حضرتؑ کو دیکھ کر کہا یا حضرتؑ میں نے اس کے ہاتھ ایک کپڑا نو درہم کو بیچا اور شرط کی کہ مجھے کوئی خراب درہم نہیں دے گا مگر اس نے کپڑا لے کر جو درہم دیئے ان میں چند خراب ہیں میں نے اس سے

کہا کہ بدلہ دے تو اس نے مجھے طمانچے مارے۔ اور درہم نہیں بدلتا۔ حضرتؑ نے اس سے درہم بدلوا دیئے پھر فریاد کرنے والے سے پوچھا کہ کس کے سامنے اس نے طمانچے مارے ہیں۔ اس نے گواہ پیش کئے تو حضرتؑ نے فرمایا اب تو بدلہ لے مگر اس نے عرض کی حضور! میں نے اس کو معاف کر دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے یہ چاہا کہ یہ ظالم تیرے حق میں انصاف کرے۔ پھر اس ظالم کو نو کوڑے مارے اور فرمایا کہ (اگرچہ اس مظلوم نے تجھ کو معاف کر دیا مگر) یہ سلطنت کی طرف سے سزا ہے (تاکہ آئندہ تو پھر کسی کے ساتھ ظلم نہ کرے)۔ (تاریخ طبری جلد ۵ ص۹)

جناب زینبؑ و ام کلثومؑ

حضرتؑ کی بڑی صاحب زادی جناب زینبؑ کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی جن سے جناب عون پیدا ہوئے۔ دوسری صاحب زادی ام کلثومؑ کی شادی محمد بن جعفر سے ہوئی تھی۔ خلیفہ دوم سے آپ کی شادی کا دعوی محض افترا اور خلاف عقل و نقل ہے جس کی تفصیل "تاریخ عمری خلیفہ دوم اور حضرت ام کلثومؑ" میں قابل دید ہے۔

جناب محمد بن الحنفیہ

حضرت امیر المومنینؑ کے صاحب زادے تھے۔ آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر قبیلہ بنو حنیفہ سے تھیں۔ جو خلیفہ اول کے زمانہ میں بنو حنیفہ کے اسیروں میں آئی تھیں۔ اسامہ نے انھیں خرید کر حضرت علیؑ کے ہاتھ بیچ دیا۔ جناب امیرؑ کو حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ چونکہ وہ حنفیہ کہلاتی تھیں اس وجہ سے ان کے فرزند محمد کو لوگ محمد بن حنفیہ کہنے لگے۔

جناب محمد بن حنفیہ سنہ ۱۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے قوی تھے۔ حضرت علیؑ کے پاس ایک زرہ آئی جو بڑی تھی۔ حضرتؑ نے ان سے فرمایا کہ اسے فلاں جگہ سے چھوٹی کر دو۔ انھوں نے ایک ہاتھ سے زرہ پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور کر کے اتنا حصہ جو حضرت علیؑ نے فرمایا تھا توڑ کر الگ کر دیا (وفیات الاعیان جلد ۱ ص۴۷۹) آپ کی شہ زوری مشہور تھی۔ ایک دفعہ قیصر روم نے ایک نہایت زور آور پہلوان معویہ کے پاس بھیجا کہ کسی مسلمان پہلوان سے اس کی زور آزمائی کرائے۔ معویہ نے عمرو عاص سے پوچھا اس کے مقابلے میں کسے پیش کیا جائے؟ عمرو عاص نے کہا عبداللہ بن زبیر اور محمد بن الحنفیہ سب سے زیادہ طاقتور ہیں۔ معویہ نے محمد بن الحنفیہ کو ترجیح دی۔ جب محمد بن الحنفیہ اور اس رومی پہلوان میں مقابلہ ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا اس سے کہو کہ اگر چاہے بیٹھ جائے اور میں کھڑا ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لوں۔ یہ مجھے بٹھا دے۔ یا میں اسے کھڑا کر دوں۔ اور اگر یہ چاہے کھڑا رہے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ مجھے کھڑا کر دے یا میں اسے بٹھا دوں۔ رومی نے بیٹھنا پسند کیا تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے اوپر کو کھینچا کہ وہ بالکل بے اختیار ہو کر کھڑا ہو گیا اور آپ کے بٹھانے سے عاجز رہا۔ پھر رومی کھڑا ہوا اور محمد بیٹھے تو آپ نے رومی کو

اٹھالیا اور وہ آپ کو کھڑا نہ کر سکا۔ آخر وہ پہلوان مغلوب ہو کر روم واپس چلا گیا (کامل المبرد جلد ۱ صفحہ ۲۵)

آپ نے جنگ جمل و صفین و نہروان میں شجاعت کے بڑے بڑے جوہر دکھائے۔ جمل میں آپ ۱۵، صفین میں ۱۶ اور نہروان میں ۱۷ سال کے تھے۔ جنگ صفین میں کریب نامی ایک شخص جو نہایت مشہور شامی بہادر اور ایسا قوی تھا کہ درہم کے نقش کو چٹکی سے مٹا دیتا تھا میدان میں آیا اور چند بہادرانِ عرب کو شہید کر دیا تو حضرت نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اس کے بنی اعمام سے ایک شخص اس کا بدلہ لینے آیا اور محمد بن الحنفیہ پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کو پشت زین سے اٹھا کر اس طرح زمین پر دے مارا کہ اُس کا بند بند چور ہو گیا۔ دوسرا آیا وہ بھی اس سے ملحق ہوا۔ اس طرح کریب کے آٹھ بنی اعمام کو آپ نے ختم کر دیا۔

باوجودے کہ آپ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے مگر کبھی اپنے کو اُن حضراتؑ کے برابر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ غلام خیال کیا۔ ایک دفعہ آپ سے کہا بھی گیا کہ یہ کیا بات ہے آپ کے والد (حضرت علیؑ) آپ کو تو مہلکوں میں ڈالتے اور سخت معرکوں میں بھیجتے ہیں مگر آپ کے بھائیوں حسنؑ حسینؑ کو ان خطرناک جگہوں میں نہیں بھیجتے؟ آپ نے انہیں معرفت کا جواب دیا جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا وہ دونوں حضرتؑ کی آنکھیں ہیں اور میں حضرتؑ کا ہاتھ ہوں انسان اپنی آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے بچایا ہی کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجھے بھیجتے اور ان دونوں صاحب زادوں کو بچاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر آپ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ میں حضرت علیؑ کا بیٹا ہوں (اس وجہ سے حضرت مجھے بھیج دیتے ہیں) اور جناب حسنؑ و حسینؑ رسول اللہؐ کے بیٹے ہیں (اس سبب سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں)۔

ایک دفعہ بادشاہ روم نے خلیفہ عبدالملک کو دھمکی دی اور قسم کھائی کہ مجھے جزیہ بھیجو ورنہ میں ایک لاکھ فوج سے براہ خشکی اور ایک لاکھ سے براہ بحری تم پر چڑھائی کرتا ہوں۔ اس پر عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ محمد بن الحنفیہ کو اسی قسم کی دھمکی دے اور پھر جو جواب وہ دیں ہم کو لکھ بھیج۔ حجاج نے ایک تہدیدی خط محمد بن الحنفیہ کو لکھا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ اللہ عزّ و جل کی ۳۰۰ نظریں (رحمتیں) اپنی خلقت کی طرف رہتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک نظر بھی میری طرف کرے گا تو مجھے تیرے شر سے بچا لے گا۔ حجاج نے یہ جواب عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اس نے اسی جواب کو نقل کر کے بادشاہ روم کے پاس روانہ کر دیا۔ اُس نے پڑھ کر اور غائبانہ عبدالملک کو خطاب کر کے کہا "نہ تو یہ جواب تو نہیں دے سکتا نہ تونے یہ جواب لکھا ہے۔ ایسا جواب تو خاندان نبوتؐ کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا" (طبقات شعرانی و کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۱۲۹)۔ جب امام حسینؑ یزید کے ظلم سے مدینہ چھوڑنے لگے اور محمد حنفیہ کو یہ خبر پہنچی تو اس قدر روئے کہ وہ طشت جو وضو کے لئے پاس رکھا تھا

آنسوؤں سے بھر گیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۱) آپ حضرتؑ کے ساتھ اس سبب سے نہیں گئے کہ پہلے سے آپ کے ہاتھ پر ایسا صدمہ پہونچا تھا جس کی وجہ سے تلوار کا قبضہ یا نیزہ وغیرہ ہاتھ سے پکڑ نہ سکتے تھے اور اُن دنوں بیمار بھی تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ رخصت ہونے لگے تو دونوں بھائی بہت روئے اور حضرتؑ نے ایک وصیت نامہ لکھ کر آپ کے حوالہ کیا اور آپ کو اپنا وصی مقرر کر گئے۔

جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا لُٹا ہوا قافلہ وطن واپس پہونچا اور جناب محمد بن الحنفیہ کو معلوم ہوا کہ اہلبیت مدینہ میں آرہے ہیں تو آپ ان لوگوں کے استقبال کو دوڑے مگر جب دُور سے سیاہ علموں کو دیکھا تو غش کھا کر گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ کو خبر کی کہ آپ کے چچا آپ لوگوں سے ملنے کو آتے تھے مگر غش کھا کر گر گئے ہیں جلد چل کر ان کو اٹھائیے ورنہ وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ حضرت سید سجادؑ روتے ہوئے دوڑے۔ پھر جناب محمد بن حنفیہ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ سر امام زین العابدینؑ کی گود میں ہے تو آہ کھینچ کر کہا اے بیٹا میرا بھائی کیا ہوا؟ میرا میوۂ دل کہاں رہ گیا؟ میرے والد کا جانشین کس جگہ ہے؟ میرا بھائی حسینؑ کس طرف ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا اے چچا میں یتیم ہو کر واپس آیا ہوں۔ لوگوں نے ہمارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو اسیر کیا۔ کاش آپ موجود ہوتے اور اپنے بھائی کو دیکھتے کس طرح فریاد کرتے تھے مگر کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہونچتا تھا۔ اور کس طرح مدد چاہتے تھے مگر کوئی ان کی مدد نہیں کرتا تھا۔ کل جانور تک پانی پیتے تھے لیکن حضرتؑ کو لوگوں نے پیاسا ذبح کر دیا۔ یہ سب سُن کر محمد بن حنفیہ اس قدر روئے کہ آپ کو پھر غش آگیا۔ جب افاقہ ہوا تو پوچھا بیٹا تم لوگوں پر کیا کیا گزرا۔ حضرت امام زین العابدینؑ پورے واقعات بیان کرتے اور آپ سب سُن کر روتے جاتے تھے۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۳۶۳)

جناب محمد حنفیہ پر بھی بڑے بڑے ظلم کئے گئے۔ سنہ ۶۶ ہجری (۶۸۵ء) میں جب مختار کو کوفہ میں کامیابی حاصل ہوئی تو عبداللہ بن زبیر نے جن کی حکومت حجاز و عراق میں قائم ہو گئی تھی آپ کو اور بنی ہاشم کو اپنی بیعت پر مجبور کیا۔ آپ نے انکار کیا تو ابن زبیر نے قتل کی دھمکی دی۔ آپ نے مہلت طلب کی۔ غرض بہت ردو قدح کے بعد دو ماہ کی مہلت ملی۔ اس عرصہ میں ابن زبیر نے آپ کو اس مکان میں جو چاہ زمزم پر بنایا تھا اور جس کا نام سجن عارم تھا محبوس کر کے چالیس آدمی پہرہ پر معین کر دیے اور کہا کہ اس مدت کے بعد بیعت نہ کرو گے تو قتل کر دیے اور جلا دیے جاؤ گے۔ کچھ دن بعد آپ نے اس کی خبر مختار علیہ الرحمہ کو دی اور ان سے مدد مانگی۔ مختار نے بڑی فوج بھیج دی۔ اس اثنا میں ابن زبیر نے سجن عارم کے دروازے پر لکڑیاں جمع کرا دی تھیں کہ اگر ابن حنفیہ تاریخ معینہ پر بیعت نہ کریں تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو جلا کر ہلاک کر دیا جائے۔ جناب مختار کی فوج دن کو چھپتی اور رات کو

سفر کرتی ٹھیک اسی دن وہاں جا پہونچی جب ابن زبیر ان لوگوں کو آگ لگانے والے تھے۔ یہ فوج ایسی چھپتی پہونچی کہ جب دروازہ حرم تک آگئی اس وقت ابن زبیر کو اطلاع ہوئی۔ اس فوج نے قید خانہ کو توڑ کر ابن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو اس سے نکال کر طائف یا ایلہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جناب محمد بن حنفیہ کے توکل علی اللہ کی یہ حالت تھی کہ ابن زبیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ اگر ابن حنفیہ نے غروب آفتاب تک بیعت نہ کی تو میں مکان میں آگ لگا دوں گا۔ اس پر ابن عباس نے محمد سے کہا کہ ابن زبیر کی بیعت کر لیجئے مگر انھوں نے فرمایا نہیں۔ ایک حجاب قوی اس کو مجھ سے باز رکھے گا۔ ایسا ہی ہوا کہ جب سورج ڈوبنے لگا تو مختار کی فوج پہونچ گئی اور قید خانہ توڑ کر آپ کو نکال لیا۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۶۰) ایلہ میں آپ عبادت میں بسر کرتے تھے تو لوگ آپ کی فضیلتیں بیان کرنے لگے۔ خلیفہ عبد الملک کو معلوم ہوا اس نے آپ کو امان دی اور آپ طائف میں رہنے لگے۔ وہیں سنہ ۸۱ ہجری (سنہ ۷۰۰ء) میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی ۲۴ اولادیں ہوئیں مگر آپ کی نسل جعفر اور علی سے جاری ہوئی۔ بنی عباس کو اسلامی دنیا کی بادشاہت آپ ہی کے فرزند ابو ہاشم کے توسل سے ملی۔ اس طرح کہ عبد اللہ ابن عباس کے پوتے محمد نے دعویٰ کیا کہ امام حسینؑ کے بعد امامت ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو ملی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم کو اور ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو سپرد کر دی ہے۔

حضرت عباس علم بردار

حضرت امیر المومنینؑ کے فرزند جلیل القدر۔ آپ کی والدہ ام البنین فاطمہ دختر حزام کلابیہ تھیں۔ جن کا دادیہال اور نانیہال دونوں نہایت بہادر خاندان تھا۔ جناب امیرؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے جو بڑے نساب اور حالات عرب سے اچھی طرح واقف تھے، فرمایا کہ آپ مجھے ایک ایسی لڑکی تلاش کر دیجئے جس کے دادیہال اور نانیہال کے کل قبیلہ بہادر ہی بہادر ہوں۔ جس سے میں شادی کروں تو بڑا بہادر لڑکا پیدا ہو۔ جناب عقیل نے فاطمہ کلابیہ کو تجویز کیا اور کہا عرب میں اس کے بزرگوں سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی نہیں ہے۔ حضرتؑ نے ان سے شادی کر لی جن سے چار بیٹے ہوئے۔ عباس۔ عبد اللہ۔ جعفر۔ اور عثمان۔ انھیں چاروں بیٹوں کی وجہ سے جناب فاطمہ کی کنیت ام البنین ہوئی۔ اسی نام سے آپ مشہور ہیں۔ جناب عباسؑ کا لقب قمر بنی ہاشم (خاندان بنی ہاشم کے چاند) اور کنیت ابو الفضل تھی۔ آپ سنہ ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ ولادت کا پتہ نہیں ملتا۔ اہل ایران نے غالباً ۴ شعبان کی تاریخ قرار دی ہے) آپ جناب امیرؑ کے ساتھ ۱۴ سال تک اور اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے) آپ بڑے مضبوط۔ بہادر شہسوار۔ اونچے پورے اور موٹے تازے بدن کے تھے۔ بڑے موٹے گھوڑے پر سوار ہوتے اور آپ کے دونوں قدم زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ حضرت عباسؑ

بڑی گہری بصیرت، اعلیٰ معرفت اور پختہ ایمان کے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کرکے اور وفاداری وبہادری کی یاد قائم کرکے شہید ہو گئے۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا اللہ جناب عباسؑ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے پورا ایثار کرکے حضرت امام حسینؑ کی مدد کی۔ بڑے معرکے سر کئے اور اپنے بھائی پر فدا ہو گئے۔ ان کے دونوں ہاتھ بھی کٹ گئے تو خدا نے ان کو دو پر عنایت کئے جن سے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اور خدا کے ہاں جناب عباسؑ کا وہ درجہ ہے جس کو دیکھ کر بروز قیامت کل شہداء غبطہ اور رشک کریں گے۔

جب لشکر یزید نے امام حسینؑ پر پانی بند کر دیا تو حضرتؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کے ساتھ رات کے وقت پانی لانے کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ سخت جہاد کرکے مشک بھر لائے۔ اسی وقت سے لوگ ان کو سقا کہنے لگے۔ آپ نے کربلا میں کئی کنوئیں بھی کھدوائے۔ عاشورا کی رات کو شمر نے (جس کو جناب ام البنین کی خاندان سے کچھ رشتہ تھا) لشکر امام حسینؑ کے قریب ہو کر حضرت عباسؑ اور آپ کے بھائیوں کو پکارا اور کہا عباسؑ اور ان کے بھائی کہاں ہیں۔ مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا اس کو جواب دو اگرچہ وہ فاسق ہے۔ تب جناب عباس بولے کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا تم لوگوں کو امان ہے اس پر جناب عباسؑ غضب ناک ہو کر بولے تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت۔ تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کو کوئی امان نہیں؟ یہی جواب سب بھائیوں نے دیا اور واپس آ گئے۔ ۹ محرم ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ سہ پہر کو عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو بڑھایا کہ امام حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ حضرت اس وقت خیمہ کے باہر بیٹھے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ جناب زینبؑ نے لشکر مخالف کی آواز سنی تو حضرتؑ کے پاس آ کر کہا بھیا فوج قریب آ گئی۔ حضرتؑ بیدار ہوئے۔ تو پکارے میرے لشکر کے سردار۔ خاندان بنی ہاشم کے چاند۔ میرے قوت بازو اور میرے بھائی ابوالفضل عباسؑ کہاں ہیں۔ آپ لبیک یا مولائی۔ لبیک یا سیدائی کہتے ہوئے حاضر ہوگئے تو حضرتؑ نے فرمایا کیوں بھائی کیا تم ان لوگوں کو کل تک کے لئے ٹال سکتے ہو تاکہ آج رات کو ہم خدا کی عبادت کر لیں۔ جناب عباسؑ فوراً گئے اور بہت کچھ رد و کد کے بعد شب بھر کی مہلت لے کر واپس آ گئے۔ رات کو حضرتؑ نے سب کو اجازت دے دی کہ جس کا دل چاہے مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو جناب عباسؑ کھڑے ہوگئے اور فرمایا ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہیں گے؟ خدا وہ دن ہمیں نہ دکھائے۔ جب صبح عاشورا ہوئی تو حضرت نے اپنے لشکر کی تقسیم کی اور فوج کا علم جناب عباسؑ کو دیا۔ آپ کی یہ وفاداری قیامت تک یاد رہے گی کہ بروز عاشورا پہلے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں کو آمادہ کرکے امام حسینؑ پر فدا کیا پھر خود جا کر شہید ہوئے۔ جب آپ کے تینوں بھائی شہید ہو چکے اور امام حسینؑ کا

حملہ زیادہ ہونے لگا تو جناب عباسؑ حاضر ہوئے اور عرض کی اے مولا میرا سینہ تنگی کر رہا ہے اور میری زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ کیا مجھے بھی اجازت ہے؟ مگر حضرتؑ صاف صاف اجازت نہ دے سکے۔ بلکہ بہت روئے اور فرمایا اے بھائی تم میرے لشکر کے علم بردار ہو۔ اگر تم شہید ہو گئے تو کیا ہوگا۔ مگر آپ نے بہت خوشامد کی تو حضرتؑ نے فرمایا اگر جاتے ہی ہو تو پہلے ان بچوں کے لئے کچھ پانی کی فکر کرو۔ جناب عباسؑ نے مشک لے لی اور جہاد کو روانہ ہو گئے۔ نہر کا رُخ کیا کہ مشک بھر لائیں۔ معتبر مورخ کا بیان ہے کہ امام حسینؑ کے لشکر اور نہر فرات کے درمیان ایک پہاڑی یا اونچا ٹیلا تھا۔ اس پر ابن سعد کی چار ہزار فوج معین تھی۔ جناب عباسؑ کاندھے پر مشک لٹکے۔ علم لئے ہاتھ سے تلوار مارتے۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اوپر کی فوج نے تیر۔ تلوار اور نیزوں کی بوچھار کی مگر آپ پوری فوج سے لڑتے ہوئے اوپر پہونچ گئے۔ وہاں اس زور کا جہاد کیا کہ بجلی کی طرح پوری فوج پر ٹوٹ پڑے۔ داہنی طرف کی فوج کو بائیں طرف اور بائیں طرف کی فوج کو داہنی طرف اُلٹتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ پورا لشکر داہنے بائیں اس طرح بھاگا جس طرح شیر کے حملہ کرنے سے بکریاں بھیڑیاں بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔ ایک طوفان کی طرح آپ بڑھتے چلے گئے۔ اور چاروں ہزار کی فوج گھاٹ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ (امامۃ و سیاستہ جلد ۲ ص۳) جناب عباسؑ پہاڑ سے نیچے اُترے۔ نہر میں سما کر مشک بھگوئی۔ جب وہ کئی دن کی سوکھی مشک بہت دیر میں تر ہوئی تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ نے نہر سے ایک چلّو پانی اٹھا کر دشمنوں کو دکھا دیا کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے مگر پیا نہیں اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کنارے جمع ہو گئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مشک لئے ہوئے نیچے اُترے اور خیمہ گاہ کی راہ لی مگر راستے میں ایک شخص نے درخت کی آڑ میں چھپ کر اس زور کی تلوار ماری کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا لیکن آپ نے فوراً مشک بائیں کاندھے پر رکھ لی اور تلوار بھی اسی ہاتھ میں لے کر دشمنوں کو مارتے اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ پھر ایک شخص نے بائیں ہاتھ پر وار کر دیا۔ تب آپ نے علم کو سینے سے لپٹا لیا۔ مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا اور رکاب سے گھوڑے کو مارتے اور خوب تیز دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ ایک شخص نے ایسا تیر مارا جس سے مشک چھد گئی اور سب پانی بہہ گیا اور دوسرا تیر آپ کے سینے میں لگا اور ایک گرز آپ کے سر پر پڑا جس سے آپ زمین پر آ رہے۔ اور پکارے اے آقا غلام نے بھی اپنی جان نثار کی۔ اے بھائی میری خبر لیجئے۔ یہ سُنتے ہی حضرت امام حسینؑ باز کی طرح جھپٹ کر آپ کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹے۔ پیشانی زخمی آنکھ مجروح ہے۔ آپ پکارتے تھے ہائے بھائی عباس الآن انکسر ظهری و قلت حیلتی۔ اب تمہارے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ و تدبیر بند ہو گئی۔ حضرتؑ جناب عباسؑ کے سرہانے بیٹھ کر

روتے لگے اتنے میں جناب عباسؑ کی روح پرواز کر گئی۔ تب حضرتؑ نے دشمنوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ بھیڑ بکری کی طرح بھاگے جاتے تھے۔ اور حضرتؑ فرماتے تھے تم کہاں بھاگتے ہو؟ تم ہی نے تو میرے بھائی کو قتل کیا۔ تم کہاں بھاگے جاتے ہو تم ہی نے تو میرا بازو توڑ دیا۔ پھر حضرتؑ اپنی جگہ پر واپس آئے۔ اس وقت جناب عباسؑ کی عمر ۳۴ سال چند مہینہ کی تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد گویا لشکر امام حسینؑ کی جان نکل گئی اور حضرتؑ بے پناہ ہو گئے۔ جناب عباسؑ کے دو لڑکے تھے جناب فضل و عبداللہ۔

اصحاب امیر المومنینؑ

حضرتؑ کے اصحاب بھی قابل ذکر ہیں مگر ہم صرف چند حضرات کے حالات لکھتے ہیں :۔

حجر بن عدی

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے صحابی بھی ہیں مگر زیادہ زمانہ حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ گزرا۔ اس سبب سے یہیں آپ کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر آپ کے حالات میں لکھتے ہیں :۔ "آپ، حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آں حضرتؐ کی خدمت میں یہ اور ان کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلاء صحابہ میں تھے جنگ صفین میں قبیلۂ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ آپ مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اس کی بیعت فسخ کر دی۔ شیعیان علیؑ کی ایک جماعت ان کی پیرو ہو گئی۔ ایک دن تاخیر نماز کی بابت انھوں نے اور ان کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے ان کی شکایت معویہ کو لکھ بھیجی۔ معویہ نے لکھا کہ ان کو مع ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بڑی جماعت تھی۔ جب یہ مقام مرج عذراء میں پہونچے تو کہا میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔ پھر یہ اور ان کے اصحاب عذراء نامی دیہات میں جو دمشق کے پاس ہے اترے۔ معویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دے دیا مگر معویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی تو وہ چھوڑ دیئے گئے اور حجر اور ان کے ساتھ ۷ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ جب لوگوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر کہا میرے ہتھیار نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا میں قیامت میں اسی طرح معویہ سے ملوں گا۔ جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بدسلوکی کی خبر ملی تو انھوں نے عبدالرحمٰن کو معویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لئے حجر اور ان کے اصحاب کی بے حرمتی نہ کرنا مگر عبدالرحمٰن کے پہونچنے سے پہلے حجر قتل ہو چکے تھے۔ تو عبدالرحمٰن نے معویہ سے کہا تم نے ان کو قید کیوں نہ کر دیا۔ یا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیج دیا۔ معویہ نے کہا اس وقت میری قوم میں تمھارے ایسے لوگ نہ تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تم کو نہ صاحب حلم سمجھیں گے نہ صاحب عقل۔ تم نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو مسلمان تھے اور تمھارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے معویہ نے

مدینہ آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی تو ممدوحہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ان پر اعتراض کیا۔ معویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ہم دونوں خدا کے ہاں ملیں۔ ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کی وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہوسکا۔ اُٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے رونے لگے۔ حسن بصری حجر اور ان کے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ سمجھتے تھے۔ ان کا قتل ۵۱ھ میں ہوا۔ ان کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے جو دمشق سے صرف دو فرسخ ادھر ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

جناب حجر حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے مخصوص شیعوں سے تھے اسی وجہ سے معویہ نے آپ کو بڑے ظلم سے شہید کیا۔ جناب ابوذر کی وفات ربذہ میں ہوئی تو ان کے دفن میں حجر بھی شریک تھے۔ خدا کے ہاں آپ کا یہ درجہ تھا کہ معویہ کے لوگ آپ کو قید کرکے لئے جاتے تھے تو ایک مقام پر آپ کو احتلام ہوگیا۔ غسل جنابت کرنے کے لئے معویہ والوں سے پانی مانگا انھوں نے نہیں دیا تو آپ نے خدا سے دعا کی۔ فوراً ابر آیا اور اتنا برسا کہ آپ نے غسل کرلیا۔ (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۹)

معویہ کے ساتھیوں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ (حضرت امیر المومنین) علیؑ پر لعنت کرو۔ انھوں نے کس خوبصورتی سے اس پر عمل کیا۔ کہا ان امیرا لوفد امرنی ان العن علیا فالعنوہ لعنہ اللہ۔ یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ حضرت علیؑ پر لعنت کروں۔ پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے۔ چونکہ آپ شیعیانِ کوفہ کے رئیس تھے اس وجہ سے زیاد نے آپ کو قتل کرانے کی تدبیر کی۔ جب اس نے آپ کو گرفتار کرکے معویہ کی طرف روانہ کیا اور یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق کے قریب پہنچے تو معویہ نے ایک افسر کو ان کی طرف بھیج کر حکم دیا کہ اگر وہ محبت علیؑ سے باز آئیں تو چھوڑ دو ورنہ قتل کردو۔ اس نے آکر کہا مگر جناب حجر نے حضرت امیر المومنینؑ کی محبت نہیں چھوڑی تو اس نے قتل کردیا۔ آپ کے عشق امیر المومنینؑ کی یہ حالت تھی کہ زیاد نے آپ کو گرفتار کرکے جب بلایا اور آپ سے کہا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا ان کی تعریف کرتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے کہا انھیں مارو سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے۔ پھر چھوڑ کر پوچھا اب کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم اگر تو اُسترے سے میری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے تب بھی میں حضرتؑ کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا جو رسول خداؐ سے آپ کے فضائل و مناقب میں سُنا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۹)

جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ کل قتل کئے جائیں گے تو اُس رات کو شب بیدار حضرات عبادت خدا کرتے، نمازیں پڑھتے اور تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسرے دن جب قتل ہونے لگے اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلی تلوار لگائی تو پھر کہا اب بھی علیؑ سے برائت کرو تو چھوڑ دیئے جاؤ۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ آخر قتل کردیئے گئے (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

جناب قنبر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرتؑ آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی حضرتؑ کے بڑے جاں نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا مولی من ضرب بسیفین۔ وطعن برمحین وصلی القبلتین۔ وبایع البیعتین وھاجر الھجرتین و لم یکفر باللہ طرفۃ عین اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا اور جو دو نیزوں سے لڑتا تھا جس نے دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ دونوں بیعتیں کیں۔ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سکنڈ کے لئے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرتؑ کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو بھی گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کون خدمت انجام دیتے تھے۔ کہا وضوء کے لئے حضرتؑ کے پاس پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضوء سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے۔ کہا اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین (پھر جس چیز کی انھیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوئے تو ہم نے انھیں ناگہاں لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ (پ ع ۱۱)۔ حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انھیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ حجاج نے کہا اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو۔ قنبر نے کہا سبحان اللہ زہے نصیب میرے۔ پھر تو میں شہیدوں کا درجہ پا لوں گا اور تو ظالموں بدبختوں کے گروہ میں ہو جائے گا حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دیئے گئے۔ (رجال کشی ص۴۸) ابوالنوار جو کرباس کا (سوتی) کپڑا بیچا کرتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو۔ قنبر نے ان دونوں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا کپڑا خود پہنا۔ (ینابیع المودۃ ، ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۲۹)

جناب مالک اشتر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے۔ آپ کا نام مالک۔ لقب اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المنزلۃ تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سنی تو فرمایا وہ میرے لئے ویسے ہی تھے جیسا میں حضرت رسول خداؐ کے لئے تھا۔ یہ بھی فرمایا رحم اللہ مالکا وما مالک عز علی بہ ھالکا۔ لو کان صخرا لکان صلدا و لو کان جبلا لکان فندا او کانہ قد قدا۔ خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لئے بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت و وفا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے تو بڑے اونچے پہاڑ تھے۔ ان کی موت نے

گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب انھوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہر! کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر میری نظر ہے۔ اب دیکھ کیسا مزہ چکھاتا ہوں ذرہ مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کر دیا۔ دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے۔ آخر مالک اشتر نے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آتے رہے مالک اشتر بھی فوراً گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس روز آپ روزہ سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

جنگ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہو گی۔

جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علیؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جنگ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازار موت ایسا گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزہ لئے ہوئے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو اُلٹتے چلے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معویہ کے لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرآنوں کو نیزوں پر نصب کرا دیا۔ جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکا کھا گئی اور حضرتؑ کو مجبور کیا کہ اب جنگ روک دیجئے۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالک اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ مالک اس وقت بڑی تاک میں تھے دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اٹھا ہی چاہتے ہیں اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہونچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرتؑ کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا ابھی آپ پر حملہ

کر دیں گے۔ حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔
پھر جب معویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرتؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انھیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل و نظیر نہیں تھے بلکہ عقل و فہم اور سیاست و تدبر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلے میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور اگر حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

معویہ نے ۳۸ھ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اُس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرتؑ کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرتؑ نے مالک اشتر کو جو اُس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔ جب معویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لئے بد دعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمھارا خراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہونچے روزہ سے تھے اُس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔ معویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا۔ اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے۔ اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ کیونکہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴) مگر حضرت علیؑ نے سُنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمھارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس وہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

مالک اشتر جس طرح کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیور حلم و زہد و فقر و دُور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے۔ تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لئے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمھارے لئے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت۔ فصاحت۔ بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعۂ کمالات تھے اور حضرت امیر المومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہو گیا تھا۔

جنابِ رشید ہجری

آپ بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنانِ دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے اور اپنے رشد کو محبت و ریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرتؑ نے ان کو علم منایا و علم بلایا (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں روز تم مرو گے اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبرا کریں اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ چنانچہ حضرتؑ نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسا اعلیٰ درجہ کا صبر کرو گے جس وقت بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائے گا اور تمھارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور تمھاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا؟ حضرتؑ نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہی رہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی کہ ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرا کرو۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اس نے پوچھا اچھا بتاؤ علیؑ نے تمھارے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انھوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیرالمومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو مجھے بلا کر حضرتؑ سے تبرا کرنے کو کہے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھوں۔ پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمھارے لئے کل وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوانے اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کئے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو انکی طرف جذب کرنے لگے تو اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ نے جو جو فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔

جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علی اللہ والرسول والائمہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرتؑ اپنے اصحاب کے ساتھ برنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرتؑ کے پاس لائی گئیں حضرتؑ نے

وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرتؑ یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر سُولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہوگئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح و شام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیرالمومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہوگیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس پہونچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں فوراً چلو۔ میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنویں کا زرنوق[1] بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میں تیرے ہی لئے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لئے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابن زیاد کے پاس پہونچایا گیا۔ تو اس نے کہا اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرتؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ۔ پاؤں زبان کاٹ دے گا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشید ہجری کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزّہ ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب وغریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیرالمومنینؑ سے سُنی تھیں)۔ وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے اُس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید ہجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور زبان چھوڑ دی!!! اسی زبان سے وہ لوگوں سے عجیب وغریب باتیں بیان کرتے اور حضرت علیؑ کی طرف لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا انھیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آگئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان سب کاٹ دی جائیں چنانچہ سب

---

[1] زرنوق ایک آلہ پانی نکالنے کا۔ کنویں پر دونوں جانب دو لکڑیاں یا دو دیواریں کھڑی کرتے ہیں اُن کے بیچ میں ایک لکڑی لگا کر اس پر چکر لگاتے ہیں۔ وہ گھومتا جاتا ہے تو کنویں سے پانی نکلتا ہے ۱۲ (نور اللغات پ ۱۱ صلا ۱۶)

بدن کاٹ دیئے گئے اور پھر وہ سولی دے دیئے گئے (رجال کشی ص۵۲) اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

جناب میثم تمار

آپ بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے۔ وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جتھے والے خاندان سے تھے جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے اور سب کے سب شیعہ حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کیوں میثمؓ اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد ملعون طلب کرکے کہے گا کہ مجھ سے تبرا کرو۔ میں نے عرض کی اے امیرالمومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرا نہیں کروں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کرکے سولی دے دیگا۔ میں نے عرض کی کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کروگے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہوگے اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہوگے۔ پھر جب میں آؤنگا تو مجھے تم اس کے پاس پہونچا دوگے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کردے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریثہ کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر اس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لئے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لئے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے اے عمرو جب میں تمھارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کوئی مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے اُن کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ تم اس محلہ میں آؤگے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کرلاؤ۔ اُس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤگے تو میں تم کو قتل کردوں گا۔ چودھری نے اس کام کے لئے کچھ مہلت طلب کی۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آکر دربار ابن زیاد میں پہونچے تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو۔ انھوں نے کہا ہاں میں ہی میثم ہوں۔ اس نے کہا ابوتراب سے تبرا کرو۔ انھوں نے کہا میں ابوتراب کو کیا جانوں؟ کہا علی ابن ابی طالبؑ سے تبرا کرو۔ آپ نے جواب دیا اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کردوں گا۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے

کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا۔ اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمھیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا دے سکتا ہوں اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔ حضرت امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ سوتے ہیں۔ انھوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی ڈاڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ اور تمھارے دونوں ہاتھ، پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائیگی دوسرے پر حجر بن عدی کو تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرتؑ کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم لوگوں سے غیب کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔ اور حضرتؑ سے عرض کی حضور! کیا واقعاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی میری یہ سزا کس جرم میں کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا اس لئے کہ ابن زیاد تمھیں گرفتار کرے گا (اور مجھ سے تبرا کرنے کو کہے گا تم نہیں کرو گے)۔ میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرتؑ جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمھارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیر المومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بد لی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا اے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علی ابن ابی طالبؑ کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد

برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے آقا و مولا علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرو عثمان کو دوست رکھو۔ اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمھارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تو تم قتل نہیں کئے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا میرے مولا میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا انھوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں، زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا؟ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے بھوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمھارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمھاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمھارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی۔ اس پر انھوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی رازدارانہ حدیثیں سننی چاہے وہ جلد آ کر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرتؑ کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے۔ ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہونچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرتؑ کی بات غلط ہو جائے؟ اب میری زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف

نظر کرکے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو۔ معویہ اس وقت مرگیا۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد نے آکر بیان کیا کہ معویہ گزشتہ جمعہ کو مرگیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔" (رجال کشی ص۵۳)

طرماح بن عدی بن حاتم

اصحاب حضرت امیرالمومنینؑ سے یہ ایک بڑی ڈیل ڈول طویل قد و قامت کے اعلیٰ درجے کے ادیب۔ فصیح۔ چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیرالمومنینؑ جنگ جمل فتح کرکے واپس آئے تو معویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اُس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہونچائے گی اور اُس چیز کو چھوڑ دیا جو تمھیں نفع پہونچاتی۔ تم نے قرآن مجید کی بھی مخالفت کی اور اُس کے رسولؐ کی سنت سے بھی مُنہ موڑ لیا۔ حضرت رسول خداؐ کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا مگر خدا کی قسم میں تمھیں ایسے شعلہ سے ماروں گا جس کو نہ پانی بُجھا سکے گا اور نہ ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائے گا اور جب گھُسے گا تو سوراخ کردے گا اور جب سوراخ کرے گا تو بھڑک اُٹھے گا (اور سب کو جلا دے گا) لہٰذا تم اپنی فوجوں پر نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ کرو۔ والسلام

جب حضرتؑ کے ملاحظہ سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علی ابن ابی طالبؑ برادر رسول و وصی رسول خداؐ و پدر حسنؑ و حسینؑ کی طرف سے (اے معویہ) اُس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ) تیرے چچا۔ دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معویہ! کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوۂ بدر میں تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے میں نے اُس روز اُن لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضہ میں ہے جس طرح حضرت رسولِ خداؐ نے اُس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے اب تک اُٹھائے ہوئے ہے اور میرے سینہ کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اُس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے۔ میں نے نہ خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا۔ نہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی نہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ترک کرکے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اُس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔ پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بنے کوشش کئے جا۔ کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلّط ہو گیا ہے اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے۔ اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا بُرا انجام ہوا۔"

خط کو تمام کرکے حضرتؑ نے طرماح بن عدی کے حوالہ کیا اور فرمایا اسے لے جاکر معویہ کو دو اور اس کا

جواب لاؤ۔ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے لسانہ جری وکلامہ جوھری ذلق طلق یتکلم فلا یکل ۔ و یرد الجواب فلا یمل ۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں ۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی ۔ جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے ۔

انھوں نے حضرتؑ کا خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا سمعا وطاعۃ وحبا وکرامۃ غلام بسر وچشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے اپنی نہایت عزت وشرف سمجھ کر انجام دے گا۔ پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہونچ گئے اتفاق سے اُس روز معویہ سیر و تفریح کے لئے شہر سے باہر ایک باغ میں تھا اور اس کے ارکان دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجبیل وابوالاعور سلمی و ابوہریرہ دوسی بھی اس کے ساتھ ہی تھے ۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا ۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس میں کہنے لگے " اس کو بلا کر مذاق کیا جائے " رائے ہوگئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں ۔

عمرو عاص ۔ کیوں میاں ، تمھارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے ؟

طرماح ۔ ہاں ہاں اللہ آسمان میں ۔ ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیرالمومنین (علیؑ) تمھاری پشت پر ہیں ۔ اب اے عداوت و شقاوت والو ! جاتے کہاں ہو ۔ مصائب و آفات کے لئے طیار ہو جاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں ۔

عمرو عاص وغیرہ ۔ میاں یہ تو بتاؤ کہ تم آتے کہاں سے ہو ؟

طرماح ۔ اقبلت من عند حر تقی نقی زکی رضی مرضی ۔ میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف ۔ پرہیزگار ۔ پاکیزہ ۔ صاف ہے جو خدا کے ہر حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے ۔

عمرو عاص وغیرہ ۔ اور کس کے پاس جاتے ہو ؟

طرماح ۔ اریدالردی الموذی الذی تزعمون انہ امیرکم ۔ میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے ۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معویہ کو خبر کی کہ ورد من عند علیؑ اعرابی بدا وی لہ لسان فصیح وقول ملیح ومعہ کتاب ۔ فلا تکن غافلا ساھیا ۔ علیؑ کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا ہے جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت ملیح ہے ۔ اس کے پاس ایک خط بھی ہے ۔ تو ہوشیار ہو جا اور غفلت نہ کر ۔

جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اتر آئے اور

اُن سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہونچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے۔ جب دُور سے طرماح کی نظر اُن لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا ما لقوم کانھم زبانیۃ امالک ضیق المسالك ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے ان کی صورتیں ایسی جلی کُھنی کیوں نظر آتی ہیں۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہونچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے۔ اس کی ناک پر کسی ضربت کا نشان ہے۔ اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا من ھذا المیشوم بن المیشوم الواسع الحلقوم المضروب علی الخرطوم۔ یہ کون منحوس ابن منحوس ہے جس کی حلق اتنی پھیلی ہوئی اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا لا زاد اللہ مرادہ ولا بلغہ مرادہ خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہونچائے۔ جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان امیر المومنین یسلم علیك۔ اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں طرماح نے کہا میری غرض یہ ہے کہ مجھے معویہ کے پاس لے چلو تاکہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دے دوں۔ اس پر یزید ان کو خاص معویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معویہ کے بعض ملازموں نے کہا فاخلع نعلیك بس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سننا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا اھذا الواد المقدس فاخلع نعلی کیا یہی وادی مقدس ہے تاکہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں [1] اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکان دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا

---

[1] جب حضرت موسیٰؑ اپنی بی بی صفورا کو سسرال سے رخصت کرا کے اپنی ماں کے پاس لے چلے تو طور کی طرف آپ نے دُور سے آگ دیکھی اُس میں سے ایک انگارا لانے کے لئے آگے بڑھے۔ جب اُس کے پاس آئے تو غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی۔ بیشک میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تم اپنی دونوں جوتیاں اُتار ڈالو کیونکہ تم اس وقت طوی نامی پاکیزہ چٹیل میدان میں ہو (قرآن مجید پ۱۶ ع۱۰)۔ طرماح نے اسی آیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا معویہ کا دربار وادی مقدس طوی ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جوتیاں اُتارنے کا حکم ہوا تھا اسی طرح تم لوگ مجھ سے بھی جوتیاں اُتارنے کو کہتے ہو ۱۲

السلام علیک ایھا الملک المعاصی اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معویہ۔ ویحک یا اعرابی ما منعک ان تسلم علیّ بیا امیرالمومنین۔ اے اعرابی تم پر وائے ہو تم مجھے "اے امیرالمومنین" کہہ کر سلام کیوں نہیں کرتے ؟

طرماح۔ ثکلتک امک نحن المومنون۔ فمن امرک علینا۔ اے معویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔ مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں پھر) تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے امیر بنا دیا (جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیرالمومنین کہوں) ؟

معویہ۔ ما معک یا اعرابی۔ اچھا اے اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو ؟

طرماح۔ کتاب کریمہ۔ میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معویہ۔ وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح۔ مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معویہ۔ (عمرو عاص کی طرف اشارہ کر کے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دے دو۔

طرماح۔ ھیھات ظلم الامیر و خان الوزیر۔ ہے ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا !!! (پھر اس پر بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں ؟)

معویہ۔ (یزید کی طرف اشارہ کر کے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔

طرماح۔ ما فرحنا بابلیس فکیف باولادہ۔ واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے۔ جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیونکر پسند کر سکتے ہیں ؟

معویہ۔ تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح۔ غلام سوء اشتریٰ من غیر حق و اعطےٰ من غیر مستحق۔ افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معویہ۔ پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں ؟

طرماح۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اُٹھ تاکہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے۔ یہ سنتے ہی معویہ نہایت غیظ و غضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبا لیا۔ اس کے بعد کہا۔

معویہ۔ کیف خلفت علی ابن ابی طالب کیوں اے اعرابی تم نے علیؑ ابن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا ؟

طرماح ۔ خلفته بحمد الله تعالیٰ کالبدر الطالع ۔ حوالیه اصحابه کالنجوم اذا امرهم ابتدروا الیه واذا نهاهم عن شئ لم یجاسروا علیه ۔ وهو معهم فی بأسه یا معویة وفی تجلده بطل شجاع سمیدع ۔ ان لقی جیشا هزمه واعزبه وان لقی حصنا هدمه والقاه ۔ وان لقی قرنا سلبه وافناه وان لقی عدوا قتله واخزاه ۔ خدا کے فضل وکرم سے میں نے حضرتؑ کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے ۔ حضرتؑ کے گرد آپ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کیئے رہتے ہیں کہ جب حضرتؑ انھیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انھیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے ۔ اے معویہ حضرتؑ اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبہ و شکوہ ، اسی قوت وطاقت ، اسی شان وشوکت ، اسی صولت وشجاعت سے شہسوار عرصۂ کارزار و یکہ تاز میدان گیرودار و سردار دیار وامصار ہیں ۔ اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دیدیں گے بلکہ ہلاک کر دیں گے ۔ اگر کسی قلعہ کو اپنا سد راہ پائیں گے تو اسے منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیں گے ۔ اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے فنا کے گھاٹ اُتار دیں گے ۔ اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل وخوار کر دیں گے ۔

معویہ ۔ کیف خلفت الحسنین ۔ تم نے حسنؑ وحسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے ؟

طرماح ۔ خلفتهما بحمد الله شابین ۔ تقیین ۔ نقیین ۔ عفیفین ۔ صحیحین ۔ فصیحین ۔ ادیبین ۔ اریبین ۔ لبیبین ۔ خطیبین ۔ سیدین ۔ سندین ۔ طیبین ۔ طاهرین ۔ عاملین ۔ عاملین ۔ یصلحان للدنیا والاخرة ۔ خدا کے فضل وکرم سے میں دونوں حضراتؑ کو دو جوان رعنا ۔ دو پرہیزگار ۔ دو پاک وپاکیزہ ۔ دو پارسا ۔ دو صحیح وسالم ۔ دو فصیح وادیب ۔ دو عقلمند ۔ دو ہوشیار ۔ دو خطیب ۔ دو سردار ۔ دو رکن دین ۔ دو طیب ۔ دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ کر آیا ہوں ۔ دونوں حضراتؑ ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں ۔

معویہ ۔ اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت عطا کی ہے ۔

طرماح ۔ لو بلغت باب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیه السلام ورأیت الفصحاء البلغاء الفقهاء الظرفاء النجباء الادباء الاسخیاء الاصفیاء لغرقت فی بحر عمیق لا تتخلص من لجته یا معویة ۔ اے معویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دروازے تک پہونچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں ، بلیغوں ۔ فقیہوں ۔ ظریفوں ۔ نجیبوں ۔ ادیبوں ۔ سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو

تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔
طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معویہ کے کان میں کہا کہ یہ مرد اعرابی بدوی ہے۔ اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوۃ) دے کر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمھارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔ پھر عمرو عاص و طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص۔ اے اعرابی اگر امیر معویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لوگے؟

طرماح۔ اريد قبض روحه من جسده فكيف لا اريد قبض ماله من يده۔ واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں۔ پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔

معویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دے دیئے جائیں۔ اس کے بعد طرماح سے کہا:۔

معویہ۔ کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں؟

طرماح۔ شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔

اس پر معویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ پھر کہا:۔

معویہ۔ اگر چاہو تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طرماح۔ اجعلها وترا فان الله يحب الوتر۔ اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔

معویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماح کے لئے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طرماح۔ کیوں معویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخرا پن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

معویہ۔ میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے۔

طرماح۔ یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لئے اس رقم کا حکم دے دیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے۔ نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ فوراً پوری رقم آ گئی۔ جب طرماح نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا:۔

عمرو عاص۔ کیوں اعرابی۔ امیر معویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے

نہیں ظاہر کی ۔

طرماح ۔ ھذا مال المسلمین من خزانۃ رب العالمین ۔ اخذہ عبد من عبادہ الصالحین ۔ میں رائے کیا ظاہر کروں ۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے ۔ جس کو اس نے رب العالمین کے خزانے سے حاصل کیا ہے اور اس کو اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندہ (طرماح) نے لیا ہے (معویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں) ۔

یہ سننا تھا کہ معویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا اکتب جواب کتابہ فواللہ لقد اظلمت الدنیا علی بجذا فیرھا و مالی بہ طاقۃ یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالہ کردے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوانب کے ساتھ میری نظر میں سیاہ کردی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی ۔ غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ من عبد اللہ وابن عبدہ معویۃ بن ابی سفیان الی علی ابن ابی طالب ان عددجیوشی کالنجوم ما تسع فی الارض ولا فی النجوم او کالف خردل تحت کل خردل مقاتل ۔ یہ خط ہے خدا کے بندے اور اس کے بندے کے فرزند معویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کی طرف ۔ میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لئے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں ۔ یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے ۔

جب طرماح نے معویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہہ لگایا ۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے ؟

طرماح ۔ واللہ یا معویۃ ان علیا کالشمس اذا طلعت خفیت النجوم ولہ دیک ھوالاشتر یلتقط الجیش بخیشومہ و یحفظہ فی حوصلتہ ۔ اے معویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیرالمومنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرتؑ طلوع کریں گے تو تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مرغ ہے جس کا نام مالک اشتر ہے ۔ وہ تیرے ہر دانے کو اپنی چونچ سے چُن لے گا اور سب کو اپنے پوٹے میں بھر لے گا ۔

اس کلام سے معویہ پر گویا موت طاری ہو گئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو ۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو ۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معویہ پورا جواب نہ لکھوائے اس وقت تک کچھ نہ بولیں ۔ غرض جواب تمام ہوا اور طرماح اُس کو لے ، اپنے اونٹ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے ۔

جب دربار معویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دُور نکل گئے تو معویہ اپنے دربار والوں پر بگڑا ۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں ۔

معویہ۔ اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کردوں اور تم میں سے اکیلے کسی شخص کو دے کر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اُس کا عشر عشیر ہی وہ میری طرف سے انجام دے دے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلے گا۔ خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ اور میری زندگی تلخ کردی۔

عمرو عاص - اے معویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسول خدا صلعم سے وہی قرب و منزلت میسر ہوتی جو علی ابن ابیطالبؑ کو حاصل ہے یا تو بھی اُسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علیؑ حق پر ہیں تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معویہ۔ فض اللہ فاك و قطع شرا سیفك واللہ لكلامك اشد علی من كلام الاعرابی۔ خدا تیرا مُنہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لئے اُس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مجالس المومنین صـ۲۲۲)

جناب کمیل بن زیاد

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے۔ نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسول خداؐ کے زمانے میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نامآور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا "اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اوّل علما ربانیین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبانِ علم و سالکانِ راہ حق کا گروہ۔ تیسرا عوام کالانعام کا جھنڈ۔ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے ادھر اُدھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن رکین کو اپنا ملجا و ماوا نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمھیں حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ اور علم خود تمھاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مرگئے اور بہیترے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علما تا قیام قیامت زندہ ہیں۔ انکا نام و نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا" اسی سلسلۂ گفتگو میں حضرتؑ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف (جو درحقیقت گنجینۂ اسرار الٰہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا "ھا ان ھھنا لعلما جما۔ لو اصبت له حملة آہ!! اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا" جناب کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے بھی

حاکم رہے اور حضرتؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ ہجری (غالباً ۸۳ھ) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعیانِ حضرت امیر المومنینؑ چن چن کر شہید کیے جانے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اس وقت ہیثم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اس سے پوچھا "کمیل کا پتا ہے کہ کہاں ہیں؟" ہیثم نے سفارشانہ لہجے میں جواب دیا کہ "کمیل تو ایک بڈھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔" مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتا نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے غضبناک ہو کر ان کے پورے کنبہ کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دیے جناب کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے "میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آ گئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کر دوں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور خود حجاج کے پاس آ کر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی۔ جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا۔ اور اس کو ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی۔ پھر کہا "حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر گزر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا۔" حجاج غضبناک ہو کر بولا "ہاں میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا،" تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے۔" غرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کر دیے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے پیشین گوئی فرمادی تھی لفظ بہ لفظ صحیح واقع ہوا اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

دوسرا باب ۲

حضرت امام حسن علیہ السلام

حضرت امام حسنؑ جناب رسالت مآبؐ کے نواسے اور دوسرے خلیفہ۔ حضرت امیرالمومنینؑ و جناب سیدہؑ کے فرزند ارجمند اور مسلمانوں کے دوسرے امام ہیں۔ ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کی شب کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ ۷ سال ۵ ماہ اور ۱۳ یوم کے تھے تو جناب رسول خدا صلعم کے سایۂ عطوفت سے ۲۸ صفر ۱۱ھ ہجری کو محروم ہو گئے۔ اسی سال ۳ جمادی الاخریٰ کو اپنی مادر گرامی قدر کی جدائی کا صدمہ اٹھایا۔ ۳۷ سال ۶ یوم کی عمر میں پدر بزرگوار حضرت امیرالمومنینؑ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اسی وقت آپ شیعوں کے امام قرار پائے اور کوفہ میں مقیم ہوئے۔ ۶ ماہ ۳ یوم ظاہری خلافت کر کے ۲۴ ربیع الاول ۴۱ھ کو معویہ کی درخواست پر اس سے صلح کر لی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں دس سال قیام فرمایا۔ آخر معویہ کے اغوا سے جعدہ دختر اشعث نے حضرتؑ کو زہر دے دیا جس سے ۲۸ صفر ۵۰ھ ہجری (۶۷۰ء) کو آپ شہید ہوئے اور مدینہ کی جنۃ البقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ اخلاق کے مجسمہ تھے۔ اسی سے لفظ "اخلاق حسنی" زبان زد عوام و خواص ہے۔

ولادت ام الفضل بیان کرتی تھیں کہ میں نے حضرت رسول خداؐ سے عرض کی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آیا ہے۔ فرمایا بہت اچھا خواب ہے میری بیٹی فاطمہؑ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا تم اس کو اپنے فرزند قثم کا دودھ پلاؤ گی۔ اس کے بعد ہی امام حسنؑ پیدا ہوئے۔ اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حلیہ مبارکہ حضرتؑ کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی غلافی خوش نما تھیں۔ رخسار پتلے کتابی خط و خال کے تھے۔ کلائیاں گول گاؤدم تھیں۔ ڈاڑھی گنجان کانوں کی لو تک بل کھائی ہوئی تھی۔ گردن ایسی بلند اور روشن گویا چاندی کی صراحی تھی۔ شانے اور بازو گد گدے اور بھرے بھرے تھے۔ سینہ چوڑا چکلا تھا۔ قد نہ اس قدر دراز نہ کوتاہ بلکہ درمیانہ تھا۔ آپ کی صورت زیبا نہایت ہی حسین اور نورانی تھی۔ وسمہ کا خضاب کرتے تھے آپ کے بال گھونگر والے تھے۔ بدن خوبصورت اور سڈول تھا۔ (ذکرالدولابی)

شباہت رسولؐ متعدد روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ آپ حضرت رسول خداؐ سے نصف جسم میں کامل شباہت رکھتے تھے۔ حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے تھے جو شخص اس کو

دیکھنا چاہے جو گردن سے روئے مبارک تک حضرت رسول خداؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ حسنؑ کو دیکھ لے۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے حسنؑ سینہ سے سر تک سب سے زیادہ آں حضرتؐ کے مشابہ ہیں۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ امام حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضرت رسول خداؐ کا ہم شکل نہیں ہے۔ (کنز العمال جلد ۷، ص ۱۰۶ و ۱۰۷ وغیرہ) حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت اور سخاوت ہے۔ (طبرانی وغیرہ)

کنیت و القاب

حضرتؑ کی کنیت ابو محمد تھی اور القاب بہت تھے مثلاً تقی۔ زکی۔ سید۔ سبط۔ ولی۔ نقی۔ مجتبیٰ۔ ولی۔ (نور الابصار ص ۱۱۹)

عقیقہ

آپ کی ولادت کے ساتویں دن حضرت رسول خداؐ نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی جائے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲)

سرداری جنت

شیعہ و سنی محدثین نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم برابر فرمایا کرتے ان حسنا وحسینا سیدا شباب اہل الجنۃ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں۔ حذیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں نے آنحضرتؐ کو بہت خوش اور مطمئن پایا تو عرض کی میں آج حضور کے چہرے پر علاماتِ مسرت پاتا ہوں۔ فرمایا کیونکر نہ خوش ہوں کہ جبریلؑ نے آکر مجھے بشارت دی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہل بہشت کے سردار اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے افضل ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷، ص ۱۰۷ صواعق محرقہ ص ۱۱۴ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲ اصابہ جلد ۲ ص ۱۲ استیعاب جلد ۱ وغیرہ)

محبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ

اسامہ بن زید کہتے تھے کہ ایک ضرورت سے میں آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؐ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ میرے دو فرزند ہیں۔ اے خدا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے بلکہ ان کے دوستوں تک سے محبت فرما۔ ایک اور صحابی کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی طرف رسول خداؐ اس شان سے تشریف لائے کہ ایک شانے پر حسنؑ اور دوسرے شانے پر حسینؑ تشریف فرما تھے اور آں حضرتؐ کبھی حسنؑ کا بوسہ لیتے کبھی حسینؑ کا۔ اسی طرح ہم لوگوں کے پاس پہونچ گئے تو فرمایا جو شخص ان دونوں سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھ سکتا ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا بھی دشمن ہے۔ ایک دفعہ آں حضرتؐ نماز میں مشغول تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں بچے حسنؑ و حسینؑ پشتِ مبارک پر چلے جاتے۔ لوگوں نے روکنا چاہا تو حضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور نماز تمام کر کے دونوں کو گود میں بٹھا لیا پھر فرمایا جو مجھ سے محبت کا دعوے کرتا ہے اس کو چاہئے کہ ان دونوں سے بھی محبت کرے۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۱۲ وغیرہ)

ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے ہمیشہ امام حسنؑ کو دوست رکھتا ہوں جب سے اس واقعہ کو

دیکھا کہ حسنؑ حضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہیں اور اپنی انگلیاں حضرتؐ کی داڑھی میں ڈال رہے ہیں اور حضرتؐ اپنی زبان امام حسنؑ کے منہ میں ڈال رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں اے اللہ میں اسے پیار کرتا ہوں تو بھی اسے پیار کر (ذخائر العقبیٰ و نورالابصار ص۱۱۹) آں حضرت صلعم ایک مرتبہ آپ کو شانے پر سوار کئے ہوئے تھے کسی صحابی نے کہا اے صاحب زادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو۔ یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم نے (گویا بگڑ کر) فرمایا کہ یہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے!!! (اسد الغابہ جلد ۳ ص۱۵ وغیرہ)

بچپن میں اشاعت اسلام کا شوق

محمد بن اسحاق نے اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا اے ابوالحسن! میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہو۔ اُس نے کہا میرے ہمراہ اپنے ابن عم (محمدؐ) کی خدمت میں چلو اور ان سے کہو کہ میرے لئے اس قسم کا ایک نیا معاملہ کر دیں اور اس کا عہد نامہ بھی تحریر فرما دیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا کہ ابوسفیان! آں حضرتؐ نے تمہارے لئے پہلے ہی ایک عہد کر دیا ہے۔ حضرتؐ اُس سے پھرنے کے نہیں ہیں (بس تم یہ خواہش نہ کرو)۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی جناب سیدہؑ پردے کے اندر تشریف فرما تھیں اور امام حسنؑ آپ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ آپ کی عمر اُس وقت صرف چودہ مہینہ کی تھی۔ حضرت امیرالمومنینؑ سے مایوس ہونے کے بعد ابوسفیان نے جناب سیدہؑ سے عرض کی کہ اے محمدؐ کی صاحبزادی! تم اپنے اس لڑکے (حسنؑ) سے کہو کہ میری سفارش اپنے نانا سے کر دیں۔ اگر یہ ایسا کریں گے تو اس کلام کے سبب سے وہ تمام عرب و عجم کے سردار ہو جائیں گے (ابھی جناب سیدہ نے کچھ جواب نہیں کہلایا تھا کہ) فوراً امام حسنؑ ابوسفیان کی طرف جھپٹ کر تشریف لائے اور اپنے ایک ہاتھ سے ابوسفیان کی ناک پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ بعدہ بحکم خدا گویا ہو کر فرمایا اے ابوسفیان! کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے جد بزرگوار سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت امیرالمومنینؑ نے فرط محبت سے فرمایا اُس خدائے بزرگ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے آل محمد میں بھی خاص ذریتِ محمد مصطفےٰ سے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں اس کو شریعت کی حکومت عطا فرما دی۔ (مناقب آل ابی طالبؑ جلد ۴ ص۴۶)

بچپن میں وحی کا یاد کر لینا

حضرت امام حسنؑ برابر حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ جب آپ کی عمر سات سال کی تھی تو آں حضرتؐ سے جو کچھ وحی آپ سنتے یاد کر لیتے۔ پھر اپنی مادر گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر ابتدا سے انتہا تک اس کو سنا دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت امیرالمومنینؑ جب داخل بیت الشرف ہوتے تو جناب سیدہؑ کو اس روز کی وحیوں پر مطلع پاتے اور جب اُس راز کو دریافت کرتے تو جناب سیدہؑ فرماتیں کہ آپ کے فرزند حسنؑ نے مجھ سے بیان کی ہیں۔ ایک روز حضرت علیؑ نے کسی گوشہ میں چھپ کر امام حسنؑ کی یہ کیفیت دیکھنی چاہی۔

اتنے میں امام حسنؑ داخل ہوئے اور اُس روز جس قدر وحی کو سُن اور یاد کر چکے تھے اپنی والدہ سے بیان کرنا چاہا مگر زبان مبارک رُک گئی اور ایک حرف بھی نہ ادا کر سکے۔ جناب سیدہؑ اس پر نہایت متعجب ہوئیں۔ امام حسنؑ ہی نے اس مخفی راز کو بھی دریافت کر لیا اور فرمایا اے والدہ آپ متحیر نہ ہوں کیونکہ معلوم ہوتا ہے میرے کوئی بزرگ میرا کلام سُننا چاہتے ہیں اور ان کے رعب نے میری زبان بند کر دی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی اے امّاں میرا بیان رُکتا ہے۔ میری زبان عاجز ہو رہی ہے۔ غالباً میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ اس گوشے سے نکل آئے اور امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کا مُنہ چوم لیا۔ (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳)

امر بالمعروف کی پابندی آپ بچپن ہی سے لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بُری باتوں سے منع فرماتے تھے۔ حضرت رسول خداؐ کے بعد ایک دفعہ آپ اُس طرف تشریف لئے جاتے تھے جہاں حضرت ابوبکر تھے۔ دیکھا کہ وہ رسول خداؐ کے منبر پر ہیں۔ اس پر آپ نے ان سے فرمایا یہ میرے والد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس پر سے آپ اُتر آئیے۔ حضرت ابوبکر نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ واقعاً یہ تمہارے والد ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ پھر آپ کو گود میں بٹھا کر خود رونے لگے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۵ تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۵ ریاض نضرہ صفحہ ۱۳۹ وغیرہ)

حضرتؑ کا زہد علامہ یافعی وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے زہد کی یہ حالت تھی کہ تین دفعہ اپنا کُل مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ آدھا مال بخش دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے بھی آدھے اپنے لئے رکھ لئے اور آدھے دوسروں کو دے دیئے۔ (مراۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ و نور الابصار صفحہ ۱۱۹ وغیرہ)

حضرتؑ کی سخاوت ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لا کر سب اُٹھا لے جا۔ جب وہ مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرتؑ نے اپنا چوغا دے دیا اور فرمایا مزدور کی مزدوری بھی میری ہی طرف سے ہونی چاہیئے۔ (مراۃ الجنان صفحہ ۱۲۳)

ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا اور اپنے حالِ زار کی شکایت کی تو آپ نے اپنے کارندے کو بلایا اور اُس سے اپنی آمدنی و خرچ کا حساب لینے لگے۔ جب حساب پورا ہو چکا تو اس کارندے سے فرمایا۔ اب جو کچھ تمہارے پاس میرا مال بچا ہو لاؤ۔ وہ پچاس ہزار درہم لایا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے پاس میری پانچ سو اشرفیاں بھی تو تھیں؟ اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں۔ حضرتؑ نے وہ بھی منگا کر کل درہم اور اشرفیاں اس سائل کو دے دیں۔ پھر اس سے معذرت خواہی فرمانے لگے۔ اسی طرح حضرتؑ نے کسی جگہ سُنا کہ ایک شخص خدا سے دس ہزار درہم مانگ رہا ہے

یہ سنتے ہی اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے اور اس کے پاس دس ہزار درہم بھیج دیئے۔ (نورالابصار ص۱۲۲)

حضرتؑ کی سخاوت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی کہ آپ خود فاقہ سے رہتے ہیں پھر بھی سائل کو واپس نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا میں خدا کی درگاہ کا سائل اور اُس سے مانگنے والا ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کر دوں۔ خدا نے میرے ساتھ اپنی یہ عادت جاری کر رکھی ہے کہ مجھے اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے اور میں نے دوسروں کے ساتھ یہ عادت کر لی ہے کہ خدا کی نعمتوں کو اس کی خلقت تک پہونچاتا رہتا ہوں۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت روک دوں تو خدا بھی اپنی عادت نہ موقوف کر دے۔ (نورالابصار ص۱۲۳)

ایک دفعہ اور ایک شخص حضرتؑ کے پاس آیا اور کچھ مال کا سوال کیا۔ مگر حضرتؑ کا ہاتھ بالکل خالی اور خود گھر میں فاقہ کا سامان تھا۔ اُس سائل کو واپس کرتے بھی نہ ہو سکا تو حضرتؑ نے اُس سے فرمایا میں ایک ایسی تدبیر تم کو نہ بتا دوں جس سے تم کو کافی مال مل جائے۔ اُس نے پوچھا یا حضرتؑ وہ کیا ہے؟ فرمایا خلیفہ کی بیٹی مر گئی ہے۔ اس کو اس کا بڑا غم ہے اور ابھی تک کسی نے اس کی مناسب تعزیت نہیں کی ہے۔ تم جا کر اس کی تعزیت اس طرح کرو جس طرح میں بتاتا ہوں۔ اس سے تم کو بڑی دولت مل جائے گی۔ اُس نے عرض کی یا حضرتؑ اس تعزیت کے کلمات آپ مجھے یاد کرا دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا جا کر اس سے کہنا الحمد للہ الذی سترھا بجلوسك علی قبرھا ولا ھتکھا بجلوسھا علی قبرك خدا کا شکر ہے کہ اُس نے آپ کو بیٹی کی قبر پر بٹھا کر اس کا پردہ رکھ لیا اور آپ کی صاحبزادی کو آپ کی قبر پر بٹھا کر اس کی پردہ دری نہیں کی۔ یہ کلمات یاد کر کے وہ شخص خلیفہ پاس گیا اور اسی عنوان سے اس کی تعزیت کی۔ خلیفہ نے ایسی معرفت کی بات سُنی تو اس کا سب ہم و غم زائل ہو گیا اور اس کو بہت کچھ مال دے دیا۔ پھر اس سے کہا تجھ کو خدا کی قسم سچ بتا کیا یہ بات تو نے خود ہی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ امام حسنؑ نے مجھے تعلیم فرمائی ہے۔ خلیفہ نے کہا تو نے سچ کہا کیونکہ وہی ہر کلام فصیح کے معدن ہیں۔ پھر اس شخص کو اور زیادہ مال دے کر رخصت کیا۔ (نورالابصار ص۱۲۳)

حضرتؑ کا تواضع

علماء کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ ایک دفعہ چند نادار لڑکوں کے پاس سے گزرے۔ ان سب کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے اور وہ بیٹھے کھا رہے تھے۔ لڑکوں نے حضرتؑ سے کہا حضور بسم اللہ۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اُتر پڑے اور اُن سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے پھر ان سب کو اپنے گھر لے گئے۔ اچھے کھانے کھلائے۔ عمدہ کپڑے پہنائے اور فرمایا حقیقی دریا دلی ان لڑکوں ہی کی ہے کیونکہ ان سب نے جو مجھے کھلایا اس کے سوائے ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں اور میرے پاس تو اس سے زیادہ موجود ہے۔ (مراۃ الجنان جلد ۱ ص۱۲۳)

حضرتؑ کا توکل

ایک دفعہ حضرتؑ کو معلوم ہوا کہ جناب ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ "مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری محبوب ہے" تو حضرتؑ نے فرمایا خدا ابوذر پر رحم فرمائے وہ یہ کہتے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا جسے خدا اس کے لئے پسند کرے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ کلام حضرت امام حسینؑ کا ہے۔ (مرآۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)

حضرتؑ کی عبادت

حضرتؑ نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے اس طرح کہ آپ کی سواری کی اونٹنیاں ساتھ جاتیں مگر آپ اس پر سوار نہیں ہوتے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کی ملاقات کو جاؤں اور اس کے گھر تک پا پیادہ نہ جاؤں۔ (اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱)

حضرتؑ کا معصوم ہونا

ایک شخص نے حضرت حسنؑ سے عرض کی کہ آپ کو رسولِ خدا صلعم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجئے۔ حضرتؑ نے بیان فرمایا مجھے حضرت رسول خدا کی ایک یہ بات یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں رکھ لی تھی تو حضرتؑ نے اس کو میرے منہ سے نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب دہن مل چکا تھا اور اس کو صدقہ کی کھجوروں میں ملا دیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہؐ ایک کھجور کی کیا بات تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا ہم آلِ محمدؐ کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ (اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے حضرتؑ کو بھی معصوم قرار دیا تھا اسی وجہ سے جب بچپن میں آپ نے وہ کھجور منہ میں ڈال لی تو آں حضرت صلعم نے نکال کر پھینک دی۔ اگر آپ درجۂ عصمت پر فائز نہیں ہوتے تو آں حضرت صلعم کو اس کے چھین کر پھینک دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ امام حسنؑ و حسینؑ ان کھجوروں سے کھیل رہے تھے اسی کھیل میں امام حسنؑ نے ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی یعنی کھانا نہیں چاہا بلکہ صرف کھیل میں رکھ لیا تھا حضرت رسولِ خداؐ نے دیکھا تو احتیاطاً اس کو بھی نکال لیا اور فرمایا اما علمت ان آل محمدؐ لا یاکلون الصدقہ اے حسنؑ تم کو معلوم نہیں ہے کہ آلِ محمدؐ صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری پ ۶ صفحہ ۲۰۳)۔

حضرت حجۃ الاسلام شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "امام پر اگرچہ بلا واسطہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس پر حضرات اہلسنت کے علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو انھوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آں حضرت صلعم نے امام حسنؑ پر جب آپ شیرخوار تھے اور صدقہ کی کھجور منہ میں رکھ لی تھی اعتراض کیا تھا اور آپ سے فرمایا تھا کخ کخ۔ اما تعلم ان الصدقۃ علینا حرام۔ تھوکو تھوکو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔ اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ

امام حسنؑ اُس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ پر ابھی کسی شرعی امر کی تکلیف نہیں تھی آں حضرتؐ نے ان پر یہ اعتراض کیوں کیا کہ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ صدقہ ہم لوگوں پر حرام ہے اُس کا جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ دیا ہے یعدم استواء حال الحسن وحال غیرہ لان الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ امام حسنؑ اور دوسرے بچے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ امام حسنؑ اس حالت شیرخوارگی میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے اس وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے وہ جملہ فرمایا۔ (احقاق الحق ص۱۲۲)

آں حضرتؐ کی فریفتگی

آں حضرت صلعم ایک دفعہ خطبہ پڑھتے تھے اس وقت امام حسنؑ و امام حسینؑ گھر سے باہر سرخ کپڑے پہنے ہوئے آرہے تھے مگر ان کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ آں حضرتؐ یہ دیکھ کر منبر پر سے اُتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کے بعد فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں اور ان کے پاؤں لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور انکو اٹھا لیا (اسد الغابہ جلد سوم)

امام حسنؑ کا حلم

حضرتؑ کے علم و تحمل کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ ایک دفعہ حضرتؑ سوار چلے جاتے تھے کسی شامی نے حضرتؑ کو دیکھ کر گالیاں بکنی شروع کیں مگر حضرتؑ نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جب وہ دل بھر کر اپنا گناہ کر چکا تو حضرتؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اس کو سلام کیا۔ پھر مسکرا کر فرمایا اے شیخ میں گمان کرتا ہوں کہ تم پردیسی ہو اور شاید تم کو کچھ شبہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے تم نے مجھے اتنی گالیاں دیں۔ اگر تم مجھ سے کوئی فرمائش کرو تو میں پوری کرنے کو حاضر ہوں۔ اگر کچھ مانگو تو دینے کو موجود ہوں۔ اگر کوئی بات دریافت کرو تو بتا دوں۔ اگر سواری کی ضرورت ہو تو گھوڑا یا اونٹ دے دوں۔ اگر بھوکے ہو تو چلو کھانا کھلاؤں۔ اگر پہننے کو کپڑے نہ ہوں تو جس قدر چاہو کپڑے دے دوں۔ اگر محتاج ہو تو تم کو اتنا مال دیدوں جس سے خوش حال ہو جاؤ۔ اگر تم آوارہ وطن ہو تو میں تم کو اپنے گھر میں جگہ دوں۔ اور اگر ان باتوں کے علاوہ تمھاری کوئی حاجت ہو تو اس کو بھی پوری کر دوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سواری میرے گھر کی طرف بڑھاؤ اور دعوت قبول کر لو۔ جب تک دل چاہے رہو میں تمھاری خدمت کرتا اور تمھیں ہر قسم کا آرام پہنچاتا رہوں گا۔ اس لیے کہ خدا کے فضل سے میرا مکان وسیع ہے۔ لوگوں میں میری جاہ و عزت بھی ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔

جب اس مرد شامی نے حضرتؑ کا یہ سب کلام سنا تو رونے لگا۔ پھر کہا اشہد انک خلیفۃ اللہ فی ارضہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ وکنت انت وابوک ابغض خلق اللہ الی والان انت احب خلق اللہ الی۔ وحول رحلہ الیہ وکان ضیفہ الی ان ارتحل وصار معتقدا لمحبتہم میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی زمین پر اس کے خلیفہ آپ ہی ہیں۔ خدا نے جس خاندان کو رسالت کا شرف

بخشا ہے اس کی عظمت و جلالت کو وہی سب سے زیادہ جانتا ہے اس وقت کے قبل تک دنیا میں کسی شخص کو بھی میں آپ سے اور آپ کے والد سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب سب سے زیادہ آپ ہی مجھے محبوب ہو گئے۔ پھر اس نے اپنی سواری حضرتؑ کے گھر کی طرف پھیری اور جب تک اس شہر میں رہا حضرتؑ ہی کا مہمان رہا اور ان حضراتؑ کی محبت کا پورا معتقد ہو گیا۔ (مناقب جلد ۴ صـ۵۳ و کامل مبرد جلد ۲ صـ۹۶)

حضرتؑ کی حکمت آمیز باتیں

بہت ہیں جن سے انسان کو حکمت و معارف کے خزانے حاصل ہوتے ہیں اور ان پر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب ہو جائے۔ مثلاً فرمایا لا ادب لمن لا عقل له ولا مودة لمن لا همة له ولا حياء لمن لا دين له۔ وراس العقل معاشرة الناس بالجميل و بالعقل تدرك الدارين جميعا ومن حرم العقل حرمهما جميعا۔ جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا۔ اور جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت بھی نہ پا سکا۔ اور جس کو شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ عقل کا سر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی زندگی بسر کی جائے۔ اور عقل ہی سے دونوں گھر (دنیا و آخرت) حاصل ہوتے ہیں جو شخص عقل سے محروم ہوگا وہ دونوں گھروں سے بھی محروم رہے گا۔ یہ بھی فرمایا۔ هلاك الناس فى ثلاث فى الكبر والحرص والحسد۔ فالكبر هلاك الدين وبه لعن ابليس والحرص عدو النفس والحسد رائد سوء ومنه قتل قابيل هابيل۔ تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں تکبر، حرص اور حسد۔ تکبر سے دین مٹ جاتا ہے اسی وجہ سے ابلیس (شیطان) ملعون قرار پایا۔ اور حرص انسان کی جان کا دشمن ہے (یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہو گیا) اور حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے۔ اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو میں بہت پریشان ہوا۔ حضرتؑ نے فرمایا کیوں حسن! تم گھبراتے ہو؟ میں نے عرض کی یا حضرتؑ میں آپ کو اس حال میں دیکھتا ہوں تو کیوں نہ جزع کروں۔ حضرتؑ نے فرمایا بیٹے میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ان کے ذریعہ سے ہر مصیبت سے نجات ملتی رہے گی۔ اے بیٹا لا غنى اكثر من العقل۔ ولا فقر مثل الجهل ولا وحشة اشد من العجب ولا عيش الذ من حسن الخلق۔ واعلم ان مروة القناعة والرضا اكثر من مروة الاعطاء وتمام الصنيعة خير من ابتدائها۔ عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں اور جہالت ایسی کوئی فقیری نہیں اور خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں اور حسن خلق سے زیادہ مزے کی کوئی زندگی نہیں۔ اور اس بات کو بھی سمجھ رکھو کہ قناعت اور رضا کی مروۃ مال عطا کرنے کی مروت سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے۔ (فروالا بصار صـ۱۲۱)

نیکی کا عوض کس طرح کرتے

حضرتؑ کے ساتھ جو شخص کوئی بھلائی کرتا۔ حضرت اس کا عوض ہزار گنا سے زیادہ کرتے۔ ابوالحسن مدائنی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ اور (جناب زینبؑ کے شوہر) عبداللہ بن جعفر ساتھ ہی حج کو چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوگئیں اور تینوں حضرات کو بھوک اور پیاس نے بہت ستایا۔ راہ میں ایک خیمہ نظر آیا تو یہ حضرات اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچے تو ایک بوڑھی عورت دیکھی اس سے پوچھا کیوں بہن کوئی چیز پینے کی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی تینوں صاحب اپنی سواریوں سے اُتر پڑے مگر اس بڑھیا کے پاس ایک بکری کے سوا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اس نے کہا آپ لوگ اسی بکری کو دوہ کر اس کا دودھ پی لیں۔ بیچاروں نے ایسا ہی کیا۔ جب پیاس کم ہوئی تو بھوک کا زور ہوا۔ پوچھا کچھ کھانے کو بھی ہے؟ اُس نے کہا بس یہی بکری ہے۔ اس کے سوائے کچھ نہیں۔ میں آپ لوگوں کو قسم دیتی ہوں کہ اس بکری کو ذبح کر ڈالیں اور میں لکڑی کا سامان کرتی ہوں۔ آپ لوگ بھون کر اس کو کھا لیں ان لوگوں نے اس کی فرمائش پوری کی۔ کھا پی کر کچھ دیر آرام کیا اور جب جانے لگے تو کہا اے بہن ہم لوگ قریش کے کچھ آدمی ہیں حج کرنے جاتے ہیں۔ جب بخیر و عافیت واپس آئیں تو تم ہم لوگوں کے پاس مدینہ میں آنا تاکہ ہم بھی تمھاری کچھ خدمت کرسکیں۔ یہ کہہ کر سب روانہ ہوگئے۔ جب اس کا شوہر آیا تو اس عورت نے پورا واقعہ بیان کردیا۔ وہ بہت غضبناک ہوا اور کہا تونے بکری ایسے لوگوں کے لئے کیوں ذبح کردی جن کو ہم لوگ پہچانتے تک نہیں ہیں۔ بات ختم ہوگئی۔ ایک مدت دراز کے بعد اُس عورت اور اس کے شوہر کو قحط کا سامنا ہوا۔ دونوں سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ آخر مدینہ کا رُخ کیا اور وہاں بھیک مانگنے لگے۔ ایک روز وہ عورت کسی گلی میں سوال کرتی ہوئی جاتی تھی اور امام حسنؑ اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرتؑ نے اس کو دیکھ پہچان لیا اور پکار کر اپنے پاس بُلایا۔ فرمایا اے کنیز خدا تم مجھ کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں سال فلاں مہینہ میں فلاں روز ہم لوگ جا کر تمھارے خیمہ میں مہمان ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے صاحب میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں میں نے اب بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرتؑ نے فرمایا خیر اگر تم مجھے نہیں پہچانتیں تو میں تم کو پہچانتا ہوں۔ پھر حضرتؑ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ایک ہزار اشرفیاں اس کو دے دو۔ جب یہ چیزیں اس کو مل گئیں تو اس کو اسی غلام کے ساتھ امام حسینؑ کے پاس بھیجا۔ حضرتؑ نے بھی اس کو پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں آپ نے بھی دیں۔ پھر اس کو غلام کے ساتھ جناب عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیجا انھوں نے بھی اس کو بہت زیادہ مال اور بکریاں دیں۔ اس طرح مال و دولت کا انبار لے کر وہ مدینہ سے اپنے گھر پلٹ کر گئی تھی بالکل فقیر ہوکر اور واپس آئی سب سے زیادہ خوش حال ہوکر (نور الابصار ص۱۲۱)

خلافت ظاہری کو چھوڑنا

حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ عراق - ایران - خراسان - حجاز اور یمن وغیرہ میں خلیفہ ہوئے (یہ واقعہ سنہ ۴۰ھ کا ہے) اُن چالیس ہزار آدمیوں نے جنھوں نے حضرت علیؑ سے معویہ سے جنگ کرنے پر آپ کی نصرت میں مرجانے کی بیعت کی تھی امام حسنؑ سے بھی بیعت کرلی - اتنے میں معویہ نے آپ پر چڑھائی کردی اور ساٹھ ہزار فوج لیکر مقام مسکن میں اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے - امام حسنؑ یہ سُن کر خود تو بڑا حصہ فوج کا لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آگئے اور ۱۲ ہزار فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کردی - اسی درمیان میں معویہ نے مخفی طور پر یہ فریب کیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیجا جہاں امام حسنؑ مقیم تھے اور یہ مشہور کرایا کہ حضرتؑ کے سپہ سالار قیس بن سعد نے معویہ سے صلح کرلی - اور اسی طرح دوسرے شخص کو قیس کے لشکر میں بھیج کر یہ مشہور کرایا کہ امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کرلی - پس جب دونوں جگہ یہ خبر شائع ہوئی تو امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت پھیل گئی - فوجی آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا - آپ کے نیچے سے مصلےٰ تک گھسیٹ لیا - دوش پر سے ردا بھی اُتار لی - بعض گمراہوں نے معویہ سے سازش کرکے اور رشوتیں لے کر ارادہ کیا کہ آپ کو گرفتار کرکے معویہ کے حوالہ کردیں اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط و کتابت کرکے معویہ کی اطاعت قبول کرلی اور اسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آئیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کردیں گے - حضرت کمال صدمہ سے اپنے مدائن کے گورنر سعد کی طرف روانہ ہوگئے - راستے میں ایک خارجی نے موقع پاکر ران پر ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک پہونچا - آپ زخمی حالت میں مدائن کے قصر میں جاکر ٹھہرے - سعد نے علاج کرایا اور حضرتؑ کچھ مدت میں اچھے ہوگئے - یہ حالات دیکھ کر حضرتؑ نے خلق خدا کی خونریزی کا اندیشہ کرکے ترک ظاہری خلافت کا ارادہ کرلیا - اور ۶ یا ۷ ماہ کی ظاہری خلافت کے بعد ان شرائط پر معویہ سے صلح کرکے حکومت سے دست بردار ہوگئے (۱) معویہ مسلمانوں پر کتاب خدا اور سیرت خلفا رصالحین کے مطابق حکومت کرے گا - (۲) بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے وہ امام حسنؑ کو دی جائے گی کہ حضرتؑ زمانۂ حکومت کے دیون ادا کردیں - (۳) فسا اور دارابجرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا کہ اہلبیتؑ خرچ کرتے رہیں - (۴) اب سے حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائے گا - (۵) معویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولیعہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کی رو سے اس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا اور بروایت اوکلی و حیوۃ الحیوان وطبری وابن قتیبہ وغیرہ یہ شرط اس طرح تھی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں اور حضرتؑ کا انتقال ہوجائے تو امام حسینؑ ہوں - (۶) زمین خدا پر شام - مصر - عراق - حجاز - یمن وغیرہ میں ہر جگہ لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے - (۷) اصحاب علیؑ و شیعیان علیؑ کی جان و مال - عورتیں اور اولاد سب مامون و محفوظ رہیں گی (۸) حسنؑ بن علیؑ اور

اُن کے بھائی حسینؑ اور اہلبیتؑ میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ معویہ تعرض نہیں کرے گا۔ سب محفوظ رہیں گے۔ انھیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائے گا۔ (۹) معویہ اس عہدنامہ پر خدا سے عہد و میثاق کرے اور اسے پورا کرے۔ (صواعق محرقہ ص۸۱)۔

معویہ اور امام حسنؑ قریب کوفہ انبار میں جمع ہوئے اور وہیں اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں۔ مگر معویہ نے ان شرطوں سے کسی کو بھی پوری نہیں کیا۔ یہ عہدنامہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو لکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام سنت الجماعت رکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے عمرو عاص کی تحریک سے حضرت امام حسنؑ کو خطبہ دینے پر مجبور کیا تو حضرتؑ نے منبر پر جا کر فرمایا اے لوگو خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمھاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمھیں خونریزی سے بچایا۔ معویہ نے اس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خون ریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا۔ تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نااہل کو دے دی اور اس کے حق کو بے موقع جگہ رکھا ہے۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معویہ نے کہا بس اے حضرت زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۲۴)

حضرتؑ کے اس خطبہ کے بعد معویہ منبر پر گیا اور خطبہ میں کہا الحمدللہ آج تمام امور کا انتظام ہوگیا ہے۔ بہت کچھ تردد و پریشانی کے بعد حق اپنی جگہ پر آکر ٹھہرا ہے۔ میں نے اس معاملہ کی ابتدا میں جو شرطیں کی ہیں وہ محض باہمی میل ملاپ اور امت کے ایک زبان ہونے کے لئے تھیں۔ اب خرابیاں باقی رہیں ہمارا کہنا منظور خلائق ہوگیا ہے۔ اس لئے تمام شرطیں جو میں نے کی تھیں رد کر دی ہیں۔ اپنے وعدہ کا مجھے اختیار ہے۔ پورا کروں یا نہ کروں۔ اب کسی کی مجال نہیں کہ میری مخالفت کرے سب کو میری اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے۔ اس کی یہ باتیں سن کر سب لوگ برہم ہوگئے اسے گالیاں دیں اور مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے معویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو پر پشیمان ہوا۔ اس کی یہ باتیں سن کر لوگوں نے امام حسنؑ سے کہا کہ جب معویہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا تو آپ بھی اس صلح سے انکار کر دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا مجھے اپنے قول سے پھرنا مناسب نہیں۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور صبر سے کام لو۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ مع امام حسینؑ و عبداللہؓ بن جعفر اپنے عیال و اطفال کو لیکر مدینہ میں چلے آئے اور یہیں رہنے لگے۔ معویہ سال میں کچھ مال آپ کے پاس بھیج دیتا اور حضرت اس کو لیکر غربا و مساکین میں خیرات کر دیتے تھے لیکن باوجود اس درجہ علٰیحدگی کے حضرتؑ کا وجود معویہ کی آنکھوں میں کھٹکتا رہتا تھا خاص کر اس وجہ سے کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا اور

عہد نامہ کی رو سے یہ امر ممکن نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوا کہ کسی طرح حضرتؑ کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر حضرتؑ کی زوجہ جعدہ بنت الاشعث کو ایک لاکھ درہم اور اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کرنے کا لالچ دے کر حضرتؑ کو زہر دلوا دیا۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص۵۰ و استیعاب جلد ۱ ص۱۴۴ وغیرہ)

معویہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سن کر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑا اور اس نے زور کی تکبیر کہی کہ دور تک آواز پہونچی۔ اس کو سن کر فاختہ بنت قرظہ نے معویہ سے پوچھا کہ کیوں تکبیر کہی۔ کہا حسنؑ کی موت سن کر۔ فاختہ نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پھر رو کر کہنے لگیں کہ آہ سید المسلمین اور خاتم المرسلین کے فرزند نے رحلت فرمائی۔ (مروج الذہب و تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۲۸ وغیرہ)

امام حسنؑ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت رسول خدا صلعم کے پاس دفن کرنا چنانچہ امام حسینؑ نعش مبارک کو روضۂ رسولؐ میں دفن کرنے لائے مگر بنی امیہ و گروہ عثمانی مروان وغیرہ مانع ہوئے۔ اور حضرت عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں اور فرمایا کہ گھر میرا ہے۔ میں دفن نہیں ہونے دیتی۔ بعض لوگ غل مچا کر کہنے لگے اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر (جنگ جمل) لڑائی ہوا اور کبھی خچر پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے نواسے کے جنازے پر جھگڑتی ہو اور ان کے نانا کے پاس دفن ہونے نہیں دیتیں ہر چند لوگوں نے کہا مگر حضرت عائشہ نہ مانیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی طرف سے تیر بارانی شروع ہوئی اور کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے۔ مجبوراً لوگوں نے حضرتؑ کی نعش مبارک کو لا کر بقیع میں دفن کیا۔ (کامل جلد ۳ ص۱۸۲ وغیرہ)

حضرتؑ کی کثرت طلاق

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کثرت سے نکاح کرتے اور چند دنوں کے بعد ان عورتوں کو طلاق دیدیا کرتے تھے۔ حضرتؑ پر یہ اعتراض مختلف اغراض سے کیا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ تاریخ و سیر کے اوراق کی سیر کرتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ سنہ ۴۱ھ میں حضرتؑ نے حکومت سے دست برداری اختیار کی اور صلح نامہ میں یہ شرط بھی کی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ ظاہری خلیفہ ہوں۔ معویہ نے اس وقت حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے یہ شرط بھی مان لی اور اس پر دستخط کر دیا مگر اس کو بڑی فکر ہوئی کہ کسی طرح اس سلطنت کو اپنے خاندان میں مستقل کر دے اور اپنے بعد اپنے فرزند یزید کو بادشاہ بنائے۔ اسی وجہ سے وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ حضرت امام حسنؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دے کر آپ کا کام تمام کر دے تاکہ یزید کو بادشاہ بنانے میں آسانی ہو۔ اور عرب کی طمع مشہور ہے جیسے عمر بن سعد ایسا شخص صوبہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کا خون ظاہر بظاہر بہانے پر راضی ہو گیا تو ایک ایک لاکھ درہم کے انعام کے وعدوں پر حضرتؑ کی بیویوں کا سازش میں شریک ہو جانا

کوئی تعجب خیز امر نہیں ہوسکتا۔ غرض معویہ حضرتؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دلوانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اور جب یہ راز فاش ہوجاتا تھا تو حضرت ان بیویوں سے بچنے کے لئے مجبور ہوتے تھے کہ ان سب کو طلاق دے دیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ کچھ دنوں بعد وہ بیویاں بھی معویہ کی سازش میں شریک ہوجاتیں تو حضرتؑ اُن کو بھی طلاق دے کر دوسری عورتیں نکاح میں رکھتے۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حضرت کی بیوی ہی نے حضرتؑ کا کام تمام کر دیا۔ پس حضرتؑ کا عورتوں کو طلاق دینا محض اس وجہ سے تھا کہ زہر خورانی کا حملہ نہ ہو۔ مگر حضرتؑ کب تک کامیاب ہوتے آخر وہی ہوا جو معویہ چاہتا تھا۔

حضرتؑ کی معویہ سے صلح

اکثر مسلمان یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کیوں کی حالانکہ آپ کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ نے اسی معویہ کے بیٹے یزید سے جہاد کیا اور آخر شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر افسوس یہ لوگ احکام خدا و افعال انبیاء و مرسلین پر نظر نہیں کرتے۔ خدا کا اصول یہ رہا ہے کہ اپنے ہادیوں کو حکم دیتا ہے کہ پہلے گمراہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کریں اور ان کی تلخیوں کو برداشت کر کے ان کی ہدایت کی کوشش کرتے رہیں۔ جب اس سے کام نہ چلے اور وہ ان کی جان کے درپے ہوجائیں تو آخری حالت میں بدرجہ مجبوری ان سے جہاد کر کے اپنی ذات اور دوسرے مطیع بندوں کی جان کی حفاظت کریں۔ اسی اصول کے ماتحت اکثر انبیاء و مرسلین نے اپنے مخالفین کے مظالم پر صبر کیا اور بعض جہاد کے لئے بھی [illegible] ہوئے۔ قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ انبیاء کے آنے پر جب اُن کی قوموں نے ان کی نافرمانی کی تو خدا اور وہ انبیاء بھی ایک مدت تک گویا صلح کے اصول پر انتظار کرتے رہے کہ شاید اب بھی یہ لوگ سنبھل جائیں اور جب بالکل اُن کی طرف سے مایوسی ہوجاتی تھی تب خدا کا عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم بھی شروع میں ۱۳ برس تک صبر و صلح ہی سے بسر کرتے رہے اور باوجودیکہ [illegible] معظمہ میں حضرتؐ کا قبیلہ۔ خاندان۔ حضرتؐ کے اعزہ اور اہل اسلام سب ہی تھے مگر حضرتؐ نے کبھی ان سے جہاد نہیں کیا۔ بلکہ بالکل خاموشی، صلح اور آشتی سے ہدایت کی کوشش کرتے رہے لیکن جب ان لوگوں کی زیادتیاں موقوف نہیں ہوئیں اور حضرتؐ کے ہجرت کر جانے پر بھی انھوں نے مدینہ میں حضرتؐ کو ستانا شروع کیا تو اب حضرتؐ کو جہاد کا حکم ہوا اور حضرتؐ نے اپنے کو نیز مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچانے کے لئے تلوار اٹھائی۔ بالکل اسی اصول کی پابندی میں حضرت امیر المومنینؑ نے بھی اپنے زمانے کے ابتدائی تین دور میں صلح و صبر سے کام لیا اور آخری دور میں باغیوں جاہلوں سے جہاد کیا۔ خلیفہ اول۔ خلیفہ دوم۔ خلیفہ سوم سے حضرتؑ کا جہاد نہ کرنا اور صبر و صلح سے پیش آنا بالکل اسی طرح تھا جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ میں جہاد نہیں کیا۔ اور جنگ جمل۔ جنگ صفین و جنگ نہروان میں حضرتؑ نے اسی طرح اپنے مخالفین سے جہاد کیا جس طرح حضرت رسول خدا نے اپنے آخری دور

مدینہ میں غزوۂ بدر۔ احد و خندق وغیرہ جنگ کی۔ اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں پارۂ جگر اور حضرت امیر المومنینؑ کے فرزندوں امام حسنؑ و امام حسینؑ نے مل کر دونوں بزرگوں کی ابتدائی زندگی کی صلح اور آخری زندگی کے جہاد کی پیروی کی۔ بڑے صاحبزادے نے (جن کے حلم کی یہ حالت تھی کہ حضرتؑ کے انتقال پر آپ کا شدید ترین دشمن مروان چیخ چیخ کر روتا تھا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم تو حضرتؑ کو اس درجہ ستاتے تھے اب روتے کیوں ہو۔ تو اس نے کہا ہاں میں اس بزرگ پر ظلم کرتا تھا جو حلم میں اس پہاڑ سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲۹) معویہ سے صلح اور چھوٹے فرزند نے یزید سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں انبیاء و مرسلین کا معمول یہی رہا ہے کہ جب مخالفین صلح اور رحم کی درخواست پیش کرتے تھے تو وہ حضرات اس کو منظور کر لیتے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی حدیبیہ میں کفار نے صلح کی درخواست کی تو حضرت نے منظور کر لی اور اگرچہ بعض مسلمان اس کو ناپسند کرتے رہے مگر حضرتؐ نے کفار کا دل رکھ لیا۔ اسی طرح جب معویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی درخواست کی تو حضرتؑ کو اپنے نانا کی پیروی میں اسے منظور ہی کرنا مناسب تھا۔ صحیح بخاری کی یہ روایت پڑھو۔ "حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا میں حسنؑ بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں پیٹھ نہ پھیریں گے۔ تو ان سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی معویہ اور عمرو عاص سے اچھے تھے کہ اے عمرو اگر ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر ڈالا اور ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر ڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو کون رہ جائے گا۔ ان کی عورتوں کے انتظام کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ پھر معویہ نے حضرت امام حسنؑ کے پاس دو قریشی مرد عبدالرحمٰن بن سمرہ و عبداللہ بن عامر کو بھیجا اور ان سے کہا کہ امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور ان پر صلح کی بات چیت پیش کرو۔ ان سے خوب اچھی طرح کہنا اور ان کو صلح کی طرف بلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسنؑ کے پاس گئے۔ ان سے گفتگو کی ان سے کہا اور صلح کی طرف انھیں بلایا تو ان سے حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب اگر ہم خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائے گا۔ ان دونوں نے کہا کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں۔ پس جو بات ان سے حضرت حسنؑ نے کہی انھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ لہذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معویہ سے صلح کر لی"۔ (ترجمہ صحیح بخاری از مرزا حیرت دہلوی جلد ۱ ص۳۷۹)۔

ایک طرف معویہ کی یہ درخواست تھی دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے سامنے حضرت رسول خدا صلعم کی مشہور پیشین گوئی تھی کہ امام حسنؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا تھا یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے

ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا" (ترجمہ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ...) - پس کیا حضرت امام حسنؑ سے یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت صلح کی درخواست نامنظور کر کے حضرت رسول خدا کی امیدوں پر پانی پھیر دیتے ؟ بلکہ حضرتؑ کا تو فرض تھا کہ جس طرح ہو حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہی کریں اور ذرہ برابر اس کے خلاف نہ ہونے دیں - اسی وجہ سے بھی آپ صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے تھے - غرض جو لوگ حضرتؑ پر اعتراض کرتے ہیں انھیں اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم پر بھی اعتراض کرنا چاہئے کہ کیوں حضرتؑ نے خود کفار مکہ سے مشہور صلح حدیبیہ کی اور پھر کیوں اپنے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی کہ آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہو جائے گی اور کیوں حضرتؑ سے یہ امید کی کہ یہ معویہ کی درخواست صلح کو منظور کر لیں گے -

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

حضرتؑ کی اولاد آٹھ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں (۱) زید بن حسن اور ان کی دو بہنیں ام الحسن و ام الحسین ایک زوجہ ام بشیر دختر ابو مسعود بن عقبہ سے تھیں (۲) حسن مثنیٰ بن حسنؑ دوسری زوجہ خولہ دختر منظور فزاریہ سے تھے - (۳) عمرو بن حسنؑ و قاسم و عبداللہ تیسری زوجہ سے تھے - (۴) عبدالرحمن بن حسنؑ چوتھی زوجہ سے تھے - حسن اثرم طلحہ اور ان کی بہن فاطمہ پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے تھیں - (۵) اور حضرتؑ کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ و فاطمہ و ام سلمہ و رقیہ مختلف بیویوں سے تھیں - (ارشاد صفحہ ...)

حضرتؑ کے فرزند زید بن حسنؑ بڑے جلیل القدر اور صدقات رسول اللہ صلعم کے متولی بھی تھے - ۹۰ سال کی عمر پا کر دنیا سے انتقال کیا - خلیفہ بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی کو آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ ان زید بن الحسن شریف بنی ھاشم ذو سنھم - زید بن حسنؑ خاندان بنی ہاشم کے شریف اور محترم بزرگ ہیں - آپ نے سنہ ۱۲۰ھ (...) میں انتقال کیا -

حسن مثنیٰ

حضرت امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ بڑے جلیل القدر - فاضل متقی سردار اور صدقات حضرت امیر المومنینؑ کے متولی تھے - آپ کی شادی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی - آپ بھی حضرتؑ کے ساتھ کربلا میں آئے - خود جہاد کیا آخر زخمی ہو کر گرے تو لوگوں نے سمجھا کہ انتقال کر گئے - مگر جان باقی تھی - جب شہدائے کربلا کے سر ان کے بدن سے جدا کئے جاتے تھے تو معلوم ہوا کہ آپ ابھی زندہ ہیں - اس وقت آپ کے ماموں ابو احسان اسماء نے آپ کو آپ کو عمر بن سعد سے لے لیا - کوفہ میں لا کر علاج کرایا - اور آپ صحیح ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے پھر وہیں رہتے تھے - اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے کب اور کس عمر میں انتقال کیا - بعض مورخین کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو پوشیدہ زہر دلوا دیا جس سے آپ نے ۳۵ سال کی عمر میں غالباً ... ہجری میں انتقال کیا اور بعض کا قول ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے زہر دلوا دیا اور آپ نے ۵۳ سال کی

عمر میں ۹۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کی وفات کا صدمہ آپ کی زوجہ محترمہ یعنی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ کو اس قدر ہوا کہ آپ کی قبر پر خیمہ نصب کر کے سال بھر تک وہیں پڑی رہیں۔ شب بھر عبادت خدا بجالاتیں اور دن بھر روزہ رکھتیں۔ آپ کے حسن و جمال کے بارے میں لکھا ہے کانت تشبہ بالحور العین لجمالھا۔ آپ حسن و جمال میں حورعین کی مشابہ تھیں۔ غرض پورے سال بھر تک شوہر کی قبر پر سوگواری کی اور جب دوسرا سال شروع ہوا تو اپنے خیمہ وہاں سے اٹھوا دیئے اور وہاں سے واپس گئیں۔ (ارشاد ص۲۱۱ وغیرہ)

حضرتؑ کے تیسرے، چوتھے اور پانچویں صاحبزادے عمرو، وقاسم وعبداللہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ اور چھٹے فرزند عبدالرحمن اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حج کرنے گئے تو راہ میں بمقام ابواء بحالت احرام میں انتقال کر گئے۔ اور ساتویں بیٹے حسین اثرم اور آٹھویں فرزند طلحہ بھی بڑے معزز و محترم تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادیوں میں جناب فاطمہ بڑی جلیل القدر تھیں۔ ان کی شادی حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوئی تھی جن سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جناب محمد نفس زکیہ و جناب ابراہیم

امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے پوتوں جناب نفس زکیہ و جناب ابراہیم کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ میں خونی حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی اولاد مدینہ میں عزلت گزینی اور عسرت میں بسر کرتی اور سلطنت بنی امیہ و بنی عباس کے معاملات سے الگ تھلگ ہو کر علمی اور مذہبی خدمات میں مشغول رہتی تھی خصوصاً ائمہ اہلبیتؑ صرف اپنے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ کے دین کو فروغ دینے اور خلق خدا کو ہدایت کرنے کے کام میں لگے رہتے تھے مگر باوجود ان کی تنگ دستی کے ان کے اہل شہر ان کی اس قدر تعظیم کرتے تھے کہ کسی اور کی نہیں ہوتی تھی۔ اس سبب سے خلفاء بنی امیہ و بنی عباس برابر ان کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔

۱۳۲ھ ہجری میں بنی امیہ کا زمانہ ختم اور بنی عباس کا دور شروع ہوا مگر دونوں خاندان کے خلفاء کو خواہ مخواہ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ سے کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ اُن کے گرویدہ ہو کر اُن کو خلیفہ نہ بنالیں۔ اس سبب سے وہ ان کی رسوائی اور تخریب کے درپے رہتے۔ خاصکر خاندان بنی عباس کا دوسرا بادشاہ منصور تو ان حضرات کے خون کا سخت پیاسا رہتا تھا۔ اُس کے سادات سے سخت دشمنی کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا بنو ہاشم نے ایک جلسہ کر کے امام حسنؑ کے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے صاحبزادے عبداللہ کے بیٹے محمد کو (جو امام حسنؑ کے پرپوتے اور جناب حسن مثنیٰ کے پوتے تھے اور) جو اپنی نیک سیرتی کی وجہ سے نفس زکیہ کہے جاتے تھے خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور خود منصور نے جو اس جلسہ میں شریک تھا اُن کی بیعت کر لی تھی۔ مگر حضرت امام جعفر صادقؑ اس جلسہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ اس جلسہ کے خلاف تھے۔ جب ساز باز سے خلافت بنی عباس میں آگئی اور منصور بادشاہ ہوا تو اس بیعت کا خیال کر کے اُسے اور بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ پس اُس نے جناب نفس زکیہ اور اُن کے

بھائی ابراہیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے تو منصور نے اُن کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو مع دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ پابجولاں کوفہ میں بلا کر قید کر دیا۔ اور محمد و ابراہیم کی تلاش میں جابجا جاسوس مقرر کر دیئے۔ مجبور ہو کر جناب نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو کوفہ اور اہواز کی طرف بھیج دیا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف کریں اور کہا کہ اسی روز میں بھی مدینہ میں ایسا ہی کروں گا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ جناب نفس زکیہ کو اپنے بھائی ابراہیم کی طیاریوں کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اعلان کرنا پڑا اور اس طرح منصور کو پہلے ایک بھائی سے اور پھر دوسرے بھائی سے لڑ جانے کا موقع مل گیا۔ اولاً جناب نفس زکیہ نے زور پکڑ کر منصور کے گورنر کو مدینہ سے نکال دیا اور حجاز و یمن نے جناب محمد نفس زکیہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا۔ یہاں تک کہ اہلسنت کے مشہور امام مالک نے بھی جناب محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ اور ان کی حقیت دعویٰ کی تائید میں فتویٰ دیئے۔ منصور نے یہ حالت دیکھ کر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو جناب نفس زکیہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ موقع جنگ پر جناب نفس زکیہ کے ساتھ صرف تین سو آدمی رہ گئے اور ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۵ھ ہجری (۷۶۲ء) کی لڑائی میں وہ سب کے سب لڑ کر شہید ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد آپ کے بھائی ابراہیم بھی جو بصرہ - واسط و اہواز وغیرہ پر قابض ہو گئے تھے مقابلے پر نکلے اور اہلسنت کے مشہور امام ابوحنیفہ صاحب نے بھی ان کی تائید میں لوگوں کو آمادہ کیا۔ ابراہیم نے ایک بڑی فوج مہیا کر کے بادشاہ منصور کی فوجوں کو سخت شکستیں دیں۔ مگر آخر کوفہ کے قریب عیسیٰ بن موسیٰ کی فوج کے مقابلہ میں مقام باخمریٰ پر ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۵ھ کو ایک تیر کھا کر شہید ہوئے۔ اس کے بعد منصور نے اہل بصرہ اور اہل مدینہ پر جناب محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی مدد کرنے کے جرم میں اپنا غصہ اُتارا۔ بصرہ کے بہت سے آدمی قتل کئے۔ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ اولاد امام حسنؑ سے بکثرت حضرات کو قتل کیا۔ بہت لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا اور بہت سے قید کر دیئے گئے۔ امام مالک تک کو تازیانے لگوائے اور امام ابوحنیفہ صاحب کو تو قید ہی کر دیا۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ اور ان کے ہمراہی قیدیوں میں سے بعض کو فوراً قتل کر دیا۔ غرض اولاد امام حسنؑ کے مصائب و آفات سے تاریخ کے اوراق سرخ ہو رہے ہیں۔ اور اس مختصر کتاب (تاریخ ائمہ) میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسنؑ کے روضہ کی کرامت

حضرات اہلسنت کے بکثرت معتبر علماء نے لکھا ہے کہ اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ ایک بدمعاش شخص نے حضرت امام حسنؑ کے مزار مطہر پر پائخانہ پھر دیا۔ اس پر اس کو جنون ہو گیا اور وہ کتوں کی طرح سے بھونکنے لگا اور اسی طرح بھونکتا ہوا مر گیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے بھی کتے کے بھونکنے کی سی آواز نکلتی رہی (حلیۃ الاولیاء ابونعیم و ارجح المطالب ص ۲۷۲ و نور الابصار مطبوعہ مصر ص ۱۲۲)

تیسرا باب

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت رسول خدا صلعم کے دوسرے پارۂ جگر۔ حضرت امیر المومنینؑ کے دوسرے فرزند اور جناب سیدہؑ کے دوسرے لال تھے۔ ۳ یا ۵ شعبان سنہ ۴ ہجری میں پیدا ہوئے سنہ ۱۱ ہجری تک جد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے ساتھ۔ سنہ ۴۰ ہجری تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ۔ اور سنہ ۴۹ یا سنہ ۵۰ ہجری تک اپنے برادر عالی قدر کے ہمراہ رہے اسی وقت مسلمانوں کے حقیقی تیسرے امام ہوئے اور سنہ ۶۱ ہجری کی (۱۰ م) کو کربلا میں شہید ہوئے۔

ولادت جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حمل اور ولادت امام حسنؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا اور علامہ واقدی کہتے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حمل حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی پچاس راتوں کے بعد قرار پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے اور نزل الابرار میں علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ سب روایتوں سے قابل ترجیح یہی روایت ہے۔

اسم گرامی ابو احمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام (حسنؑ وحسینؑ) زمانہ جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور مفضل نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ دو نام حسنؑ وحسینؑ چھپا رکھے تھے یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے دونوں صاحبزادوں کا نام حسنؑ وحسینؑ اور تیسرے فرزند کا نام محسن رکھا۔ اس کے بعد فرمایا میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو حضرت ہارون پیغمبرؑ کے بیٹوں کے نام تھے۔ یعنی شبر۔ شبیر اور مشبر۔

کنیت و القاب حضرتؑ کی کنیت ابو عبد اللہ اور القاب سبط طیب۔ زکی۔ سید۔ رشید۔ وفی۔ مبارک۔ تابع لمرضات اللہ۔ دلیل علیٰ ذات اللہ۔ شہید اکبر اور سید الشہداء تھے۔ اور حضرتؑ اور آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ حضرت رسول خداؐ کے ارشاد کے مطابق سیدا شباب اھل الجنة (جوانان اہل بہشت کے سردار) مشہور ہیں۔ اور باتفاق آپ دونوں بزرگ سبطا نبی الرحمة (نبی رحمت کے دو نواسے) بھی کہے جاتے ہیں اور حضرت رسول خداؐ کے کل اہل و اولاد میں یہ دونوں صاحبزادے آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔

حضرت رسول خدا سے مشابہت حضرت امام حسنؑ اپنے سینہ سے سر تک اور

حضرت امام حسینؑ اپنے سینہ سے پاؤں تک بالکل حضرت رسول خداؐ کے مشابہ تھے۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حسنؑ و حسینؑ میری دنیا کے بہار ہیں۔

عقیقہ و ختنہ

جب حضرتؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسول خداؐ صلعم نے آپ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ساتویں روز عقیقہ کیا اور ایک یا دو مینڈھا ذبح کیا اور جناب سیدہؑ سے فرمایا کہ ان کے بالوں کو وزن کر کے اس کے برابر چاندی خیرات کرو۔ اور ساتویں ہی روز آپ کا ختنہ بھی کرا دیا۔

آیۂ تطہیر کے مصداق

حضرت امام حسین علیہ السلام اہل کساء کے پانچویں شخص ہیں۔ شداد بن عبداللہ کہتا تھا کہ میں نے واثلہ بن اسقع سے سنا کہ جب امام حسینؑ کا سر (بعد شہادت) لایا گیا تو اہل شام سے ایک شخص نے آپ کو اور آپ کے والد کو گالیاں دیں تو واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ و جناب سیدہؑ کو اس وقت سے برابر دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے حضرت رسول خداؐ کی ان کے متعلق حدیثیں سنیں۔ میں ایک دن نبی صلعم کے حضور میں ام سلمہ کے مکان پر گیا تھا اتنے میں حضرت حسنؑ آئے۔ انھیں رسول خداؐ صلعم نے اپنے داہنے زانو پر بٹھا لیا اور پیار کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ آئے تو انھیں حضرتؐ نے اپنے بائیں زانو پر بٹھا لیا۔ اور پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں۔ انھیں حضرتؐ نے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلایا بعد اس کے فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ اے میرے اہلبیت! خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے کہ تم لوگوں سے ہر برائی دور کیے رہے اور جس قدر ممکن ہو تم لوگوں کو پاک و پاکیزہ رکھے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۶) اس قسم کی متعدد حدیثیں صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ۔ کنز العمال وغیرہ میں بھی ہیں۔

حضرتؑ کی عبادت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی پچیس حج پاپیادہ کیے اور جس قدر حج آپ نے کیے وہ سب عراق جانے سے پہلے کیے۔ عراق سے آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ عراق سے آنے کے بعد صرف بیس سال اور چند مہینے زندہ رہے۔ آپ عراق سے مدینہ ۴۰ھ ہجری میں آئے تھے اور شروع ۶۱ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ آپ بہت ہی بزرگ۔ زیادہ روزہ رکھنے والے نماز پڑھنے والے اور حج و صدقہ اور تمام امور خیر کے زیادہ بجالانے والے تھے۔ آپ کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰) نماز کی حالت واقعات کربلا سے ظاہر ہے کہ ایسی عبادت آج تک کسی نے کبھی نہیں کی۔

حضرتؑ کی منزلت

عیزار ابن حریث سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت امام حسینؑ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کہا آج کے دن یہ شخص اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۵) اس سے زیادہ

جناب ابوہریرہ کا قول ہے۔ ایک جنازہ میں بہت سے لوگ جاتے تھے مشہور صحابی ابوہریرہ بھی تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تشریف لے گئے تھے۔ راہ میں ابوہریرہ اپنے کپڑوں سے حضرت امام حسینؑ کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم میرے پاؤں جھاڑتے ہو؟ اس کے جواب میں ابوہریرہ نے کہا دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم اے حضرتؑ آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کام سے نہ روکئے۔ آپ کے فضائل و مناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں وہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو لوگ آپ کو پیدل چلنے ہی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر لئے پھریں۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۳ ص ۱۹) اس سے ثابت ہوا کہ حضرتؑ کے کل فضائل لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔

حضرتؑ کے بارے میں خلیفہ دوم کا قول

مذکورہ بالا اقوال سے زیادہ اہم حضرت عمر کا قول ہے حضرت امام حسینؑ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا میرے باپ کے منبر پر سے اُتر جایئے اور اس منبر پر جا کر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے۔ پھر انھوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور جب اس سے اُترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لیتے گئے۔ وہاں پہونچ کر پوچھنے لگے کیوں جی یہ بات تم کو کس نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں سکھائی (میں نے خود اپنے دل سے کہی)۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ تم پر فدا ہو جائے۔ تم کبھی کبھی میرے ہاں آیا کرو۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ معویہ اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر تھے۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہنے لگے صاحبزادے! تم میرے ہاں آئے نہیں؟ میں نے کہا میں تو آیا تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبداللہ بن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ تمھارا حق ہے فانما انبت ما تری فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔ کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ حضرات (اہلبیت طاہرینؑ) کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۲۵۔ وکنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۵ و ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۵ وغیرہ) جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کا دلی اعتقاد یہ تھا کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ وغیرہ خدا کے ایسے پیارے بندے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا دنیا کو پیدا نہیں کرتا۔ صرف انھیں حضراتؑ کے طفیل میں دوسرے بھی پیدا ہوئے اور حضرت عمر کا رویاں رویاں تک انھیں حضراتؑ کے برکات وجود کا ممنون احسان ہے۔ اور ممدوح نے اپنے اس اعتقاد کو حضرت امام حسینؑ کے سامنے ظاہر بھی کر دیا۔

جناب ابن عباس کا برتاؤ

جناب ابن عباس حضرت رسول خدا صلعم کے چچا زاد بھائی اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ سوار ہونے لگے تو انھوں نے

حضرت علیؑ کی رکاب پکڑ کر حضرت کو سوار کیا۔ اس پر کسی نے کہا اے ابن عباس آپ رشتے اور عمر دونوں میں امام حسینؑ سے بڑے ہیں۔ پھر آپ ان کے سامنے ایسی ذلت برداشت کرتے ہیں؟ اس پر وہ بگڑ کر بولے یا لکع وما تدری هذین هذان ابنا رسول اللہ اولیس مما انعم اللہ به علی ان امسك لهما واسوی علیهما۔ اے کم بخت تجھے کیا معلوم کہ یہ دونوں بزرگ کون ہیں۔ یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں ان کے مقابلے میں کیا میں ان کی رکاب بھی نہ پکڑوں اور انھیں گھوڑے پر سوار بھی نہ کروں۔ (ناسخ جلد ۶ ص ۴۵)

حضرتؑ کی سخاوت

مشہور صحابی رسول اسامہ بن زید ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ پہونچے تو سُنا کہ وہ کہتے ہیں واغماہ ہائے میرا غم و اندوہ۔ امام حسینؑ نے پوچھا اے بھائی تمھیں کس بات کا غم ہے؟ انھوں نے کہا اپنے قرض کا جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کچھ غم نہ کرو میں اسے ادا کر دوں گا۔ انھوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے ادا کرنے سے پہلے میں مرجاؤں گا اور یہ بوجھ لے کر دُنیا سے جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمھاری زندگی ہی میں اسے ادا کر دوں گا۔ غرض حضرتؑ نے ان کے مرنے سے قبل ان کا پورا دین (ساٹھ ہزار درہم) ادا کر دیا۔

ایک دفعہ کوئی دیہاتی عرب شہر مدینہ میں آکر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہاں سب سے زیادہ کریم کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت امام حسینؑ۔ وہ گیا تو حضرتؑ کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرتؑ کی بغل میں کھڑا ہو کر حضرتؑ کی مدح میں شعر پڑھنے لگا۔ حضرتؑ نے نماز سے سلام پھیرا تو قنبر سے پوچھا کہ مال حجاز سے کچھ بچا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں چار ہزار اشرفیاں۔ حضرتؑ نے سب منگا کر دو چادروں میں باندھ دیں اور دروازے سے ہاتھ بڑھا کر اس دیہاتی عرب کو وہ کل اشرفیاں دے دیں اور شرم کی وجہ سے اس کے سامنے نہیں آئے بلکہ معذرت کے اشعار پڑھے۔ دیہاتی عرب آپ سے کل اشرفیاں لے کر رونے لگا۔ حضرتؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا تو میرے مال کو کم سمجھ کر روتا ہے؟ اس نے کہا نہیں یا حضرتؑ بلکہ یہ خیال کر کے روتا ہوں کہ مٹی حضرتؑ کے جود کو کس طرح کھائے گی۔

ایک شخص شعیب خزاعی بیان کرتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ جب کربلا میں شہید ہو چکے تو آپ کی پیٹھ میں بہت سے گھٹے تھے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ حضرت اپنی پشت مبارک پر غلوں اور روپیہ اشرفیوں کی گٹھریاں لاد کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہونچایا کرتے تھے۔ انھیں کے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔

عبدالرحمٰن سلمی نے حضرتؑ کے کسی لڑکے کو (جو امام نہیں تھے) بچپن میں سورہ الحمد یاد کرایا تھا۔ جب حضرتؑ نے صاحبزادے سے سن لیا کہ یاد ہے تو عبدالرحمٰن کو ایک ہزار اشرفیاں۔ ایک ہزار قیمتی خلعتیں دیں اور اس کے مُنہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے عرض کی حضور نے اسے اتنا کیوں دے دیا؟ فرمایا اس نے جو عظیم الشان نعمت

کی ہے اس کے مقابلہ میں میرا یہ انعام کیا حقیقت رکھتا ہے !!! (مناقب جلد ۴ صلا) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی نظروں میں مالِ دنیا کی کوئی حقیقت تھی ہی نہیں ۔

حضرتؑ کی حاضر جوابی

ایک دفعہ معویہ ۔ عمرو عاص اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے تھے ۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو خفیف اور ذلیل کرنے کے لئے حضرتؑ سے مذاق کرنا شروع کیا ۔ کہا اے فرزند علیؑ ۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی اولاد زیادہ ہوتی اور آپ لوگوں کی کم ہوتی ہے ۔ حضرتؑ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

بغاث الطیر اکثرھا فراخا وام الصقر مقلاۃ نزور

(کمزور اور حقیر و ذلیل چڑیوں کے بچے کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور شکاری پرندے جیسے باز، شاہین، بحری وغیرہ کی ماں ایک ہی دفعہ جنتی اور قلیل اولاد ہوا کرتی ہے) ۔

پھر عمرو عاص نے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی مونچھ کا بال آپ لوگوں کی مونچھ سے بہت پہلے سفید ہو جاتا ہے ۔ حضرتؑ نے فوراً جواب دیا وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کی عورتیں گندہ دہن ہوتی ہیں جب تم لوگوں کا منہ اپنی بیویوں کے منہ کے پاس پہونچتا ہے تو ان کے گندے بخارات اور بدبودار سانسوں کا اثر تمہارے منہ پر پڑکر اس کو جھلس دیتا ہے جس سے تم لوگوں کے منہ کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں ۔ اب عمرو عاص نے پوچھا اور اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھیاں گھنی اور ان کے بال بھرپور ہوتے ہیں اور ہم لوگوں کی ڈاڑھی کے بال اُچٹے ہوئے رہتے ہیں ۔ اس پر حضرتؑ نے فوراً یہ آیت پڑھ دی والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی خبث لا یخرج الا نکدا عمدہ زمین سے اُس کا سبزہ اچھا ہی نکلتا ہے اور جو زمین بُری اور خبیث ہوتی ہے اُس کی پیداوار بھی خراب ہی ہوتی ہے ۔ (پ ۸ ع ۱۴) ابھی یہیں تک باتیں ہوئی تھیں کہ حضرتؑ کی فصاحت و بلاغت سے پریشان ہو کر معویہ نے عمرو عاص سے کہا تم کو میرے حق کی قسم اب چپ ہو جاؤ ۔ جانتے نہیں یہ کون ہیں ۔ ارے بھائی یہ علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں ان سے کسی بات میں بھی کوئی جیت سکتا ہے ؟) تب حضرتؑ نے یہ شعر پڑھا ؎

ان عادت العقرب عدنا لھا فکانت النعل لھا حاضرہ

قد علم العقرب و استیقنت ان لا لھا دنیا ولا آخرہ

(اگر پھر بچھو پلٹے گا تو میں بھی اس کی طرف پلٹوں گا اور اس کو مارنے کے لئے میری جوتی اسی طرح حاضر رہے گی ۔ بچھو کو خوب معلوم بلکہ یقین ہے کہ اس کے حصہ میں نہ دنیا ہے اور نہ آخرت ہی ۔ (مناقب جلد ۴ صلا و بحار الانوار جلد ۱۰ صلا)

حضرتؑ کی مناجات

ایک مرتبہ انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرتؑ کے ساتھ جا رہے تھے ۔ جاتے جاتے حضرت خدیجہ کی قبر پر پہونچے ۔ اُسے دیکھ کر حضرتؑ رونے لگے اور انس سے کہا

بھائی تم اب اپنے گھر جاؤ (اور مجھے یہیں چھوڑ دو)۔ انس کہتے تھے کہ میں حضرتؑ کے پاس سے کھسک گیا مگر قریب ہی ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا کہ حضرتؑ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے وہاں نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد خدا سے اس طرح مناجاۃ کرنے لگے ؎

یا رب یا رب انت مولاہ — فارحم عبیدا الیک ملجاہ
یا ذا المعالی علیک معتمدی — طوبیٰ لمن کنت انت مولاہ
طوبیٰ لمن کان حازما ارقا — یشکوا الی ذی الجلال بلواہ
وما بہ علۃ ولا سقم — اکثر من حبہ لمولاہ
اذا اشتکی بثہ وغصتہ — اجابہ اللہ ثم لباہ
اذا ابتلی بالظلام مبتہلا — اکرمہ اللہ ثم ادناہ

(اے میرے رب۔ اے میرے رب تو ہی میرا آقا اور مولا ہے۔ پس تو اپنے اس حقیر بندے پر رحم فرما جو تیری پناہ چاہتا ہے۔ اے بلندیوں والے تجھ ہی پر میرا پورا بھروسا ہے۔ جس کا تو مولا ہو گیا اسکی خوش قسمتی کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ جو بندہ ہوشیار اور بیدار رہے اور تجھ ہی ایسے ذوالجلال والاکرام سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرے وہ کیسا مبارک اور نیک بخت ہے۔ اس کو کوئی شکایت اور مرض اپنے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جب وہ اس سے اپنے غم و اندوہ کی شکایت کرے تو فوراً اللہ اس کی دعا قبول کرلے۔ اور اس کے استغاثے پر لبیک کہنے لگے۔ اور جب وہ اندھیری رات میں اس کی درگاہ میں گڑگڑائے تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے اور اس کو اپنے دربار میں مقرب کر لے۔)

حضرتؑ کی مناجات ابھی یہیں تک پہونچی تھی کہ خدا کی طرف سے ہاتف غیبی نے اس طرح جواب دیا ؎

لبیک عبدی وانت فی کنفی — وکلما قلت قد علمناہ
صوتک تشتاقہ ملائکتی — فحسبک الصوت قد سمعناہ
دعاک عندی یجول فی حجب — فحسبک الستر قد سفرناہ
لو ھبت الریح من جوانبہ — خر صریعا لما تغشاہ
سلنی بلا رغبۃ ولا رھب — ولا حساب انی انا اللہ

(اے میرے بندے میں تیرے لئے حاضر ہوں تو میری خاص بارگاہ میں داخل ہو گیا اور کچھ تو نے کہا وہ سب میں نے سن لیا۔ تیری آواز اتنی پیاری ہے کہ میرے فرشتے اس کے مشتاق رہتے ہیں۔ تو نے اپنی آواز سے اس وقت جو مناجات کی وہ سب میں نے خوب سن لی۔ تیری دعا میرے پاس حجابوں میں جولانیاں کر رہی ہے۔ تو نے جو دعا کی اسی قدر کافی ہے۔ میں نے تیرے اوپر سے تو دو کے پردے ہٹا دیئے اگر اس کے اطراف و جوانب سے ہوائیں چلیں تو لوگوں پر اس سے ایسی کیفیت طاری ہو جس سے وہ غش کھا کر گر پڑیں۔

تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے بغیر کسی بات کی پروا یا خوف یا حساب (کے خیال) کے مانگ لے۔

حضرتؑ کی شہادت کی پیشین گوئیاں

جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے امام حسنؑ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ اس کو مجبور کریں گے تو اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائے گی۔ اسی طرح خدا و رسولؐ نے حضرت امام حسینؑ کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی تھی کہ حضرتؑ کی امت آپ کو قتل کر ڈالے گی مثلاً مشکوۃ میں ہے کہ ایک بی بی ام الفضل بنت حارث ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس گئیں اور کہا اے رسول خداؐ میں نے آج کی رات ایک برا خواب دیکھا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا دیکھا۔ کہا یا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا سنوں بھی تو کہ کیا دیکھا۔ انھوں نے کہا میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے اگر خدا نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہے گا۔ غرض جناب فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوئے اور میری گود میں رہنے لگے اور وہی ہوا جو حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا پھر کچھ دنوں کے بعد میں حسینؑ کو لے کر آں حضرتؐ کے پاس گئی اور انھیں حضرتؐ کی گود میں رکھ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔ اب جو مڑی تو دیکھا کہ حضرت رسولؐ خدا کی دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو دریا جاری ہیں۔ ام الفضلؓ نے کہا اے رسول خداؐ آپ پر میرے باپ ماں فدا ہوں آپ رونے کیوں لگے؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت بہت جلد میرے اس فرزند کو قتل کر دے گی۔ میں نے کہا یا حضرتؐ کیا اس فرزند کو؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اور وہ میرے پاس ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے۔ (مشکوۃ مطبوعہ لاہور جلد ۸ ص۱۴۲) اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت کثرت سے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ آں حضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر تھی اور حضرتؐ دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرماتے تھے۔

بیعت یزید کے لئے معویہ کی کوشش

حضرت امام حسنؑ کو معویہ نے بار بار زہر دلوا کر شہید کرا دیا اور اسی وقت سے اس کی کوشش کرنے لگا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنا دے۔ تمام پختہ دپڑ کرکے اس نے پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لی اور سنہ ۵۶ھ ہجری میں ہزار سواروں کی جمعیت سے حجاز کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب پہونچا تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر معویہ نے کہا خوشی اور بھلائی نہ ہو اُس شتر قربانی کو جس کا خون پھڑک رہا ہے اور اللہ اس کا خون بہانے والا ہے۔ امام حسینؑ نے کہا اے معویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سزاوار نہیں ہوں۔ معویہ نے بد زبانی کی اور کہا بلکہ اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہو۔ بعد ازاں مدینہ میں پھر مکہ میں جا کر اور لوگوں کو تلوار کا خوف دلا کر جبراً بیعت لے لی۔ مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے استقلال میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونے پایا۔

اروےٰ بنت حارث اور معویہ کی گفتگو

اس زمانہ میں تقریباً ہر شخص معویہ سے نفرت کرتا اور منہ پر اس کو ظالم و غاصب کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک معظمہ اروےٰ جو حارث کی بیٹی تھیں (اور بہت بوڑھی ہو چکی تھیں) معویہ کے پاس آئیں اور ان سے اور معویہ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معویہ۔ مرحبا اے خالہ۔ کہو کیسی ہو۔

اروےٰ۔ اے بھانجے اچھی ہوں۔ تو نے کفران نعمت کر کے اپنے ابن عم (حضرت علیؑ) کے ساتھ بدی کی۔ اور اپنے لئے تو نے وہ لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہیں ہو سکتا۔ اور اہلبیتؑ سے وہ حق لے لیا جس کا تو مستحق نہیں تھا۔ اے معویہ اس دہر میں مصائب و آفات کے لحاظ سے اہلبیت رسولؐ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب خدا نے رسول مقبولؐ کو اپنے پاس بلا لیا تو ان کے بعد بنی تیم اور بنی عدی (یعنی خاندان ابوبکر و عمر والے) اور بنی امیہ نے جھپٹ کر خاندان رسولؐ سے ان کا حق چھین لیا اور تم لوگ ہم پر حاکم بن بیٹھے۔ حالانکہ اہلبیتؑ کا مرتبہ تم سب میں ایسا تھا جیسا بنی اسرائیل کا مرتبہ آل فرعون میں۔ اور حضرت رسول خداؐ کے ساتھ حضرت علیؑ کی وہ منزلت تھی جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کی تھی۔

(یہ سن کر معویہ کے وزیر عمرو عاص نے کہا۔)

عمرو عاص۔ اے گمراہ ضعیفہ چپ رہ اور بیہودہ گوئی ختم کر۔ تیری عقل سلب ہو گئی ہے۔

اروےٰ۔ اے زن بازاریہ کے فرزند! تو مجھ سے باتیں کرنے کی جرأت کرتا ہے؟ اور اپنی حقیقت کو نہیں دیکھتا کہ تیری ماں مکہ میں مشہور زناکار عورت تھی اور سستی اجرت پر اپنی عفت و حرمت بیچا کرتی تھی۔ چنانچہ تجھ پر پانچ مردوں نے دعویٰ کیا تھا اور ان میں سے ہر شخص تجھے اپنا ہی بیٹا کہتا تھا۔ آخرکار تیری ماں سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ان پانچوں آدمیوں سے تعلق رہتا تھا۔ اب پانچوں شخصوں کی صورت سے اس لڑکے کی صورت ملاؤ اور جس سے مشابہ پاؤ اس کا بیٹا قرار دے دو۔ تب تو عاص بن وائل کے ساتھ زیادہ مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کا لڑکا قرار دیا گیا۔

(اروےٰ کا یہ کلام سن کر)

معویہ۔ گزشتہ باتوں کا ذکر نہ کرو۔ اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔ (تاریخ ابوالفدا جلد صفحہ ۱۸۱ و روضۃ المناظر جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۳)

حضرات پر یزید کی سختی

ماہ رجب ۶۰ھ ہجری میں معویہ نے انتقال کیا اور یزید خلیفہ ہوا۔ جو ظالم بے رحم۔ دغاباز تھا۔ گانے بجانے۔ ناچ رنگ۔ اور شراب خوری ہی میں دن رات بسر کرتا تھا۔ اس کے مصاحب کمینہ اور بدکار تھے علماء دین کی توہین اس طرح کرتا کہ جہاں جاتا ایک بھاگتے ہوئے شامی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے سے لباس کپڑے پہنا کر ساتھ لئے پھرتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ کو فرمان بھیجا کہ حسین بن علیؑ۔ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے

میری بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو ان کے سر روانہ کردو۔ عبداللہ بن عمر نے فوراً بیعت کرلی۔ لیکن ابن زبیر اور امام حسینؑ نے انکار کیا اور حاکم مدینہ کی سختی پر مکہ معظمہ چلے آنے کا ارادہ کیا۔ امام حسینؑ نے شب کو روضۂ رسولؐ پر حاضر ہوکر زیارت پڑھی اور حضرت کی اُمت کے برتاؤ کو ذکر کیا۔ پھر رات بھر نماز میں مشغول رہ کر صبح کو واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر گئے اور قبر مبارک پر سر رکھ کر سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ رسول خداصلعم نے مع جماعت ملائکہ تشریف لاکر امام حسینؑ کا سر اپنے سینے پر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا بیٹا میں دیکھتا ہوں عنقریب میری امت تم کو کربلا میں قتل کرے گی۔ حضرتؑ نے فرمایا اے نانا مجھے دُنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ اس قبر میں رکھ لیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا نہیں ابھی تم کو دُنیا میں رہنا ضروری ہے تاکہ درجۂ شہادت پر فائز ہو۔ حضرتؑ بیدار ہوئے تو اب مکہ معظمہ کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اور ۲۸ر رجب کو مدینہ سے نکل کر اس خیال سے مکہ میں آرہے کہ خانۂ خدا میں کسی کو ستانا منع ہے۔ یہاں امن ملے گا۔ مکہ معظمہ میں ۳ر شعبان کو حضرتؑ پہونچ گئے۔ یہاں آکر عبداللہ بن زبیر تو خلافت حاصل کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہوگئے اور امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کے بے شمار خطوط آنے شروع ہوگئے۔ جنھوں نے بنی امیہ کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے اور حضرتؑ کو اپنا امام و پیشوا بنانے کی غرض سے طلب کیا۔ حضرتؑ نے پہلے تو اُن خطوط کا کچھ جواب نہیں دیا مگر کوفیوں نے حضرتؑ کو لکھا کہ یا ابن رسول اللہؐ ہم بنو امیہ کے ظلم وستم سے عاجز آگئے ہیں اور یزید کی بدکاریوں اور خلافِ شریعت افعال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لاکر ہماری امامت قبول فرمائیں۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیشِ خدا آپ کے گریباں گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کے لئے بلایا اور وہ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے بکثرت خطوط پہونچے تو آپ پر کوفہ جانا ضروری ہوگیا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے حُجت قائم کردی تھی۔ آپ کے بعض اعزّہ نے منع بھی کیا مگر حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول خداصلعم نے عالم خواب میں ایک حکم دیا ہے اور اس کی تعمیل مجھے ضروری ہے۔ پس آپ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی جناب مُسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جن کے پہونچتے ہی ۱۸ یا ۳۰ ہزار کوفیوں نے بیعت کرلی۔ پھر ۸ر ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرتؑ بھی اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر مکہ سے کوفہ روانہ ہوگئے۔ یزید ان حالات پر مطلع ہوا تو ابن زیاد حاکم بصرہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ جلد کوفہ جاکر مسلم بن عقیل کو قتل کر۔ ابن زیاد فوراً کوفہ پہونچا اور لوگوں کو ڈرا کر جناب مسلم سے جدا کرنے لگا۔ ۸ر ذی الحجہ تک سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ۹ر ذی الحجہ کو آپ نے تن تنہا لشکرِ ابن زیاد سے پامردانہ جنگ کی۔ تین ہزار کی لشکر نے آپ کی جائے قیام کو گھیر لیا۔ اُس پر آپ تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور سب کو بھگا دیا۔ دوبارہ وہ لوگ حملہ آور ہوئے آپ نے پھر حملہ کرکے سب کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ آپ ایسے قوی تھے کہ ابن زیاد کے سپاہیوں کی کمر ہاتھ سے پکڑ کر آسمان کی طرف پھینکتے اور وہ مثل گیند کے گرتے تھے۔ جس طرف حملہ کرتے لشکرِ ابن زیاد اس طرح بھاگتا جس طرح

شیر کے حملے سے بکریاں بھاگتی ہیں ؎۱

جب کسی طرح وہ لوگ مقابلہ پر نہ جم سکے تو دھوکا فریب کی صورت نکالی۔ راہ میں ایک گڑھا کھود کر اس کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ جناب مسلم کو گڑھے کی خبر نہیں تھی۔ لڑتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے کہ اسی گڑھے میں گر گئے۔ پھر کیا تھا فوج آپ پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ مشکیں باندھ کر دربار ابن زیاد میں لے گئے۔ پھر اس کے حکم سے آپ کو کوٹھے پر لے گئے قتل کر کے سر کاٹ لیا۔ اور دھڑ کو کوٹھے سے نیچے گرا دیا۔ یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ سنہ ہجری کا ہے۔ اس کے بعد آپ کے دونوں معصوم بچے محمد اور ابراہیم بھی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو جو تاریخ ۸ ذی الحجہ عراق کی طرف روانہ ہو گئے تھے ان واقعات کی اطلاع مقام ثعلبیہ میں ہوئی جو کوفہ سے قریب تھا۔ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ابن زیاد کا سردار فوج حُر بن یزید ریاحی دو ہزار سواروں کے ساتھ پہونچ کر امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا اور کہا میں آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے چلنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ غرض حُر کے ساتھ حضرتؑ آگے بڑھے تو راہ میں ابن زیاد کا خط حُر کے نام اس مضمون کا آیا کہ حسینؑ کو ایسی جگہ روکو جہاں پانی نہ ہو۔ چنانچہ حضرتؑ کربلا میں ۲ محرم سنہ ۶۱ ہجری اُتر پڑے۔ دوسرے یا تیسرے دن عمر بن سعد کوفہ سے بہت بڑی فوج کے ساتھ کربلا پہونچا۔ پھر شمر بھی آ پہونچا۔ اور ساتویں سے عمرو بن الحجاج بڑی فوج کے ساتھ گھاٹ پر اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ وہ لوگ امام حسینؑ اور ان کے ساتھ والوں کو پانی لے جانے سے روکیں۔ غرض امام حسینؑ پر ہر ساعت ظلم و تعدی بڑھتی گئی۔ بچے پیاس سے تڑپنے لگے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔ جناب زینبؑ و امّ کلثوم بھائی کے مصائب پر سخت پریشان تھیں مگر حضرت امام حسینؑ نہایت استقلال سے اسلام کی حفاظت پر آمادہ تھے۔ بار بار ابن زیاد اور عمر سعد کی طرف سے پیغام آتا تھا کہ بیعت یزید کر لیجئے تو ہر مصیبت سے نجات ملے مگر حضرتؑ خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کسی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ شمر نے کربلا میں پہونچ کر حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو بلا بھیجا اور کہا میں تم کو امان دیتا ہوں۔ جناب عباسؑ نے فرمایا خدا تجھ پر اور تیری امان پر بھی لعنت کرے۔ اے بے حیا تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں؟ پھر واپس چلے آئے۔ ۹ محرم سہ پہر کو عمر سعد اپنی فوج لے کر حضرت کی طرف بڑھا۔ حضرتؑ اپنے خیمے کے آگے سر بزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ حضرت زینبؑ نے لشکر مخالف کی آوازیں سن کر امام حسینؑ کو جگا دیا۔ آپ نے سر اُٹھا کر فرمایا اے بہن

؎۱ جناب مسلم کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ملی تو ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے اور مثل شیر اس فوج پر حملہ آور ہو کر سب کو قتل کرنے لگے۔ تب سردار فوج نے ابن زیاد سے کمک طلب کی۔ اس نے کہلا بھیجا میں نے تجھ کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کو بھیجا اور اس نے تم سب کو اس طرح تہ و بالا کر دیا؟ تو سردار فوج نے ابن زیاد کے ہاں کہلا بھیجا کیا تو نے مجھے کسی بقال یا حلوائی سے لڑنے کو بھیجا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے اس شیر ببر کے مقابلے کو بھیجا ہے جو اپنی تیغ برّاں سے بڑے بڑے بہادروں کا خون گرا دیتا ہے۔ (روضۃ الشہداء)

اِس وقت نانا نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ تم ہمارے پاس آ رہے ہو۔ یہ سُنتے ہی حضرت زینبؑ نے اپنا مُنہ پیٹ لیا اور کہا ہائے یہ کیا مصیبت ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بہن کچھ مصیبت نہیں ہے۔ پھر جناب عباسؑ نے کہا اے بھائی دشمن آ پہونچے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں سوار ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُٹھے مگر جناب عباسؑ نے عرض کی آپ زحمت نہ فرمائیں میں جاتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا سوار ہو اور جا کر ان سے دریافت کرو کہ کیوں آئے ہو۔ جناب عباس گئے تو وہ لوگ رُک گئے اور آپ نے واپس آ کر کہا کہ لشکرِ مخالف کہتا ہے یا بیعت یزید کرو یا ہم سے لڑو۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر ممکن ہو تو پھر جا کر ان لوگوں سے کل صبح تک کی مہلت مانگو تا کہ آج کی شب ہم لوگ عبادتِ الٰہی اور دعا و استغفار میں بسر کریں۔ حضرت عباسؑ گئے اور ایک شب بھر کی مہلت لے کر پلٹے اور لشکرِ عمر سعد واپس گیا۔ شبِ عاشورا حضرتؑ نے اپنے اصحاب و اعزہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب و اعزہ سے زیادہ وفادار اور پرہیزگار کسی دوسرے کے اصحاب و اعزہ کو نہیں پاتا۔ خدا تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اب میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ کہ دشمن کا مطلب صرف مجھ سے ہے۔ یہ تقریر سُن کر حضرتؑ کے بھائی۔ بیٹے۔ بھتیجے بھانجے اور اصحاب نے جانے سے انکار کیا۔ یہاں تک لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں یہ جان لوں کہ آپ کی رفاقت میں قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا اور زندہ ہونے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جاؤں گا اور اسی طرح ستّر بار میرے ساتھ کیا جائے گا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ پر اپنی جان نثار کر دوں۔ اس پر حضرتؑ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر اس میں لکڑی بھر دی تا کہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہونچ سکیں (جیسا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے جنگِ احزاب کے موقع پر کیا تھا) پھر امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب تمام رات نماز و استغفار و دعا و تضرع میں مشغول رہے۔ میدانِ کربلا میں اس شب ان حضرات کی عبادت کی آواز اس طرح گونجتی تھی جیسے طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ ۱۰ محرم (روزِ عاشورا) صبح کو لشکرِ ابن سعد نے جس کی تعداد ۲۲ ہزار سے ۵۰ ہزار تک بیان کی جاتی ہے حضرتؑ کے لشکر پر جس میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ یا کچھ زیادہ تھے حملہ کر دیا۔ حضرتؑ صفِ اعداء کے مقابل آئے اور اُن لوگوں کو بہت سمجھایا کہ کیوں میرا خون ناحق بہاتے ہو۔ کئی بار حضرتؑ نے وعظ و پند کا فرض ادا کیا۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے نہیں سُنا جو حسینؑ کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۲) امام حسینؑ کا خطبہ سُن کر حُر بن یزید ریاحی امام حسینؑ کی طرف چلے آئے اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔ پھر اصحابِ امام حسینؑ یکے بعد دیگرے جہاد کر کے شہید ہوتے رہے مگر شہید ہونے سے پہلے ایک ایک صحابی چالیس پچاس دشمنوں کو قتل کر ڈالتا تھا مثلاً مسلم بن عوسجہ مخالف کے

۵۶ شخصوں کو ہلاک کر کے شہید ہوئے۔ اس کے بعد شمر نے لشکرِ امام حسینؑ پر ہر طرف سے حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر امام حسینؑ کے اصحاب نے لشکرِ اعداء سے خوب جنگ کی اور اگرچہ وہ کل ۳۲ سوار تھے مگر جس طرف رُخ کرتے صفِ اعدا کو درہم و برہم کر دیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر عزرہ ابن قیس نے عمر سعد سے کہلا بھیجا کہ تم دیکھتے نہیں ان معدودے چند حسینی لشکر والوں نے ہماری افواج پر کیا آفت برپا کر رکھی ہے۔ اب جلد اور سپاہیوں اور تیراندازوں کو مدد کے لئے بھیجو۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۰)

اصحابِ حسینؑ نے مخالفین سے دوپہر تک ایسی شدید جنگ کی جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ سوائے ایک سمت کے اور کسی طرف سے حملہ کر سکیں۔ پھر شمر نے خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی کہ میرے پاس آگ لاؤ تاکہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سُن کر مخدراتِ عصمت چلّا اٹھیں تو امام حسینؑ نے شمر کو للکارا کہ کیا تو میرے خیام اور اہل و عیال کو جلائے گا؟ آخر شمر باز رہا۔ دورانِ جنگ میں نمازِ ظہر کا وقت آگیا تو ابوثمامہ صائدی نے حضرتؑ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے حضور کے ساتھ یہ نماز ادا کر کے میں خدا سے ملاقات کروں۔ یہ سُن کر حضرتؑ نے سر اُٹھایا اور فرمایا اللہ تم کو مصلین ذاکرین کا درجہ عطا کرے کہ تم نے نماز کا ذکر کیا۔ بیشک یہ اول وقت نماز کا ہے مخالفین سے کہو کہ ہم کو نماز کی مہلت دیں۔ حصین بن نمیر بولا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ اس پر حبیب ابن مظاہر نے غضبناک ہو کر حصین کو ڈانٹا تو اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ جنگ چھڑ گئی اور آخر حبیب شہید ہوئے جس سے امام حسینؑ بہت ہی شکستہ اور افسردہ ہو گئے۔ پھر حُر اور زہیر بن قین نے دشمنوں سے خوب ہی جہاد کیا۔ یہ دیکھ کر شمر نے آواز دی کہ سب مل کر حُر کو گھیر لیں جس کے بعد وہ گھوڑے سے گرے اور آواز دی کہ اے فرزندِ رسولؐ اس جان نثار کی خبر لیجئے۔ امام حسینؑ میدانِ جنگ میں جا کر حُر کو اٹھا لائے اور اُن کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے ان کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حُر میں جان باقی تھی۔ اپنا سر حضرتؑ کی گود میں دیکھ کر خوش ہو گئے اور کہا اے فرزندِ رسولؐ آپ مجھ سے راضی ہیں؟ امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور میرا خدا بھی۔ حُر نے یہ بشارت سُن کر خلدِ بریں کی راہ لی۔ پھر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نمازِ ظہر بعنوان صلوٰۃ خوف پڑھی مگر اعداءِ دین شدید نرغہ کر کے حضرتؑ کی جانب تیر برسانے لگے تو سعید بن عبداللہ اور زہیر بن القین حضرتؑ کے آگے کھڑے ہو گئے کہ جو تیر آئیں ان کو اپنے جسم پر لیں امام حسینؑ تک نہ پہنچنے دیں۔ چنانچہ اس قدر تیر سعید بن عبداللہ کے بدن پر لگے کہ وہ گر کر شہید ہو گئے اور زہیر بھی شہید ہوئے۔ اصحاب کے بعد خاندانِ بنی ہاشم کے بہادر جہاد کر کے شہید ہونے لگے۔ جن میں حضرت قاسم بن امام حسنؑ بھی تھے۔ باوجودیکہ وہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے مگر ۳۰ پیادے اور ۵۰ سوار تہِ تیغ کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر اعداء نے ایسی تیر باری کی کہ حضرت قاسم کا گھوڑا بیکار ہو گیا پھر جناب قاسم مجروح ہو کر گرے اور آواز دی اے عمِ محترم میری خبر لیجئے۔ حضرتؑ شکاری پرند کی طرح جھپٹ کر ان کے پاس پہنچے اور مثلِ شیر غضبناک حملہ آور ہوئے مگر افسوس جناب قاسمؑ کی لاش پامال ہو گئی۔ پھر حضرت عباسؑ نے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں عبداللہ و جعفر

وعثمان کو آمادہ کیا کہ جا کر جہاد کریں اور امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کریں۔ تینوں بہادر شہید ہوگئے تو خود حضرت عباسؑ آمادہ ہوئے (آپ کی شہادت کا واقعہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) پھر جناب علی اکبرؑ آمادۂ جہاد ہوئے تو حضرتؑ نے ان کے بدن پر ہتھیار لگائے۔ زرہ اور جوشن پہنایا۔ حضرت علیؑ کا کمر بند زیب کمر کرکے خود فولادی سر پر رکھا اور اسپ عقاب پر سوار کیا۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا تو گواہ رہنا اب ان سے لڑنے کو وہ جوان جاتا ہے جو صورت، سیرت، رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ اور میں جب حضرتؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ لیتا تھا غرض آپ میدان کارزار میں پہونچے۔ آپ کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی تھی چہرہ آفتاب ایسا تھا۔ میدان قتال آپ کے نور جمال سے منور ہوگیا۔ آپ فوج میں گھس پڑے اور اپنے دادا علی مرتضیٰ کی شان سے لڑنا شروع کیا جس طرف رخ کرتے کشتوں کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ ۱۲۰ آدمیوں کو قتل کرکے جب پیاس شدید ہوئی تو امام حسینؑ کی خدمت میں آکر کہنے لگے اے بابا جان پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے اور ہتھیاروں کی گرانی پریشان کرتی ہے۔ اگر تھوڑا پانی مل جاتا تو اس قوم جفا کار کو اس کے ظلم و ستم کا مزہ چکھا دیتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنی زبان میرے منہ میں دے دو۔ آپ نے زبان دی اور پھر فوراً کھینچ کر کہا اے بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر دوبارہ میدان جنگ میں جا کر لڑنے لگے۔ عمر سعد نے محکم اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ آپ سے لڑنے کو بھیجا۔ آپ نے ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ سب پسپا ہوگئے۔ اس دفعہ بھی آپ نے ۸۰ شخصوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھ کر اشقیا نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور نیزہ و تیر و شمشیر سے زخمی کرنا شروع کیا۔ آپ زخموں سے چور چور ہوکر گرے اور حضرتؑ کو آواز دی۔ حضرتؑ میدان جنگ میں پہونچے اور بیٹے کی لاش در خیمہ پر اٹھا لائے۔ حضرتؑ فرماتے تھے اے فرزند! تمہارے بعد زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ پھر حضرتؑ اپنے چھوٹے بچے علی اصغرؑ کو لائے اور دشمنوں سے کہا کہ پیاس سے یہ جاں بلب ہے اس کو پانی پلا دو۔ عمر بن سعد نے حرملہ سے کہا امام حسینؑ کی بات کاٹ دے۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ علی اصغر امامؑ کے ہاتھ پر تڑپ کر شہید ہوگئے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس ظالم نے پہلے علی اصغرؑ کو تیر مارا پھر خنجر سے ذبح کیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۳۱) حضرتؑ نے وہ تیر علی اصغرؑ کے حلق سے کھینچ کر پھینک دیا اور اس طفل معصوم کا خون بعض لفظوں کے ان کے بدن پر مل کر فرمایا تمہارا مرتبہ خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے بڑھ کر ہے (تاریخ یعقوبی)

پھر حضرتؑ نے اپنی تلوار سے تھوڑی زمین کھود کر علی اصغرؑ کو دفن کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ ص۳)

اب حضرتؑ نے آواز استغاثہ بلند کی تو امام زین العابدینؑ عصا پر ٹیکتے اور تلوار کھینچتے ہوئے بے اختیار خیمہ سے نکل پڑے مگر حضرتؑ نے دیکھ لیا تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرمایا ان کو پکڑ کر اندر لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ نسل آل محمدؐ سے دنیا خالی ہو جائے۔ جناب ام کلثوم کسی طرح آپ کو خیمہ میں واپس لے گئیں۔ حضرتؑ نے پھر استغاثہ بلند کیا تو اب حضرتؑ کے بھتیجے عبداللہ بن امام حسنؑ نکل پڑے اور دوڑتے ہوئے چچا کے

پاس پہونچ گئے ۔ وہاں ایک شقی نے اس بچے کو بھی حضرتؑ کی گود میں ذبح کر ڈالا ۔ جب حضرت امام حسینؑ خود جہاد کے لئے آمادہ ہوئے تو ایک پُرانا کپڑا منگا یا اور اُس کو جابجا سے چاک کر کے پہنا تاکہ آپ کی شہادت کے بعد دشمن اس کے لئے طمع نہ کریں ۔ اتنے میں دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا ۔ لیکن جب امام حسینؑ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے تو اُس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیتے تھے اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو اُن سب کو مار کر ہٹا دیتے تھے ۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت قدم اور قوی دل کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جو ہر طرح مغلوب ہو چکا ہو اور جس کے بھائی بھتیجے ۔ عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے ہوں ۔ بخدا دشمنوں کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی جس طرح بھیڑیے کے حملہ کرنے سے بکریاں بھاگتی ہیں ۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۹) اسی اثناء میں حضرت زینبؑ باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ کاش اس وقت آسمان زمین پر گر پڑے ۔ اے عمر بن سعد امام حسینؑ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھتا ہے ۔ یہ سُن کر عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ مُنہ پھیر کر رونے لگا ۔ تھوڑی دیر میں حضرتؑ گھوڑے سے گر پڑے اور غروب آفتاب سے پہلے ہی حضرتؑ کا سر مبارک جسدِ اطہر سے جُدا کر لیا گیا ۔ حضرتؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے حضرتؑ کا لباس اُتار لیا حتیٰ کہ زیر جامہ تک بدن پر نہ رہنے دیا ۔ کُل مال و متاع لوٹ لیا یہاں تک کہ عورتوں کے سروں کی چادریں بھی چھین لیں ۔ پھر امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا ۔ حضرتؑ کے واقعہ شہادت پر مدینہ میں سب سے پہلے حضرت ام سلمہؓ نے نوحہ و بکا کیا کیونکہ رسول مقبولؐ نے ان کو ایک شیشہ پُر از خاک کربلا دے کر فرمایا تھا کہ جس وقت یہ مٹی خون تازہ ہو جائے سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہوئے ۔ چنانچہ جب روز عاشورا ام سلمہؓ نے خواب میں رسول اللہؐ کو اس حال سے دیکھا کہ رو رہے ہیں اور حضرتؐ کے سر اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے تو پوچھا یا رسول اللہؐ کیا حال ہے ؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میں مقتل حسینؑ پر گیا تھا ۔ یہ خواب دیکھ کر جناب ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو رونے لگیں اور اُس شیشہ کو دیکھا کہ وہ خاک خون ہو گئی تو ام سلمہؓ نے واحسینا کی صدا بلند کی اور ان کی صدائے واویلا سُن کر عورات مدینہ میں ایسا شور و ماتم برپا ہوا کہ کبھی نہیں سُنا گیا تھا ۔ (تاریخ یعقوبی) ۔

معتبر مورخین اسلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں ۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۸) بعض علما محققین نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے خون برس رہا ہے روز شہادت امام حسینؑ بیت المقدس میں جو پتھر اُٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا (سر الشہادتین صفحہ ۹)

علامہ سیوطی وغیرہ نے آیہ فما بکت علیہم السماء کے ماتحت لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے

تو چار مہینے تک آسمان سُرخ رہا۔ عطا کہتے تھے کہ آسمان کے رونے سے اس کے کناروں کا سُرخ ہو جانا مُراد ہے
اور جمیل بن مرہ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اونٹ یزید کے لشکر والے پکڑ لے گئے اور ذبح کرنے کے بعد پکا کر چکھا تو وہ گوشت مثل حنظل کے کڑوا ہو گیا تھا جس کو کوئی بھی کھا نہ سکا۔ (سر الشہادتین ص۹۵)
بعد شہادت لشکر ابن سعد نے امام حسینؑ کے خیموں میں آگ لگا دی پھر دو روز وہیں رہا اور اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر شہدائے امام حسینؑ کی لاشیں اسی طرح چھوڑ دیں۔ جب وہ کربلا سے روانہ ہو گیا تو نزدیک پاس کے مسلمانوں نے ان حضرات کی لاشیں دفن کیں۔ جب عمر سعد مخدرات اہلبیتؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ کو قیدی بنا کر اور ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور یہ قافلہ ادھر سے گذرا جہاں امام حسینؑ اور حضرات کے اعزہ و اصحاب کی لاشیں پڑی تھیں تو جناب زینبؑ وغیرہ ان لاشوں کو دیکھ کر نوحہ و بکا کرنے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگیں اور فریاد کرتی تھیں کہ اے نانا آپ کا حسینؑ جلتی ریت پر پڑا ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں اور آپ کی ذریت مقتول ہوئی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۳۳)
یہ قیدی قافلہ کربلا سے چل کر کوفہ میں پہونچا۔ جب دربار ابن زیاد میں داخل ہوا تو ابن زیاد امام حسینؑ کے سر کو سامنے رکھ کر حضرتؑ کے لب و دندان پر چھڑی لگانے لگا۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ وہاں موجود تھے بگڑ گئے اور کہا اے ابن زیاد اپنی چھڑی ہٹا لے۔ واللہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں اور ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۳۳) ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ خدا نے یزید کو فتح دی اور کذاب بن کذاب حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف ازدی نے کہا کہ اے مرجانہ کے بیٹے (حسینؑ بن علی کذاب نہ تھے بلکہ) تو خود کذاب تیرا باپ کذاب نیز وہ (یزید) کذاب اور اس کا باپ کذاب جس نے تجھ کو یہاں کا حاکم بنایا ہے۔ اے ابن مرجانہ تو اولاد نبیؐ کو قتل کرتا ہے اور صدیقوں کی سی باتیں بناتا ہے۔ یہ سُن کر ابن زیاد نے غصہ میں کہا کہ اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ۔ لوگ بیچارے کو پکڑ لے گئے اس نے ان کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا اور امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کی گلیوں میں پھرایا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۶۲ و کامل جلد ۴ ص۳۴) جب امام حسینؑ کا سر مبارک نیزے پر بلند کر کے پھرایا جانے لگا تو ایک جگہ سے گزرا جہاں کوئی شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا تھا جب وہ اس آیت پر پہونچا کہ ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا (کیا تم جانتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی عجیب و غریب نشانیوں سے تھے) تو خدا نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو گویا کیا جس نے فصیح زبان سے کہا اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی میرا قتل اور میرے سر کا نیزے پر تمام پھرایا جانا اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ (سر الشہادتین ص۹۹) اس کے بعد ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کو طوق و زنجیر میں جکڑ کیا اور مخدرات اہلبیتؑ کو شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے حضرت امام حسینؑ اور دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۳۴)
اس سفر میں ایک جگہ لوگوں نے ایک دیر کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ؎

اترجوا امة قتلت حسینا شفاعة جده یوم الحساب

(جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ بروز قیامت اُن کے نانا اُن کی شفاعت کریں گے) لوگوں نے اس دیر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اُس نے کہا یہ اس زمانہ کا نہیں ہے بلکہ تمہارے پیغمبر (محمد مصطفےٰؐ) کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۳)

جب یہ حضرات ملک شام دربار یزید میں پہونچے تو یزید ایک طشت میں حضرتؑ کا سر رکھ کر حضرتؑ کے دانتوں پہ چھڑی لگانے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی رسولؐ ابو برزہ سلمی سے نہ رہا گیا بگڑ کر کہا اے یزید اپنی چھڑی کو ان دانتوں پر سے ہٹا لے میں نے بارہا رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں کو چوستے تھے۔ اے یزید اس کو بھی جان لے کہ جب تو بروز قیامت میدانِ حشر میں آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور امام حسینؑ کے شفیع ان کے جد حضرت رسول خداؐ ہوں گے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵) یزید حضرتؑ کے دانتوں کو چھڑی سے مار کر یہ کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدر شهدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاهلوا و استهلوا فرحا ثم قالوا یا یزید لا تشل
قد قتلنا القرن من ساداتهم وعدلنا قتل بدر فاعتدل
لست من عتبة ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل
لعبت هاشم بالملک فلا ملک جاء ولا وحی نزل

کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھ کو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لے لیا اور مجھ کو دعا دیتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ بیکار نہ ہو میں نے اُن کے پہنچے ہوئے بزرگوں اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا اور جنگ بدر کا انتقام لیا تو عوض پورا ہو گیا۔ محمدؐ نے جو کچھ کیا تھا اگر میں اُن سب کا انتقام اُن کی اولاد سے نہ لیتا تو بے شک عتبہ کی نسل میں شمار ہونے کے قابل نہ رہتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان (محمدؐ) کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ وغیرہ) یزید نے کچھ دنوں ان حضرات کو قید رکھا پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں آل رسولؐ کی حمایت میں فساد نہ پھیل جائے ان کو رہا کر دیا اور نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ساماں سفر کر کے اہلبیتؑ رسالت کو مدینہ پہونچا دے۔ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہی حال جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کا تھا کہ لوگ ہماری اولاد کو قتل کرتے ہیں۔ ہمارے سردار اور بزرگ کو بر سر منبر بُرا کہتے ہیں اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے (طبقات ابن سعد) کتابوں سے اس امر کا صحیح پتا نہیں چلتا کہ حضرات اہلبیتؑ کوفہ سے کب روانہ ہوئے۔ شام کب پہونچے۔ وہاں سے کب رہا ہوئے اور مدینہ میں کس تاریخ کو واپس آئے۔ اور نہ اسکا یقینی پتا چلتا ہے کہ سر مبارک کہاں دفن کیا گیا۔

امام حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

اس زمانہ میں بعض سادہ لوح حضرات کو یہ شبہ ہوگیا ہے کہ ابن زیاد یا عمر سعد نے اپنی رائے سے امام حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید نے اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے یزید نے ولید حاکم مدینہ کو لکھا کہ "حسینؑ فرزند علیؑ کا سر میرے خط کے جواب کے ساتھ روانہ کردو" (روضۃ الاحباب نسخہ قلمیہ) (۲) جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے لکھا ہے "اس میں شک نہیں کہ یزید پلید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی رہا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ جمہور اہلسنت وجماعت کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد علیہ کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین ص۳) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے کچھ شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہلبیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام حسینؑ کو قتل اور آپ کے اہل وعیال کو قید کیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص۱۸) (۴) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہوگیا۔ اور حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیتؑ نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص۵۵) (۵) بالکل وہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی ص۱۸۱ میں بھی ہے (۶) یزید نے اپنے حاکم عراق ابن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۴۰) اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے۔ تو یزید نے بھی ابن زیاد کو یہی حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑکر ان کو قتل کردو (۷) مورخ جلیل علامہ مسعودی نے لکھا ہے "جب بنی عباس نے بنی امیہ سے سلطنت چھین لی اور خاندان بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیاں خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس گرفتار کرکے لائی گئیں تو ان سب نے رحم کی درخواست کی۔ اس پر صالح بن علی نے ان سب پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ ان میں یہی کہا کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد حضرت رسول خدا صلعم کے حرم کو قید کرکے یزید کے پاس نہیں لایا اور ان مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے امام حسینؑ کے سر کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ ص۱۲) - یہ واقعہ ۱۳۲؁ھ ہجری یعنی واقعہ کربلا سے صرف ۷۱ سال بعد کا ہے۔ جب اس کے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔ (۸) انھیں علامہ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے "جب لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یزید نے حضرت رسولؐ کے نواسے کو قتل کردیا تو اس کے عامل مدینہ کو وہاں سے نکال دیا" (مروج الذہب برتاریخ کامل جلد ۶ ص۱۵۸) جس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام جانتے تھے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا۔

(۹) علامہ ممدوح پھر لکھتے ہیں "یزید کے عجیب و غریب حالات ہیں۔ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسولؐ کو قتل کر دیا۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا۔ اُس میں آگ لگا دی" (جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)۔ (۱۰) خود ابن زیاد نے کہا ہے اما قتلی الحسینؑ فانہ خرج علی امام و امۃ مجتمعۃ وکتب الی الامام یامرنی بقتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے اس کا حکم دیا کہ ان کو قتل کر دوں (اخبار طوال مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۹) اس اخبار طوال کے مصنف مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابو حنیفہ دینوری ہیں جن کی وفات ۲۸۱ھ ہجری میں ہوئی تھی (۱۱) علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا اما قتلی الحسینؑ فانہ اشار الی یزید بقتلہ او قتلی فاخترت قتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے حکم دیا کہ حضرتؑ کو قتل کروں ورنہ وہ مجھے ہی قتل کر دے گا۔ لہذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل کرنا اختیار کیا اور اپنے کو بچا لیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۵) (۱۲) جب واقعۂ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لینی شروع کی اور جناب عبداللہ بن عباس نے اس سے انکار کیا تو یزید سمجھا کہ ابن عباس میری طرف ہیں۔ اس پر اُس نے آپ کو ایک خط لکھا کہ میں آپ کو بہت انعام دوں گا۔ آپ میری حمایت کرتے رہئے۔ اس کے جواب میں جناب ابن عباس نے یزید کو ایک طویل خط بھیجا۔ اس میں یہ بھی لکھا "تو کس عقل سے مجھ سے اِن باتوں کی امید رکھتا ہے وقد قتلت حسینا و فتیان عبد المطلب حالانکہ تو ہی نے امام حسینؑ اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین و ایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے" (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵) ۔ (۱۳) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے ایک فرمان میں لکھا "پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام دشمنی یہ کیا کہ حضرت رسول خدا کے فرزند اور حضرت فاطمہ زہرا کے پارۂ جگر امام حسینؑ کو شہید کر ڈالا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸) (۱۴) خود یزید کا بیٹا معویہ جب خلیفہ ہوا تو ایک طولانی خطبہ بیان کیا جس میں یہ بھی کہا میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت پر بیٹھا اور اُس نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر ڈالا (تحریر الشہادتین صفحہ ۵۳ وصواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ و حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۴ و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ وغیرہ)

امام حسینؑ کے قتل میں کون لوگ شریک تھے

باوجودیکہ امام حسینؑ کو انھیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ جانتے تھے اور وہ وہی تھے جو اس کے پہلے معویہ، حضرت عثمان و حضرت عمر و حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ بھی زمانہ کا انقلاب عظیم ہے کہ آج بعض ناواقف لوگ دعوے کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے خطوط لکھ کر کوفہ بلایا اور پھر انھیں لوگوں نے آپ کو قتل کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں سب کے سب غیر شیعہ بھرے ہوئے تھے اور انھیں غیر شیعہ مسلمانوں نے حضرتؑ کو دھوکا دینے کے لئے خطوط بھیج کر کوفہ میں بلایا۔ اگر ان خطوط لکھنے

والوں میں دو ایک شیعہ تھے بھی تو وہ نہ کربلا میں گئے نہ امام حسینؑ سے لڑے بلکہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد بغاوت کی اور امام حسینؑ کا انتقام لینے کی کوشش کرتے رہے۔ اُس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے کہ معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا۔ ان کو دھمکیاں دیں۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ ان کو درختوں پر سولی دی۔ ان کو عراق سے نکال باہر اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی پہچانا ہوا شخص عراق میں نہیں بچا۔ (نصائح کافیہ صفحہ)

اس پر بھی غور کرو کہ جب امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو جناب ابن عباس نے آپ کو منع کیا اور کہا عراق والے دھوکا فریب کی جماعت ہیں۔ آپ ان کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ یمن تشریف لے جائیں کہ وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۷) جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں اُس وقت شیعہ نہیں تھے ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے کہ لا بیلث بھا شیعۃ یعنی جناب ابن عباس حضرت امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے تھے کہ وہاں حضرتؑ کے شیعہ تھے پس اگر اُس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص اُن کا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں مگر چونکہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے حکم سے ابن زیاد کوفہ آیا اور حضرت مسلم کے میزبان جناب ہانی کو گرفتار کر کے اپنے ہاں بلایا تو ان سے کہا اے ہانی! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا تو یہاں جس قدر شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا سوائے تمھارے باپ اور حُجر کے کسی شیعہ کو نہیں چھوڑا۔ پھر حُجر بھی جس طرح قتل کیے گئے تم کو معلوم ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ میں جن لوگوں نے بلایا اُن میں کوئی شیعہ نہیں تھا۔ بلکہ سب کے سب غیر شیعہ تھے اس لئے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا۔

امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کر لی؟

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کر لی امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کی مگر اس کی وجہ حضرت امام حسنؑ کی صلح کے موقع پر لکھی جا چکی ہے کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ میں کفار سے جہاد نہیں کیا اسی طرح حضرتؑ کے بڑے فرزند امام حسنؑ نے اپنے مخالفین سے جنگ نہیں کی۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مدینہ میں آ کر انھیں کفار سے جنگ کی اُسی طرح حضرتؑ کے چھوٹے فرزند امام حسینؑ نے اپنے مخالفین سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں حضرتؑ تو اپنے جد بزرگوار کے احکام کے تابع تھے۔ جو

حکم حضرت رسول خداؐ نے دیا اس کے خلاف نہیں کرسکتے تھے۔ آں حضرتؐ صلعم نے تو دوسروں سے بھی فرمادیا تھا کہ حسینؑ جہاد کریں تو تم لوگ ان کی مدد کرنا۔ فرمایا تھا میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ تم میں سے اس وقت جو لوگ موجود ہوں انھیں چاہیئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں۔ (کتاب ما ثبت بالسنۃ ص ۱۱) اور جواب میں بھی آں حضرتؐ صلعم امام حسینؑ سے اس کی تاکید فرماتے رہے۔ علامہ ابن اثیر جزری و دیار بکری نے لکھا ہے "جب معویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ وہاں اہل کوفہ کے خطوط حضرتؑ کے پاس پہونچے لہذا انھوں نے سفر کا سامان تیار کرلیا۔ بہت لوگوں نے حضرتؑ کو منع کیا۔ ان میں محمد بن حنفیہ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا چنانچہ وہ عراق چلے گئے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۳۲) علامہ طبری وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرتؑ امام حسینؑ نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرتؐ رسول خدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کرسکتا خواہ اس سے میرا نقصان ہی ہو (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۹ و کامل جلد ۴ ص ۱۷)

حضرتؑ کی اولاد

حضرت امام حسینؑ کی پانچ بیویوں سے چھ اولاد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں) ہوئیں۔ پہلی زوجہ جناب شہربانو سے حضرت امام زین العابدینؑ۔ اور دوسری زوجہ لیلیٰ سے جناب علی اکبرؑ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسری زوجہ قبیلہ قضاعہ سے تھیں جن سے ایک فرزند جعفر پیدا ہوئے تھے۔ چوتھی زوجہ رباب سے جناب علی اصغر اور چھوٹی بیٹی سکینہ تھیں۔ پانچویں زوجہ ام اسحاق سے بڑی بیٹی فاطمہ تھیں۔ (ارشاد ص ۲۷۷) جناب علی اصغرؑ کربلا میں تیر کھا کر شہید ہوئے اور دونوں صاحبزادیوں میں سے بڑی جناب فاطمہؑ کی شادی امام حسنؑ کے بیٹے جناب حسن مثنیٰ کے ساتھ اور چھوٹی جناب سکینہؑ کی شادی بھی امام حسنؑ ہی کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ واقعہ کربلا کے پہلے ہی ہوچکی تھی۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۲۷)

شہدائے کربلا

کتنے اور کون کون تھے۔ اس میں بہت اختلاف ہے۔ علامہ سماوی کی کتاب ابصار العین۔ ناسخ التواریخ۔ بحار و جلاء العیون زیادہ معتبر کتابیں ہیں مگر سب کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس وجہ سے زیارت ناحیہ مقدسہ میں جن حضرات کے نام مذکور ہیں وہی اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) مالک بن عبد بن سریع (۲) شبیب بن حارث بن سریع (۳) شوذب مولیٰ شاکر (۴) عابس بن ابی شبیب شاکری (۵) عمار بن ابی سلامۃ ہمدانی (۶) عبدالرحمٰن بن عبداللہ الکدری الارحبی (۷) حنظلہ بن اسعد شیبانی (۸) ابو ثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی (۹) عمر بن جندب خضرمی (۱۰) قاسم بن حبیب ازدی (۱۱) زہیر بن سلیم ازدی (۱۲) اسلم بن کثیر ازدی (۱۳) سالم مولےٰ بنی المدینۃ الکلبی (۱۴) جبلہ بن علی شیبانی (۱۵) زاہد مولےٰ عمرو الحمق الخزاعی (۱۶) یزید بن زیاد بن مظاہر کندی (۱۷) سعید مولیٰ عمر (۱۸) عمرو بن خالد صیداوی (۱۹) جندب بن حجر خولانی

(۲۰) حیان بن حارث سلمانی ازدی (۲۱) عمار بن حسان (۲۲) مجمع بن عبداللہ عائذی (۲۲) مسعود بن حجاج (۲۳) فرزند مسعود بن حجاج (۲۴) حجاج بن مسروق جعفی (۲۵) زید بن معقل جعفی (۲۶) زہیر بن بشر خثعمی (۲۷) سیف بن مالک (۲۸) سالم مولے عامر بن مسلم (۲۹) قعنب بن عمرو تمری (۳۰) عامر بن مسلم (۳۱) و (۳۲) عبداللہ و عبیداللہ فرزندان یزید بن ثبیط (۳۳) یزید بن ثبیط قیسی (۳۴) عمرو بن ضبیعہ ضبعی (۳۵) حوی بن مالک ضبعی (۳۶) ضرغامہ بن مالک (۳۷) کنانہ بن عقیق (۳۸) و (۳۹) قاسط و کرش فرزندان ظہیر تغلبی (۴۰) حجاج بن زید سعدی (۴۱) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۴۲) عون بن حوی مولا ابوذر غفاری (۴۳) و (۴۴) عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندان عروہ بن حراق (۴۵) قیس بن مسہر صیداوی (۴۶) انس بن کاہل اسدی (۴۷) نافع بن ہلال بجلی (۴۸) عبداللہ بن عمیر کلبی (۴۹) حر بن یزید ریاحی (۵۰) حبیب بن مظاہر اسدی (۵۱) عمرو بن قرظہ انصاری (۵۲) زہیر بن قین بجلی (۵۳) عمر بن کعب انصاری (۵۴) یزید بن حصین ہمدانی (۵۵) بشر بن عمر حضرمی (۵۶) سعد بن عبداللہ حنفی (۵۷) مسلم بن عوسجہ اسدی (۵۸) قارب مولیٰ امام حسینؑ (۵۹) منجح مولیٰ امام حسینؑ (۶۰) سلیمان مولیٰ امام حسینؑ (۶۱) سوار بن ابی عمیر (۶۲) عمرو بن عبداللہ جندعی (۶۳) نعیم بن عجلان۔

جناب عقیل کی اولاد	(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) ابو عبداللہ بن مسلم (۳) عبداللہ بن مسلم (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل۔
عبداللہ بن جعفر کی اولاد	(۱) محمد (۲) عون۔
حضرت امام حسنؑ کی اولاد	(۱) جناب قاسم (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب ابوبکر۔
اولاد حضرت امیر المومنینؑ	(۱) محمد (۲) عبداللہ اکبر (۳) جعفر اکبر (۴) عثمان اکبر (۵) حضرت عباس
اولاد حضرت امام حسینؑ	(۱) حضرت علی اکبرؑ (۲) حضرت علی اصغرؑ (عبداللہ) مگر یقین نہیں کہ زیارت میں سب نام سے مرقوم ہیں۔

چوتھا باب

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

(آپ حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے اور شیعوں کے چوتھے امام ہیں۔ بنا بر قول جناب شیخ مفید و شیخ طوسی علیہما الرحمہ ۱۵ جمادی الاولی ۳۸ھ (۶۵۸ء) کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۲ سال چند ماہ تک جد بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی۔ پھر ۵۰ھ ہجری تک عم معظم اور پدر بزرگوار کے ہمراہ اور ۱۰ محرم ۶۱ ہجری تک محض والد ماجد کے ساتھ رہے۔ بعد واقعۂ کربلا خاندان رسالت کے سردار اور شیعوں کے ظاہری امام قرار پائے۔ ۳۴ سال مشغول ہدایت و ارشاد ناس رہ کر ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری (۷۱۴ء) کو طرف عالم جاودانی کے رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں اپنے عم معظم حضرت امام حسنؑ کی بغل میں دفن کئے گئے۔ آپ کے عہد امامت میں خلفاء اسلام سے یزید معویہ پھر معویہ بن یزید۔ پھر مروان بن الحکم پھر عبد الملک بن مروان پھر ولید بن عبد الملک کی دنیوی سلطنت رہی اور اسی ولید کے زمانہ میں حضرتؑ نے زہر سے وفات پائی۔)

اسم گرامی حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے پدر بزرگوار سے اس قدر الفت تھی کہ اپنے تینوں فرزند کے نام علیؑ ہی رکھا جس پر یزید نے (جب یہ حضرات قید ہو کر اس کے دربار میں پہونچے) تعجب سے کہا تھا عجب! آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھا؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں میرے پدر بزرگوار کو اپنے والد ماجد سے نہایت محبت تھی اس سبب سے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھتے رہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۱۳) چونکہ حضرتؑ ہی امام حسینؑ کے ولد اکبر تھے اس سبب سے علی اکبر آپ ہی کا نام تھا لیکن عوام نے غلط طور پر مشہور کر دیا کہ علی اکبر وہ بزرگ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ خواجہ محمد پارسا وغیرہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں امام حسینؑ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑے علی اصغر تھے جو امام زین العابدین ہیں۔ آپ کا لقب اصغر اس سبب سے ہوا کہ اپنے جد امجد حضرت علیؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور دو سال تک حضرتؑ کے ساتھ رہے پس آپ کے جد حضرت علی علیہ السلام اکبر تھے اور آپ علی اصغر" (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱۵) مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ کو علی اصغر کہنا اکثر احادیث کی مخالفت کرنا ہے جو اس پر دال ہیں کہ آپ اُن علیؑ سے بڑے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲) اس زمانہ میں آپ امام زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہیں اور جو علی کربلا میں شہید ہوئے اور جو آپ سے چھوٹے تھے علی اکبر مشہور ہیں۔

والدہ گرامی

آپ کی والدہ کے حالات میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف نام میں ہے۔ بعض غزالہ بعض شاہ زنان بنت یزدجرد۔ بعض سلافہ بعض شہربانویہ بعض شہربانو۔ بعض خولہ بعض جیدہ اور بعض برہ بنت النوشجان کہتے ہیں لیکن سید المحققین جناب شیخ مفید و علامہ طبرسی وغیرہ آپ کا نام شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد لکھتے ہیں۔ ممکن ہے اصل نام یہی اور مشہور شہربانو ہو۔ دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آپ اپنے وطن (ایران) سے مدینہ میں کب آئیں اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت سے کیونکر مشرف ہوئیں۔ اس امر میں کئی قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن مشہور صرف دو ہیں پہلی یہ کہ آپ حضرت عمر کے زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ تشریف لائیں اور جناب امیر علیہ السلام نے آپ کو خرید کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ اور دوسری یہ کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے حریث بن جابر کو بعض بلاد مشرق (ایران) کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تھا اُس نے جناب شاہ زنان کو آپ کی بہنوں کے ساتھ جناب امیرؑ کے پاس بھیجا اور حضرتؑ نے آپ کی شادی امام حسینؑ سے کر دی۔ پہلی روایت کہ خلیفہ دوم کے زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں آئیں اس وجہ سے غلط معلوم ہوتی ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ مدائن ماہ صفر ۱۶ھ میں فتح ہوا ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۴۱۳ اردو ترجمہ فتوح العجم الواقدی صفحہ ۱۶۰ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۰ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۸ وغیرہ) اور یزدجرد سنہ ۱۴ھ کے شروع میں تخت نشین ہوا ہے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ و کامل جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ و ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۸۵ و ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ وغیرہ) اور جنگ قادسیہ بقول ابوالفدا وغیرہ سنہ ۱۵ ہجری میں ہوئی ہے اور تخت نشینی کے وقت یعنی سنہ ۱۴ ہجری میں معتبر مورخین نے یزدجرد کی عمر ۲۱ سال لکھی ہے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ تاریخ ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۹۱ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۶) اس حساب سے فتح مدائن کے وقت یعنی سنہ ۱۶ ہجری کے شروع میں یزدجرد کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور وہ عرب جیسے گرم ملک کا باشندہ نہیں تھا کہ ۱۲ سال کی عمر میں عورتوں سے مباشرت کے قابل ہو جاتا۔ ضرور ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی ہوگی۔ اب اگر جناب شہربانو یزدجرد کی پہلی اولاد بھی مانی جائیں اور یزدجرد کے اٹھارھویں انیسویں سال بھی پیدا ہوئی ہوں تو فتح مدائن کے وقت اُن کی عمر کسی طرح پانچ چھ سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت حضرت عمر کا اُن کو امام حسینؑ کی زوجیت کے لئے بخشنا یا جناب امیرؑ کا خرید کر امام حسینؑ سے ان کی شادی کرنا بالکل خلاف عقل ہے درصورتیکہ اُس وقت امام حسینؑ بھی بالغ نہیں بلکہ صرف ۱۲ سال کے تھے (کیونکہ حضرتؑ کی ولادت سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی) اُس وقت اگر امام حسینؑ اس امر کو چاہتے بھی تو جناب امیرؑ سختی سے روکتے اور اس امر کو آپ کی صحت کے لئے نہایت خطرناک سمجھتے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی شادی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ جناب امیرؑ کی شادی بھی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ پھر امام حسینؑ کے ساتھ یہ دشمنی کیوں کی جاتی کہ جب آپ نہ ۲۵ سال کے ہوئے نہ ۲۰ سال کے نہ ۱۸ سال کے بلکہ بالغ تک نہیں ہوئے صرف ۱۲ سال کے تھے

کہ شہربانو آپ کے حوالہ کردی جائیں؟ غرض کسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں شہربانو کا مدینہ آنا اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں داخل ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔ زمانہ حال کے نامور مورخ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ لکھتے ہیں "اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہوکر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُن کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے اُن کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود اُن کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کردی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری۔ ابن اثیر۔ یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہونچا۔ جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہونچکر ۳۰ھ ہجری میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل و اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ اور فارس ۱۷ھ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؑ نے اُن کی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؑ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہوسکتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۴۳) مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ایک اور زبردست وجہ ایسی ہے جس سے اس قصہ کا غلط ہونا یقینی ہوجاتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب امیرؑ کے دو صاحبزادے تھے امام حسنؑ و امام حسینؑ۔ اور ۱۶ھ ہجری میں دونوں نابالغ تھے لیکن امام حسنؑ پھر بھی بڑے تھے۔ اگر جناب امیرؑ نے اپنے فرزند سے شادی کے لئے جناب شہربانو کو تجویز بھی کیا تو حضرت امام حسنؑ کو کیوں نہیں دیا۔ یا حضرت ہی سے شادی کیوں نہیں کی؟ بڑے لڑکے کی فکر پہلے ہوتی ہے۔ پس اگر واقعاً جناب شہربانو ۱۶ھ ہجری میں مدینہ آئیں

اور حضرت عمر یا حضرت امیرالمومنینؑ انھیں جناب امیرؑ کے فرزند کو مرحمت فرماتے تو یہ بڑے صاحبزادے امام حسنؑ کے حصہ میں آتیں نہ امام حسینؑ کے۔

رہی دوسری روایت کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی ظاہری خلافت میں آپ آئیں اور حضرتؑ نے امام حسینؑ سے ان کی شادی کر دی۔ یہ البتہ ایسی ہے جو نقل اور عقل دونوں سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیؑ نے حریث بن جابر جعفی کو بعض بلاد مشرق (خراسان) کا والی مقرر کر کے بھیجا اور حریث نے یزدگرد کی دو بیٹیاں حضرتؑ کی خدمت میں ایران سے بھیجیں۔ حضرتؑ نے ایک بیٹی شہر بانو اپنے صاحبزادے امام حسینؑ کو دی اور دوسری بیٹی گیہان بانو محمد بن ابی بکر کے حوالہ کی۔ جناب شہر بانو سے حضرت امام زین العابدینؑ اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے (روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۹ مطبوعہ مطبع نولکشور) علامہ اربلی نے کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۲۰۱ میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اعلام الوریٰ ص ۱۵۱ میں نیز جامع التواریخ ص ۱۴۹ و عمدۃ الطالب ص ۱۷۱ میں بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ نیز دوسری کتب تاریخ و حدیث میں بھی یہی روایت ہے اور عقلاً بھی اس کی صحت کا گمان ہوتا ہے۔ کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت ۳۶ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک تھی۔ اس زمانہ میں جناب شہر بانو کی عمر بھی کافی تھی اور حضرت امام حسینؑ بھی تیس سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ اور حضرت امام حسنؑ کی شادی اس سے پہلے ہو چکی تھی۔

حضرتؑ کا شرف نسبی

آپ دادھیال اور ننھیال دونوں طرف سے اعلیٰ خاندان کے جوہر تھے۔ دادا حضرت رسول خدا صلعم اور نانا بادشاہ ایران کسریٰ یزدگرد۔ اس مضمون کو عربی شاعر ابوالاسود دئلی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے

وان غلاما بین کسریٰ وھاشم لاکرم من نیطت علیہ التمائم

یقیناً وہ صاحبزادے جن کے نانا بادشاہ کسریٰ اور دادا حضرت ہاشم ہیں دنیا بھر کے لڑکوں سے زیادہ شریف اور کریم ہیں (اصول کافی ص ۲۵۵) اس موقع پر بعض علمائے اہلسنت نے لکھا ہے:۔ انظروا الی برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارک وتعالیٰ الائمۃ المھدیین من بنت یزدجرد المنتسب الی کسریٰ نوشیروان الملک العادل دون سائر زوجاتہ۔ عدل و انصاف کی برکت کا یہ تماشہ دیکھو کہ خدا نے حضرات ائمہ طاہرینؑ کو امام حسینؑ کی انھیں بیوی (شہر بانو) سے پیدا کیا جو مشہور نوشیرواں عادل شہنشاہ ایران کی اولاد سے تھیں اور حضرتؑ کی دوسری بیویوں کی اولاد کو یہ شرف نہیں دیا (فصل الخطاب قلمی ورق ۲۶۱ و ینابیع المودۃ ص ۳۱۵ وغیرہ) اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے امام حسینؑ کے بیٹوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہیں۔ انھیں سے حضرت امام حسینؑ کی نسل بڑھی کیونکہ حضرتؑ کی کئی اولاد ہوئیں۔ مگر روز عاشورا سوائے حضرت زین العابدینؑ کے کوئی لڑکا زندہ نہیں بچا۔ خدا نے آپ ہی کے صلب سے رسول خدا صلعم کی اولاد اس کثرت سے پیدا کی جن کی تعداد کو وہی جان سکتا ہے اور اس نسل میں خدا نے

اتنی برکت دی کہ ان کو پورب سے پچھم تک پھیلا دیا یہاں تک کہ کوئی ملک کوئی شہر ان لوگوں (سادات اور آل رسولؐ) سے خالی نہیں ہے۔ اس کے خلاف یزید کا انجام ہوا کہ اس کی یا اس کی اولاد۔ یا اس کے خاندان والوں کی نسل سے ایک شخص بھی نہیں بچا۔ بلکہ کوئی چراغ جلانے والا یا آگ روشن کرنے والا بھی نہیں رہا۔ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم سے کیسا سچا وعدہ فرمایا تھا کہ اے رسولؐ ہم تمہاری نسل کو بہت بڑھائیں گے اور تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔ (قرآن مجید پ۳۰ سورہ کوثر۔ اسماء رجال مشکوۃ قلمی ص۳۶) اور جناب مُلّا مبین صاحب فرنگی محل لکھتے ہیں" امام حسینؑ کی نسل بیٹوں میں صرف امام زین العابدینؑ سے اور بیٹیوں میں محض جناب فاطمہ سے بڑھی جو جناب حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں۔ خدا نے امام زین العابدینؑ کے صلب سے بکثرت اولاد پیدا کی اور آپ کی نسل (سادات اور آل رسولؐ) کو پچھم اور پورب ہر طرف پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی حصہ بلکہ کوئی شہر حضرتؑ کی اولاد سے خالی نہ ملے گا۔ اس کے خلاف یزید اور اس کی اولاد کی نسل سے ایسا بھی کوئی نہیں بچا جو ایک ہی گھر آباد کرتا یا کسی جگہ جھاڑو ہی جھڑکتا باوجود اس کے کہ امام حسینؑ شہید ہوئے تو آپ کے صرف ایک بیٹے امام زین العابدینؑ بچے تھے (انھیں کی نسل اس قدر بڑھی) اور جب یزید مرا تو اس کے ۱۵ بیٹے موجود تھے (جن سب کی نسل ہوتی تو کس قدر ترقی کرتی)۔ واقعاً خدا کا قول سب سے زیادہ سچا ہے جس نے حضرت رسول خدا صلعم کو خوش خبری دے دی تھی کہ اے رسول ہم نے تم کو بہت بڑی نسل دی ہے اور تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔ (وسیلۃ النجاۃ ص۳۱۲)

حضرتؑ کا ذاتی شرف حضرات اہلسنت کے امام زہری و ابن عیینیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ سے افضل ہم نے کسی کو نہیں پایا اور حضرتؑ سے زیادہ علم فقہ کا جاننے والا بھی نہیں پایا اور آپ سے زیادہ ورع و تقویٰ کسی شخص میں نہیں پایا۔ (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص۳۲۰) امام زین العابدینؑ حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایۃ تھے۔ آں حضرتؑ سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ بہت بڑے عالم تھے اور اہلبیتؑ میں اُن کا مثل و نظیر کوئی نہیں تھا (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۲۱) آپ کے خوف خدا و مناجات وغیرہ کے واقعات کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

حلیۂ مبارکہ حضرتؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ اوسط قد و قامت کے نحیف و زار تھے (نور الابصار ص۱۲۶ و اخبار الدول ص۱۰۹)۔ آں حضرتؑ جمال و جلال و صولت باکمال داشت ہر کرا نظر بر چہرۂ مبارک می افتاد بجز اعزاز و احترام و عزت و اکرام چارہ نمی دید۔ حضرتؑ کو اعلیٰ درجے کا جمال۔ جلال اور صولت حاصل تھی۔ حضرتؑ کے چہرۂ مبارک پر جس شخص کی بھی نظر پڑتی وہ حضرتؑ کے اعزاز و احترام و عزت و اکرام کرنے پر مجبور ہو جاتا (وسیلۃ النجاۃ ص۳۱۹) حضرتؑ کو دیکھ کر حاجیوں کا حجر اسود کے پاس سے ہٹ جانا مشہور واقعہ ہے جو آگے آتا ہے۔

کنیت اور القاب آپ کی کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی اور القاب یہ تھے۔ زین العابدینؑ۔

سیدالعابدین۔ عابد۔ سجاد۔ سیدالساجدین۔ زین الصالحین۔ وارث علم النبیین۔ امام المومنین منارالقانتین الخاشع۔ المتہجد۔ الزاہد۔ العدل۔ البکاء۔ ذوالثفنات۔ امام الائمہ۔ ابوالائمہ۔ الزکی۔ الامین الخالص۔ سیدالصابرین۔

حضرتؑ کے عہدِ طفولیت کی معرفت

حضرتؑ بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تو امام حسینؑ نے فرمایا تم کو جس چیز کی خواہش ہو بیان کرو۔ حضرتؑ نے عرض کی میری خواہش یہ ہے کہ میرا شمار اُن لوگوں میں ہو جو خدا کی قضا و قدر کے خلاف کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے۔ امام حسینؑ نے یہ سُن کر فرمایا شاباش تم اپنی اس خواہش میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مشابہ ہو گئے۔ کیونکہ جب جناب جبرئیلؑ نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا میں اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی امر نہیں چاہتا کیونکہ خدا مجھے کافی اور بہترین کارساز ہے" (بحار جلد ۱۱ صـ۲۱)

حضرتؑ کی عبادت

اس حد کی ہوئی کہ آپ کا لقب ہی زین العابدین ہو گیا۔ حضرت رسول خداؐ صلعم نے اس کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی۔ فرمایا تھا۔ بروز قیامت ایک منادی پکارے گا کہ زین العابدینؑ کہاں ہیں۔ اس پر میرا فرزند علی بن الحسینؑ صفوں سے جھومتا ہوا نکلے گا اور وہ حالت اس وقت میرے پیش نظر ہے (بحار جلد ۱۱ صـ۲) اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ ایک شب کو حسب معمول محراب عبادت میں کھڑے نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ اس اثنا میں ایک اژدہا آپ کے سامنے آیا لیکن حضرتؑ اس سے کچھ بھی نہ ڈرے اُسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ پھر وہ اژدہا قریب آیا اور حضرتؑ کا انگوٹھا اپنے منہ میں لے لیا جب بھی حضرتؑ اسی طرح مشغول رہے۔ پھر اس نے زور سے انگوٹھے میں کاٹا۔ پھر بھی حضرتؑ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو اس اژدہے کو نکالا۔ اُس کے بعد سُنا کہ کوئی آواز آتی ہے انت زین العابدین تم ہی عبادت کرنے والوں کی زینت ہو۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا جس سے معلوم ہوا کہ غیبی آواز تھی۔ (کشف الغمہ صـ۱۹۸) حضرتؑ اس کثرت سے سجدہ کرتے کہ آپ کی پیشانی۔ دونوں ہتھیلیوں۔ دونوں گھٹنوں اور دونوں انگوٹھوں پر اتنے اونچے گھٹے پڑ جاتے جو سال میں دو مرتبہ ترشوائے جاتے اور ہر مرتبہ گھٹے کی پانچ تہ نکلتی تھی۔ اس سبب سے لوگ آپ کو ذوالثفنات بھی کہتے (بحار جلد ۱۱ صـ۳) مورخ ابن عساکر کا بیان ہے کہ دمشق میں امام زین العابدینؑ کی مسجد مشہور ہے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں مشہد علیؑ۔ بجامع دمشق زبان زد ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـ۱۲۱) معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قیدی ہو کر دمشق تشریف لے گئے تو کسی مسجد میں کثرت سے عبادت کرتے تھے اس سبب سے لوگ اُس مسجد کو مشہد علیؑ (امام زین العابدینؑ کی مسجد) کہتے تھے۔

حضرتؑ کا حلم

ایک شامی بیان کرتا تھا کہ میں ایک دفعہ مدینہ گیا تو ایک وجیہ شخص کو دیکھا۔

لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ علی ابن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) ہیں۔ یہ سنتے ہی میں اُن کے پاس آیا اور اُن کے دادا حضرت علیؑ کو گالیاں دینے لگا۔ وہ کھڑے سنتے رہے۔ جب میرا کلام ختم ہوگیا تو اُنھوں نے کہا میں سمجھتا ہوں تم مسافر ہو۔ میں نے کہا ہاں انھوں نے کہا تو آؤ میرے ساتھ چلو اور میرے مکان میں ٹھہرو۔ اگر تم کو یہاں رہنے کے لئے کسی مکان کی ضرورت ہوگی تو میرا مکان حاضر ہے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو حسب خواہش مال بھی پیش کروں گا۔ اور اگر کوئی دوسری حاجت ہو تو میں اس کے پوری کرنے میں بھی مدد کروں گا۔ یہ سُن کر میں آپ کے پاس سے واپس آیا لیکن اس طرح کہ آپ سے زیادہ میرے دل میں کسی شخص کی محبت نہیں تھی"۔ (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص میرے سامنے آپ کی غیبت کرتا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ جب وہاں پہونچے تو فرمایا اے بھائی تم نے اس شخص کے سامنے میرے متعلق جو کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا مجھے بخش دے اور اگر تم نے غلط کہا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو بخش دے۔ یہ فرما کر وہاں سے واپس تشریف لائے"۔ (نورالابصار صفحہ ۱۲۶) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا بھائی تم نے اُس شخص کی ہم نشینی کے حق کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا کہ اُس کی بُرائیاں مجھ تک پہونچا دیں۔ اور نہ میرا حق ادا کیا کیونکہ ایک بھائی کی مجھ تک ایسی شکایت کی بات پہونچائی جس کو میں جانتا نہ تھا۔ موت ہر شخص کو آنے والی ہے اور روز قیامت ہم سب زندہ ہو کر ایک جگہ جمع ہوں گے اور روز محشر سب کے فیصلہ کے لئے مقرر ہے جب کہ خدا ہم سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ دیکھو پھر کبھی غیبت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ جہنم کے کتّوں کی غذا ہے۔ اور جان لو کہ جو شخص لوگوں کی زیادہ غیبت کرتا ہے وہ خود اپنے عیوب کی گواہی دیتا ہے"۔ (احتجاج طبرسی رح صفحہ ۳۰۴) ایک روز حضرتؑ مسجد سے نکلے تو آپ کو ایک شخص گالیاں دینے لگا۔ آپ کے غلام وغیرہ اس کی طرف بڑھے لیکن حضرتؑ نے سب کو روکا اور اُس سے فرمایا میرے جو حالات تم سے پوشیدہ ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں اُس کے رفع کرنے میں تمہاری مدد کروں؟ یہ حلم دیکھ کر وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا۔ پھر حضرتؑ نے اس کو چند قیمتی کمبل اور پانچ ہزار درہم عطا فرمائے۔ یہ دیکھ کر وہ بول اٹھا اشھد انّک من اولاد المصطفٰی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضرت رسول خدا صلعم کے خلف صالح ہیں۔ ایک اور شخص حضرتؑ کو گالیاں دینے لگا تو فرمایا بھائی میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں اس پر سے عبور کر گیا تو مجھے کچھ پروا نہیں جو چاہے کہو۔ اور اگر مجھ میں اس گھاٹی سے گزرنے کی قابلیت نہیں ہے تو پھر جس قدر بھی تم گالی دیتے ہو اس سے زیادہ کا میں مستحق ہوں (نورالابصار صفحہ ۱۲۶)

قصیدہ فرزدق

ایک مرتبہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام بن عبدالملک (جو ۱۰۵ھ ہجری سے ۱۲۵ھ ہجری تک بادشاہ رہا) اپنی شہزادگی کے زمانے میں حج کرنے گیا اور

خانۂ کعبہ کا طواف کر کے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر حاجیوں کے ہجوم سے اُس تک نہیں پہونچ سکا۔ مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب حجر اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور حضرتؑ نے اطمینان سے اس کو بوسہ دیا۔ ہشام کے ساتھ شام کے جو لوگ آئے تھے یہ حال دیکھ کر ہشام سے اُنھوں نے پوچھا یہ باعظمت شخص کون ہے جس کی ہیبت و جلال سے سب حاجی ہٹ گئے۔ ہشام تو واقف تھا مگر اس خوف سے کہ حضرتؑ کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔ اتفاقاً اس زمانے کے مشہور شاعر فرزدق بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اس بےادبی کو برداشت نہ کر سکے اور کھڑے ہو کر ایک زبردست قصیدہ حضرتؑ کی شان میں پڑھ دیا جو گویا دُنیا میں گونج گیا اور آج تک کتابوں میں نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

(۱) هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
یہ وہ ہے جانتا ہے مکہ جس کے نقشِ قدم خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حِل و حرم

(۲) هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمْ هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
جو بہترین خلائق ہے اُس کا ہے فرزند پاک و زاہد و پاکیزہ و بلند حشم

(۳) إِذَا رَأَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا إِلٰی مَکَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْکَرَمُ
قریش دیکھتے ہیں جب اُسے تو کہتے ہیں بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم

(۴) یَنْمِیْ إِلٰی ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّذِیْ قَصُرَتْ عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
پہونچ گیا ہے یہ عزت کی اُس بلندی پر جہاں یہ جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم

(۵) یَکَادُ یُمْسِکُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ رُکْنُ الْحَطِیْمِ إِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ
یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکنِ حطیم جو چومنے حجر الاسود آئے نزدِ حرم

(۶) فِیْ کَفِّهٖ خَیْزُرَانٌ رِیْحُهٗ عَبِقٌ فِیْ کَفِّ أَرْوَعَ فِیْ عِرْنِیْنِهٖ شَمَمُ
چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم

(۷) یُغْضِیْ حَیَاءً وَیُغْضٰی مِنْ مَهَابَتِهٖ فَمَا یُکَلَّمُ إِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ
نظر جھکائے ہیں سب اپنی حیا سے، رعب سے لوگ جو مُسکرائے تو آ جائے بات کا کرنے کا دم

(۸) یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰی مِنْ نُوْرِ غُرَّتِهٖ کَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ إِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ
جبیں کے نورِ ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں ضیاءِ مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم

ؔلہ یہ اردو منظوم ترجمہ رسالہ حقائق لکھنؤ محرم سنہ ۵۰ ہجری سے نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ متعدد اشعار کا ترجمہ شعر کے مطابق نہیں ہے مگر اردو نظم ہونے کی وجہ سے اسی کا درج کر دینا بہتر معلوم ہوا۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

(۹) مَنْ جَدُّہٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَہٗ وَفَضْلُ اُمَّتِہٖ دَانَتْ لَہُ الْاُمَمُ
فضیلت اور نبیوں کی اس کے جد سے ہے پست تمام امتیں امت سے اس کی رتبہ میں کم

(۱۰) مُنْشَقَّۃٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَبْعَتُہٗ طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ وَالْخِیْمُ وَالشِّیَمُ
یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسولؐ اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

(۱۱) ھٰذَا ابْنُ فَاطِمَۃٍ اِنْ کُنْتَ جَاھِلَہٗ بِجَدِّہٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰہِ قَدْ خُتِمُوْا
یہ فاطمہؑ کا ہے فرزند تو نہیں واقف؟ اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

(۱۲) اَللّٰہُ شَرَّفَہٗ قِدْمًا وَعَظَّمَہٗ جَرٰی بِذَاکَ لَہٗ فِیْ لَوْحِہِ الْقَلَمُ
ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عزت چلا اسی کے لئے لوح پر خدا کا قلم

(۱۳) اَللَّیْثُ اَھْوَنُ مِنْہُ حِیْنَ تُغْضِبُہٗ وَالْمَوْتُ اَیْسَرُ مِنْہُ حِیْنَ یَھْتَضِمُ
جو کوئی غیظ دلا دے تو شیر سے بڑھ جائے ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

(۱۴) فَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ ھٰذَا بِضَائِرِہٖ اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ
ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

(۱۵) کِلْتَا یَدَیْہِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُھُمَا یُسْتَوْکَفَانِ وَلَا یَعْرُوْھُمَا عَدَمُ
برستے ابر ہیں ہاتھ اس کے جن کا فیض ہے عام وہ برسا کرتے ہیں اکساں کبھی نہیں ہوئے کم

(۱۶) سَھْلُ الْخَلِیْقَۃِ لَا تُخْشٰی بَوَادِرُہٗ یَزِیْنُہُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّیَمُ
وہ نرم خو ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں ہے حسن عادت و خلق اس کی زینت باہم

(۱۷) حَمَّالُ اَثْقَالِ اَقْوَامٍ اِذَا اقْتَرَضُوْا حُلْوُ الشَّمَائِلِ تَحْلُوْ عِنْدَہٗ نِعَمُ
مصیبتوں میں قبیلوں کے بار اٹھاتا ہے ہیں جتنے خوب شمائل ہیں اتنے خوب کرم

(۱۸) مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَھُّدِہٖ لَوْلَا التَّشَھُّدُ کَانَتْ لَاءَہٗ نَعَمُ
کبھی نہ اس نے کہا لا بجز تشہد کے اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا لا بھی نعم

(۱۹) لَا یُخْلِفُ الْوَعْدَ مَیْمُوْنٌ نَقِیْبَتُہٗ رَحْبُ الْفِنَاءِ اَرِیْبٌ حِیْنَ یَعْتَزِمُ
خلاف وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات ہے میزبان بھی عقل و ارادہ بھی ہے بہم

(۲۰) عَمَّ الْبَرِیَّۃَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ عَنْھَا الْغَیَاھِبُ وَالْاِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ
تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا اسی سے اٹھ گیا افلاس و رنج و فقر اک دم

(۲۱) مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّھُمْ دِیْنٌ وَبُغْضُھُمْ کُفْرٌ وَقُرْبُھُمْ مُنْجًی وَمُعْتَصَمُ
محبت اس کی ہے ایمان اور عداوت اس کی ہے کفر ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم

(۲۲) اِنْ عُدَّ اَھْلُ التُّقٰی کَانُوْا اَئِمَّتَھُمْ اَوْ قِیْلَ مَنْ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ قِیْلَ ھُمُ
شمار زاہدوں کا ہو تو پیشوا یہ ہو کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں ہم

(۲۳) لَا یَسْتَطِیْعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَایَتِہِمْ ۔۔۔ وَلَا یُدَانِیْھِمْ قَوْمٌ وَاِنْ کَرُمُوْا
پہونچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے ۔۔۔ سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اس کی گردِ قدم

(۲۴) ھُمُ الْغُیُوْثُ اِذَا مَا اَزْمَۃٌ اَزَمَتْ ۔۔۔ وَالْاُسْدُ اُسْدُ الشَّرٰی وَالْبَاسُ مُحْتَدِمُ
جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابرِ باراں ہے ۔۔۔ جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

(۲۵) لَا یَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ اَکُفِّہِمْ ۔۔۔ سِیَّانِ ذٰلِکَ اِنْ اَثْرَوْا وَاِنْ عَدِمُوْا
نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پہ ۔۔۔ کہ اس کو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

(۲۶) یُسْتَدْفَعُ السُّوْءُ وَالْبَلْوٰی بِحُبِّہِمْ ۔۔۔ وَیُسْتَزَادُ بِہِ الْاِحْسَانُ وَالنِّعَمُ
اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی ۔۔۔ اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

(۲۷) مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِکْرِ اللّٰہِ ذِکْرُھُمْ ۔۔۔ فِیْ کُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِہِ الْکَلِمُ
اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکرِ خدا ۔۔۔ اسی کے نام پہ ہر بات ختم کرتے ہیں کم

(۲۸) یَاْبٰی لَھُمْ اَنْ یَحُلَّ الذَّمُّ سَاحَتَھُمْ ۔۔۔ خُلْقٌ کَرِیْمٌ وَاَیْدٍ بِالنَّدٰی ھُضُمُ
مذمت آنے سے اس کے قریب بھاگتی ہے ۔۔۔ کریم خلق سے ہوتی نہیں سخاوت کم

(۲۹) اَیُّ الْخَلَائِقِ لَیْسَتْ فِیْ رِقَابِہِمْ ۔۔۔ لِاَوَّلِیَّۃِ ھٰذَا اَوْ لَہٗ نِعَمُ
خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر ۔۔۔ اسی گھرانے کے احسان سے ہوا ہو نہ خم

(۳۰) مَنْ یَعْرِفِ اللّٰہَ یَعْرِفْ اَوَّلِیَّۃَ ذَا ۔۔۔ فَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتِ ھٰذَا نَالَہُ الْاُمَمُ
خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے ۔۔۔ اسی کے گھر سے ملا امتوں کو دین بہم

اس قصیدے کو سُن کر ہشام غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا اور فرزدق کو قید کردیا حضرت امام زین العابدینؑ کو اس کی خبر ہوئی تو حضرتؑ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس بھیجدیئے مگر انھوں نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نے یہ قصیدہ کسی صلہ کی طمع میں نہیں کہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے کہلایا کہ ہم اہلبیت رسولؐ کا یہ دستور ہے کہ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ خدا تمھاری نیت سے واقف ہے اور وہی اس (حمایت دین) کا اجر دے گا۔ مجبوراً فرزدق نے وہ درہم قبول کر لئے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۱ ومجانی الادب جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ وصواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ ووسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۲۰ وغیرہ)

حضرتؑ کے علمی کمالات بھی بے حد و حساب ہیں۔ جب آپ دربار یزید میں قید ہو کر تشریف لے گئے تو باوجودیکہ وہاں کی دیوار تک حضرتؑ کی دشمن تھی مگر حضرتؑ نے اس فصاحت و بلاغت کا خطبہ ارشاد فرمایا جس سے شام والے متحیر ہوگئے اور ایسے موثر طریقے سے مقاصد وعظ و پند بیان فرمائے کہ سنگ دلوں کے دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگے۔ فرمایا اے اہل شام تم میں سے جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں فرزند رسولِ مختار ہوں میں فرزند حیدرِ کرار ہوں

ہوں۔ میں فرزندِ شہسوارِ میدان ہل اتیٰ ہوں۔ میں فرزندِ فاطمہ زہرا ہوں۔ میں سبطِ رسول حسن مجتبیٰ کا بھتیجا ہوں۔ میں نورِ دیدۂ مصطفےٰ سرورِ سینۂ مرتضیٰ، مبتلائے کرب و بلا حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اہلِ مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر موذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ موذن نے اٹھ کر کہا اَللهُ اَکْبَر۔ اَللهُ اَکْبَر حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر موذن نے کہا اشهد ان لا اله الا الله۔ حضرتؑ نے فرمایا سچ ہے میرا گوشت اور پوست اس بات کا گواہ ہے۔ پھر موذن نے کہا اشهد ان محمدا رسول الله۔ اب تو حضرت زین العابدینؑ نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا اے موذن تجھے انھیں حضرت محمدؐ کی قسم ذرہ ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر یزید سے فرمایا اے معویہ کے بیٹے سچ بتا یہ محمد رسول اللہ میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے۔ اور اگر میرا جد کہے تو بتا تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آلِ رسولؐ تھے کیوں قتل کرایا۔ کیوں ان کی مخدرات عصمت و طہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بشہر پھرایا۔ کیوں مجھے یتیم کیا اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا۔ یہ کہہ کر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا رسولؐ اور حبیب ہو۔ حضرتؑ کی یہ تقریر سن کر اہلِ شام اس قدر روئے کہ ان میں سے اکثر بے ہوش ہو گئے۔ یزید ڈرا اور اس نے موذن کو اقامت کہنے کا حکم دے کر سب کو نماز میں مشغول کر دیا۔ (روضۃ الاحباب)

حضرتؑ کے علمی اور دینی کمالات کے لئے حضرتؑ کی مشہور کتاب صحیفہ کاملہ کافی ہے جس کو زبور آلِ محمدؐ کہا جاتا ہے اور جس کی ایک ایک دعا انسان کی معرفت کو آسمان پر پہونچاتی ہے اور جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب پہونچ جائے۔ اس کتاب کی عربی زبان اور نورانی معنے دونوں ہی اپنی آپ نظیر ہیں۔

حضرت کا خشوعِ عبادت

حضرتؑ جب وضو کرتے تو آپ کا رنگ مبارک زرد ہو جاتا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا تم جانتے نہیں کہ میں کس معبود کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں (صواعق محرقہ ص۱۱۹)

ایک دفعہ حضرتؑ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ اس وقت سجدے میں تھے۔ لوگ آگ آگ پکارنے لگے مگر حضرتؑ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ جب آگ بجھ گئی تو لوگوں نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ آپ کو کس چیز نے اس آگ سے غافل کر دیا تھا؟ فرمایا آخرت کی آگ نے (وسیلۃ النجاۃ ص۲۱۴) ایک دفعہ حضرتؑ کھڑے نماز پڑھتے تھے اتنے میں آپ کے صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السلام جو ابھی بچے تھے کنویں میں گر گئے۔ حضرتؑ کی ماں نے شور کرنا شروع کیا کہ باقرؑ گر گئے اور دوڑ کر خود

کنویں کے پاس آئیں اور اس میں ڈوری وغیرہ پھینکنے لگیں۔ پھر حضرتؑ سے خطاب کرکے کہا اے فرزند رسولؐ آپ کے فرزند محمد (باقرؑ) کنویں میں گر گئے۔ مگر حضرت اب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ جب اس میں دیر ہوگئی تو حضرتؑ کی بیوی نے کہا اے اہل بیت رسولؐ۔ آپ لوگوں کے دل کس قدر سخت ہوگئے ہیں لیکن حضرتؑ اب بھی اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ جب اسے پورے کمال کے ساتھ ختم کرچکے تو بیوی کے ساتھ کنویں پر تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس کے اندر بڑھا کر حضرت محمد باقرؑ کو نکال لیا۔ اور بیوی سے فرمایا اے خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی اپنے بچے کو لو۔ آپ کی بیوی بچے کو صحیح وسالم دیکھ کر خوش تو ہوگئیں مگر حضرتؑ کے قول "خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی" سے رونے لگیں۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا کہ میں اس جبار کے دربار میں حاضر تھا جس کی طرف سے اگر منہ موڑ لیتا تو وہ بھی میری جانب سے اپنی رحمت پھیر لیتا تو تم اس درجہ مضطرب ہوتیں؟ بتاؤ تو خدا سے بڑھ کر رحم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

حضرت کی فقرا نوازی

اہل مدینہ کہا کرتے تھے جب تک امام زین العابدینؑ زندہ رہے ہم سے پوشیدہ خیرات کم نہیں ہوئی (نور الابصار صفحہ ۱۴۳) ابن عائشہ کہتا تھا کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے سنا کہ ہماری مخفی خیرات حضرت علی ابن الحسینؑ کی وفات سے بند ہوگئی۔ ابن اسحاق کہتا تھا کہ مدینہ کے بعض آدمی اپنا اپنا کھانا پایا کرتے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کھانا کہاں سے پاتے ہیں اور کون اُن کو پہونچاتا ہے۔ جب امام زین العابدینؑ کا انتقال ہوگیا تو رات کو ان فقیروں کو کھانا ان کے مکان پر نہیں آیا تب وہ سمجھے کہ حضرتؑ لاتے تھے۔ سفیان کہتے تھے کہ رات کو حضرتؑ روٹیوں کا بورا یا تھیلا اپنی پیٹھ پر رکھ کر فقراء و مساکین کو خیرات بانٹتے پھرتے تھے۔ جب حضرت کی وفات پر لوگ غسل دینے لگے تو ایک سیاہ داغ حضرتؑ کی پشت مبارک پر نظر آیا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے۔ تو لوگوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ ہر رات کو آٹے کا بورا اٹھا کر فقراء اہل مدینہ کو دیتے پھرتے تھے۔ اس طرح حضرت مدینہ کے کم از کم سو خاندانوں کا خرچ چلایا کرتے تھے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۳)

حضرتؑ کے رعب کی حالت

سنہ ۶۳ ہجری میں اہل مدینہ نے متفق ہو کر یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی۔ یہ سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ والوں سے لڑنے کو بھیجا۔ اس نے آکر ہنگامۂ قتال برپا کر دیا۔ تین دن تک قتل عام کرکے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کے ساتھ زنا کیا۔ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے حرام زادے بچے جنے۔ مسجد رسولؐ میں گھوڑے پھرائے گئے جنہوں نے وہاں بول و براز کیا اور جو اہل مدینہ بچ گئے ان سے یزید کی غلامی کی بیعت لی گئی۔ جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا سوائے امام زین العابدینؑ کے۔ چنانچہ جب حضرتؑ اس ظالم مسلم بن عقبہ کے پاس لائے گئے تو باوجودیکہ وہ حضرتؑ کو اور حضرت کے

بزرگوں کو بُرا کہہ رہا تھا مگر حضرتؑ اُس کے سامنے ہوئے تو وہ کانپنے لگا اور سروقد تعظیم کر کے حضرتؑ کو اپنے برابر بٹھالیا۔ اس کے بعد جب حضرتؑ وہاں سے واپس گئے تو لوگوں نے مسلم بن عقبہ سے پوچھا کہ جس وقت تک حضرتؑ نہیں آئے تھے اُس وقت تک تو حضرتؑ کو اور حضرت کے بزرگوں کو بُرا کہہ رہا تھا۔ پھر کیا سبب ہے کہ حضرتؑ کے آنے پر تو نے اُن کی بڑی قدر و منزلت کی؟ مسلم بن عقبہ نے کہا میں نے قصداً اُن کی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ ان کو دیکھتے ہی میرے دل پر ایسا رعب چھا گیا کہ میں اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۵)

اپنے دشمن سے حضرت کا برتاؤ

شروع سنہ ۶۴ ہجری میں مسلم بن عقبہ نے مدینہ والوں کو قتل و غارت کر کے مکہ کی جانب رُخ کیا مگر بہت بیمار ہو گیا تھا۔ مکہ پہونچنے سے پہلے ہی راہ میں مر گیا اور اپنا قائم مقام حصین بن نمیر کو کر گیا۔ یہ ظالم حصین بن نمیر ایسا سخت دل تھا کہ بروز عاشورا جب حضرت امام حسینؑ نہر فرات کے کنارے پہونچے تو اس نے تاک کر ایسا تیر حضرتؑ کی طرف پھینکا تھا جو دہان مبارک میں پیوست ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اور بھی اُس نے بڑے بڑے ظلم کئے تھے پھر اس نے مکہ پہونچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کر کے آگ لگا دی۔ اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کر لیا جب محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے تو دفعتاً یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ اس کے بعد حصین مدینہ واپس آیا اور رات کو چند سواروں کے ساتھ مدینہ سے باہر گیا تاکہ اپنی فوج کی غذا کا سامان کرے۔ وہاں دیکھا کہ حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لاتے ہیں اور حضرتؑ کے ساتھ اونٹ پر غذا کا سامان کافی ہے۔ اس نے حضرتؑ کو نہیں پہچانا اور کہا مجھے اس سامان کی ضرورت ہے میرے ہاتھ بیچ دو۔ حضرتؑ نے اس کو جواب دیا کہ یہ سامان بیچنے کا نہیں ہے۔ ہاں اگر تم کو ضرورت ہو تو یوں ہی سب لے لو۔ اس جود و سخا کو دیکھ کر حصین نے حضرتؑ سے پوچھا تم کون ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا میں علی بن الحسینؑ ہوں۔ پھر حضرتؑ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ اُس کو پہچان گئے کہ یہ کربلا میں لشکر یزید کے ساتھ تھا اور بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ مگر حضرتؑ نے ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا اور اس سے پوچھا اب میں جاؤں؟ اُس نے کہا نہیں۔ یزید مر گیا اور دنیا بے خلیفہ کے ہو گئی ہے۔ لوگ ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جس کی بیعت کریں۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلئے تاکہ پوری دنیا کو آپ کا تابع کر دوں کیونکہ اس وقت روئے زمین پر آپ کے سوائے کوئی امام برحق نہیں ہے۔ آپ ہی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے خدائے عز و جل سے نذر کی ہے کہ (ظاہری بادشاہت) قبول نہیں کروں گا۔ یہ فرما کر حضرتؑ نے اپنا اونٹ بڑھایا اور حصین بن نمیر کے خیمہ کے دروازے پر وہ کُل سامان اُتار کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ (تاریخ طبری فارسی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶۴۲)
غرض اس کو مفت کُل سامان دے دیا۔

حضرات اہلبیتؑ کا ذریعہ معاش کیا تھا اس کا مفصل پتا نہیں ملتا۔ البتہ زراعت یا زمینداری کا سلسلہ

ضرور تھا۔ چنانچہ ابن عباس بیان کرتے تھے کہ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت علیؑ کے پاس کہلایا کہ مدینہ چھوڑ کر اپنی زمین ینبع کی طرف چلے جائیے کہ آپ کے یہاں رہنے سے مجھے اذیت پہونچی ہے۔ حضرتؑ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ میں تو ان کے زخموں کا علاج کر رہا ہوں اور وہ اس خیال میں ہیں۔ غرض حضرتؑ مدینہ چھوڑ کر ینبع چلے گئے مگر بعد کو مخالفین کی اور زیادتی ہوئی تو حضرت عثمان نے حضرتؑ کو بلا بھیجا کہ آپ ہی سے میری یہ مصیبت ٹل سکتی ہے (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) مذکورہ بالا امور سے گمان ہوتا ہے کہ ان حضرات کی طرف سے اس زمین کی آبادی ہوتی اور کھیتی کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب واقعۂ حرا سنہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا تو حضرت امام زین العابدینؑ نے بھی مدینہ چھوڑ کر وہیں اقامت فرمائی تھی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵)

حضرت کا اپنے سخت اور خاندانی دشمن پر یہ احسان بھی سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے کہ جب سنہ ۶۳ھ میں مدینہ والوں نے یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا اور کل بنی امیہ کا محاصرہ کر کے اُنکے قتل و غارت کا سامان کرنے لگے تو بنی امیہ نہایت پریشان ہوئے۔ خاندان اہلبیتؑ کا مشہور دشمن مروان بن حکم بھی (جو پہلے مدینہ کا حاکم تھا اور جس نے ولید بن عتبہ سے کہا تھا کہ امام حسینؑ کو اسی وقت قتل کر دو ورنہ یہ ہاتھ نہیں آئیں گے) مدینہ میں تھا۔ وہ بھی بہت پریشان ہوا کہ اپنے اہل و عیال کو کیا کرے کیونکہ مدینہ والے اس کے بچوں کو قتل کر دیں گے اور اسکی عورتوں کی ہتک حرمت کریں گے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس مصیبت میں اس نے حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ سے درخواست کی کہ میرے اہل و عیال کو اپنے ہاں پناہ دے دو۔ مگر انھوں نے صاف انکار کیا۔ تب اس نے کریم ابن کریم اور جانشین رحمۃ للعالمین حضرت امام زین العابدینؑ سے درخواست کی کہ آپ میرے اہل و عیال کی زندگی بچالیں۔ سبحان اللہ (تمام مومنین کی روحیں حضرتؑ پر فدا ہوں) حضرتؑ نے فرمایا ان لی حرما وحرمی یکون مع حرمک (میرے بھی اہل و عیال ہیں تمھارے اہل و عیال میرے اہل و عیال کے ساتھ ہی رہیں گے) مروان نے کہا جیسا آپ مناسب سمجھیں عمل میں لائیں۔ اس کے بعد مروان نے اپنی بیوی عائشہ کو (جو حضرت عثمان خلیفہ سوم کی بیٹی تھیں) اپنے دوسرے اہل و عیال کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس بھیجدیا۔ حضرتؑ زیادہ اطمینان کے خیال سے اپنے کل عیال اور مروان کے سب عیال کو ساتھ لے کر اپنی جائداد ینبع میں چلے گئے اور وہاں اُن سب کو نہایت آرام و اطمینان سے رکھا اور پوری حفاظت کرتے رہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵)

معویہ بن یزید کا خطبہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ یزید کے فرزند معویہ کے خطبہ کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے۔ اس سے نہایت مفید تاریخی راز منکشف ہوتے ہیں سنہ ۶۴ ہجری میں یزید مر گیا تو اس کا بیٹا معویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے ۴۰ روز اور بعض قول کے مطابق ۵ ماہ خلافت کی۔ اسکے بعد خود اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا اس طرح کہ ایک روز منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو

ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو اسلئے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سُن لو کہ میرے دادا معویہ نے اس خلافت کے لئے اُس بزرگ (حضرت علیؑ) سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لئے اُس سے کہیں زیادہ حقدار اور مستحق تھے اور وہ حضرت (علیؑ) اس خلافت کے لئے صرف معویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے۔ اس سبب سے کہ حضرتؑ کو حضرت رسول خدا صلعم سے قرابت قریبہ حاصل تھی حضرتؑ کے فضائل بہت سے تھے۔ خدا کے ہاں حضرتؑ کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرتؑ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ صاحب علم سب سے پہلے ایمان لانے والے سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے حضرتؑ جناب رسالت مآب صلعم کے چچا زاد بھائی۔ حضرتؑ کے داماد اور حضرتؑ کے (وہ دینی) بھائی تھے۔ (جن سے حضرتؑ نے کئی مرتبہ مواخاۃ فرمائی تھی)۔ آپ کا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرت صلعم نے آپ ہی کو اپنی پسند سے ان کا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہؑ کو اپنی پسند سے آپ کی بیوی بنادی۔ حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ و حسینؑ) جو جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردۂ رسولؐ اور فاطمہؑ بتول کے دو لال یعنی پاک پاکیزہ درخت (رسالت) کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا (معویہ) جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اُس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اُس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو اُسکے ارادے میں کامیابی ہوئی اور اُس کی دنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب اُس کی اجل معلوم پہونچ گئی اور موت کے پنجوں نے اُس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے۔ اور جو جو ظلم کر چکا تھا اُن سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت و فرعونیت اُس نے اختیار کر رکھی تھی اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی۔ تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی ضلالت میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام کُش باتوں۔ دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور اُن کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جس کے بعد اُس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک پر آمادہ ہو گیا اور حضرت رسول خداؐ سے اتنی بغاوت کی کہ حضرتؐ کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اُس کا ظلم ختم ہو گیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے (قبر) سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں۔ اب وہ بھی وہاں پہونچ گیا

جہاں کے لئے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا، اور اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت بھول گئے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے کاش معلوم ہو جاتا کہ وہاں اُس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر تراشا اور پھر اُس سے کیا کہا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے؟ میرا گمان تو یہی ہے۔ اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم خاندان (بنی امیہ) کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا۔ حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضب ناک ہیں اُن کی تعداد اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ (یعنی بنی امیہ کے مخالف زیادہ، موافق کم ہیں)۔

بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمھاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمھاری برائیوں کے بارے لدا ہوا اُس کی درگاہ میں پہونچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے اسے مجھ سے لے لو اور جس کو پسند کرو اپنا بادشاہ بنا لو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں پر سے اپنی بیعت اٹھا لی۔ والسّلام"۔

جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اُس کے پیچھے مروان بن حکم بھی موجود تھا۔ خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا کیوں ابو لیلےٰ (یہ ابو لیلےٰ معویہ بن یزید کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے؟ (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا۔ تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو)۔ اس پر معویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پایا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شوریٰ کی جو مثال تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانے میں تھے ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جب تاریخ سے کہ انھوں (عمر) نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ (حضرت علیؑ) کی عدالت میں کسی قسم کا شک و شبہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا ان کو اس سے ہٹا دیا اُس وقت سے وہ (حضرت عمر) بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی نقصان اُٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت کوئی بُری اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معویہ منبر سے اُتر آیا۔ پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سُنی ہوتی۔ معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد بنی امیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا اور علیؑ اور اُن کی اولاد کی محبت اس کے دل میں راسخ کر دی ہے۔ غرض اس نے ہم لوگوں کے جو عیب و مظالم بیان کئے ان سب کا باعث

تو ہی ہے۔ اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اسکی نظر میں پسندیدہ قرار دے دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کچھ کہا مگر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معویہ بن یزید بچپن ہی سے حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے لیکن ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سُنا اور قبر کھود کر اُس کو زندہ دفن کر دیا۔

(تحریر الشہادتین ص۱۰۳ صواعق محرقہ ص۱۳۴ حیوٰۃ الحیوان جلد۱ ص۵۵ تاریخ خمیس جلد۲ ص۳۲۲ وغیرہ)

بروایت حبیب السیر معویہ بن یزید نے یہ بھی کہا کہ "مجھے یہ خلافت مناسب نہیں ہے۔ مجھے واجب ہے کہ تم کو بتا دوں کہ حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ مجھ سے اسکے بہت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ کوئی ان میں کسی طرح کا عیب نہیں نکال سکتا۔ اگر چاہو ان کو خلیفہ بنا لو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ قبول نہیں کریں گے"

مختار علیہ الرحمہ کی خواہش کہ حضرت کی بیعت کریں

جناب مختار علیہ الرحمہ نے بھی جب وہ قاتلان امام حسینؑ سے انتقام لینے کیلئے آمادہ ہوئے چاہا کہ حضرتؑ کی بیعت کریں اور اسکے لئے حضرتؑ کو لکھا بھی مگر حضرتؑ نے اس سے انکار کیا (مروج الذہب جلد۲ ص۱۵۵)

حضرتؑ کا اپنے والد کے دین کو ادا کرنا

حضرت امام حسین علیہ السلام ۷۵ ہزار دینار کے مقروض تھے۔ جب حضرت امام شہید ہو چکے اور حضرت زین العابدینؑ قید سے چھوٹ کر مدینہ میں آئے تو آپ کو حضرتؑ کا قرض ادا کرنے کی بڑی فکر ہوئی مگر کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا جس سے حضرت نہایت درجہ محزون و مغموم رہتے تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے تم اس قرض کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ خدا نے اس کو نخنس کے مال سے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔ حضرت بیدار ہوئے تو گھبرا گئے اور فرمایا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میرے والد ماجد کے مال میں کوئی ایسی چیز تھی جس کو نخنس کا مال کہتے ہوں۔ یہ کیا چیز ہے اور کہاں ہے۔ جب دوسری رات آئی تو پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو حضرتؑ نے اپنے گھر والوں سے وہ خواب بیان کیا۔ اس پر ایک بیوی نے کہا کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام نخنس تھا۔ اس نے حضرتؑ کے لئے مقام ذی خشب میں پانی کا ایک چشمہ نکالا تھا۔ تب حضرتؑ نے اس چشمہ کی جستجو شروع کی یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد اس کا پتا مل گیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے حضرتؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک چشمہ مقام ذی خشب میں ہے جو نخنس کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپ اس کو بیچنا چاہیں تو میں خرید سکتا ہوں۔ حضرتؑ نے اس کو جواب بھیجا کہ ہاں میں بیچتا ہوں۔ اس کو میرے والد کے قرض کے عوض لے لو۔ ولید نے کہلا بھیجا کہ ہاں میں نے لے لیا۔ اور اس میں سے جناب سکینہؑ کے لئے شب کی رات کا پانی کھینچنا مستثنیٰ کر دیا (کہ اس رات کو اس چشمہ سے پانی نکالنے کا حق ولید کو نہیں رہے گا بلکہ اس رات میں صرف جناب سکینہؑ کے لئے پانی نکالا جائے گا اور اس قدر حصہ کی مالک جناب سکینہ خود رہیں گی) (بحار الانوار جلد۱ ص۱۶ و دفار الوفا مطبوعہ مصر جلد۲ ص۲۴۹)

حضرتؑ کی دعائیں

نہایت معرفت آفرین اور فرشتہ گر ہوتی تھیں صحیفہ کاملہ اور اعمال سال کی دعائیں خود حضرت

دعاء ابوحمزہ ثمالی (جو حضرت ماہ صیام میں سحر کے وقت پڑھتے تھے) وغیرہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ حضرتؑ کی وہ دعا بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا تو اس سے تاکید کر دی تھی کہ امام زین العابدینؑ سے اچھا برتاؤ کرنا۔ مگر مسلم بن عقبہ مدینہ میں آیا تو حضرتؑ کو بہت اذیت پہونچانے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے نہایت غیظ و غضب کی حالت میں حضرتؑ کو اپنے یہاں بلایا تو حضرت وہاں تشریف لے گئے مگر وہ حضرتؑ کو دیکھ کر کانپنے لگا اور بڑی تعظیم کر کے اپنے پاس بٹھایا اور کہا حضور اپنی حاجتیں مجھ سے فرمائیں کہ میں پوری کروں۔ مگر حضرتؑ نے اس سے کسی بات کی خواہش نہیں کی۔ البتہ مظلوموں اور بے کسوں کی سفارش اور غول ریزی روکنے کی خواہش کی جس کو اس نے منظور کیا۔ پھر حضرتؑ وہاں سے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کی حضور وہاں تشریف لے گئے تو حضور کے دونوں لب ہلتے تھے حضور کیا پڑھتے تھے؟ فرمایا اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ ـ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ ـ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّاھِرِیْنَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَاَدْرَءُ بِکَ فِیْ نَحْرِہٖ اَسْأَلُکَ اَنْ تُؤْتِیَنِیْ خَیْرَہٗ وَتَکْفِیَنِیْ شَرَّہٗ ـ اے وہ خدا جو ساتوں آسمان کا پروردگار ہے اور ان چیزوں کا بھی جن کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اے عرش عظیم کے پروردگار۔ اے حضرت محمدؐ اور حضرتؐ کی اولاد طاہرینؑ کے پروردگار میں اس ظالم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری مدد سے اس کی دل دگی میں دھکا دیتا ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور تو مجھے اس کی برائیوں سے محفوظ رکھ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم بن عقبہ کی حالت ہی بدل گئی اور گویا وہ حضرتؑ کا غلام ہوگیا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۵۱)

عمر بن عبدالعزیز اور حضرتؑ

عمر بن عبدالعزیز جو بعد میں خلیفہ بھی ہوا اس کی گورنری کے زمانہ میں روضہ رسول خدا صلعم کی دیوار گر گئی اور روضہ کی دوبارہ مرمت ہونے لگی تو اس خیال سے کہ کوئی مقدس بزرگ حضرتؑ کی قبر مبارک پر کی مٹی صاف کر دیں عمر بن عبدالعزیز نے حضرتؑ سے خواہش کی کہ آپ اس زحمت کو قبول کریں مگر اس شرف کو حاصل کرنے کے لئے قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بھی کھڑے ہو گئے تو عمر بن عبدالعزیز نے سب کو روک دیا۔ (وفاء الوفاء صفحہ ۳۸۶ جلد ۱)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانے میں بنی امیہ کی سلطنت رہی۔ ۶۴ھ ہجری سے ۶۵ھ ہجری تک مروان بن الحکم پھر ۶۵ھ ہجری سے ۸۶ھ ہجری تک عبدالملک بن مروان۔ پھر ۸۶ھ ہجری سے ۹۶ھ ہجری تک ولید بن عبدالملک خلیفہ رہا۔

حضرتؑ کی وفات

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرتؑ کو زہر دے دیا جس سے حضرتؑ نے ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری (۷۱۳ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰)

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

حضرتؑ کی پہلی بی بی آپ کی چچا زاد بہن فاطمہ ام عبداللہ دختر امام حسنؑ تھیں۔ ان سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (۲) دوسری بیوی سے عبداللہ و حسن

وحسین پیدا ہوئے۔ (۳) تیسری بی بی سے زید و عمر پیدا ہوئے (۴) چوتھی بی بی سے حسین اصغر و عبدالرحمان و سلیمان پیدا ہوئے (۵) پانچویں بی بی سے علی و خدیجہ پیدا ہوئیں۔ (۶) چھٹی بی بی سے محمد اصغر ہوئے (۷) ساتویں بی بی سے فاطمہ علیہ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اس طرح آپ کے ۱۱ بیٹے اور ۴ بیٹیاں تھیں۔

جناب زید

حضرت امام زین العابدینؑ کے فرزند جلیل القدر تھے۔ آپ کے مناقب بے حد و شمار ہیں۔ آپ کو حلیف القرآن (قرآن مجید کے ساتھی) کہتے تھے۔ چونکہ عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی بنی ہاشم پر بڑے بڑے ظلم کرتا تھا اس وجہ سے جناب زیدؑ اس زمانہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس دادخواہی کو گئے۔ مگر وہ بہت بے عنوانی سے پیش آیا۔ آپ نے اس کو سلام کیا تو اُس نے کہا خدا تم کو سلامت نہ رکھے۔ اس پر جناب زیدؑ نے کہا اتق اللہ۔ اے خلیفہ خدا سے ڈرو۔ ہشام نے فرعونیت سے کہا واہ تمہارے ایسا آدمی بھی میرے ایسے بادشاہ کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے؟ جناب زید نے فرمایا جو شخص کبھی کسی کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے اُس سے بڑا کون شخص ہوسکتا ہے اور اُس شخص سے بھی بُرا کون ہوگا جس کو لوگ خدا سے ڈرنے کو کہیں۔ اب تو ہشام جھلّا گیا اور کہا تم ہی وہ ہو جو خلافت کی خواہش رکھتے ہو حالانکہ تمہاری ماں لونڈی تھی۔ جناب زید نے کہا ماں کے لونڈی ہونے سے لڑکوں کی عزت و جلالت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت اسمٰعیلؑ پیغمبر کا درجہ بھی حقیر ہوتا (کیونکہ ان کی ماں بھی لونڈی تھیں) اور خدا انکو پیغمبر نہ بناتا اور سید اولین و آخرین حضرت رسول خدا صلعم کو انکی نسل سے پیدا نہیں کرتا۔ پس جب حضرت اسماعیل جو حضرت ابراہیمؑ کے فرزند خدا کے پیارے پیغمبر اور حضرت رسول خدا صلعم کے جد اعلیٰ تھے لونڈی زادے ہونے سے کم درجہ کے نہیں ہوسکتے تو میرا (حضرت رسول خدا صلعم کا پوتا جناب سیدہؑ کا جگر بند اور حضرت امام زین العابدینؑ کا فرزند ہوکر صرف لونڈی زادہ ہونے سے کیونکر کم درجہ کا ہونگا؟) ہشام یہ زبردست استدلال سُن کر کیا جواب دے سکتا تھا۔ پہلو بدل کر بولا۔ تمہاری مجال ہوگئی کہ میری باتوں کا جواب دیتے اور مجھ سے بحث کرتے ہو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو دربار سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ جناب زید وہاں سے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ فرماتے تھے ما احب الحیاۃ احد الا ذل جس شخص نے بھی دنیا کی زندگی دوست رکھی وہ ضرور ذلیل ہوا۔ وہاں سے آپ کوفہ تشریف لائے اور اپنے رشتہ داروں کی صلاح و مشورہ کے برخلاف سنہ ۱۲۱ھ میں عراقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے کو ہشام کی حکومت سے علیحدہ ظاہر کیا۔ چالیس ہزار کوفی آپ کے ساتھ ہوگئے مگر کوفہ والوں کی بیوفائی تو مشہور ہے عین موقع جنگ پر ان کوفیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے ان سے خطاب کرکے فرمایا یا قوم رفضتمونی اے قوم تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا (اسی سبب سے کوفہ کے وہ لوگ رافضی کہے جانے لگے جو درحقیقت کوفہ کے بیوفاؤں کا لقب قرار پایا۔ مگر جس طرح حضرت رسول خدا کے دشمن حضرتؐ کو ابن کبشہ کہتے تھے اسی طرح اب شیعیان حضرت علیؑ کو ان کے مخالف بھی رافضی کہنے لگے ہیں۔ جو بالکل بے عقلی اور جہالت کی بات ہے) غرض ماہ صفر ۱۲۲ ہجری (۷۴۰ء) کی ابتداء میں جناب زید نکلے اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینی شروع کی لیکن وہ چونکہ نہایت کثرت سے تھی اور آپ کے ساتھ بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی فوج قتل ہونے لگی مگر آپ اسی طرح نہایت شجاعت سے مقابلہ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو آپ کی

پیشانی میں لگ گیا اور آپ گھوڑے سے زمین پر گر گئے تو آپ کا ایک خادم فوراً آپ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر میدان سے لے گیا اور ایک شخص کے گھر رکھ کر جراح بلا کر ان کا علاج کرانے لگا مگر زخم کاری لگا تھا آپ نے اس سے انتقال کیا پھر آپ کے خادموں نے مخفی طور پر ایک قبر کھود کر اس میں آپ کو دفن کر دیا اور اس پر پانی جاری کر دیا کہ کسی کو اس کا پتا نہ ملے۔ مگر ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر نے بہت کچھ تلاش کے بعد آپ کی قبر کا پتا پالیا اور آپ کی نعش مبارک اس سے نکال کر سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو سولی پر چڑھا دیا جو چار سال تک اسی طرح سولی پر چڑھا رہا۔ اس کے بعد وہ نعش جلا کر اس کی خاکستر دریائے فرات میں بہا دی گئی۔ جب جناب زید شہید کر کے سولی پر چڑھائے گئے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خداؐ اس درخت سے (جس پر جناب زید کو سولی دی گئی تھی) تکیہ کئے ہوئے فرماتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون افسوس یہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ یہ ظلم کر رہے ہیں (عمدۃ الطالب ص۲۴۵)۔ اس وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں معلوم ہوتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب زید شہید کا بدن دار پر چڑھایا گیا تو مکڑی نے جالا لگا کر ان کی شرمگاہ کو چھپا دیا۔ (تاریخ خمیس جلد۲ ص۳۵۰) آپ کی شہادت پر مضحکہ کرتے ہوئے ایک شخص نے دو شعر کہے جس سے آپ کی مذمت مقصود تھی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ان شعروں کو سنا تو دعا فرمائی کہ اے خدا اگر شعر کہنے والا جھوٹا ہے تو اس پر تو اپنے درندے کو مسلط فرما دے۔ اسکے کچھ دنوں بعد وہ شخص کوفہ کی طرف جانے لگا تو راستہ میں ایک شیر آیا اور اس کو پھاڑ ڈالا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے سنا تو فرمایا الحمد للہ الذی انجزلنا ما وعدنا۔ اس خدا کا شکر جس نے وہ بات پوری کر دی جس کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۱)

جناب یحییٰ بن زید

جناب زید کے چار بیٹے تھے۔ ان میں جناب یحییٰ کی شجاعت کا وہ کارنامہ تاریخ کے اوراق میں مذکور ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو جناب محمد بن الحنفیہ کی پوتی تھیں۔ جب جناب زید شہید ہو گئے تو آپ کے یہی صاحبزادے یحییٰ ہشام کے خوف سے مدائن کی طرف چلے گئے۔ ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر ثقفی نے آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے ایک فوج مدائن کی طرف بھیجدی۔ تب آپ وہاں سے رے کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر وہاں سے نیشاپور کی طرف کوچ کر گئے۔ وہاں پہونچے تو وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں میں ٹھہروں لوگ مجھے جگہ دیں گے؟ مگر لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شہر ہے جہاں حضرت علیؑ کا کوئی موافق نہیں ملے گا۔ تب آپ وہاں سے بھی رخصت ہوئے اور سرخس میں جا کر چھ مہینہ تک یزید بن عمر تیمی کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ خلیفہ ہشام مر گیا اور ولید بن یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا۔ اس وقت یوسف بن عمر نے نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ بن زید اس طرف چلے گئے ہیں اور اس وقت حریش کے مکان میں ہیں۔ ان کو گرفتار کر و اور خوب سختی کرو۔ یہ خط پاکر نصر بن سیار نے عقیل کو لکھا کہ حریش کو گرفتار کرو اور اس سے کہو کہ جب تک وہ یحییٰ بن زید کو حوالہ نہیں کرے گا چھوڑا نہیں جائے گا۔ عقیل نے حریش کو بلا کر یحییٰ کا پتا پوچھا۔ اس نے کہا میں کیا جانوں۔ اس پر حریش کو چھ سو کوڑے لگوائے۔ مگر سبحان اللہ حریش نے اس سزا کے بعد

بھی کہا خدا کی قسم اگر یحییٰ بن زید میرے دونوں قدموں کے نیچے بھی چھپے ہوں تو میں اپنے قدم تک نہیں اٹھاؤں گا اور کسی طرح ان کا پتا نہیں لگنے دوں گا۔ تیرے اختیار میں جو ہو کر لے۔ مگر حریش کے بیٹے نے عقیل سے کہا میرے باپ کو قتل نہ کرو۔ وہ نہیں بتاتے تو میں یحییٰ کا پتا بتا دیتا ہوں۔ غرض اس نے ایک مکان کے کمرے کے اندر جو کوٹھری تھی اس کے اندر سے جناب یحییٰ کو گرفتار کرا دیا۔ عقیل نے انھیں نصر بن سیار کے پاس روانہ کر دیا۔ نصر بن سیار نے ان کو اپنے ہاں قید کر کے یوسف بن عمر کو خبر دی۔ اُس نے خلیفہ ولید کو اطلاع دی کہ یحییٰ بن زید گرفتار ہو گئے ہیں۔ ولید نے نصر بن سیار کو لکھ بھیجا کہ یحییٰ کو چھوڑ دو۔ نصر نے چھوڑ دیا تو آپ اس کے پاس سے روانہ ہو کر مقام سرخس میں چلے گئے۔ وہاں کا حاکم عبداللہ بن قیس تھا۔ نصر بن سیار نے اس کو لکھا کہ یحییٰ کو وہاں سے نکال دو اور طوس کے حاکم کو بھی لکھا کہ یحییٰ اُدھر سے گزریں تو چھوڑو نہیں بلکہ بڑے سپہ سالار فوج عمر بن زرارہ کے حوالہ کر دو۔ عبداللہ بن قیس نے آپ کو سرخس سے نکال دیا۔ غرض بیچارے عجیب مصیبت میں تھے کہ بنی امیہ کے کل افسران فوج اور صوبوں کے گورنر ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ بیچارے کو کہیں ٹھہرنے نہیں دیتے۔ جس جگہ پہونچتے وہاں سے نکال دیتے اور گرفتار کر کے دوسری جگہ بھیج دیتے۔

آخر آپ ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور اُس طرف کے سپہ سالار اعظم عمرو بن زرارہ کے مقابلہ پر چلے۔ عمرو بن زرارہ کو یہ خبر ملی تو اُس نے نصر بن سیار کو لکھا۔ نصر بن سیار نے عبداللہ بن قیس اور حسن بن زید کو لکھا کہ جلد اپنی فوجوں کو لے کر عمرو بن زرارہ کے پاس جائیں اور یحییٰ کا مقابلہ کریں۔ غرض ہر طرف سے سرداران فوج اپنا اپنا لشکر لے کر بڑے سپہ سالار عمرو بن زرارہ کے پاس جمع ہو گئے۔ سب کی فوجوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بیچارے یحییٰ بن زید سے جنگ کے لئے دس ہزار فوج جمع ہو گئی ہے۔ ان سب کے مقابلہ پر جناب یحییٰ اس بےکسی سے نکلے کہ آپ کے ساتھ صرف ۷۰ آدمی تھے مگر جناب یحییٰ نے اس عظمت سے جنگ کی کہ خلفائے بنی امیہ کے اس عظیم الشان لشکر کو جس میں دس ہزار سوار و پیادے بھی تھے۔ آلات حرب بھی تھے۔ سامان جنگ بھی کافی تھا غرض پوری شاہی قوت تھی۔ باوجود اپنی فقیری۔ ناداری اور بے سروسامان ہونے کے پوری شکست دے دی۔ سب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کثرت سے خلیفہ کی فوج ماری گئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اُن کی سواری کے بکثرت جانور جناب یحییٰ کے قبضہ میں آئے۔ بقیہ فوج بھاگ گئی اور سب کے سردار عمرو بن زرارہ تک کا سر آپ نے کاٹ لیا۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی۔ (تاریخ طبری جلد ۸ ص ۳۰۰ مطبوعہ مصر)۔ قابل غور یہ امر ہے کہ ایک طرف پوری شہنشاہی صولت و شوکت۔ دولت و قوت تھی۔ خزانے کا منہ کھلا ہوا تھا۔ ہر جگہ رسد کا کافی سامان تھا۔ ہر قسم کے ہتھیار جنگ کی فراوانی تھی۔ سوار و پیادے مضبوط مطلق اور بہت تھے۔ اور دس ہزار کی جماعت تھی جو سب تجربہ کار اور فنون جنگ میں ماہر تھے۔ ان میں متعدد سپہ سالار اور سردار فوج بھی تھے۔ دوسری طرف جناب یحییٰ جو صرف ۱۸ سال کے کمسن جوان تھے اور ان کے ساتھ صرف معمولی ۷۰ آدمی تھے وہ بھی ناتجربہ کار

فنونِ جنگ سے ناواقف اور ان بیچاروں کے پاس کوئی قوت نہیں، کسی قسم کی طاقت نہیں، نہ دولت موجود، نہ رسد کا انتظام، نہ آلاتِ جنگ پر اختیار۔ پھر وہ کون سی قوت تھی جس کی وجہ سے جناب یحییٰ صرف ۷۰ آدمیوں کے ساتھ دس ہزار فوج پر کامیاب ہوگئے اور ایسی زبردست کامیابی کہ سب سے بڑے سردار فوج عمرو بن زرارہ تک کو قتل کر ڈالا۔ ماننا پڑتا ہے کہ کل انسانی فضائل میں خاندان بنی ہاشم دنیا میں بے مثل و نظیر خاندان گزرا ہے جس کا کسی صفت میں کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مگر جناب یحییٰ کو اب بھی اطمینان نہیں ہوا۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور ہرات کی طرف آئے تو سلطنت بنی امیہ کے دوسرے گورنر اور سردار فوج آپ کے دشمن تھے اور ہر مقام پر آپ کو قتل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مقام جوزجان پر پھر سلطنت بنی امیہ کی فوجوں اور جناب یحییٰ سے جنگ ہوئی۔ اور ۱۲۵ھ ہجری میں آپ قتل کیے گئے۔ آپ کا سر کاٹ لیا گیا۔ پھر آپ کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کاٹ کر آپ کے بدن کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور آپ کے تمام لباس لوٹ لئے گئے۔ جب آپ کے قتل ہونے کی خبر ولید کو ملی تو اُس نے اپنے نائب یوسف بن عمر کو لکھا کہ عراق کے اس بچھڑے (جناب یحییٰ) کی لاش کو سولی پر سے اُتار کر جلا دو۔ پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دو۔ یوسف نے آپ کی نعش سولی پر سے اُتار کر آگ میں جلائی۔ پھر اس کو ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا۔ پھر اس کو ایک تھیلے میں بھر کر ایک کشتی میں رکھوایا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ دریائے فرات میں کشتی کو گھماتے پھرو اور ایک ایک مٹھی راکھ اس میں سے نکال کر ہر طرف دریا میں پھینکتے جاؤ۔ چنانچہ اس کی پوری تعمیل کی گئی (تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۳۰۱)

جناب عیسیٰ بن زید

آپ بھی جناب زید کے صاحبزادے اور بڑے بہادر تھے۔ آپ کو مُوتم الاشبال (شیر کے بچوں کا یتیم کرنے والا) بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ایک شیرنی کو جس کے کئی بچے تھے مار ڈالا اور اس کے بچوں کو یتیم کر دیا تھا۔ آپ خلفاء جور کے خوف سے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے۔ ایسے عبادت گذار تھے کہ پیشانی پر سجدے کا گھٹا پڑا ہوا تھا۔ جب چلتے ہر قدم پر خدا کی تکبیر، تسبیح، تہلیل، تقدیس کرتے جاتے۔ خلفاء زمانہ اس درجہ آپ اور آپ کے لوگوں کے خون کے پیاسے تھے کہ آپ اپنا نام و نسب بھی ظاہر کرنے کا موقع نہیں پاتے تھے۔ کوفہ میں پانی کھینچنے کا کام اختیار کر لیا تھا اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی مگر وہ عورت یا اسکے خاندان والے تک نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں کس خاندان سے ہیں اور کس عزت و شرف پر فائز ہیں۔ اس عورت سے آپ کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی مگر آپ اُس وقت تک بھی اپنی بی بی یا بیٹی سے یہ ظاہر نہ کر سکے کہ آپ کون ہیں۔ اُس وقت آپ ایک خاندانی ذلیل اور کم نسب مگر دنیوی اعتبار سے مالدار اور خوش حال حبشی کے ہاں ملازم تھے کہ معمولی تنخواہ پاتے اور کسی طرح زندگی کے دن کاٹتے۔ اس حبشی کا ایک لڑکا تھا جو جوان ہوا تو اس حبشی اور اسکی بیوی نے رائے کی کہ اسی مزدور (جناب عیسیٰ) کی لڑکی سے اسکی شادی کی جائے کیونکہ دونوں نے دیکھا تھا کہ جناب عیسیٰ اپنی صلاح و عبادت و تقویٰ وغیرہ صفات میں ممتاز ہیں۔ مگر وہ دونوں بھی جناب عیسیٰ کو پہچانتے نہیں تھے۔ سمجھتے تھے کہ کوئی معمولی

مزدور ہے۔ غرض دونوں نے اپنی خواہش جناب عیسیٰ کی عورت سے بیان کر دی۔ وہ تو اس پر خوشی سے پھولی نہیں سمائی (خیال کیا کہ میری لڑکی کیسی خوش قسمت ہے جس کی شادی میرے مالک کے لڑکے سے ہوگی) جب جناب عیسیٰ گھر پر آئے تو اس عورت نے ان سے بھی کہا کہ لو بیٹی کی تقدیر چمک گئی ہم لوگوں کی عزت کس درجہ بڑھ گئی کہ جس مالک کے ہاں تم نوکر ہو اُس نے اپنے لڑکے سے تمھاری لڑکی کا پیغام دیا ہے۔ جناب عیسیٰ نے سُنا تو دل میں غیرت سے گڑ گئے (کہ ہائے آج خاندان رسول کی مصیبت اور ذلت اس درجہ کو پہونچ گئی کہ میری بیٹی کی شادی اس بھشتی کے لڑکے سے مقرر ہوتی ہے) مگر اُس عورت سے کیا کہہ سکتے تھے۔ چُپ رہے لیکن تنہائی میں خدا سے دعا کی کہ اے اللہ میری بیٹی کو تو دُنیا سے اُٹھا لے تاکہ یہ اس بھشتی کے لڑکے سے نہ بیاہی جائے اور میں رسول خدا صلعم کی اس پارۂ جگر کو اس طرح ذلیل کر کے رسول خدا سے شرمندہ نہ ہوں۔ انکی دعا فوراً مقبول ہوئی۔ اُسی روز وہ لڑکی مرگئی اور اس ذلیل نسبت سے بچ گئی۔ جب وہ مرگئی تو جناب عیسیٰ بہت روئے بہت حزن وملال کیا اور بہت بے چین رہے۔ آپ کے بعض راز دار احباب جو وہاں موجود تھے جو آپ کے نام ونسب اور اصلی حالت سے باخبر تھے۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم اگر ہم سے کوئی پوچھتا کہ زمین پر سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو تمھارے سوائے کسی کا نام نہیں لیتے مگر تمھاری یہ حالت ہے کہ ایک لڑکی کے مرنے پر اس درجہ روتے ہو۔ جناب عیسیٰ نے کہا خدا کی قسم میں اس پر جزع کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس افسوس کی وجہ سے روتا ہوں کہ وہ مرگئی مگر یہ تک نہ جان سکی کہ وہ حضرت رسول خدا صلعم کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ آپ نے یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اپنے کو اپنی بی بی اور بچی سے بھی چھپائے ہوئے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں آپ کا راز فاش نہ ہو جائے۔ اور سلطنت کے لوگ واقف ہو کر آپ کو گرفتار نہ کر لے جائیں۔ آپ نے اسی گمنامی میں حج بھی کیا۔ اس سفر میں سفیان ثوری بھی تھے ایک جگہ سفیان ثوری کو معلوم ہو گیا کہ آپ عیسیٰ بن زید ہیں۔ تو انھوں نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں آپ کو بٹھایا اور خود آپکے سامنے مثل شاگرد کے بیٹھے۔ (عمدۃ المطالب ص۲۷۶)

محمد بن زید

جناب زید کے ایک اور صاحبزادے محمد کا اپنے دشمن زادے پر ایسا عظیم الشان احسان کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کی مثال بھی دنیا میں نہیں ملتی۔ خلیفہ ہشام نے آپ کے والد جناب زید کو جس ظلم سے شہید کیا اوپر بیان کیا گیا۔ پس جناب محمد کو ہشام کی اولاد سے جو فطری دشمنی ہوتی وہ محتاج بیان نہیں ہے مگر انھوں نے کیا کیا۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوگا۔ بنی عباس نے خاندان بنی امیہ کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا اور شاذ ونادر کوئی بچ سکا مگر خلفاء بنی عباس پھر بھی ان کی فکر میں لگے رہے۔ اسی خاندان بنی عباس کا خلیفہ منصور دوانیقی حج کرنے گیا تو اُس کے پاس ایک نہایت قیمتی ہیرا فروخت کے لئے لایا گیا۔ منصور نے اس ہیرے کو پہچان لیا اور کہا یہ تو بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کا ہے جو اس کے بیٹے محمد کے پاس ہوگا اور اُسی نے کسی ذریعے سے اس کو بیچنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور بنی امیہ سے اُس کے سوائے کوئی شخص بچا بھی نہیں ہے۔ ہو نہ ہو محمد بن ہشام یہاں حج

کرنے آیا ہے۔ اب اس کو بھی کسی طرح گرفتار کر کے قتل کرنا چاہیئے۔ یہ طے کر کے اُس نے اپنے غلام ربیع سے مخفی طور پر کہا کہ کل جب میں مسجد حرام میں لوگوں کو نماز صبح پڑھا کر فارغ ہوں اور سب لوگ وہاں موجود رہیں تو تم کل دروازوں کو بند کر دینا اور ہر دروازے پر کسی معتبر شخص کو مقرر کر دینا کہ کسی دروازے سے کوئی شخص باہر نہ نکلنے پائے۔ اس کے بعد صرف ایک دروازہ کھول کر وہاں کھڑے ہو جانا اور ایک ایک شخص کو پہچان کر اس میں سے باہر جانے دینا۔ اس طرح جب محمد بن ہشام باہر نکلنے لگے تو اُس کو پکڑ کر میرے پاس لانا۔ یہ رائے طے پا گئی۔۔ اسی کے مطابق صبح کو ربیع مسجد حرام پر کھڑا ہو گیا اور سب دروازے بند کر کے ایک دروازے سے ہر شخص کو پہچان کر باہر نکالنے لگا۔ اُس وقت مسجد میں خلیفہ ہشام کا بیٹا محمد بھی تھا جس کی گرفتاری کے لیئے منصور نے یہ چال اختیار کی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو میرے قتل ہی کے لیئے یہ سامان کیا گیا ہے۔ اب تو وہ نہایت پریشان ہوا کہ کیا کرے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بیچارہ موت کا یقین کر کے نہایت شکستہ دل مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسی تردد و اضطراب میں تھا کہ دفعۃً وہاں محمد بن زید پہونچے۔ آپ نے محمد بن ہشام کو اس سراسیمگی کی حالت میں دیکھا تو بہت افسوس ہوا۔ اس کو پہچانتے نہیں تھے مگر اسکی مصیبت زدہ صورت دیکھکر آپ کو رحم آگیا۔ اسکے پاس گئے اور نہایت مہربانی سے پوچھا کیوں بھائی! اس درجہ پریشان کیوں ہو؟ اُس نے کہا نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تو کیا بات ہے اطمینان رکھو تم کو ہر طرح امان ہی ہے۔ اُس کو آپکے وعدہ پر اطمینان ہو گیا تو کہا میں خلیفہ ہشام کا بیٹا ہوں اب آپ بتائیں کون ہیں؟ فرمایا میں محمد بن زید بن امام زین العابدینؑ ہوں۔ یہ سننا تھا کہ محمد بن ہشام کا دل اور زیادہ دھڑکنے لگا۔ اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس کو موت کا یقین ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسکے باپ خلیفہ ہشام نے جناب محمد کے والد جناب زید کو کس ظلم سے شہید کیا تھا جناب محمد ابن زید بھی اسکے اس انتشار کو سمجھ گئے تو اس کو تسکین دینے کے لیئے کہا تم ڈرو نہیں۔ میرے باپ اور دادا کو تم نے قتل نہیں کیا تھا جسکی وجہ سے میں تمہارا دشمن بن جاؤں اور میں اُن لوگوں کے خون کا عوض تم سے نہیں لوں گا بلکہ میں کوشش کرتا ہوں کہ تم کسی طرح بچ جاؤ اور اپنے دشمن (خلیفہ منصور دوانیقی) کے پنجے سے نکل جاؤ۔ البتہ تمہاری جان بچانے کے لیئے میں تمہارے ساتھ جو برتاؤ کروں اُس کو معاف کرنا کیونکہ بغیر اسکے تم بچ نہیں سکتے۔ اُس بیچارے کی تو جان پر آ پڑی تھی۔ کہا آپ جو چاہیں کریں مجھے کسی بات میں عذر نہیں ہوگا۔ تب آپنے اپنی ردا اُسکے چہرے پر ڈال دی۔ جس سے اس کا سر اور منہ چھپ گیا۔ پھر اس کو کھینچتے اور گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر لے چلے۔ جب منصور کے دربان ربیع کے پاس پہونچے اور ربیع نے ان دونوں کو دیکھا تو جناب محمد بن زید ربیع کو دکھانے کے لیئے محمد بن ہشام پر طمانچے مارتے ہوئے اُس کو ربیع کے پاس لائے اور کہا اے ابوالفضل یہ خبیث کوفہ کا ایک شتربان ہے۔ اُس نے مجھ سے معاملہ کیا تھا کہ مجھے سواری کا اونٹ دے گا۔ مگر جب میں نے اسکو پورا کرایہ دے دیا تو یہ بھاگ گیا اور وہ اونٹ خراسان کے دوسرے لوگوں کو دے دیا۔ اب

میں تم سے اتنی مدد چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو میرے ساتھ کرو جو ہم دونوں کو قاضی کے پاس پہونچا دے اور اس کے اونٹوں کو روک دے کہ یہ خراسانیوں کو نہ لے جانے پائے۔ ربیع نے دو شخص آپ کے حوالے کئے اور کہا ان لوگوں کو قاضی تک پہونچا آؤ۔ اُس وقت بھی جناب محمد بن زید اسی طرح محمد بن ہشام کو پکڑے ہوئے تھے اور وہ اسی طرح اپنا منھ چھپائے ہوئے تھا۔ غرض اس تدبیر سے سب مسجد سے باہر نکل گئے۔ جب ربیع کے پاس سے یہ لوگ دور ہوگئے تو محمد بن ہشام سے محمد بن زید نے کہا ارے کمبخت تو کیوں شرارت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ اب بھی وعدہ کر کہ مجھے اونٹ دے دے گا تو میں تجھ کو چھوڑ دوں۔ اس پر وہ بولا اے فرزند رسول میں حق کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ کا مال میں نے لیا اور لے کر بھاگ گیا تھا۔ اب توبہ کرتا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ضرور اونٹ دوں گا۔ تب جناب محمد بن زید نے ان دونوں آدمیوں سے (جنھیں ربیع نے ان کے ساتھ کر دیا تھا) کہا کہ آپ یہ شتربان میرے حق کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کے ہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم لوگ بھی واپس جاؤ اور غرض وہ دونوں واپس گئے جب وہ دور نکل گئے تو جناب محمد بن زید نے محمد بن ہشام سے کہا لو بھائی اب جہاں تمھارا دل چاہے چلے جاؤ اس پر محمد بن ہشام بڑھ کر جناب محمد بن زید کا ہاتھ اور سر چومنے لگا اور بول اُٹھا اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ خدا جس خاندان میں اپنی رسالت قرار دیتا ہے اُسکی عظمت و جلالت کو وہی سب سے بہتر جانتا ہے (پ ۸ ع ۲) سلہ پھر ایک قیمتی ہیرا نکال کر کہا اے فرزند رسول آپ کو خدا کی قسم اس ہیرے کو قبول فرما کر مجھے شرف عطا فرمایئے۔ مگر جناب محمد بن زید نے کہا بھائی تم اپنی پونجی اپنے پاس رکھو۔ فنحن اهل بیت لا نقبل علی اصطناع المعروف مکافاۃ کیونکہ ہم اہلبیت کسی کے ساتھ بھلائی کرکے اس کا معاوضہ نہیں لیتے۔ دیکھو تم خوب ہوشیار ہو اور اپنے کو اس شخص (منصور دوانیقی) سے اچھی طرح بچاؤ کہ وہ ہاتھ دھو کر تمھارے پیچھے پڑا ہے (کتاب الاتحاف از علامہ شبراوی شافعی مطبوعہ مصر سنہ۹) محمد بن ہشام نے اس طرح اُن بزرگ کی وجہ سے دوبارہ زندگی پائی جن کے والد کو اس کے باپ

سلہ واقعہ مذکورہ سے جہاں جناب محمد بن زید کی انتہا درجہ کی رحمدلی اور بے نفسی ثابت ہوتی ہے وہاں بعض باتیں ظاہر بینوں کو قابل اعتراض بھی نظر آئیں گی کہ آپ نے اُس کے بچانے کے لیے منصور دوانیقی کو دھوکا دیا۔ اُس کے دربان ربیع کو فریب میں مبتلا کیا۔ سر سے پا تک جھوٹ کا انبار لگا دیا۔ یہ اُن کے لئے کب زیبا تھا۔ لیکن سمجھنا چاہیئے کہ کسی بے خطا شخص پر کوئی شخص ظلم کرے اور بغیر اس قسم کی تدبیریں کیے ہوئے وہ مظلوم ان مظالم سے نہ بچ سکے تو خلاف واقع بات کا جاری کر دینا کیا عقلاً بُرا ہو سکتا ہے؟ جھوٹ اگر بیان حقیقت کی غرض سے ہو تو عبث دوسرے کو گمراہ کرنا کہلائے گا اور اگر مصلحت آمیز یا اصلاح بین الناس یا نجات مظلوم کے لیے ہو تو ممدوح ہے بلکہ جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا تو عقلاً اور شرعاً واجب ہے۔ محمد بن ہشام اُس وقت بے خطا تھا اور منصور دوانیقی اُس کو صرف اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا کہ وہ خاندان بنی اُمیہ سے ہے۔ جو صرف سیاسی اور دنیوی سبب تھا۔ اُس نے خود کوئی فعل ایسا نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مجرم کہ

نے کس ظلم سے شہید کیا تھا اور جن کی نعش کے ساتھ بھی حد درجہ کی درندگی برتی تھی۔ سبحان اللہ ایسے اخلاق کے نمونے بھی دنیا میں گزرے ہیں مگر وہ سب صرف خاندان بنی ہاشم ہی میں تھے۔ دوسری جگہ نہیں مل سکتے۔

جناب مختار علیہ الرحمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کا حال بھی کچھ لکھ دیا جائے کیونکہ آپ کے کارنامے حضرت امام زین العابدینؑ ہی کے زمانہ میں ہوئے آپ کے والد کا نام ابو عبیدہ ثقفی تھا۔ کوفہ میں رہتے تھے جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے تو مختار علیہ الرحمہ نے ان کو اپنے گھر پر ٹھہرا کر آپ کی پوری مہمانداری اور خدمت کی تھی۔ جب جناب مسلم اُن کے گھر سے ہانی بن عروہ کے گھر میں چلے گئے تو مختار کوفہ کے قریب ایک دیہات میں چلے گئے تھے۔ اور اس واقعہ کے بعد حضرات اہلبیت علیہم السلام کی محبت کے جرم میں ابن زیاد نے آپ کو بھی قید کر لیا تھا۔ بہت دنوں کے بعد بعض دوستوں کی سفارش پر ابن زیاد نے آپ کو قید سے چھوڑا۔ آپ قید سے رہا ہوئے تو قسم کھائی کہ امام حسینؑ کے خون کے عوض معاویہ اور یزید کے ہوا خواہوں سے اتنے لوگوں کو قتل کریں گے کہ اُن کی تعداد بے حساب ہوگی۔ مختصر یہ کہ ۶۵ھ ہجری (۶۸۴ء) میں جناب مختار بن ابو عبیدہ ثقفی علیہ الرحمہ نے خون امام حسینؑ کا قصاص لینے کے لئے خروج کیا اور ایک بڑی جماعت نے آپ کا ساتھ دیا یہاں تک کہ کوفہ پر مختار علیہ الرحمہ کا پورا تسلط و قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے آپکی بیعت کتاب و سنت کی پیروی اور خون امام حسینؑ کا انتقام لینے پر کی اور مختار علیہ الرحمہ نے اپنے کام کو بعض قاتلین امام حسینؑ سے جہاد کرنے تک محدود رکھا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن پر قابو حاصل کر کے اس کو قتل کیا۔ پھر خولی کو گرفتار کرنے کے لئے فوج بھیجی جس نے اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ پھر اس کو قتل کر کے اس کو آگ میں جلا دیا۔ پھر یزید کے سردار لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو قتل کیا جس کے حکم سے امام حسینؑ کی نعش مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی گئی تھی۔ اس کے ساتھ اسکے لڑکے حفص کو بھی قتل کر ڈالا (ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۰) غرض مختار علیہ الرحمہ نے عمر بن سعد حفص بن عمر بن سعد اور شمر کو مع دوسرے اشقیاء کے بانواع عقوبات قتل کیا۔ خاص کر شمر کو جو امام حسینؑ پر ظلم کرنے میں امتیازی شان رکھتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶)

اس کو قتل کرنا جائز ہوتا ہیں منصور اس معاملہ میں یقیناً ظالم اور محمد بن ہشام مظلوم تھا اور ہر ایسے بے قصور شخص کو ظالم کے شکنجے سے بچانا عقل کا حکم بھی ہے اور ہر زمانہ کے انصاف پسند حضرات کا فیصلہ بھی۔ قرآن مجید میں بھی ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولا گیا اور خدا نے اس کو پسند کیا۔ بلکہ قرآن مجید میں اس کی اجازت بھی دی ہے۔ فرمایا ہے الا ان تتقوا منھم تقاۃ مگر جھوٹ بول کر ان کے شر سے بچنا یا کسی کو بچانا ہو تو جائز ہے۔ (پ ۳ ع ۱۱) ۱۲ مؤلف

شدید عقوبت سے مارا اور اُس کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اس لیے کہ اسی شمر نے امام حسینؑ کی نعش کو پامال کرایا تھا (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۱۶) پھر محرم سنہ ۶۷ ہجری (سنہ ۶۸۶ء) میں مختار علیہ الرحمہ نے ایک لشکر عبیداللہ بن زیاد سے قتال کرنے کو بجانب موصل روانہ کیا جہاں کا وہ گورنر تھا۔ اس لشکر کا مقدمۃ الجیش جناب مالک اشتر کے صاحبزادے ابراہیم کو مقرر کیا۔ عبیداللہ ابن زیاد اور لشکر مختار علیہ الرحمہ میں سخت جنگ ہوئی۔ آخرکار ابن زیاد کے لوگ بھاگ نکلے۔ ابن زیاد پکڑا گیا اور ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھ سے وہ قتل کیا گیا۔ ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر دوسروں کے ساتھ مختار علیہ الرحمہ کے پاس روانہ کیا اور ابن زیاد کے باقی بدن کو آگ میں جلا دیا (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۵) پھر مختار کے حکم سے قیس بن اشعث کی گردن ماردی گئی اور بجدل بن سلیم کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے جس نے ایک انگوٹھی کے لالچ میں حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ پھر مختار کے حکم سے حکیم بن طفیل پر تیر بارانی کی گئی اور یزید بن سالک و عمران بن خالد و عبداللہ بجلی و عبداللہ بن قیس و زرعہ بن شریک و صبیح شامی و سنان بن انس وغیرہ قتل کیے گئے (حبیب السیر) من جملہ قاتلان امام حسینؑ عمر بن الحجاج بھی تھا وہ بھی مختار علیہ الرحمہ کے حکم سے گرفتار کر کے قتل کیا گیا (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۶۳) منہال بن عمر کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ معظمہ حج کے لیے گیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ پہونچا اور امام زین العابدینؑ کی قدمبوسی سے مشرف ہوا تو حضرتؑ نے مجھ سے پوچھا کہ حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا حال ہے (اسی شقی نے تیر مار کر جناب علی اصغرؑ کو شہید کیا تھا) میں نے عرض کی میں اس کو کوفہ میں زندہ چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سنکر حضرتؑ نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ بلند کر دیے اور فرمایا اللھم اذقہ حر الحدید اللھم اذقہ حر النار۔ اے خدا تو اس کو گرمی تیغ کا مزہ چکھا۔ اے اللہ تو اس کو آتش جہنم کا مزہ چکھا۔ جب میں کوفہ میں لوٹ کر آیا تو معلوم ہوا کہ ان دنوں مختار نے خروج کیا ہے۔ چونکہ مجھ سے اور مختار سے پہلے کی دوستی تھی میں ایک روز سوار ہو کر اُن کی ملاقات کو جا رہا تھا جب اُن کے مکان کے قریب پہونچا تو وہ کہیں کے قصد سے سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک مقام پر پہونچکر وہ ٹھہر گئے اور کسی کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو گرفتار کر کے لائے۔ مختار نے اُس کو دیکھ کر کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو تجھ پر غلبہ عطا فرمایا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ فوراً حرملہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو آگ میں جلا دیں چنانچہ جلاد نے اسی وقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پھر لکڑیوں کے انبار میں ڈال کر جلا دیا (منہال کا بیان ہے کہ) جب میں نے یہ حال دیکھا تو بے اختیار سبحان اللہ کہنے لگا۔ مختار نے تعجب سے میرے سبحان اللہ کہنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے حضرت امام زین العابدینؑ کی ملاقات اور حضرتؑ کی دعا کا مفصل قصہ بیان کیا۔ مختار نے قسم دیکر مجھ سے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا واقعی تم نے امام زین العابدینؑ کی زبان مبارک سے یہ دعا سنی تھی؟ میں نے کہا کیا میں اس امر میں امام پر جھوٹ بول سکتا ہوں؟ یہ سنکر مختار گھوڑے سے اتر پڑے اور دو رکعت نماز پڑھکر سجدہ شکر ادا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر واپسی کا اُنھوں نے

ارادہ کیا تو راستے میں میرا گھر پڑتا تھا جب وہ میرے مکان کے قریب پہونچے تو میں نے اُن سے کہا آج آپ میری دعوت قبول کریں اور یہیں کھانا کھائیں۔ مختار نے کہا اے منہال آج تم نے مجھ سے امام کی دعا کا واقعہ بیان کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج وہ دعا میرے ہاتھوں سے پوری ہوئی مجھ کو چاہیئے کہ آج اس نعمت کے شکریہ میں تمام دن روزہ رکھوں یہ کہکر مختار مجھ سے رخصت ہوگئے (روضۃ الاحباب و شواہد النبوت رکن ۶ صفحہ ۱۸۱) مختار علیہ الرحمہ نے چن چن کر قاتلان امام حسینؑ و قاتلان شہداء کربلا کو گرفتار کرکے قتل کیا منجملہ ان سب کے مُرّہ بن منقذ بھی تھا جس نے حضرت علی اکبرؑ کو قتل کیا تھا۔ مختار نے لوگوں کو اسکی گرفتاری کے لیئے بھیجا۔ اُنھوں نے جاکر اسکے مکان کا محاصرہ کرلیا اس پر ابن منقذ گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لیئے ہوئے باہر نکلا اور ان لوگوں سے نیزہ بازی کرنے لگا مگر اُن کے حملہ کی تاب نہ لاسکا اور بچ کر بصرہ بھاگ گیا جہاں مصعب بن زبیر کے پاس پناہ گزیں ہوگیا۔ پھر مختار علیہ الرحمہ نے اپنے سپاہی محمد بن اشعث کے پکڑنے کو بھیجے جو ایک گاوں میں تھا لیکن وہ بھی نہ ملا بلکہ مصعب بن زبیر کے پاس بھاگ گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے اس محمد بن اشعث کو موصل کا حاکم مقرر کردیا تھا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۴۴) غرض مختار علیہ الرحمہ نے قاتلان امام حسینؑ کا انتقام لینے میں وہ کارہائے نمایاں کیئے جو قیامت تک چمکتے رہیں گے۔ آپ نے جس وقت ابن زیاد کا سر جو ابراہیم بن مالک اشتر نے کاٹ کر آپکے پاس بھیجا تھا دیکھا تو فوراً اس خوشی کی اطلاع حضرت امام زین العابدینؑ کو دی بلکہ ابن زیاد کا سر ہی حضرتؑ کے پاس بھیجدیا جبکہ سر مدینہ میں امام زین العابدینؑ کے پاس پہونچا تو وہ وہ پھر کو پہونچا جب آپ کھانا نوش فرماتے تھے۔ (عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۵۱) مگر اپنی غرض و غایت حاصل کرنیکے بعد خون حسینؑ انتقام لینے والے متفرق ہوتے گئے اور مختار کی جماعت گھٹتی گئی۔ اس وقت مصعب بن زبیر نے جو اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا جناب مختار کے ساتھیوں سے لڑتا اور ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مگر جناب مختار کی جنگ نے بہت طول کھینچا۔ بڑا کشت و خون ہوا۔ آخر مختار علیہ الرحمہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ماہ رمضان ۶۷ھ (۶۸۶ء) میں مارے گئے اور عراق عرب و جزیرہ دونوں صوبوں میں جہاں مختار علیہ الرحمہ نے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر کی خلافت مان لی گئی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۱۶) قاضی میبذی نے شرح دیوان مرتضوی میں لکھا ہے کہ جو لوگ جناب مختار علیہ الرحمہ کے ہاتھ سے قتل کیئے گئے ان کی تعداد اسی ہزار تین سو تین (۸۰۳۰۳) تھی۔ مختار علیہ الرحمہ نے تھوڑی مدت میں ایسی کامیابی حاصل کی کہ آپکے نام کا خطبہ اور سکہ کوفہ بصرہ سے لے کر خراسان و نہاوند و حدود اصفہان و آذربائیجان تک پڑھا گیا۔ (مجالس المومنین مجلس ۵) بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب مختار علیہ الرحمہ کے فرزند ابو الحکم حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے تو حضرتؑ نے اُن کو اس درجہ اپنے قریب بٹھایا کہ گویا گود میں جگہ دیدی۔

لہ جب ابن زیاد کا سر مختار رحمہ کے قصر میں لایا گیا تو ایک سانپ آتا اور اس کے منہ میں گھس کر اس کی ناک سے نکل جاتا تھا اسی طرح وہ سانپ دیر تک کرتا رہا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۱۴)

حضرت اہلبیتؑ کی مخدرات عصمت و طہارت نے امام حسینؑ کے غم میں سرمہ لگانا اپنے سر کا جھاڑنا اور اور اس میں کنگھی کرنی چھوڑ دی تھی اور خضاب لگانا بھی موقوف کر رکھا تھا مگر جب مختار علیہ الرحمہ نے امام حسینؑ کے قاتلوں کے سر مدینہ میں بھیجے ہیں تو ان عورتوں نے کنگھی اور خضاب وغیرہ کرنا شروع کیا (مجالس المومنین مجلس ۸ م) انتقال کے وقت جناب مختارؒ کی عمر ۶۷ سال کی تھی

پانچواں باب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(آپ حضرت رسول خدا صلعم کے پانچویں خلیفہ مسلمانوں کے امام پنجم۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ۱ رجب ۵۷ھ ہجری (۶۷۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۲۵ محرم ۹۵ ہجری کو مسلمانوں کے امام ہوئے اور ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری (مطابق ۷۳۲ء) میں بمقام مدینہ منورہ زہر سے وفات پائی۔ اس طرح حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساڑھے تین سال اور اپنے والد ماجد کے ساتھ ۳۸ سال زندہ رہے اور ۵۷ سال کی عمر پائی)

حضرتؑ کے والدین

حضرتؑ کے والد امام زین العابدینؑ اور والدہ جناب ام عبداللہ فاطمہؑ دختر امام حسن علیہ السلام تھیں۔ آپ وہ ہاشمی ہیں جن کے والد بھی ہاشمی اور ماں بھی ہاشمیہ تھیں۔ اور وہ فاطمی ہیں جن کے پدر بزرگوار بھی جناب سیدہ کے پوتے اور جن کی ماں بھی جناب سیدہ کی پوتی تھیں۔ یہ شرف دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (واقعہ کربلا میں بھی آپ تھے مگر خدا نے آپ کو محفوظ رکھا کہ امام ہونے والے تھے)

حضرتؑ کا نام و القاب

آپ کا اسم گرامی محمد تھا۔ اور القاب باقر، شاکر، ہادی وغیرہ اور کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ وہ خوش قسمت بزرگ ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کی پیدائش سے بہت پہلے آپ کے صفات کا ذکر کیا اور آپ کو سلام کہلایا تھا۔ چنانچہ حضرتؐ کے مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضرت رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ آں حضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلعم نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ اے جابر اس حسینؑ کا ایک فرزند ہوگا علی۔ جب روز قیامت منادی ندا کرے گا کہ

سید العابدین تو میرا وہ فرزند اُٹھے گا۔ اور اُس کا ایک فرزند ہوگا محمد۔ اے جابر جب تم اُن سے ملنا تو اُن کو میرا سلام کہنا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) چنانچہ جابر نے ایسا ہی کیا۔ خود امام محمد باقر فرماتے تھے کہ ایک دن جابر بن عبد اللہ انصاری نے میرے پاس آ کر کہا کہ اپنا سینہ کھولیے۔ میں نے کھول دیا۔ تو انھوں نے میرے سینے پر بوسہ دیکر کہا کہ رسول اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۳ صفحہ ۹۶) زیادہ تفصیل یہ ہے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے تھے ایک روز جابر بن عبد اللہ انصاری کا گزر میرے پاس سے ہوا جب کہ وہ نابینا ہو گئے تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا محمد بن علی ابن الحسینؑ۔ جابر نے مجھے اپنے نزدیک بلا کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں کو بھی بوسہ دیں تو میں اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ جناب رسالت مآب صلعم نے آپ کو سلام کہا ہے۔ میں نے کہا حضرت رسول خدا صلعم پر اور آپ پر بھی میرا سلام اور خدا کی رحمت و برکات ہوں۔ پھر میں نے جابر سے اسکی تفصیل دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ ایک دن میں خدمت میں حاضر تھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے جابر شاید تم اُس وقت تک زندہ رہو کہ میرے ایک فرزند کو دیکھو جس کا نام محمد (باقر) ہوگا خدا اُن کو نور و حکمت عطا فرمائے گا جب تم اُن سے ملنا تو میرا سلام کہنا (روضۃ الاحباب وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۴۳) ایک اور روایت اس طرح ہے زبیر بن محمد بیان کرتا تھا کہ ہم لوگ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو وہاں حضرت امام زین العابدینؑ بھی آ گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے محمد باقر بھی تھے وہاں پہنچکر حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جاکر اپنے چچا جابر کے سر پر بوسہ دو۔ وہ بڑھے اور بوسہ دیا تو جابر نے جن کی آنکھ جاتی رہی تھی۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا میرے بیٹے محمد ہیں۔ اس پر جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگا کر کہا اے محمد آپ کے پدر بزرگوار حضرت رسول خدا آپ کو سلام کہتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیونکر۔ کہا میں آنحضرتؐ کے پاس تھا اور امام حسینؑ حضرتؐ کی گود میں تھے تو حضرتؐ نے فرمایا اے جابر میرے اس فرزند کے ایک بیٹے علی ہوں گے جب قیامت کے روز منادی ندا کرے گا کہ سید الساجدین کھڑے ہو جائیں تو وہی علی بن الحسین کھڑے ہو جائیں گے۔ اُن علی بن الحسینؑ کے ایک بیٹے (محمد) (باقر) ہوں گے۔ اے جابر تم اُن سے ملنا تو میرا سلام کہنا (نور الابصار صفحہ ۱۳۱)۔ ایک اور روایت اس طرح ہے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ مدینہ میں اصحاب رسول صلعم سے جو لوگ باقی رہ گئے تھے اُن سب کے آخر جابر بن عبد اللہ انصاری تھے۔ وہ ہم اہلبیتؑ سے تمسک رکھتے اور آخر میں مسجد رسولؐ میں سیاہ عمامہ باندھے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم (اے علوم کے پھیلانے والے۔ اے معارف کے ظاہر کرنے والے) پکارا کرتے۔ اہل مدینہ یہ سنکر کہتے کہ جابر کیا ہذیانات بکتے ہیں جسکا آپ وہ دیتے کہ خدا کی قسم میں لغو نہیں بکتا بلکہ مجھ سے حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا انک ستدرک رجلا من اہل بیتی اسمہ اسمی و شمائلہ شمائلی یبقر العلم بقراً تم میرے اہلبیتؑ کے ایک فرزند سے ملو گے جس کا نام میرا نام اور جس کی صفات میری صفات ہوں گی وہ علوم و معارف کو خوب اچھی طرح پھیلا دے گا۔ اسی سبب سے میں اس باقر علوم کو پکارا کرتا ہوں۔ اسی انتظار میں جابر ایک دفعہ

مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعتہً ایک مکان میں حضرت محمد (باقرؑ) کو دیکھا اور حلیہ جناب رسالتمآب صلعم سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے! ذرا میری طرف رُخ تو کیجئے۔ حضرتؑ نے اُنکی طرف مُنہ کیا۔ پھر کہا اچھا اب ذرا اِدھر پشت کیجئے۔ حضرتؑ پیچھے پھر گئے۔ جب جابر نے مہرِ پشت اچھی طرح دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہو یہ رسالت مآب صلعم ہیں۔ صاحبزادے! آپ کا اسم گرامی؟ فرمایا میں محمد بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ یہ سنکر جابر دوڑ پڑے اور حضرتؑ کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ حضرتؐ کا سلام آپکو پہونچاؤں۔ اس کے بعد جابر نے عادت کر لی کہ ہر روز بلا ناغہ صبح و شام حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے جس پر اہل مدینہ تعجب سے مضحکہ کرتے کہ جابر کو کیا ہو گیا ہے جو اس بچے کے پاس اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں مگر خدا کی قسم جابر حضرت امام باقرؑ کے پاس جاکر حضرتؑ سے برابر علوم حاصل کیا کرتے تھے۔ اور ہر وقت حضرت محمد باقرؑ سے یہی جابر نے کہا تھا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بروز قیامت شفاعت کی ضمانت آپ فرمالیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا ہاں میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۷ و ۲۹) ایک اور روایت اس طرح ہے جابر بن عبد اللہ آخر عمر میں ضعیف ہو گئے تو امام محمد باقرؑ اُن کی عیادت کو تشریف لے گئے اور مزاج پوچھا۔ جابر نے کہا میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے اچھی۔ بیماری کو صحت سے عمدہ اور مرنے کو زندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ سنکر حضرتؑ نے فرمایا اے جابر لیکن ہماری یہ حالت ہے اگر خدا ہمیں پیر کرے تو پیری کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور اگر جوان کرے تو جوانی کو اور اگر بیمار کرے تو بیماری کو اور اگر شفا عطا فرمائے تو شفا ہی کو اور اگر موت دے تو موت کو اور زندہ رکھے تو زندگی ہی کو پسند کریں۔ بغرض جس حالت میں خدا ہمیں رکھے اُسی کو اپنے لیئے سب سے بہتر، مناسب اور نفع بخش سمجھیں گے۔ جابر نے یہ سنا تو فرط مسرت سے اُٹھے اور حضرتؑ کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہا حضرت رسولخدا صلعم نے سچ فرمایا تھا ستدرک ولدا من اولادی اسمہ اسمی یبقر العلم بقرا کما یبقر الثور الارض۔ اے جابر تم میرے ایک ایسے فرزند سے ملوگے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کردیگا جس طرح بیل زمین کو زراعت کے لئے شگافتہ کرتا ہے۔ (مجالس المومنین صفحہ ۱۱۱)

حضرتؑ کے علمی فیوض حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ واقعاً آپ نے علوم و معارف حقہ کو اچھی طرح شائع کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکی سچ لکھتے ہیں:

ابو جعفر محمد الباقر سمی بذلک من بقر الارض ای شقها و اثار مخبآتها ومکامنها فلذلک هو اظهر من مخبآت کنوز المعارف وحقائق الاحکام والحکم واللطائف ما لا یخفی الا علی منطمس البصیرة او فاسد الطویة والسریرة ومن ثم قیل فیه هو باقر العلم وجامعه وشاهر علمه ورافعه صفا قلبه وزکا علمه وعمله وطهرت نفسه وشرف خلقه وعمرت اوقاته بطاعة الله وله

من الرسوم فی مقامات العارفین ما تکل عنہ السنۃ الواصفین ولہ کلمات کثیرۃ فی السلوک والمعارف لا تحتملہا ہذہ العجالۃ۔

حضرت کا لقب باقر اس سبب سے ہوا، لفظ باقر کا اسم فاعل ہے جس کا معنی پھاڑنے والا ہے اور بقر الارض کا معنی یہ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اسکی چھپی ہوئی اور اس کے اندر کی دبی ہوئی چیزوں کو نمایاں کر دیا۔ حضرتؑ نے بھی معارف وحقائق احکام۔ وعلوم حکمت ولطائف کے وہ سربستہ خزانے ظاہر فرمائے جو سب پر ظاہر وہویدا ہیں اور ان علمی فیوض وکمالات واحسانات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے جس کی بصیرت زائل ہوگئی ہو جس کا دل ودماغ خراب ہوگیا ہو اور جس کی طینت وطبیعت فاسد ہوگئی ہوگئی ہو۔ اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ علم کے باقر (پھیلانے والے) اور جامع ہیں اور آپ ہی علوم ومعارف کو مشہور اور اس کا درجہ بلند کرنے والے ہیں۔ حضرتؑ کا دل صاف، علم وعمل روشن وتابندہ نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپ کے کل اوقات خدا کی اطاعت میں بسر ہوتے تھے۔ نیز عارفوں کے مقامات میں آپ کے وہ گہرے نشان اور آثار راسخ ہوگئے جن کے بیان سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گنگ اور عاجز و ماندہ رہتی ہیں۔ اور زہد وتقوے، علوم ومعارف، عبادات وریاضات میں آپ کے کلمات اس کثرت سے ہیں جو اس مختصر رسالہ میں درج ہو ہی نہیں سکتے (صواعق محرقہ ص۱۲۱)

اور علامہ محقق شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ولم یظہر عن احد من ولد الحسن والحسین من علم الدین والآثار والسنۃ وعلم القرآن والسیرۃ وفنون الادب ما ظہر عن ابی جعفر علیہ السلام۔

علم دین واحادیث وسنت رسولؐ وتفسیر قرآن وسیرت وفنون ادب کے جس قدر ذخیرے امام محمد باقرؑ سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسنؑ وحسینؑ کی اولاد سے کسی شخص سے بھی ظاہر نہیں ہوئے (ارشاد ص۲۸۶)

اور ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت باقرؑ علامۂ زماں اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ کو باقر اسی وجہ سے کہتے کہ آپ علوم میں بڑے متبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ آپ ہی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ؎

یا باقر العلم لاہل التقی وخیر من لبی علی الاجبل

اے وہ بزرگ جو صاحبان ورع وتقویٰ کے لیے علوم ومعارف کے شائع کرنے والے اور ان سب لوگوں سے بہتر ہیں جو پہاڑوں پر خدا کو لبیک کہتے ہیں (وفیات الاعیان جلد ۱ ص۴۵۰)

اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے امام محمد باقرؑ بنی ہاشم کے سردار اور اپنے تبحر علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے مشہور ہوئے کیونکہ آپ علم کو شق کر کے اسکی تہ تک پہونچ گئے اور اسکے دقائق کو خوب سمجھ لیا تھا (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۱۱) اور فاضل شبراوی نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے علوم کے تذکرے تمام دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی مدح وثنا میں بکثرت اشعار پڑھے گئے۔ مثلاً مالک جہنی نے کہا ہے ؎

اذا طلب النّاس علم القرآن — كانت قريش عليه عيالا
وان فاه فيه ابن بنت النبیؐ — تلقت يداه فروعا طوالا
نجوم تهلل للمدلجين — فتهدى بانوارهن الرجالا

اگر جب قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا کیونکہ وہ خود محتاج ہے۔ اور اگر فرزند رسولؐ (امام محمد باقرؑ) کے منہ سے کوئی بات اسکے متعلق نکل جائے گی تو بے حد وحساب مسائل وتحقیقات کے ذخیرے مہیا کردیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو اندھیری راتوں کے چلنے والوں کے لئے چمکتے ہیں تو اُن کے انوار سے لوگوں کو راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے (الاتحاف ص۵۲)

خلیفہ ہشام سے سوال و جواب

ایکدفعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کرنے گیا۔ جب مسجد حرام میں پہونچا تو اس سے لوگوں نے کہا دیکھو وہ امام محمد باقرؑ اپنے حلقہ میں بیٹھے ہیں اس پر ہشام نے ایک شخص سے کہا کہ جاکر اُن سے کہو خلیفہ آپ سے پوچھتے ہیں جب روز قیامت لوگ محشر میں جمع ہونگے تو حساب ختم ہوتے وقت تک کیا کھائیں پئیں گے؟ جب اُس شخص نے پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا خلیفہ سے کہدو کہ لوگ ایسی جگہ محشور ہوں گے جہاں میوہ دار درخت بھی ہوں گے اور نہریں بھی رہیں گی اُنھیں درختوں کے پھل کھائیں اور نہروں کا پانی پئیں گے۔ ہشام نے یہ سنا تو سمجھا کہ حضرتؑ نے غلط جواب دیا ہے اور یہ اچھا موقع ہے کہ اُن کی غلطی کو مشہور کرکے اُنھیں بدنام کردیا جائے تاکہ اہل عراق آپ سے خوب نفرت کرنے لگیں۔ یہ سوچکر اُس نے کہا اُن سے جاکر کہو کہ یہ آپ نے کیا جواب دیا۔ جو لوگ محشر میں جمع ہوں گے کیا اُن کے ہوش وحواس بھی درست رہیں گے جو وہ کھانا پانی چاہیں گے۔ وہ تو اپنی سزاؤں کی مصیبت میں سب بھولے رہیں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا جاکر ہشام سے کہدو کہ محشر والوں سے زیادہ مصیبت تو اُن لوگوں کی ہوگی جو جہنم میں پہونچ جائیں گے مگر وہ جہنم والے بھی ایسے بے ہوش وحواس نہیں ہوں گے کہ کھانا پانی بھول جائیں۔ پھر محشر والے جن کو اپنے انجام کا حال ابھی معلوم نہیں ہوگا کیونکر اسکو بھول جائیں گے؟ کیا ہشام نے قرآن مجید میں خدا کا یہ ارشاد نہیں پڑھا ونادی اصحاب النار اصحٰب الجنة ان افيضوا علينا من الماء او مما رزقكم الله قالوا ان الله حرمهما على الكافرين۔ دوزخ والے اہل بہشت کو بہ عاجزی آواز دینگے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی انڈیل دو (کہ پئیں) یا جو نعمتیں خدا نے تمھیں دی ہیں اُن میں سے کچھ دیدو (کہ کھائیں) تو بہشت والے کہیں گے کہ خدا نے تو جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کردیا ہے (پ۸ ع۱۳) یہ مسکت جواب سنکر ہشام مبہوت ہوگیا اور جان گیا کہ حضرتؑ بڑے علم وفضل کے مالک ہیں۔ اور علاء بن عمرو نے حضرتؑ سے خدا کے قول اولم ير الذين كفروا ان السموات والارض كانتا رتقا ففتقناهما کیا کافروں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمان وزمین دونوں بند تھے تو ہم نے دونوں کو شگافتہ کیا (پ۱۷ ع۳) کا مطلب پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا آسمان پہلے بند تھا اُس سے پانی کا کوئی قطرہ نہیں برستا تھا اور زمین

بھی بستہ تھی کسی قسم کی گھاس وغیرہ نہیں اُگتی تھی تو خدا نے دونوں کو کھول دیا کہ اس سے پانی برسنے لگا اور اس سے چیزیں اُگنے لگیں۔ یہ سنکر علاؤ خاموش ہو گیا (الاتحاف ص۵۲ و نور الابصار ص۱۳۱) محمد بن منکدر کہتا تھا کہ میں سمجھتا تھا حضرت زین العابدینؑ ایسا آپ کا کوئی فرزند نہیں ہو گا حضرت محمد باقرؑ کو دیکھ کر اپنی غلطی مان لی (اتحاف ص۵۵)

ایک بے مثل وعظ

حضرتؑ نے ایک دن اپنے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ سے فرمایا کہ خدا نے تین باتیں تین چیزوں میں چھپا رکھی ہیں۔ اپنی خوشی کو اپنی اطاعت میں چھپایا ہے۔ پس تم اسکی اطاعت سے کسی بات کو حقیر نہ جانو شاید اسی میں اسکی رضا ہو۔ اور اپنے غضب کو اپنی معصیت میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اب اسکی نافرمانی کی کسی بات کو معمولی نہ سمجھو ممکن ہے اسی میں اسکا غضب چھپا ہو۔ اور اپنے دوستوں کو اپنی مخلوق میں چھپایا ہے۔ پس اس کے بندوں سے کسی کو حقارت سے نہ دیکھو شاید وہی خدا کا دوست ہو (اتحاف ص۹۳)

امام ابو حنیفہ کا شاگرد حضرتؑ ہونا

اکثر مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابو حنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں اُنھوں نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہاں تمھیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو؟ اُنھوں نے نہایت ادب سے کہا معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے .... ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادقؑ کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے" (سیرت النعمان ص۴۵) اور علامہ ابن القیم نے لکھا ہے ابو حنیفہ کے بارے میں بہت سی روایتیں اسکی موجود ہیں کہ جناب امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ نے انکی تعلیم فرمائی اور قیاس سے منع کیا (اعلام الموقعین جلد ا ص۹۳) مگر حضرتؑ نے ابو حنیفہ صاحب کا جو امتحان لیا اُسکو ان لوگوں نے نہیں لکھا۔ علامہ شبراوی شافعی نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے ابو حنیفہ صاحب سے پوچھا میں نے سنا ہے تم آسمان سے زمین تک قیاس کرتے ہو۔ اُنھوں نے کہا ہاں۔ فرمایا تم کو اس کی جرأت کیسے ہوئی کہا میں حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں اور صحابہ کے اخبار یاد کر لئے تو مجھے قیاس کرنا آسان ہو گیا فرمایا اچھا میں چند مسئلے پوچھتا ہوں۔ قیاس کر کے جواب تو دو۔ کہا فرمایئے۔ حضرتؑ نے فرمایا بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا۔

ابوحنیفہ صاحب نے کہا قتل۔ حضرتؑ نے فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو ہی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور زنا میں چار گواہوں کی؟ اس پر ابوحنیفہ صاحب چپ ہو گئے۔ حضرتؑ نے پوچھا کیوں بولتے کیوں نہیں۔ کہا اس میں میرا قیاس کام نہیں کرتا۔ فرمایا نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزے کی کہا نماز کی فرمایا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حیض والی عورت کو حکم ہے کہ روزوں کی قضا کرے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوا؟ پھر آپ چپ ہو گئے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کہتے کیوں نہیں؟ جواب دیا اس میں بھی میرا قیاس نہیں چلتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ ابوحنیفہ صاحب نے کہا پیشاب۔ حضرتؑ نے فرمایا پھر اس کی کیا وجہ کہ پیشاب کے بعد صرف وضو کا حکم ہوا اور منی کے بعد غسل کا؟ پھر آپ چپ ہو گئے فرمایا اب کیا ہوا؟ کہا اب بھی قیاس نہیں بنتا۔ ابوحنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد حضرتؑ مجھے چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ گئے تو میں نے کہا اے فرزند رسولؐ ان مسائل میں تشفی فرما دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا اس شرط پر کہ تم وعدہ کرو آئندہ کبھی قیاس نہیں کرو گے۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ ہاں اب کبھی قیاس نہیں کروں گا تو حضرتؑ نے فرمایا قتل میں صرف دو گواہ اس لیے کافی ہیں کہ اس کا کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ لیکن زنا دو شخص (مرد اور عورت) سے ہوتا ہے اور دونوں کے خلاف گواہی دی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ہر ایک کے لیے دو گواہ ضروری قرار دیے گئے۔ رہی نماز تو روزہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نماز تو ہمیشہ پڑھا کرتی ہے۔ روزہ کی البتہ سال بھر کے بعد نوبت آتی ہے (پس ایک مہینہ کے حیض کے روزوں کی قضا آسان ہے اور ہر مہینہ کے حیض کی نمازوں کا قضا کرنا بہت دشوار ہے)۔ رہا پیشاب اور منی تو پیشاب مثانہ سے نکلتا ہے اور روز و شب میں کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ کہاں تک کوئی غسل کر سکتا۔ لیکن منی تمام بدن سے نکلتی ہے اور کبھی کبھی خارج ہوتی ہے اس کے بعد نہانا مشکل نہیں ہے۔ ابوحنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد میں نے حضرتؑ کو سلام کیا اور وہاں سے واپس آیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر) مگر بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابوحنیفہ صاحب سے یہ سوالات کئے تھے اور آخر میں تاکید کی تھی کہ خبردار کبھی قیاس نہ کرنا۔ لیکن آپ پر اس تاکید کا جو اثر ہوا وہ محتاج توضیح نہیں ہے۔

اولاد امام حسنؑ پر مکان کا انہدام | حضرت امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کے زمانہ کا ایک دردناک واقعہ یہ بھی ہے کہ سنہ ۹۱ ہجری (سنہ ۷۱۰ء) میں خلیفہ ولید بن عبد الملک نے خانہ کعبہ کا حج ادا کیا۔ جب اس سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آیا تو ایک دن منبر رسولؐ پر خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر امام حسنؑ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ پر پڑ گئی جو جناب سیدہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر ولید نے عمر بن عبد العزیز سے کہا کہ حسنؑ بن حسنؑ وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا ہے؟ کیوں ان لوگوں کو اس سے باہر نہیں نکالا؟ اسی وقت ان لوگوں کو اس میں سے نکال کر اور یہ مکان خرید کر مسجد میں شامل کر لو۔ میں نہیں پسند کرتا کہ آئندہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھوں۔ جناب حسن مثنیٰ اور

اُنکی بیوی فاطمہ بنت امام حسینؑ اور اُنکی اولاد اُس مکان میں تھیں اور باہر نکلنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ باہر نہیں نکلتے تو مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ اِس پر اُس کے آدمیوں نے بیچاروں کے اسباب زبردستی مکان سے نکال کر باہر پھینک دیئے۔ ان کا گھر ویران کر دیا اور چاہتے تھے کہ اسکو مسمار کر دیں۔ مجبوراً بیچارے گھر سے باہر نکل پڑے اور روز روشن میں مخدرات اہلبیتؑ گھر چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلی گئیں اور اپنی سکونت ایک جگہ اختیار کر لی.... کچھ دنوں بعد اسی قسم کا واقعہ حضرت حفصہ کے مکان کے متعلق بھی پیش آیا جو حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔ جب اُن سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو اُنھوں نے انکار کیا اور اُس کو بہ قیمت لے دینے پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ حجاج بن یوسف اُس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ اُس نے چاہا کہ اس مکان کو گرا دے مگر جب اس ارادہ کی خبر ولید بن عبد الملک کو ہوئی تو اُس نے عمر بن عبد العزیز حاکم مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن الخطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرنا بلکہ اُن کی پوری عزت و احترام کرو۔ اگر وہ لوگ اپنا مکان بیچنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کے رہنے کو مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور اُن کی آمد و رفت کے لیے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو (وفاء الوفا جلد ا صفحہ ۳۶۳ و جذب القلوب صفحہ ۱۷۳) اللہ اکبر! حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد کے ساتھ وہ برتاؤ اور حضرت عمر کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک ؏

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

کسبِ معاش کے متعلق حضرتؑ کی تقریر

ایک شخص محمد بن المنکدر نے ایک روز حضرت امام محمد باقرؑ کو بعض اطراف مدینہ میں دیکھا ایسے وقت میں کہ نہایت گرمی تھی اور حضرتؑ کے بدن مبارک سے پسینہ جاری تھا اور دو غلام حبشی پر آپ تکیہ کیے ہوئے تھے اُس نے اپنے دل میں کہا کہ سبحان اللہ! یہ مرد پیر قریشی اس وقت باوجود ایسی حالت گرمی اور مشقت کے طلب دنیا کر رہے ہیں میں جاتا ہوں کہ ان کو ٹوک دوں۔ پس وہ حضرتؑ کے نزدیک آیا اور سلام کیا۔ حضرتؑ نے جواب سلام دیا۔ اُس وقت بھی حضرتؑ کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اُس شخص نے کہا کہ آپ قریش کے بزرگوں سے بڑے بزرگ ہو کر ایسے وقت میں باوصف ایسی حالت کے دنیا طلب کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلے ہیں۔ اگر اسی حالت میں آپ کو موت آ جائے تو کیا کیجیے گا؟ حضرتؑ نے فرمایا اگر اس حالت میں موت آئے تو ایسی حالت میں آئے گی کہ میں خدا کی طاعتوں سے ایک طاعت میں مشغول ہوں اور ایسا کام کر رہا ہوں کہ اپنے اور اپنے عیال کو تجھ سے اور دوسروں سے مستغنی کر دوں تاکہ جو کچھ حاصل کروں خدا سے براہ راست لوں اور کسی سے احتیاج نہ ہو۔ البتہ میں اُس وقت موت سے ڈروں گا جب خدا کی معصیت میں مبتلا ہوں گا۔ اس پر اُس شخص نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ میں نے چاہا تھا کہ آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ ہی نے میری نصیحت فرمائی (کتاب ارشاد صفحہ ۲۸۸) اس واقعہ سے ہر شخص کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ محنت مزدوری مشقت کر کے حلال ذریعہ سے کسب مال کرنا ہمارے بزرگان دین کا صرف حکم ہی نہیں بلکہ اُس پر اُن حضرات کا عمل بھی تھا۔

اسلامی دنیا پر حضرتؑ کا عظیم الشان احسان

علامہ کسائی بیان کرتے تھے کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو سب سے پہلے اسلامی سکہ درہم و دینار کس نے جاری کیا۔ میں نے کہا خلیفہ عبدالملک نے۔ خلیفہ نے پوچھا اس کا سبب کیا ہوا اور کس طرح کی ایجاد ہوئی۔ میں نے کہا یہ نہیں معلوم۔ تب خلیفہ ہارون نے کہا سابق زمانہ میں کاغذ رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور اہل مصر چونکہ اکثر نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر اسلیئے طراز (مارک) سب کاغذ کا اس طرح ہوتا "ابن۔ اب روح" مگر یہ طراز (مارک) رومی زبان اور طغرا میں رہتا کسی کو اسکی خبر نہ ہوتی۔ عبدالملک کو ایک دفعہ شبہ ہوا۔ اُس نے مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اُس نے کہا اقانیم ثلثہ (اب۔ ابن۔ روح) کا مارک بنایا گیا ہے۔ اس پر عبدالملک نے گورنر مصر کو لکھا کہ اس عیسائی مارک کو موقوف کرو۔ کاغذ۔ پردہ یا اور جو کپڑا وغیرہ تیار ہوں اُن سب پر یہ مارک موقوف کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس وقت سے کاغذ پر یہ مارک تیار ہونے لگا شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو جب اس نئے مارک کے کاغذوں نے جس پر کلمۂ توحید ثبت تھا رواج پایا تو قیصر روم کو نہایت درجہ ناگوار ہوا۔ اس نے عبدالملک کو لکھا کہ جو کاغذ پہلے جاری تھا اُسی کو جاری رکھو۔ اس کے ساتھ بہت کچھ تحفے ہدیے بھی بھیجے۔ مگر عبدالملک نے اُس کے سفیر کو مع ہدایا واپس کیا۔ اور قیصر روم کے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا اور تحفہ کی مقدار المضاعف کر کے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا۔ اب میں دُگنا کر کے روانہ کرتا ہوں۔ بہتر ہے تم سابق طرز کے کاغذ ہی کو رہنے دو۔ پھر عبدالملک نے اس سفیر کو مع تحائف واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ دیا۔ تب تیسری دفعہ قیصر نے تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا نہ میری بات قبول کی۔ اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے پرانے مارک کے رواج کا حکم نہیں دیا اور اپنے توحید کے اس نئے مارک کو بند نہیں کیا تو میں بھی سکہ درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کر دوں گا کہ تمہارے رسول اللہ پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کی جائیں جو تمہارے تمامی ممالک میں رواج پائیں گے۔ کیونکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ممالک میں سکہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں سکوں پر جو نقش ہوتا ہے وہی سکہ تمہارے ملکوں میں جاری کیا جاتا ہے۔ اس لیئے اس خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مارک کے رواج کا حکم دو جس سے ہماری اور تمہاری محبت سابقہ بحال و برقرار رہے۔

جس وقت قیصر روم کا یہ خط پہونچا عبدالملک کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ کوئی بات نہیں بنتی اور نہایت پریشانی سے بسر کرنے لگا جس قدر علما و فضلا و حکما و اہل صنعت و حرفت تھے سب کی کمیٹی کر کے دریافت کیا گیا کہ کیا تدبیر کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے۔ سب خاموش تھے کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ میرا ر

اُن بزرگ کو خوب جانتے ہیں جن کی بدولت اس مصیبت سے نجات ہو سکتی ہے مگر عمداً اُن کو ترک کرتے ہیں۔ عبدالملک نے پوچھا وہ کون بزرگ ہیں؟ روح بن زنباع نے کہا سرکار کو مناسب ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف رجوع کریں جو اہل بیت نبیؐ سے ہیں کہ صرف انھیں سے یہ آفت ٹل سکتی ہے۔ عبدالملک نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقرؑ کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو۔ اور روانہ کرنے میں بے ادبی نہ کرنا بلکہ بہ ملاطفت و نرمی روانہ کرنا جس کو وہ چاہیں اپنے ہمراہ لائیں اور جس طرح پسند کریں اسی طرح زحمت فرمائیں۔

عبدالملک نے یہ خط بھیجکر قیصر روم کے سفیر کو اپنا مہمان رکھا۔ جب حضرت امام محمد باقرؑ تشریف لائے تو عبدالملک نے پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا یہ تو ایسی بات نہیں تھی جس سے تم اس درجہ پریشان ہوئے۔ اوّلاً خدا محافظ ہے قیصر روم کو کبھی اس کے ارادہ میں کامیاب نہ ہونے دیگا کہ رسول خدا صلعم پر سب و شتم جاری ہونے پائے۔ دوسرے تم مجبور بھی نہیں ہو اس کی بخوبی تدبیر کر سکتے ہو۔ عبدالملک نے پوچھا میں کیا کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا اسی وقت کاریگروں کو بلا کر درہم و دینار کا اسلامی سکہ ڈھلواؤ جس میں ایک طرف کلمۂ توحید ثبت ہو اور دوسری جانب حضرت رسول خدا صلعم کا اسم مبارک۔ اور اس کے حلقہ میں شہر کا نام اور سکہ ضرب ہونے کا سال ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے اس کے اوزان بتائے کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ دوسری سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس ہوتے ہیں اور تیسرا پانچ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے۔ اس کو ۳ پر تقسیم کیا ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوائے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کا دینار بنایا جس کا خردہ دس درہم ہوا۔ سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں تھا اسلئے فارسی ہی میں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں کیونکہ اسی دینار کے سکوں کا رواج تھا۔ اور ڈھالنے کا سانچہ کانچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔ حضرتؑ نے یہ سب تعلیم دے کر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کر دو۔ اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کر دو کہ ہر شخص اس سکہ کو استعمال کرے۔ درصورت خلاف ورزی وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اس ذریعہ سے رومی سکہ کا استعمال ہی موقوف ہو جائے گا اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔ عبدالملک نے حضرتؑ کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ جو شخص اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو استعمال کرے گا سزا پائے گا۔ اس کے بعد قیصر روم کے سفیر کو رخصت دی اور وہی جواب جو حضرتؑ نے فرمایا تھا اس سفیر سے کہا کہ اب قیصر روم سے جا کر کہہ دینا کہ جس بات کی تم نے دھمکی دی ہے اُسے کر ڈالو کہ خدا کبھی اس کو چلنے نہیں دے گا۔ میں نے تمہارے سکوں کو اپنے ملکوں میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ جو شخص رومی سکہ یا رومی مارک کی چیزوں کو استعمال

کہے گا وہ سزا پائے گا۔ قیصر روم کے پاس جب یہ جواب پہونچا تو دم بخود ہو کر رہ گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا بھی کہ تم نے بادشاہ عرب کو جو دھمکی دی تھی کہ تمہو نحد کو گالیاں دلواؤ گے اب اس کو پورا کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے کہا جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اُس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا۔ اب تو مجبور ہوں۔ کیوں کہ اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہیں کریں گے تو پھر اس سے کیا نفع ہوگا۔ غرض حضرتؑ نے جس امر کی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہوگا اس کی بخوبی تصدیق ظاہر ہوئی (حیٰوۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۸۵) اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ سیاست میں بھی ائمہ طاہرین کا کیا درجہ تھا۔

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرتؑ کی خلافت ۹۵ھ ہجری سے ۱۱۴ھ ہجری تک رہی۔ اس درمیان میں دنیائے اسلام کے جب ذیل بادشاہ بنی امیہ سے ہوتے رہے۔ ولید بن عبد الملک۔ سلیمان بن عبد الملک۔ عمر بن عبد العزیز[1]۔ یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک۔

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو بھی خلیفہ ہشام کی طرف سے زہر دیا گیا جس سے آپ نے ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری (۷۳۲ء) کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ علمائے محققین نے لکھا ہے مات مسموما کابیه۔ اپنے پدر بزرگوار کی طرح حضرتؑ نے بھی زہر سے وفات پائی (نور الابصار ص۱۳۲ وصواعق محرقہ ص۱۲۰ وغیرہ)

ازواج و اولاد

حضرتؑ کی چار بیویاں تھیں۔ ام فروہ۔ ام حکیم۔ لیلیٰ اور ایک اور بی بی جن کا نام نہیں ملا۔ اور حضرتؑ کی اولاد سات تھی (۱) پہلی بیوی ام فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابی بکر سے دو بیٹے حضرت امام جعفر صادقؑ اور عبد اللہ (۲) دوسری بیوی ام حکیم دختر اسد بن مغیرہ ثقفی سے بھی دو بیٹے ابراہیم و عبید اللہ (۳) تیسری بیوی سے ایک لڑکا ایک لڑکی علی اور زینب اور چوتھی بیوی سے ایک لڑکی ام سلمہ (ارشاد ص۲۹۵ وغیرہ)

---

[1] خاندان بنی امیہ کا یہ آٹھواں خلیفہ (بادشاہ) عدل و انصاف اور رعایا پروری میں مشہور ہے اور دوسرے خلفاء کے مقابلہ میں زہد۔ اتقا۔ خوف خدا وغیرہ اوصاف حسنہ میں بھی ممتاز تھا باغ فدک حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد کو واپس دے دیا تھا۔ معاویہ کے زمانہ سے حضرت امیر المومنینؑ پر لعن و تبرّا ہوتا تھا اور حضرتؑ کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اس خلیفہ نے اُسے موقوف کر کے اس کی جگہ میں چاروں خلفاء کے نام داخل کر کے اُن کے اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم جاری کیا۔ غرض حضرات اہلبیتؑ کے متعلق اس کا برتاؤ بہت زیادہ محمود رہا ۱۲ منہ

چھٹا باب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے چھٹے خلیفہ مسلمانوں کے چھٹے امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ١٧ ربیع الاول سنہ ٨٣ ہجری (٧٠٢ء) روز جمعہ کو مدینہ میں پیدا ہوئے ١٢ سال کی عمر تک اپنے دادا امام زین العابدین ع کے ساتھ۔ اور ٣٤ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد امام قرار پائے۔ ١٥ شوال سنہ ١٤٨ ہجری (٧٦٥ء) کو ٦٥ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جنۃ البقیع میں دفن کیے گئے۔

حضرت کے والدین حضرت کے والد امام محمد باقر ع اور والدہ جناب محمد بن ابی بکر کی پوتی ام فروہ تھیں۔ چونکہ محمد بن ابی بکر کی ماں نے حضرت امیر المومنین سے عقد کر لیا تھا اس وجہ سے یہ بھی ماں کے ساتھ حضرت امیر المومنین ع کے پاس آ گئے تھے اور برابر حضرت کی خدمت میں رہے۔ حضرت ع کے مشہور رشتوں میں سے تھے۔ اور مصر کے نائب بنا لیے گئے۔

حضرت کا نام کنیت۔ القاب حضرت کا اسم گرامی جعفر[1] کنیت ابو عبداللہ۔ ابو اسمٰعیل اور ابو موسیٰ تھی۔ اور القاب صادق۔ صابر۔ فاضل۔ طاہر وغیرہ تھے۔

حضرت کی جلالت قدر کے بیان کو ایک دفتر چاہیے۔ آنریبل جسٹس امیر علی صاحب واقعہ حرہ کے ذکر کے موقع پر لکھتے ہیں "کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ اس کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لیے نہایت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ بقیہ تمام مدینہ والوں کو یزید کا غلام بنایا گیا جس نے انکار کیا اس کا سر اتار لیا گیا۔ اس رسوائی اور بدنامی سے صرف دو ذی شخص بچے علی ابن الحسین اور علی بن عبداللہ بن عباس۔ ان سے یزید کی بیعت نہیں لی گئی۔ مدارس۔ شفا خانے اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں یا تو تباہ کر دی گئیں یا مسمار ہو گئیں اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔ اس کے کچھ مدت بعد حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین کے پوتے امام جعفر صادق ع

[1] جعفر کے معنی کے متعلق جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے جو فرقہ اہلحدیث کے محترم عالم اور پیشوا تھے لکھا ہے "جعفر۔ چھوٹی نہر یا بڑا اور وسیع کشادہ۔ امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں۔ اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ ان کی صحیح

نے اپنے جد امجد حضرت علی مرتضیٰؑ کی عظیم الشان تعلیم گاہ پھر مدینہ میں جاری کی مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا۔ اسکے چاروں طرف ظلمت اور ضلالت چھائی ہوئی تھی (تاریخ اسلام صـ۳۳)

امام مالک و امام ابوحنیفہ صاحب وغیرہ کی شاگردی

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے لکھا ہے "ابوحنیفہ ایک مدت استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقر علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُن کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے۔ اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُن کو حضرت صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے۔ وصاحب البیت ادریٰ بما فیہا" (سیرت النعمان مطبوعہ آگرہ صـ۴۵) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید و ابن جریج و امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری۔ وسفیان ابن عیینہ و امام ابوحنیفہ و ایوب سختیانی نے آپ سے حدیث کو اخذ کیا ہے (صواعق محرقہ صـ۱۲۱) اور ابوحاتم کا قول ہے کہ جناب امام جعفرؑ ایسے ثقہ ہیں کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ علماء سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت جعفر صادق ریاست کی طلب کو چھوڑ کر ہمیشہ عبادت میں مشغول رہے ہیں۔ حافظ ابونعیم حلیۃ الابرار میں عمر ابن المقدام سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے جب میں امام جعفر صادقؑ کو دیکھتا تو مجھے خیال ہوتا کہ یہ انبیاء کرام کے سلالہ (جوہر) ہیں۔

ابوحنیفہ صاحب کا امتحان

علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ ابن شبرمہ کہتے تھے میں اور امام ابوحنیفہ صاحب ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۱)

ہیں اُن میں سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں فی نفسی منہ شئی و مجالد احب الی منہ (میرے دل میں امام جعفر صادقؑ سے خلش ہے اور اُن سے زیادہ مجالد کو میں دوست رکھتا ہوں)۔ حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہلبیتؑ سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن رسول اللہ صلعم ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں" (انوار اللغۃ پ ۵ صـ۴۴)

اور حسب ذیل گفتگو ہونے لگی۔

میں (ابن شبرمہ) نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی) یا حضرت! یہ بزرگ (امام ابو حنیفہ) عراق کے مرد فقیہ اور مجتہد ہیں

حضرت جعفر صادقؑ۔ شاید یہی وہ شخص ہیں جو خدا کے دین میں اپنی رائے اور عقل سے قیاس کرتے ہیں! کیا یہ نعمان بن ثابت ہیں؟

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو حنیفہ صاحب کی صرف یہی کنیت معلوم تھی اور ان کے اصلی نام۔ ولدیت نسب وغیرہ کی مطلق خبر نہ تھی۔ حضرتؑ نے جو ان کا نام اور ان کے باپ کا نام لے کر مجھ سے دریافت فرمایا تو میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ تب ابو حنیفہ صاحب نے خود ہی حضرتؑ سے عرض کی۔

امام ابو حنیفہ صاحب۔ ہاں یا حضرتؑ! میں ہی نعمان بن ثابت ہوں۔ خدا حضورؑ کا بھلا کرے میں ہی عراق کا وہ مجتہد ہوں جو دین خدا میں قیاس کرتا ہے۔

حضرتؑ۔ اے نعمان دیکھو خدا سے ڈرا کرو۔ اور دین خدا میں اپنے قیاس سے کام نہ لیا کرو۔ کیا تم نہیں جانتے سب سے پہلے جس شخص نے اپنے قیاس اور رائے سے کام لیا وہ ابلیس تھا۔ خدا کے حکم سجدۂ آدم پر اس نے جواب دیا کہ انا خیر منہ (میں آدم سے بہتر ہوں) تو اس نے اپنے قیاس میں غلطی کی اور اسی وجہ سے وہ گمراہ ہو کر رہا۔ اچھا اے نعمان! کیا تم آدمی کے سر کا اس کے باقی بدن پر قیاس کر سکتے ہو؟ کہ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ اور تمام بدن میں سر کو اتنی خصوصیات کیوں دی گئیں کہ آنکھ کان۔ ناک۔ دماغ سب اسی حصہ کو مل گیا اور باقی کل اعضاء ان چیزوں سے محروم رہے؟

امام ابو حنیفہ صاحب۔ نہیں یا حضرت! میں تو اس راز کو حل نہیں کر سکتا۔

حضرتؑ۔ اچھا یہ بتاؤ خدا نے آنکھوں میں نمکینی کانوں میں تلخی۔ ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ کس مصلحت سے خدا نے ایک ایک عضو میں ایک ایک کیفیت پیدا کی؟

امام ابو حنیفہ صاحب۔ یا حضرتؑ مجھے تو نہیں معلوم ہے۔

حضرتؑ۔ اچھا تو مجھ سے سنو۔ خدا نے دونوں آنکھوں کو چربی کے ڈھیلے ایسا پیدا کیا ہے اور دونوں میں نمکینی پیدا کر دی جو حیوانوں پر بڑا احسان ہے۔ کیونکہ آنکھوں میں یہ کیفیت نہ پیدا کرتا تو دونوں پگھل کر بہہ جاتیں اور سب اندھے ہو جاتے۔ اور کانوں میں تلخی اس لیے پیدا کی کہ سوتے وقت حشرات الارض انہیں نہ گھسنے پائیں۔ یہ بھی حیوانوں پر بڑا احسان ہے۔ کیونکہ اگر تلخی نہ ہوتی تو چھوٹے کیڑے اندر گھس کر دماغ کو کھا جاتے اور ناک میں رطوبت اس وجہ سے پیدا کی کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت پیدا ہو اور خوشبو بدبو محسوس ہو۔ اور لب و زبان میں شیرینی اس لیے قرار دی کہ حیوانوں کو کھانے پینے کی لذت محسوس ہو۔ ذاکر لبوں کا

مزہ بھی تلخ یا نمکین ہوتا تو کھانے پینے کی کل چیزیں بدمزہ معلوم ہوتیں اور سب زندگی دشوار ہو جاتی)

جب اس قدر حضرت ؑ فرما چکے تو امام ابوحنیفہ صاحب کا پہلے سے بھی زیادہ آسان اور بالکل ہلکا امتحان لینا چاہا اور اس طرح گفتگو ہونے لگی۔

حضرت۔ اچھا اے نعمان! ذرہ مجھے وہ کلمہ تو بتاؤ جس کا پہلا حصہ کفر اور دوسرا ایمان ہے

امام ابوحنیفہ صاحب۔ (گھبرا کر) یا حضرت! وہ کون سا کلمہ ہے؟ مجھے تو بالکل نہیں معلوم!

حضرت ؑ۔ ایں! تم کو ابھی تک یہ نہیں معلوم؟ سنو وہی کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ۔ کہ اس کا پہلا جزو کہہ کر کوئی چپ ہو جائے تو کفر ہو جائے گا کیونکہ اس سے معلوم ہوگا وہ کسی خدا کو نہیں مانتا اور جب دوسرا حصہ الا اللہ کہہ دے تو معلوم ہوگا کہ ایک خدا کو مانتا ہے (اور یہی ایمان ہے)

حضرت ؑ۔ اچھا یہ بتاؤ قتل کا گناہ بڑا ہے یا زنا کا؟

امام ابوحنیفہ صاحب۔ قتل کا گناہ بڑا ہوا ہے۔

حضرت ؑ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور زنا میں چار ضروری ہیں؟ بتاؤ تمھارا قیاس کہاں گیا؟ (جب اس کا بھی جواب نہ دے سکے تو فرمایا)

حضرت ؑ۔ خیر یہ بتاؤ روزہ کا درجہ بڑا ہے یا نماز کا۔

امام ابوحنیفہ صاحب۔ نماز کا (کیونکہ روزہ سے افضل نماز ہے جس کا تارک کافر کہا گیا ہے)

حضرت ؑ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حالت حیض میں عورت کی جو نماز چھوٹ جاتی ہے پاک ہونے کے بعد اسکی قضا کرنے کا حکم نہیں ہوا مگر جو روزہ چھوٹ جاتا ہے اس کی قضا واجب ہے۔ (امام ابوحنیفہ صاحب اب بھی نہ بول سکے تو فرمایا)

حضرت ؑ۔ بندۂ خدا! مذہب کی باتوں میں اپنی عقل سے قیاس نہ کیا کرو کیونکہ بروز قیامت ہم تم بلکہ سب خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ہم لوگ کہیں گے کہ اللہ اور رسول نے یہ فرمایا تھا۔ اور تم اور تمھارے مقلدین کہیں گے کہ ہم نے یہ سنا اور ہم نے یہ اپنے قیاس کیا۔ اس وقت خدا ہمارے تمھارے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ کرے گا۔ یہ بھی سن لو قتل میں دو گواہ کافی اور زنا میں چار گواہ ضروری اس سبب سے رکھے گئے کہ قتل ایک کھلا ہوا کام ہے جس کی گواہی مقتول کا خون اور اس کا بے جان ہونا بھی دیتا ہے۔ اس لیے صرف دو گواہ سے کام چل جائے گا برخلاف زنا کے کہ اس میں یہ صورت نہیں ہے آسانی سے دو شخص کسی کے زنا کی جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں تو اس میں خدا نے لوگوں کی عزت کا پردہ رکھنے کے لیے چار گواہ کی شرط کر دی کہ جب تک یہ تعداد نہ ہو کسی پر یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور زیادہ تحقیق کی

نماز کے قضا کرنے کا حکم اسی وجہ سے نہیں دیا کہ یہ ہر روز پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اگر اس کی قضا واجب کی جاتی تو عورتوں کے لیے ایک مصیبت ہو جاتی (پاک ہونے کے روزانہ کی پانچ نمازیں بھی پڑھیں اور زمانہ حیض کی قضا بھی ادا کریں) برخلاف روزہ کے کہ وہ سال میں ایک ہی مہینہ واجب کیا گیا ہے (پس اگر ماہ رمضان میں آٹھ نو دن کے روزے حیض کی وجہ سے چھوٹ گئے تو عید کے بعد شوال یا ذیقعدہ میں اتنے روزے رکھ لیے) اور سب سے زیادہ عالم تو خدا ہی ہے فقط (کتاب حیواۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص[illegible] لغت ظبی)۔ حضرتؑ نے امام ابو حنیفہ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور دین کے معاملات میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دو کیونکہ اولاً جس نے ایسا کیا وہ ابلیس ہے چنانچہ اُس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں یہ کہا کہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ قیاس میں خطا کر کے گمراہ ہوا۔ (حیواۃ الحیوان جلد ۲ ص[illegible])۔ حضرتؑ نے امام ابو حنیفہ صاحب سے یہ بھی سوال کیا کہ تم احرام باندھے ہوئے شخص کے بارے میں کیا فتوے دیتے ہو جس نے ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے جن کو رباعی کہتے ہیں؟ ابو حنیفہ صاحب نے کہا اے فرزند رسولؐ مجھے نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں حکم شرع کیا ہے۔ تب حضرتؑ نے فرمایا کہ تم قیاس تو خوب دوڑاتے ہو مگر اتنا نہیں جانتے کہ ہرن کے وہ دانت ہوتے ہی نہیں جن کو رباعی کہتے ہیں (تاریخ ابن خلکان جلد ا ص[illegible]) ان امتحانوں سے معلوم ہو گیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو خیال کیا کہ "امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیے اُن کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے" یہ کیسا لغو اور قابل مضحکہ ہے۔ حضرتؑ کی اس علمی جلالت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ کا نام جعفر کتنا اچھا رکھا تھا۔ خود حضرتؑ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد نے میرا نام جنت کے ایک نہر کے نام پر جعفر رکھا (تذکرہ خواص الامہ، ارجح المطالب ص۳۶[illegible]) اور علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سادات اہلبیتؑ سے تھے۔ صدق مقال کی وجہ سے اُن کا لقب صادق ہوا اور اُن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں ہے (وفیات الاعیان جلد ا ص[illegible])۔ اور خود امام ابو حنیفہ صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بڑھ کر علم دین کا عالم کسی کو نہیں پایا (تذکرۃ الحفاظ ذہبی مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ا ص[illegible])

ایک مفتری کے جھوٹی قسم کھانے کا انجام

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کا دور شروع ہو گیا تھا۔ اس کا خلیفہ منصور دوانیقی جب حج کرنے گیا تو کسی شخص نے اُس کے پاس حضرتؑ کے متعلق ایک بہتان بیان کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا تو قسم کھا سکتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میں کھا سکتا ہوں اور فوراً خدا کی قسم کھا لی۔ حضرتؑ نے منصور سے فرمایا جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح اس سے قسم کھلاؤ۔ منصور نے کہا آپ جس طرح اس سے قسم کھلائیے تب حضرتؑ نے فرمایا اس طرح قسم کھاؤ کہ میں خدا کی قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی طاقت و توانائی کی پناہ

پکار کر کہتا ہوں کہ بے بیشک جعفر نے ایسا ویسا کیا ہے پہلے تو اُس مفتری نے اس طرح قسم کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر اس طرح قسم کھائی جیسا کہ تھا کہ وہیں مرکر رہ گیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱)

حضرتؑ کی دعا کا اثر

حضرت کے چچا زید بن امام زین العابدینؑ کا حال پہلے لکھا گیا کہ خلیفہ ہشام سے جنگ کی تھی۔ جب آپ شہید ہو گئے تو ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حکیم بن عیاش کلبی خاندان رسالت کی توہین اور ہجو کیا کرتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر تم کو اس کا کچھ یاد ہو تو پڑھو۔ اُس نے دو شعر پڑھے ؎

صلبنا لکم زیدا علی راس نخلۃ ولم ار مھدیا علی الجذع یصلب
وقستم بعثمان علیا سفاھۃ وعثمان خیر من علی واطیب

خاندان رسالت والو! کیوں تم نے دیکھ لیا کہ ہم نے زید کو درخت خرما کی شاخ پر کس طرح سولی دیدی حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو۔ اور تم نے اپنی بے وقوفی سے علیؑ کو عثمان کے برابر سمجھ لیا حالانکہ علیؑ سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تر تھا۔ یہ سنکر حضرت امام جعفر صادقؑ نے دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق سے کسی درندے کو مسلط فرما۔ اسکے کچھ ہی بعد بنو اُمیہ نے اُس شخص کو کوفہ کی طرف بھیجا راہ میں ایک شیر نے اُس کو پھاڑ ڈالا جب حضرتؑ کو اسکی خبر ملی تو سجدے میں گر پڑے اور فرمایا اُس خدا کا شکر ہے جس نے اس امر کو پورا کیا جس کا اس نے ہم لوگوں سے وعدہ فرمایا تھا (نور الابصار صفحہ ۱۴۳ و صواعق صفحہ ۱۲۱ و اصابہ جلد ۲ صفحہ ۸۰)

حضرتؑ کا رعب و جلال

خلیفہ منصور دوانیقی کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو پریشان دیکھ کر دریافت کیا کہ کس امر کا تردد ہے؟ اُس نے کہا میں نے رسول خدا کے خاندان والوں سے جماعت کثیرہ کو تو فنا کر دیا لیکن اُن کے پیشوا کو اب تک چھوڑ رکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ منصور نے کہا حضرت امام جعفر (صادق) ابن محمد۔ میں نے عرض کی جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو دل میں اُن کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ آج رات ہونے سے پہلے ہی اُن کو ختم کر کے مطمئن ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا کہ جب (امام) جعفر (صادقؑ) ابن محمد کو لوگ حاضر کریں اور میں اپنے سر پہ ہاتھ رکھوں تو فوراً ان کو قتل کر دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت (امام جعفر صادقؑ) لوگوں کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ حضرت اُسوقت کچھ زبان سے آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ جب منصور کی نظر حضرت پر پڑی تو وہ کانپنے لگا اور استقبال کر کے حضرتؑ کو اپنی مسند پر بٹھالیا اس کے بعد پوچھا اے فرزند رسولؐ آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ حضرتؑ نے فرمایا تم نے بلایا اس وجہ سے میں آیا۔ منصور نے کہا اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا میری حاجت یہی ہے کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہاں سے

واپس تشریف لائے۔ (شواہد النبوت ص۱۸۵ وسیلۃ النجات ص۲۶۱ وغیرہ) دوسری روایت یہ ہے کہ منصور نے اپنے خادم ربیع سے کہا اگر میں اس وقت امام جعفر صادقؑ کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے جب حضرتؑ وہاں تشریف لے گئے تو زبان مبارک کو حرکت تھی۔ جب حضرتؑ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا اے دشمن خدا تم میرے ملک میں فساد و فتنہ پھیلاتے رہتے ہو؟ اگر میں تمھیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بادشاہ وقت! حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت ملی تو شکر کیا حضرت ایوبؑ مبتلائے مصائب ہوئے تو صبر کیا حضرت یوسفؑ پر ظلم کیا گیا تو معاف کیا۔ اب تمہارا زمانہ ہے۔ تمھیں مناسب ہے کہ انھیں لوگوں کی پیروی کرو منصور نے یہ سنا تو سر جھکا لیا اور دیر تک اسی طرح جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا اے حضرت ابو عبد اللہ! آپ میرے پاس تشریف لائیں کہ آپ صاحب قرابت قریبہ ہیں۔ آپ سے میرا خاندانی رشتہ ملا ہوا ہے۔ آپ کی شان بلند اور آپ کا برتاؤ صلح و امن کا ہے۔ پھر حضرتؑ سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور اپنی مسند پر بٹھا کر حضرتؑ سے بڑے ادب و احترام کی باتیں شروع کیں۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جلد حضرت ابو عبد اللہ کے لئے جائزہ اور خلعت مہیا کرو۔ جب حضرتؑ کو رخصت کر دیا اور حضرتؑ وہاں سے باہر تشریف لائے تو ربیع نے عرض کی اے حضور ذرا ٹھہر جایئے۔ میں نے دیکھا کہ حضورؑ تشریف لائے تو زبان مبارک کو حرکت تھی جس کے بعد فوراً منصور کا رنگ بدل گیا اور وہ بالکل متغیر ہو گیا۔ میں تو اس بادشاہ کا خادم ہوں، مجھے اس دعا کی اکثر ضرورت پڑتی رہیگی۔ حضورؑ مجھے وہ دعا تعلیم فرما دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں سنو میں نے یہ دعا پڑھی تھی اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاکْنُفْنِیْ بِکَنَفِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ۔ لَا اَھْلِکُ وَاَنْتَ رَجَائِیْ۔ فَکَمْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَنْعَمْتَھَا عَلَیَّ قَلَّ عِنْدَھَا شُکْرِیْ فَلَمْ تَحْرِمْنِیْ۔ وَکَمْ مِنْ بَلِیَّۃٍ ابْتَلَیْتَنِیْ بِھَا قَلَّ عِنْدَھَا صَبْرِیْ فَلَمْ تَخْذُلْنِیْ۔ اَللّٰھُمَّ بِکَ اَدْرَأُ فِیْ نَحْرِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ۔ اے اللہ! تو اپنی اس آنکھ سے میری حفاظت کر جو کبھی غافل نہیں ہوتی۔ اور اپنی اس درگاہ میں مجھے پناہ دے جس سے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا یا جس کے حاصل کرنے کا کوئی قصد نہیں کر سکتا۔ جب تک مجھے تیری امید ہے میں ہلاک نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر تیری کتنی نعمتیں ہیں جن کا شکر میں نے بہت کم ادا کیا مگر تو نے مجھے محروم نہیں رکھا اور کتنی مصیبتیں ہیں جن میں مبتلا ہوا تو ان پر کم صبر کرنے کا موقع ملا مگر تو نے مجھے ناامید نہیں کیا۔ اے خدا میں تیری مدد سے اس (بادشاہ) کی دلدگی میں دھکا دیتا ہوں (تو اس کے ظلم کو مجھ سے دور کر دے) اور اس کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ربیع بیان کرتا تھا اس کے بعد جب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوا تو اسی دعا کو پڑھا فوراً وہ مصیبت رفع ہو گئی۔ (مجانی الادب جلد ۲ ص۱۶۲ و نور الابصار ص۱۳۲)

حضرتؑ کا حلم و عفو

حضرتؑ لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیتے اور سخت نقصانوں کے موقع پر بھی شفقت و درگزر سے کام لیتے۔ ایک دفعہ حضرتؑ کی کوئی لونڈی بڑے

پیالے میں کھانا حضرتؑ کے پاس لانے لگی۔ وہاں اور کچھ لوگ بھی جمع تھے۔ انکا دیکھ کر وہ شرمائی ہوئی بڑھی تو وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور سب کھانا حضرتؑ پر اور حضرتؑ کے اصحاب پر گر پڑا جس سے سب کے بدن اور کپڑے خراب ہو گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر وہ لونڈی تو کانپنے لگی مگر حضرتؑ نے اس سے فرمایا انت حرۃ لوجہ اللہ تعالیٰ لعلہ ان یکون کفارۃ للروع الذی اصابک۔ جا تو خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دی گئی۔ شاید تیرا آزاد کیا جانا ہی اس رعب و خوف کا کفارہ ہو جائے جو اس وقت تجھ پر طاری ہو گیا ہے (مجانی الادب جلد ۱ صـ ۱۳) اسی طرح حضرتؑ کا کوئی غلام کھڑا ہو کر لوٹے سے حضرتؑ کے ہاتھوں پر پانی گرا رہا تھا۔ دفعۃً لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر طشت میں آ رہا جس سے چھینٹیں اڑ کر حضرتؑ کے منہ پر پڑ گئیں اس پر حضرتؑ اس غلام کا منہ تکنے لگے۔ غلام نے کہا اے مولا۔ اللہ حکم دیتا ہے کہ غصہ کو پی جانا چاہیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔ تب اس نے کہا واللہ یحب المحسنین اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا جا میں نے تجھے خدا کی خوشی کے لیے آزاد کر دیا (مجانی الادب جلد ۱ صـ ۱۶)

حضرتؑ کی پیشین گوئی

علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے مکاشفات[1] سے یہ بھی ہے کہ جب بنی امیہ کے آخری زمانہ میں جب ان کو ضعف ہو گیا خاندان بنی ہاشم نے محمد ملقب بہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیمؑ کی بیعت کر کے ان کو بادشاہ بنانا چاہا۔ اس مجمع میں امام جعفر صادقؑ کو بھی بلایا گیا مگر حضرتؑ نے اس سے انکار کر کے فرمایا کہ واللہ یہ بادشاہت نہ میرے لیے ہے اور نہ ان دونوں کے لیے بلکہ یہ زرد کپڑے والے شخص کے لیے ہے کہ اسی کے خاندان (بنی عباس) کے بچے اور لڑکے اس بادشاہت سے کھیلیں گے۔ اس مجمع میں خاندان بنی عباس کا منصور دوانیقی بھی موجود تھا وہی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ حضرتؑ کا یہ کلمہ منصور کے دل میں اتر گیا اور وہ برابر اس امید میں رہا کہ یہ بادشاہت اسی کو ملے گی یہاں تک کہ واقعاً خاندان بنی عباس میں اسلامی حکومت آگئی اور منصور بادشاہ ہو گیا۔ حضرتؑ کے پہلے حضرتؑ کے والد ماجد امام محمد باقرؑ نے بھی منصور کے بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی کر دی تھی اور اس کی سلطنت کی شرقی و غربی حدود اور طول مدت بھی بتا دی تھی جس پر منصور نے حضرتؑ سے پوچھا تھا کہ بنو امیہ کی مدت سلطنت زیادہ ہے یا ہم لوگوں کی سلطنت کا زمانہ زیادہ ہو گا؟ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ تم لوگوں (بنی عباس) کی بادشاہت کا زمانہ بہت زیادہ ہو گا اور تمہارے بال بچے اس ملک کے ساتھ اس طرح کھیلیں گے جس طرح گیند سے کھیلا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ اتفاقاً سلطنت بنی عباس کو مل گئی اور منصور بادشاہ ہو گیا تو حضرت امام محمد باقرؑ کی پیشین گوئی یاد کر کے وہ برابر تعجب کرتا تھا (صواعق محرقہ صـ ۱۲۱)

حضرتؑ کے بعض مناظرے | حضرتؑ کے دہریوں۔ قدریوں۔ کافروں۔ یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں "کشف جو اولیاء اللہ اور انبیاء کو ہوتا ہے وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ ان بعض امور غیبی اور مخفی باتیں جو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے" (انوار اللغۃ پ ۲۲ صـ ۵۲)

ہوئے ہیں اور سب میں حضرتؑ کو صرف اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہی حاصل نہیں حاصل ہوئی بلکہ مخالفین کی پوری تشفی بھی ہوگئی اور وہ اپنے خیالات سے باز بھی آئے۔ مثلاً خلیفہ عبد الملک بن مروان کے پاس قدریہ مذہب کا ایک شخص آیا اور کل علماء شام سے خوب مناظرہ کیا۔ سب اس سے عاجز آگئے۔ تب عبد الملک نے کہا اس کا مقابلہ سوائے محمد بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) کے کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ خیال کرکے اس نے حضرتؑ کو مدینہ سے بلا بھیجا۔ حضرتؑ نے فرمایا میں اب بوڑھا ہوا سفر کی طاقت نہیں رکھتا اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو بھیج دیا۔ جب حضرتؑ شام میں پہونچے تو عبد الملک نے حضرتؑ کو کمسن دیکھ کر حقیر سمجھا اور مناظرہ کرانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ڈرتا تھا اگر قدریہ غالب آگیا تو اہل شام پر اور بھی بڑا اثر ہوگا۔ لیکن کل درباروں نے مناظرہ کرانے پر اصرار کیا۔ غرض مناظرہ شروع ہوا تو قدریہ نے حضرتؑ سے کہا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ حضرتؑ نے فرمایا سورۃ الحمد پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا جب ایاک نعبد وایاک نستعین تک پہونچا تو حضرتؑ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا اگر تم کو خدا سے مدد چاہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ تمہارے اعتقاد کے مطابق ہر چیز تمہارے ہی اختیار میں ہے۔ یہ سنتے ہی قدریہ مبہوت ہو گیا اور کچھ نہ بول سکا (تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۳۳) قدریہ کا اعتقاد ہے کہ ہر کام کا اختیار بندوں ہی کو ہے۔ خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں نہ تو دخل ہے نہ وہ کچھ کر سکتا ہے۔ اسلئے حضرتؑ نے ایاک نستعین سے جس میں خدا سے ہی مدد چاہتا ہوں سے استدلال کیا جس سے وہ لاجواب ہو گیا کیونکہ قدریوں کے عقیدہ کی بنا پر خدا سے مدد چاہنی غلط بیکار اور بے وجہ ہے۔

ابو شاکر دیصانی جو بہت بڑا دہری اور منکر خدا مذہب کا تھا حضرتؑ کے پاس آیا اور کہا مجھے معبود برحق کی طرف راستہ دکھائیے فرمایا ذرہ بیٹھ جاؤ استے میں ایک لڑکا ہاتھ میں کوئی انڈا لئے ادھر سے گذرا۔ حضرتؑ نے اس لڑکے سے انڈا لیکر فرمایا دیکھو یہ ایک مستحکم اور سڈول قلعہ ہے اس میں کوئی سوراخ یا رخنہ نہیں ہے۔ اس کے اوپر ایک سخت جلد اور اس کے اندر ایک باریک نرم جھلی ہے۔ اور دونوں کے نیچے سفیدی اور زردی مثل چاندی سونے کے اس طرح ہیں کہ دونوں بہتی ہوئی اور پھر ایک دوسرے سے الگ ہیں کہ نہ زردی سفیدی میں مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی میں۔ یہ دونوں چیزیں اسی طرح رہتی ہیں نہ کوئی درست کرنے والا کاریگر اس انڈے کے اندر جاتا ہے نہ کوئی بگاڑنے والا اس سے باہر آتا ہے پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے نر پیدا ہوگا یا مادہ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شق ہوتا ہے اور ایک طائر خوشنما طاؤس کے رنگ کا اس سے نکل آتا ہے۔ بتاؤ تو کیا تمہاری عقل اس کو مانتی ہے کہ یہ سب صنعتیں بغیر کسی صانع علیم قدیر لطیف و خبیر کے آپ ہی وجود میں آگئیں؟ دیصانی نے یہ سنکر سر جھکا لیا اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد بول اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ معبود ہے اور محمدؐ اس کے رسول برحق اور آپ حجت خدا و نائب رسولؐ ہیں۔ میں اپنے باطل عقیدہ سے تائب ہوا۔

اسی دیصانی نے ایک دفعہ ہشام بن الحکم سے کہا تھا کیا تمہارا اللہ ہر بات پر قادر ہے؟ انھوں نے

کہاں۔ پوچھا کیا اسکی بھی قدرت رکھتا ہے کہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں سمو دے اور نہ انڈا بڑھنے پائے نہ دنیا سکڑ کر چھوٹی ہو جائے؟ ہشام اس کا جواب نہ دے سکے۔ تو حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی پوچھا۔ فرمایا بے شک حق تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اُس کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ تم دیکھتے نہیں تمہاری آنکھ کی پتلی مقدار میں مسور کے دانے سے زیادہ نہ ہوگی۔ باوجود اسکے آسمان زمین جنگل پہاڑ شہر دریا وغیرہ سب جو اسکے سامنے پڑتے ہیں محیط ہو جاتی ہے۔ پس جو خدا اس پر قادر ہے کہ اس چھوٹی سی پتلی کے اندر ان تمام اشیاء کو داخل کر دے وہ اگر تمام عالم کو ایک انڈے میں سمو دے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ (اصول کافی ص۲۲)

حضرتؑ کی انجام بینی

حضرتؑ کا زمانہ اسلامی دنیا میں بہت پُر آشوب تھا۔ بنی امیہ کی سلطنت ختم اور بنی عباس کی حکومت شروع ہو رہی تھی۔ جب بنی عباس اس پر آمادہ ہوئے کہ بنی امیہ کو ختم کر دیں تو انھوں نے خیال کیا کہ بغیر آل رسولؐ کی دعوت کا نام لیے ہوئے کام نہیں چلے گا۔ پس وہ امداد و انتقام اہلبیتؑ کی دعوت کرتے تھے جس سے عام طور پر آل محمدؐ یعنی بنی فاطمہؑ کی امامت سمجھی جاتی تھی۔ اس وجہ سے شیعیان بنی فاطمہؑ کو بھی ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ان کے معاون ہو گئے تھے۔ ابو سلمہ جعفر بن سلیمان کوفی بھی جو کوفہ کے سرکردہ لوگوں کے محلہ میں رہنے کے سبب خلال کہلاتا تھا آل محمدؐ کا وزیر تجویز کیا گیا۔ بظاہر یہ شخص بنی فاطمہ کے گماشتے کے طور پر کام کرتا تھا مگر امام آل محمدؐ کی طرف سے اس کو باقاعدہ منظوری حاصل نہ تھی۔ اس ابو سلمہ نے بنی امیہ کے مقابلہ پر بہت کچھ کامیابی حاصل کر کے ایک ہی مضمون کا دو خط لکھا ایک حضرت امام جعفر صادقؑ کو بھیجا اور دوسرا ابو محمد عبد اللہ بن الحسن کی طرف دونوں کو لکھا تھا کہ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیں تاکہ حکومت کو بنی امیہ سے نکال کر ہم لوگ آپ کے حوالہ کر دیں۔ اس نے قاصد سے کہا کہ بہت تیزی سے دونوں خط لیجا کر ان حضرات کو دو۔ جب وہ قاصد مدینہ پہونچا ازشب کے وقت حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں ابو سلمہ کا خط لایا ہوں حضور پڑھ کر اس کا مناسب جواب لکھ دیں کہ میں لے کر چلا جاؤں۔ سنتے ہی حضرتؑ نے چراغ منگایا اور بغیر پڑھے ہوئے ابو سلمہ کا خط اس پر رکھ کر جلا دیا۔ اور قاصد سے کہا ابو سلمہ سے کہہ دینا کہ اس کے خط کا یہی جواب تھا۔ ابھی وہ قاصد مدینہ سے واپس جا کر کوفہ پہونچا بھی نہیں تھا کہ وہاں حکومت کا فیصلہ ہو گیا تھا اور سفاح کی بیعت ہو چکی تھی (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ ص۲۳) اگر حضرتؑ نے ابو سلمہ کے خط پر اعتماد کیا ہوتا اور حکومت حاصل کرنے کو روانہ ہوئے ہوتے تو یا تمام دنیا میں شرمندہ ہوئے ہوتے یا بنی عباس کے خلیفہ سفاح سے آپ کو جنگ کرنے کی نوبت آگئی ہوتی۔

کتاب جفر و جامعہ

بعض مؤرخین نے لکھا ہے (من مصنفاتہ کتاب الجفر) حضرتؑ کی مصنفات سے کتاب جفر و جامعہ بھی ہے۔ اور علامہ ابن خلکان نے جو بہت مشہور و معتبر مؤرخ

ہے لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ایک کتاب کیمیا اور جعفر و رمل پر لکھی تھی حضرتؑ کے شاگرد مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان کو جو یورپ میں جیبر کے نام سے مشہور ہیں جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا اور وہ ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے۔ ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ (تاریخ ابن خلکان جلد ا صفحہ ۱۳۰) اور علامہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب جفر کو امام جعفر صادقؑ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں ان کل باتوں کا ذکر ہے جن کے جاننے کی ضرورت ان حضرات کو قیامت تک ہو گی سلہ (نور الابصار صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ مصر)

سلہ علماء اہل سنت کے جلیل القدر بزرگ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "آنحضرت صلعم نے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو دو کتابیں لکھوا دیں ایک جفر دوسری جامعہ۔ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر لکھی تھی دوسری بھیڑ کی کھال اور جامعہ میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب بھلا لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں تھیں حضرت علیؑ پاس ان میں از روئے قواعد علم حروف و تکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گذرے وہ انھیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے اور انھیں کتابوں سے نقل کرتے۔ امام ابو عبد اللہ نے فرمایا میرے پاس جفر ابیض ہے۔ زید بن ابی العلاء نے پوچھا اس میں کیا ہے۔ فرمایا زبور داؤدؑ کی اور تورات موسیٰؑ کی اور انجیل عیسیٰؑ کی اور ابراہیمؑ کے صحیفے اور حلال و حرام اور حضرت فاطمہؑ کا مصحف اور وہ باتیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہوں ہم ان کے محتاج نہ ہوں۔ اور میرے پاس جفر احمر بھی ہے الخ۔ کتاب قبول العہد میں جو امام رضاؑ نے مامون رشید خلیفہ کو لکھی یوں ہے کہ تو نے خلافت کے مستحق کو پہچانا اور تیرے باپ دادا نے نہیں پہچانا میں نے تیری طرف سے یہ التماس قبول کیا (مامون نے درخواست کی تھی کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہو جائیے۔ میں اپنے تئیں معزول کر دیتا ہوں کیونکہ خلافت آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد کا حق تھا) مگر جفر و جامعہ دونوں کتابوں سے یہ نکلتا ہے کہ سادات کی خلافت چلنے والی نہیں۔ ایک امام صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت اور نبوت دونوں ہمارے خاندان میں جمع کرنے والا نہیں۔ حضرت علم الہدیٰ سید مرتضیٰ سے خلیفہ وقت نے ہاتھ ملایا۔ اور تعریضاً کہا تمہاری انگلیوں سے خلافت کی بو سونگھتا ہوں۔ آنحضرت نے کہا خلافت کی نہیں بلکہ نبوت کی خوشبو ہے۔ مؤلف کہتا ہے اللہ نے بنی فاطمہ کے لئے آخرت کے درجے خاص فرمائے اور دنیا کی حکومت اور سلطنت ان کی قسمت میں نہیں رکھی۔ امام حسین علیہ السلام نے قسمت آزمائی کی تھی حکومت عامہ نصیب نہیں ہوئی اور ایسے کچھ سے ترجیح ہے ان کو ہمیشہ خلافت اور حکومت کے عوض حاصل رہے ...... کہتا ہوں کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر اور تبدیل کر کے اس کے سوال کا جواب نکالنا۔

(انوار اللغۃ پ ۵ صفحہ ۱۲)

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ نے ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ہجری (مطابق ۷۶۵ء) کو زہر سے انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے (صواعق محرقہ ص۱۲۱ و نور الابصار ص۱۴۷)

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی امیہ سے عبد الملک و ولید و سلیمان و عمر بن عبد العزیز و یزید بن عبد الملک و ہشام و ولید بن یزید بن عبد الملک و یزید الناقص و ابراہیم بن ولید و مروان حمار گزرے پھر جب سلطنت بنی امیہ ختم ہو گئی تو بنی عباس کا دور ہوا جس سے ابو العباس و منصور دوانیقی بادشاہ ہوئے اور اسی منصور دوانیقی نے حضرت کو زہر دلوا دیا جس سے حضرت شہید ہوئے۔

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

(۱) پہلی بی بی جناب فاطمہؑ سے جناب اسماعیل و عبد اللہ و ام فروہ تھیں (۲) دوسری بی بی سے اسحاق و موسیٰ کاظمؑ و محمد (۳) اور مختلف بیویوں سے عباس و علی و اسماء و فاطمہ۔ اس طرح حضرتؑ کی کل اولاد دس تھیں۔

حضرتؑ کے اصحاب

بھی بڑے پایہ کے تھے علم و فضل و تحقیق و اشاعت دین میں ان کے کارنامے قابل قدر ہوئے ہیں۔ مخصوص جناب محمد بن مسلم طائفی۔ ابو بصیر عبد اللہ بن ابی یعفور۔ زرارہ بن اعین حمران ابن اعین۔ محمد بن علی بن نعمان معروف بہ مومن الطاق۔ ہشام بن سالم جوالیقی۔ مفضل بن عمر جعفی۔ کمیت بن زید اسدی۔ سید بن محمد حمیری و ہشام بن الحکم وغیرہ۔

جناب ہشام کا مناظرہ

کل اصحاب کے حالات بیان کرنے میں طول ہوگا۔ صرف جناب ہشام کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ حضرتؑ کی خدمت میں جو لوگ رہتے وہ علم و فضل اور تحقیق و استنباط میں کس بلند پایہ پر پہنچ جاتے تھے۔ جناب ہشام بہت کمسن تھے مگر بڑے بوڑھوں سے زیادہ حدید الذہن واقع ہوئے تھے ایک روز حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حضرتؑ کے اصحاب مثلاً حمران بن اعین و مومن طاق و طیار و ہشام بن سالم و ہشام بن حکم بیٹھے تھے۔ ہشام بن حکم اس وقت ۱۸ یا ۱۹ سال کے نوجوان تھے حضرتؑ سے اور ان سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حضرتؑ۔ اے ہشام! فرقہ معتزلہ کے بڑے پیشوا اور سردار عمرو بن عبید سے تم سے جو مناظرہ ہوا تھا اُسے مجھے بھی سناؤ۔

ہشام۔ حضور! مجھے شرم آتی ہے کہ حضرتؑ کی مجلس میں ان باتوں کا ذکر کروں اور حضورؑ کی ہیبت سے میری زبان تک نہیں کھل سکتی۔

حضرتؑ۔ جب میں خود تم سے کہتا ہوں تو تمہیں عذر نہیں کرنا چاہیئے۔

ہشام۔ (حضرتؑ کے حکم سے ان کا دل مطمئن ہو گیا تو عرض کی) جب مجھے ہوا کہ عمرو بن عبید معتزلی بصرہ کی مسجد میں مسند علم و تحقیق پر بیٹھے ہوئے مسئلہ امامت اور دوسرے مسائل اصول کلام میں اپنے بزرگوں حضرات

اہلسنت) کے عقائد کی اشاعت و ترویج کرتے رہتے ہیں تو میں نے بصرہ کا قصد کیا۔ جمعہ کے روز وہاں پہونچا۔ مسجد جامع میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عمرو بن عبید سیاہ اون کا ایک شملہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک بڑی جماعت اُن کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے۔ لوگ اُن سے علمی مسائل دریافت کرتے اور وہ سب کا جواب دیتے جاتے ہیں میں صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور اُن کے سامنے جاکر دو زانو ہو بیٹھا۔ پھر اس طرح میرے اُن کے باتیں ہونے لگیں۔

ہشام۔ اے عالم! میں ایک مسافر شخص ہوں۔ آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ سے کچھ پوچھوں؟

عمرو بن عبید۔ ہاں ہاں جو پوچھنا ہو دریافت کرو۔

ہشام۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید۔ اے فرزند! یہ کیسا مہمل سوال تم مجھ سے کرتے ہو؟

ہشام۔ میرا سوال تو یہی ہے (آپ جواب دیں یا نہ دیں)

عمرو بن عبید۔ خیر جو چاہو پوچھو اگرچہ پاگل پنے ہی کی باتیں کیوں نہ ہوں (کیا کروں گا میں جواب دوں گا)

ہشام۔ تو میرا سوال وہی ہے کہ بتائیے آپ کی آنکھیں ہیں یا نہیں؟

عمرو بن عبید۔ ہاں میری آنکھیں ہیں۔

ہشام۔ ان آنکھوں سے کیا کرتے ہیں؟

عمرو بن عبید۔ ان آنکھوں سے تمام دنیا کی چیزیں دیکھتا ہوں۔ آدمیوں اور رنگوں کو پہچانتا ہوں۔

ہشام۔ آپ کی ناک بھی ہے؟

عمرو بن عبید۔ ہاں ناک بھی رکھتا ہوں۔

ہشام۔ اس سے آپ کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید۔ اس سے بو سونگھتا ہوں۔ خوشبو بدبو میں تمیز کرتا ہوں۔

ہشام۔ آپ کے منہ بھی ہے؟

عمرو بن عبید۔ ہاں خدا نے مجھے منہ بھی دیا ہے۔

ہشام۔ اس سے کون کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید۔ اس سے غذائیں چکھتا اور کھانے تناول کرتا ہوں۔

ہشام۔ آپ کے دل بھی ہے؟

عمرو بن عبید۔ ہاں بھائی دل بھی رکھتا ہوں۔

ہشام۔ اس سے کون ضرورت پوری ہوتی ہے؟
عمرو بن عبید۔ مذکورۂ بالا اعضاء (آنکھ۔ کان۔ ناک۔ منھ) پر جو چیزیں وارد ہوتی ہیں اُن میں اسی دل سے تمیز کرتا ہوں (ان سے سمجھتے ہیں کہ کون شخص دکھائی دیا یا کس چیز کی بو ہے۔ یا کیسا مزہ۔ جب اختلاف ہوتا ہے تو اسی دل کی طرف توجہ کر کے اس کی مدد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا ہے)
ہشام۔ تو کیا دوسرے اعضاء دل سے بے نیاز نہیں (بلکہ اس کے محتاج) ہیں؟
عمرو بن عبید۔ ہاں بے نیاز نہیں ہیں۔
ہشام۔ کیوں بے نیاز نہیں ہیں؟ حالانکہ ہر عضو میں قوت ادراک بھی موجود ہے اور سب صحیح وسالم بھی ہیں۔
عمرو بن عبید۔ اے فرزند جو چیزیں میں دیکھتا یا چکھتا یا سونگھتا ہوں اس میں جب مجھے کوئی شک ہوتا ہے (کہ کیا چیز دیکھی یا سونگھی) تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں جس سے وہ شک زائل اور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔
ہشام۔ تو کیا خدا نے دل کو اس لیے پیدا کیا کہ آدمی کے باقی اعضاء میں جو شک پیدا ہو وہ زائل ہوتا اور صحیح و غلط کی تمیز ہوتی رہے؟
عمرو بن عبید۔ ہاں ہاں بس یہی بات ہے۔
ہشام۔ تو معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے بدن میں ایک دل کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ باقی اعضاء کے شکوک و اختلافات کو زائل کر کے صحیح و غلط بتاتا رہے اور اس سے یقین حاصل ہو۔
عمرو بن عبید۔ ہاں بالکل یہی بات ہے۔
ہشام۔ آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آپ کا اعتقاد ہے کہ خدا نے کسی آدمی کے اعضاء کو بھی بغیر کسی امام (دل) کے نہیں چھوڑا جو ان اعضاء کے شک و یقین اور صحیح و غلط میں تمیز کرتا رہے مگر دنیا بھر کے لوگوں کو بغیر امام کے چھوڑ دیا۔ (یعنی ان لوگوں کا کوئی امام اپنی طرف سے نہیں مقرر کیا) تاکہ سب کے سب حیرت و ضلالت اور شک و اختلافات میں پڑے رہیں۔ اور کسی شخص کو بھی اس غرض سے نہیں مقرر کیا کہ شک و حیرت اختلافات و ضلالت کے موقع پر لوگ اسکی طرف رجوع کر کے یقین و ہدایت حاصل کریں؟ کیونکہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام کسی کو مقرر نہیں کیا اور امت رسول کو یونہی چھوڑ دیا کہ آپس میں اختلافات کر کے گمراہ ہو گئے اور بہتر فرقوں پر منتشر ہو گئے ہیں۔ اگر خدا ہی ان لوگوں کا امام بھی کسی کو مقرر کر دیتا (جیسا شیعوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؑ کو خدا نے امام مقرر کر دیا تھا تو امت رسول گمراہی سے بچ جاتی)
میری یہ تقریر سن کر عمرو بن عبید مبہوت ہو گئے۔ دیر تک غور و فکر کرتے رہے۔ پھر سر اٹھا کر میری

طرف متوجہ ہوئے اور کہا:۔

عمرو بن عبید۔ کیا تم ہی ہشام بن حکم ہو؟

ہشام۔ واہ یہ کون کہتا ہے کہ میں ہشام ہوں؟

عمرو بن عبید۔ اچھا تم ہشام کے پاس بیٹھتے اٹھتے ہو۔

ہشام۔ میں ان کا ہم نشین نہیں ہوں۔

عمرو بن عبید۔ خیر بتاؤ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔

ہشام۔ میرا غریب خانہ کوفہ ہے۔

عمرو بن عبید۔ پھر ضرور تم ہشام ہی ہو۔

یہ کہہ کر عمرو بن عبید اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور اپنی جگہ لے جاکر بٹھایا اور پھر کوئی بات نہیں کی۔ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ جب میں نے سب واقعات بیان کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہنس پڑے اور مجھ سے پوچھا کہ ان باتوں کو تم نے کس سے سیکھا تھا؟ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ خدا اللہ تعالیٰ نے خود ہی میری زبان پہ یہ باتیں جاری کر دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا کی قسم یہ مضمون حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کا ہے (کتاب مجالس المومنین ص۱۴۵)

خلفاء فاطمین

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی لکھتے ہیں "تیسری صدی (ہجری) کے اخیر میں ایک بڑی زبردست سلطنت علویوں کی مغرب میں قائم ہوئی۔ بنو امیہ اور عباسیوں کے بعد حدود اراضی کے اعتبار اور نیز اس اعتبار سے کہ عرصہ تک بادشاہت قائم رہی علوی سلطنت تیسرے درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ بغداد سے پچھم اندلس تک علویوں کی بادشاہت تھی۔ کچھ دنوں تک شام، مکہ، اور مدینہ میں بھی علویوں کا زور تھا۔ سال بھر تک خطبہ بغداد میں مستنصر علوی کا نام لیا گیا۔ اندلس البتہ مستقل اور زبردست اسلامی سلطنت عرصہ تک علویوں کا ایک صوبہ رہی۔ جیسا کہ سلاطین اندلس کے حال میں لکھا گیا۔ سلاطین علویہ باعتبار خلفاء عباسیہ کے زیادہ پابند احکام شرعی تھے۔ لہو و لعب سے ان کو پرہیز تھا اس لئے عباسی مورخوں نے براہ تعصب علویوں کو متعصب لکھا ہے...... ڈھائی سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ خاندان قائم رہا۔ چودھویں بادشاہ عاضد کے عہد ۵۵۵ ہجری میں اس کا خاتمہ ہوا" (تاریخ اسلام ص۲۲۳) یہی سلاطین علویہ خلفاء فاطمین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کی نسل سے تھے۔ اس طرح کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے بڑے صاحبزادے جناب اسمٰعیل اپنے والد ماجد کی

زندگی میں انتقال فرما گئے تھے مگر آپ کی شادی ہو چکی تھی جن سے آپ کے صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔ انکے فرزند عبداللہ الرضی ، ان کے صاحبزادے احمد الوفی اور ان کے بیٹے حسین التقی ۔ اور ان کے بیٹے عبیداللہ المہدی ہوئے جو خلفائے فاطمیین کے بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے اس خاندان کو اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔ اثنا عشری فرقہ کے لوگ ان لوگوں کو شش امامی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بارہ اماموں سے صرف پہلے چھ اماموں کو مانتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو امام نہیں مانتے بلکہ جناب اسمٰعیل کے بیٹے جناب محمد کو امام جانتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ امامت جناب اسمٰعیل ہی کی اولاد میں قیامت تک رہے گی۔ ہندوستان کے شیعہ بوہروں اور آغا خانی خوجوں کا یہی مذہب ہے۔ ۱۳ ربیع الآخر ۲۹۷ ہجری (۹۰۹ء) کو سلطنت قائم ہوئی۔ انتہائے عروج کے زمانہ میں انکی سلطنت بحر ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحیرۂ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ مراکش، بلاد الجزائر، تونس، طرابلس، برقہ، مصر، شام، حجاز، یمن، جزیرہ صقلیہ اور بحیرۂ روم کے بعض اور جزیرے اس میں شامل تھے بلکہ بغداد و موصل تک میں ایک سال تک اُن کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ان بادشاہوں کو علوم و فنون کا بھی کمال شوق تھا۔ خود بھی بڑے عالم اور فاضل تھے انھوں نے مصر میں ہر قسم کی ایسی ترقی، رونق اور روشنی پھیلائی جو انہیں کے زمانہ سے مخصوص تھی۔ نہ اُن سے پہلے مصر کو یہ دن نصیب ہوا تھا۔ نہ اُن کے بعد ہوا۔ اسٹینلی لین پول لکھتا ہے کہ خاندان فاطمیہ کی دولت و حشمت اور تجارت بحیرۂ روم کی خوشحالی کا باعث ثابت ہوئی (تاریخ اسلام جلد ص۱۱۲) ذیل میں اس خاندان کے چودہ بادشاہوں کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) جناب ابو محمد عبیداللہ المہدی باللہ

سنہ ۲۶۶ ہجری (۸۷۹ء) میں بمقام سلمیہ یا کوفہ پیدا ہوئے اور سلطنت فاطمیین کی بنیاد قائم کی۔ اس طرح کہ آپ نے افریقہ میں کوشش شروع کی۔ بنو عباس کی سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ کسی سے مہدی کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور آپ کی کامیابی روز بروز بڑھتی گئی سنہ ۳۰۳ ہجری سے سنہ ۳۰۸ ہجری تک قیروان کے قریب ایک مضبوط شہر اور مستحکم قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام مہدیہ رکھ کر اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ قیروان اور طرابلس کو فتح کر کے مصر کی فتح کو گئے یہاں خلیفہ مقتدر عباسی کی طرف سے مونس خادم مقابلہ کو آیا لیکن کامیابی جناب عبیداللہ کو ہوئی۔ آپ نے تمام مغرب اقصیٰ (مراکو) کو فتح کر کے فاطمی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مغرب اقصیٰ کی فتح کے بعد آپ اندلس فتح کرنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ اجل آ گئی۔ آپ نے اپنی سلطنت اپنی حیات ہی میں سرحد مصر سے بحر ظلمات اور جزائر خالدات (کناریز) تک اور بحیرۂ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیلا دی تھی۔ آپ کی خلافت زبردست اور مستبدانہ تھی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ آپ نے دادگستری اور فیاضی کے ساتھ سلطنت کی۔ لوگ آپ کی طرف کھنچے ہوئے تھے۔ آپ کا زمانہ جلوس ربیع الآخر سنہ ۲۹۷ ہجری (مطابق ۹۰۹ء) اور تاریخ وفات ۱۵ ربیع الاول سنہ ۳۲۲ ہجری (۹۳۴ء) بمقام مہدیہ۔ مدت سلطنت ۲۴ سال چند ماہ اور مدت عمر ۶۲ سال تھی۔ اپنے آباؤ

کیے ہوئے شہر مہدیہ میں دفن کیے گئے۔

(۲) جناب ابو القاسم محمد نزار قائم بامر اللہ بن مہدی | آپ کی تاریخ ولادت محرم ۲۸۰ھ ہجری (۸۹۳ء) تاریخ جلوس ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ ہجری (۹۳۴ء)

مدت سلطنت ۱۲ سال ۷ ماہ اور مدت عمر ۵۴ سال ۹ ماہ تھی۔ بڑے جنگ آزمودہ تھے۔ اکثر جنگوں میں خود تشریف لے جایا کرتے۔ مسٹر امیر علی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ پہلے فاطمی خلیفہ ہیں جنہوں نے بحیرۂ روم پر حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ ۳۲۳ھ ہجری میں مغرب اقصیٰ کی بغاوت فرو کی اور ریفت کے بنو ادریس کو مطیع کیا۔ اٹلی کے ڈاکو فاطمی خلیفہ کے بندرگاہوں پر لوٹ مار کر جایا کرتے تھے تو آپ کا سپہ سالار جنوبی اٹلی کو بمقام ... تک تاراج کرتا ہوا شہر جینوا تک جا پہنچا۔ شہر کو فتح اور اٹلی کے بہت سے باشندوں کو گرفتار کر لیا (۳۲۴ھ ہجری)۔ شہر جینوا مدت تک خلفائے فاطمیین کے قبضہ میں رہا۔ اور وہ لومبرڈی کا ایک حصہ بھی مطیع کر لیا۔ اگر آپ کی اپنی سلطنت میں ایک بغاوت نہ شروع ہو جاتی تو یقیناً آپ پورے ملک اٹلی کو فتح کر لیتے۔ آپ کے اس بیڑے نے واپسی کے وقت سارڈینیا پر حملہ کر کے فرنگیوں کو بہت سی شکستیں دیں۔ پھر قیسا کا رخ کیا جو شام کے ساحل پر ہے۔ یہاں اس نے عباسیوں کے جہاز کو جلا دیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر مہدیہ کی طرف مراجعت کی۔ ۳۲۴ھ ہجری میں آپ کے خادم زیدان نے اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر اہل صقلیہ نے بغاوت کی اور شاہ قسطنطنیہ کے بیڑے کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا مگر صقلیہ کے فاطمی گورنر نے ابو ثور قلعہ بلوط فتح کر کے جنت کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے بیڑے نے رومی بیڑے کو تباہ کر ڈالا۔ آپ کے زمانہ میں ابو یزید خارجی نے بغاوت کی جو مدت دراز تک جاری رہی اور نہایت عظیم الشان ہوئی۔ گویا اس نے فاطمی خلیفہ کو قیروان سے بے دخل کر دیا تھا۔ کبھی اس کی فتح ہوئی اور کبھی جناب قائم بامر اللہ کی۔ اسی اثنا میں جناب قائم نے مقام مہدیہ میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔

(۳) جناب ابو طاہر اسماعیل منصور باللہ بن القائم | ۳۰۲ھ ہجری (۹۱۴ء) میں بمقام قیروان پیدا ہوئے ۱۳ شوال ۳۳۴ھ ہجری (۹۴۶ء) میں تخت سلطنت

پر بیٹھے۔ سلخ شوال ۳۴۱ھ ہجری (۹۵۳ء) میں وفات ہوئی۔ مدت سلطنت ۷ سال ۱۶ یوم اور عمر ۳۹ سال کی ہوئی۔ آپ بڑے بہادر، عقلمند، مستعد، مستقل مزاج، خوش خلق، ادیب، لبیب، شاعر، مقرر، بلیغ اور نہایت فصیح تھے۔ بغیر پہلے سے سوچے فی البدیہہ خطبے شروع کرتے اور سلسل دریا کی روانی سے بیان کرتے جاتے۔ آپ کا ایسی حالت میں بادشاہ ہونا ابو یزید کی بغاوت سے تمام ملک میں غدر مچا ہوا تھا سوائے ساحل بحر کے چند قلعہ بند شہروں اور مہدیہ (پایہ تخت) کے کچھ قبضہ میں نہ رہا تھا۔ اندلس کے اموی خلیفہ ناصر نے مغرب اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر سلطنت کو سنبھالنا اور اپنے آبائی ملک پر قابض ہو جانا آپ کی لیاقت و کمال کا بین ثبوت تھا۔ آپ نے بادشاہ ہوتے ہی ابو یزید سے ایسی جنگ کی کہ وہ بد حواس ہو کر بھاگا اور بمقام فتح پر

بادشاہ نے منصوریہ آباد کر کے وہاں سکونت اختیار کی۔ ربیع الاول ۳۳۵ھ ہجری میں بادشاہ اس باغی ابویزید کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اسے دباتے چلے گئے۔ جنگل، بیابان، پہاڑ، وادی اور دلدلوں کی کچھ پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ اس کے پیچھے بادشاہ ان کے ایسے ویرانے میں پہنچے جہاں پانی کی ایک مشک ایک اشرفی کو ملتی تھی۔ غرض سخت لڑائی کے بعد ابویزید مارا گیا اور بادشاہ سجدۂ خالق بجا لائے۔

صاحب حقائق الاخبار لکھتے ہیں کہ ابویزید ملحد تھا۔ خدا نے اس کے شر سے اہل مغرب کو نجات دلا دی۔ اس نے ایسے ایسے ظلم کئے تھے جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد شاہ قسطنطنیہ نے سمندر کی راہ سے بہت سی فوج صقلیہ روانہ کی تو آپ نے ایک بیڑا جہازوں کا روانہ کر دیا مگر رومی بغیر لڑے بھاگ گئے اور قسطنطین بادشاہ روم نے مجبور ہو کر صلح کر لی اور آپ کے گورنر حسن نے شہر ریو کے وسط میں نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی۔

جناب ابو تمیم معز لدین اللہ بن المنصور

آپ خلفاء فاطمیین کے چوتھے بادشاہ تھے۔ ۱۱ رمضان المبارک ۳۱۹ھ ہجری (۹۳۱ء) میں بمقام مہدیہ پیدا ہوئے۔ سلخ شوال ۳۴۱ھ ہجری (۹۵۳ء) میں بادشاہ ہوئے۔ ۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ ہجری (۹۷۵ء) کو قاہرہ میں وفات پائی۔ مدت سلطنت ۲۳ سال ۶ ماہ اور مدت زندگی ۴۵ سال ۷ ماہ ہوئی۔ خلفاء فاطمیین کے مخالف مورخین نے بھی آپ کو بادشاہ دانا، مستعد، بہادر، سخی، منصف، عادل، کریم الاخلاق۔ سائنس و فلسفہ میں ماہر، علوم فنون کا بڑا ماہر، صاحب رائے۔ امور ملک و قوانین سلطنت سے اچھی طرح آگاہ۔ علوم نجوم و ہیئت کا شائق و ماہر لکھا ہے۔ علوم و فنون کی قدردانی کے لحاظ سے بعض مورخین نے اس خلیفہ کو مغرب کا مامون کہا ہے۔ معز کے عہد حکومت میں شمالی افریقہ نے اعلیٰ درجہ کی تہذیب اور خوشحالی حاصل کی۔ لوگ خوشی اور فارغ البالی میں بسر کرتے تھے۔ بادشاہ نے ملک کے اندرونی فساد اور ہنگامے سختی اور مستعدی سے فرو کئے۔ انتظام اصلی اصول کی بنیاد پر قائم کیا۔ تمام کاموں کے واسطے قواعد و ضوابط مرتب کئے اور ان افسروں کے ماتحت امن قائم رکھنے کے لئے فوج نظام اور فوج ملیشیا کا ایک حصہ متعین کیا (ملیشیا سے وہ پیشہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو لڑائی کے وقت فوج کا کام دیتے ہیں) بیڑے اور فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور تجارت و حرفت کو بہت فروغ دیا۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے چونکہ معز لدین اللہ نرم مزاج اور رحم دل تھے اور خدا نے ایک عجیب و غریب شعور و لیاقت انکو عطا کی تھی وہ سردار بھی جو ان کے آباؤ اجداد کے خون کے پیاسے تھے اگرچہ ان سے دلی محبت نہ رکھتے ہوں تاہم ان کے دوست ضرور بن گئے۔ معز ان سے نہایت خلق و مہربانی سے پیش آتے تھے اور اس طرح انہوں نے انکو دشمن سے اپنا حامی و مددگار بنا لیا (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم ص۱۱۹) عباسی صاحب لکھتے ہیں سلطنت نے انکے زمانہ میں عروج پکڑا۔ مصر، اسکندریہ، مکہ اور مدینہ تمام مقامات عباسیوں کے تصرف سے نکل کر انکی سلطنت میں شامل ہوئے۔ شام پر بھی ان کا تسلط ہو گیا۔ قاہرہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک مصر کا

دارالخلافت ہے۔ اس بادشاہ نے مصر کو اپنا دارالخلافت قرار دیا اور پھر یہ سلاطین اسماعیلیہ کا بھی
دارالحکومت رہا۔ (تاریخ اسلام ص۲۳۳) اندلس کے اموی خلیفہ ناصر لدین اللہ نے ایک ایسا بڑا تجارتی جہاز بنوایا تھا کہ اس وقت
تک دنیا کی کسی سلطنت نے اتنا بڑا جہاز نہیں تیار کیا تھا۔ اس جہاز نے معز لدین اللہ کے جہاز کو لوٹ لیا
تو آپ نے ایک زبردست بیڑا تیار کر کے اندلس پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ اس بیڑے نے مریہ کی
لنگرگاہ میں گھس کر تمام جہازوں کو پھونک دیا۔ پہلے جہاز کو گرفتار لیا اور خشکی پر اتر کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا
اور بہت کچھ مال غنیمت لے کر پلٹا۔ اس کے بعد بھی یہ اموی اور فاطمی بادشاہ آپس میں لڑ کر اپنی قوت ضائع کرتے
رہے۔ ورنہ یہ لوگ زبردست تھے کہ اگر ان میں اتحاد ہوتا تو اس وقت تمام یورپ کا فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی
۳۴۲ھ ہجری کے ختم ہوتے ہوتے حدود مصر سے ساحل بحر اوقیانوس تک پھر تمام ممالک پر خلفاء فاطمیین کا قبضہ
ہو گیا۔ ۳۵۴ھ ہجری میں رومیوں سے سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں نے فتح پائی اور بہت سے رومی گرفتار کر لیے۔
۳۵۱ھ ہجری سے ۳۵۴ھ ہجری تک جزیرہ صقلیہ سے رومیوں کی سلطنت بالکل نیست و نابود کر دی۔ ۳۵۵ھ ہجری
میں یورپ کی فوجوں نے جنوبی اٹلی کے مسلمانوں پر چڑھائی کی مگر یہ سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ۳۵۸ھ
میں اہل مصر کی درخواست پر ان کی فریاد رسی کرنے کے لیے ابوالحسن جوہر کو ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بارہ
سے زیادہ مال کے صندوق دیکر مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ جوہر کو پوری کامیابی ہوئی۔ شہر قاہرہ معزیہ کو آباد کر کے
دارالحکومت بنایا۔ مصر سے عباسیوں کا سکہ و خطبہ موقوف کر کے معز لدین اللہ کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ اذان
میں حی علی خیر العمل پھر سے جاری کیا گیا۔ نماز میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے لگے۔ اور خطبہ کے بعد اللھم صل
علی محمد المصطفی وعلی علی المرتضی وعلی فاطمۃ البتول وعلی الحسن والحسین سبطی
الرسول الذین اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا وصل علی الائمۃ الطاھرین
آباء امیر المومنین پڑھا جانے لگا اور اہلبیت کے فضائل بیان ہونے لگے۔ اس کے بعد جوہر نے جامع
ازہر تعمیر کی جو اس وقت اہل اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ ۳۶۲ھ ہجری میں عید غدیر مصر میں پہلی دفعہ کمال
شان و شوکت سے منائی گئی۔ مصر فتح کرنے کے بعد جوہر نے ۳۵۹ھ ہجری میں شام فتح کر لیا اور عباسیوں کا خطبہ
موقوف کر کے فاطمی بادشاہ کا خطبہ جاری کر دیا۔ ۳۶۳ھ ہجری میں مکہ اور مدینہ میں معز کے نام کا خطبہ مستقل
طور پر جاری ہو گیا۔ مورخ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ معز نے اپنی [illegible] سلطنت کی کہ اس سے زیادہ خیال
میں نہیں آ سکتی۔ ۱۵ ہزار اونٹ اور دس ہزار خچر [illegible] جو قاہرہ سے لائے گئے تھے خزانچی کو حکم
دے رکھا تھا کہ ہر روز چند صندوق پر زر دربار میں لا کر رکھتا۔ محتاجوں کو اجازت تھی کہ ان میں سے ایک ایک مٹھی بھر
کر لے جائیں۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ معز کا خطبہ تمام ممالک مغرب، مصر، شام، حجاز اور بعض ممالک عراق میں پڑھا
جاتا تھا۔

(۵) جناب ابو منصور نزار العزیز باللہ بن معز | ۱۴ محرم ۳۴۴ ہجری (۹۵۵ء) کو مہدیہ میں پیدا ہوئے

۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ ہجری (۹۷۵ء) کو تخت سلطنت پر بیٹھے ۲۸ ماہ رمضان ۳۸۶ھ (۹۹۶ء) کو رحلت فرمائی
مدت سلطنت ۲۱ سال ۵ ماہ اور عمر ۴۲ سال ۸ ماہ ہوئی۔ آپ جواد کریم ۔ شجاع عقیل حلیم صابر خوش
خلاق اور کثیر العفو تھے۔ مغلوب دشمن پر رحم کرتے بلکہ اُس کو مالا مال کر دیتے۔ عالم و فاضل زبردست خصوصاً ادیب
و شاعر اعلیٰ درجہ کے تھے۔ عید کے دن آپ کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا تو یہ شعر کہے۔

نحن بنو المصطفیٰ ذوو محن — یجرعها فی الحیوۃ کاظمنا
عجیبۃ فی الانام محنتنا — اولنا مبتلیٰ وخاتمنا
یفرح ھذا الوریٰ بعیدھم — طرا و اعیادنا ماتمنا

ہم آل محمد ہمیشہ مصائب ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہمارے ضبط کرنے والے تمام عمر رنج و غم کے گھونٹ گھونٹ
پیتے رہتے ہیں۔ خلائق میں ہماری مصیبت عجیب ہے کہ ہمارا اول و آخر سب رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ دنیا کے لوگ اپنی عید کی خوشی مناتے ہیں مگر ہماری عید کیا
ماتم میں گزرتی ہیں (یتیمۃ الدھر ثعالبی) آپ کو عمارتوں کا بہت شوق تھا مصر میں بہت سی عمارتیں آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے عہد میں عرب، حجاز
شیراز اور حلب بھی فتح ہو کر فاطمی سلطنت میں شامل ہوئے۔ موصل، امین، کوفہ، انبار وغیرہ میں آپ کے
نام سکہ و خطبہ جاری ہوا۔ یمن میں بھی آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ آپ کے عہد میں فاطمی سلطنت دریائے فرات
کے کنارے سے بحر ظلمات تک پھیلی ہوئی تھی اور عرب کا تمام مشرقی حصہ تہامہ، یمن تک اس میں شامل تھا۔ اندلس کے
بنی امیہ نے جو بعض علاقے مغرب اقصیٰ کے دبا لیے تھے آپ نے ان سب کو لڑ کر چھین لیا اور ۳۸۰ھ ہجری (۹۹۰ء)
میں اس ملک سے ان کی حکومت بالکل برطرف کر دی۔ عضد الدولہ دیلمی سے آپ کی دوستانہ مراسلت جاری
تھی۔ آپ نے ۳۸۶ھ ہجری میں وفات پائی جس سے خلفاء فاطمیین کی عظمت و شوکت کا گویا خاتمہ ہو گیا۔
مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ عزیز باللہ کے عہد میں خلیفہ کے جود و کرم کی وجہ سے لوگ دن عید اور رات شب برات کی طرح گزارتے تھے۔
آپ کا عہد خوبی میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "وہ شام سے اندلس تک تمام ممالک مغربی
پر اُس کا قبضہ تھا" (تاریخ اسلام ص ۲۲۴)

(۶) ابو علی منصور حاکم بامر اللہ بن عزیز	۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ ہجری (مطابق ۹۸۵ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۸ ماہ رمضان ۳۸۶ھ ہجری (۹۹۶ء) کو تخت

نشین ہوئے۔ ۲۷ شوال ۴۱۱ھ ہجری (۱۰۲۱ء) کو انتقال فرمایا۔ ۲۵ سال ۲۹ دن مدت سلطنت اور ۳۶ سال
۷ ماہ کی عمر ہوئی۔ آپ بچپن یعنی ۱۱ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے تھے۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "یہ بڑا متشرع بادشاہ
تھا اس نے عورتوں کے پردے پر سختی کی۔ مسکرات کی خرید و فروخت بند کرا دی۔ اس کے وقت میں انتظام شہری
اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجد اور سرائے کی بنیاد اُسی نے ڈالی ہے" (تاریخ اسلام ص ۲۲۵)
ابن خلدون نے لکھا ہے کہ خلیفہ حاکم سخی۔ شجاع۔ منصف۔ عالم۔ عابد اور صاحب کرامات تھے۔
صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ حاکم عادل اور خدا ترس بادشاہ تھے۔ مدرسے بنائے۔ ان کے لئے جاگیریں

وقف کیں اور اُن میں عالم و فقیہ مقرر کیے۔ حکم دیا تھا کہ خلیفہ کے واسطے زمین بوسی نہ کی جائے نہ سلام کے وقت ہاتھ چومے جائیں۔ عام اجازت دی تھی کہ جس کا دل چاہے اپنی شکایت خود بادشاہ سے مل کر بیان کرے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے ہیئت داں تھے۔ آپ کی زیج حاکمی جو ۴ جلدوں میں ہے اعلیٰ درجہ کی مشہور ہے۔ ۲۷ شوال ۴۱۱ سنہ ہجری (۱۰۲۱ء) کو ایک پہاڑ پر تنہا پا کر کسی دشمن نے آپ کو ہلاک کر دیا۔ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ حاکم بڑی فیاضی اور تندہی سے علم اور سائنس کی ترقی میں کوشش کرتے تھے۔ شام اور مصر میں انھوں نے بہت سی مسجدیں، کالج اور رصد خانے تعمیر کرائے۔

(۷) جناب ابو الحسن علی ظاہر لاعزاز دین اللہ ابن حاکم | ۱۰ ماہ رمضان ۳۹۵ ہجری (۱۰۰۵ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ ذی قعدہ ۴۱۱ھ (۱۰۲۱ء)

کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۵ شعبان ۴۲۷ ہجری (۱۰۳۶ء) کو قاہرہ میں وفات پائی۔ ۱۵ سال ۱۰ ماہ سلطنت کی اور ۳۲ سال عمر پائی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "یہ بادشاہ بڑا نیک نام تھا اس کی نیک نامی [illegible] خراسان حج کر کے پھرے تو مصر ہوتے ہوئے آئے اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود سبکتگین کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے فوراً خلیفہ بغداد کو مطلع کیا۔ حجاج ابھی پہنچے تھے کہ ابھی بغداد میں تھے کہ خلیفہ نے اُن سے باز پرس کی اور خلعت کے کپڑے جلائے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود سبکتگین کو بھی علویوں (خلفائے فاطمیین) سے خوف تھا اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیالمہ غزنی، سلجوقی وغیرہ سب خلفائے بغداد کی [illegible] اس لیے بھی کرتے تھے کہ سلاطین علویہ (خلفائے فاطمیین) کے وجود و عقائد کو وہ مصلحت کے خلاف جانتے تھے [illegible] کے علاوہ جو عزت خاص و عام نظر میں حاصل تھی وہ ان غیر قریشی [illegible] بہت زیادہ خوف تھی (تاریخ اسلام [illegible]) آپ نے اسمٰعیلی مذہب کو کمال رواج دیا [illegible] میں [illegible] اور اس نے اپنے ملک میں جناب ظاہر کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ پھر قسطنطنیہ میں مسجد بنائی گئی اور اس [illegible] مقرر کیا گیا۔ صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ آپ [illegible] منصف اور [illegible] تھے۔ صاحب [illegible] اپنا ظاہری قرطاس [illegible] کمال کیا [illegible] اور [illegible] دین سے [illegible] حال کی [illegible] کہ آپ کے زمانہ سے مصر کی فاطمی سلطنت کا انحطاط شروع ہو گیا۔

(۸) جناب ابو تمیم معد مستنصر باللہ ابن ظاہر | ۱۶ جمادی الآخر ۴۲۰ ہجری (۱۰۲۹ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ شعبان ۴۲۷ ہجری (۱۰۳۵ء) کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ

(۱۰۹۴ء) کو وفات پائی۔ ۶۰ سال ۴ ماہ حکومت کر کے ۶۷ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت کی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "قائم باللہ عباسی نے والی افریقہ سے سازش کر کے اسکو نقصان پہنچانا چاہا لیکن اسکی حکمت کارگر نہ ہوئی۔ اور اس کے بدلہ میں مستنصر کے اشارہ سے بساسیری نے قائم کو بغداد میں قید کر کے سال بھر تک مستنصر کا نام بغداد کے خطبہ میں قائم رکھا۔ مستنصر کے عہد میں عباسیوں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن طغرل بیگ سلجوقی نے آکر بساسیری کو غارت کیا اور قائم باللہ کو بڑے اعزاز سے پھر تخت پر بٹھایا۔

اسی صلہ میں اپنے لیئے رکن الدین خطاب حاصل کیا" (تاریخ اسلام ج۲ ص۹۲۶) ۴۷۱ھ ہجری میں حسن ابن صباح جو بعد میں نزاریہ اسماعیلیوں کے پیشوا ہوئے تاجروں کے لباس میں مستنصر کے پاس آئے۔ سات سال تک مصر میں رہے پھر مستنصر کی طرف سے خراسان و بلاد عجم میں داعی مقرر ہوئے۔ حسن نے پہلے مخفی طور پر اور پھر علانیہ بلاد عجم میں آکر اسماعیلی دعوت پھیلانی شروع کر دی اور قلعوں پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی۔ رخصت ہوتے وقت انھوں نے مستنصر سے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے مستنصر نے اپنے صاحبزادے نزار کو بتایا تھا۔ جناب مستنصر کے تین بیٹے تھے پہلے جناب نزار دوسرے جناب ابو القاسم احمد مستعلی جو اپنے والد کے جانشین ہوئے اور چھوٹے محمد جو خود تو خلیفہ نہیں ہوئے مگر بعد میں ان کے بیٹے عبد المجید میمون حافظ کے لقب سے خلیفہ ہوئے۔

(۹) جناب ابو القاسم احمد مستعلی باللہ بن مستنصر ۲۰ شعبان ۴۶۷ھ ہجری (۱۰۷۵ء) کو پیدا ہوئے ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۷ صفر ۴۹۵ھ ہجری (۱۱۰۱ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدت سلطنت ۷ سال ۲ ماہ تھی۔ جناب مستنصر نے اپنی زندگی میں بڑے بیٹے جناب نزار کو ولی عہد مقرر کیا تھا مگر وزیر اعظم افضل میں اور ان میں دشمنی تھی اس لیئے افضل نے نزار کو خلع کر دیا اور جناب احمد کو مستعلی کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ جناب نزار اور افضل میں جنگ چھڑ گئی۔ آخر نزار گرفتار ہو کر مستعلی کے حوالہ کر دیئے گئے۔ نزاری اسماعیلی کہتے ہیں کہ جناب نزار کے فرزند ہادی قید سے نکل کر بلاد عجم میں چلے آئے تھے۔ اور یہاں جناب ہادی سے الموت کے اسماعیلی امام پیدا ہوئے۔ اس وقت سے اسماعیلیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک نزاریہ جو جناب نزار اور آپکی اولاد کو امام برحق مانتے ہیں۔ وہ حسن بن صباح کے مقلد اور ہندوستان کے آغاخانی خوجے ہیں۔ دوسرے وہ جو مستعلی اور ان کی اولاد کو امام برحق سمجھتے ہیں اور مستعلویہ کہلاتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے شیعہ بوہرے ہیں۔

(۱۰) ابو علی منصور آمر باحکام اللہ بن مستعلی ۱۲ محرم ۴۹۰ھ ہجری (۱۰۹۶ء) کو پیدا ہوئے۔ ۱۷ صفر ۴۹۵ھ (۱۱۰۱ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۲۹ سال ۸ ماہ حکومت کر کے ۳۴ سال کی عمر میں ۳ ذیقعدہ ۵۲۴ھ ہجری (۱۱۳۰ء) کو وفات پائی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "امر باحکام اللہ۔ اس کے وقت میں شمالی عیسائیوں سے بڑی لڑائی ہوئی اور مسلمان غالب رہے۔ ان شمالی عیسائیوں کو مسلمان مؤرخ اہل فرنگ لکھتے ہیں۔ اسکے وقت میں شام میں ایک خاندان نزاریہ نام صاحب حکومت ہوا اور کچھ ملک علویوں کا اس خاندان کے قبضہ میں آگیا۔ اسکی کوئی اولاد نہ تھی اسلیئے اپنے چچا حافظ کو اس نے ولیعہد مقرر کیا" (تاریخ اسلام ص۲۳ ج۲) آپ نے جوان ہو کر وزیر اعظم افضل کو قتل کرا دیا۔ آپ کریم و جواد تھے۔ آپکے زمانہ میں آپکی رعایا اور آپکے متعلقین کی کثرت جود و عطا سے لوگ کمال عیش و اطمینان میں بسر کرتے تھے۔ مصر میں کوئی شخص زمانہ یا فلاکت کا شاکی نہیں ملتا تھا۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ نزاریہ فرقہ کے لوگ مستعلویوں اور ان کے اماموں سے سخت دشمنی

رکھتے اور مدّت سے جناب آمر کی تاک میں تھے۔ ایک دن ۵۲۴ھ ہجری میں آپکو ہلاک کر دیا۔ مستعلوی بوہروں (بوہروں) کا اعتقاد ہے کہ جناب آمر نے دو سال چند ماہ کے ایک صاحبزادے ابو القاسم طیب کو چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے چچازاد بھائی عبد المجید میمون بن ابو القاسم مستنصر کو حافظ الدین اللہ کے لقب سے ان کا نگران مقرر کیا تھا کہ خلافت ظاہری کا انتظام کریں۔ اور جب طیب لائق ہو جائیں تو خلافت انکو سپرد کر دیں مگر دو سال کے بعد جناب حافظ خود خلیفہ بن گئے اور جناب طیب نے ستر اختیار کیا۔ اس امر کی خبر پہلے سے امام آمر نے اپنے اکابر دعاۃ کو دیدی تھی اور حکم دیا تھا کہ شمس امامت کے ستر میں جانیکا وقت آگیا ہے جب حافظ کی نیت میں فرق دیکھو اسی وقت میرے فرزند کو لیکر ستر کرنا اور ایسا ہی ہوا۔ اب بوہرے حضرات ان امام طیب کی نسل در نسل امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا واجب سمجھتے ہیں اور یہی اُن کا اعتقاد ہے (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین حصہ دوم ص ۱۲۳)

(۱۱) جناب عبد المجید میمون حافظ الدین اللہ بن محمد بن مستنصر

محرم ۴۶۷ھ ہجری (۱۰۷۴ء) میں پیدا ہوئے ذیقعدہ ۵۲۴ھ (۱۱۳۰ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۱۹ سال ۷ ماہ حکومت کرکے ۷۷ سال کی عمر میں ۵ جمادی الاخری ۵۴۴ھ ہجری (۱۱۴۹ء) کو انتقال کیا۔ آپ نظر بندی میں بسر کرتے تھے۔ آپکا وزیر احمد کل امور سلطنت پر حاوی تھا۔ یہ بڑا اثنا عشری تھا۔ اور بروایت قرمانی جناب حافظ نے بھی مذہب اثنا عشری کا اظہار کر دیا تھا۔ وزیر احمد نے بارھویں امام حضرت محمد مہدی کے نام کا سکہ و خطبہ بھی جاری کر دیا تھا۔ ۱۵ محرم ۵۲۶ھ ہجری (۱۱۳۲ء) کو وزیر احمد قتل کر دیا گیا اور ۵۴۴ھ ہجری میں جناب حافظ کا انتقال ہو گیا۔ آپکی تمام عمر وزیروں کی محکومیت میں گزری جو کچھ وہ چاہتے کر لیتے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ حافظ مدبر، سیاست داں، کثیر المداراۃ عارف اور علم نجوم کے شائق تھے۔ آپ پر علم غالب تھا۔ آپ کو قولنج بہت ہوتا تو آپکے طبیب نے ایک طبل بنایا تھا جس کے بجانے سے ریح خارج ہوتی اور قولنج کو بہت فائدہ کرتا۔ یہ طبل خلفائے فاطمین کے خزانہ میں رہا۔ یہانتک کہ صلاح الدین نے اسکو توڑ ڈالا۔ جناب حافظ کے بعد آپکے حسب وصیت آپکے بیٹے ابو منصور اسماعیل بادشاہ ہوئے۔

(۱۲) جناب ابو منصور اسماعیل ظافر بامر اللہ بن حافظ

۵ ربیع الآخر ۵۲۷ھ ہجری (۱۱۳۳ء) کو پیدا۔ ۵ جمادی الاخری ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۴ سال ۷ ماہ حکومت کرکے ۲۱ سال ۹ ماہ کی عمر میں ۱۵ محرم ۵۴۹ھ ہجری (۱۱۵۴ء) کو انتقال کیا۔ آپ زمانہ حکومت میں بے بس تھے وزیر بادشاہ تھے۔ بغاوتیں، رقابتیں، سازشیں اور فرقہ بندیاں پھیل گئی تھیں۔ محرم ۵۴۹ھ ہجری میں آپ قتل کر دیئے گئے۔

(۱۳) جناب ابو القاسم عیسیٰ فائز بنصر اللہ بن ظافر

۲۱ محرم ۵۴۴ھ ہجری (۱۱۴۹ء) کو پیدا ہوئے۔ ۱۵ محرم ۵۴۹ھ ہجری (۱۱۵۴ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۶ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کرکے ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۱۵ رجب ۵۵۵ھ ہجری (۱۱۶۰ء) کو انتقال کیا۔ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اہل فرنگ سے اس کے وقت میں بھی لڑائی رہی۔ بلاد مغربی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ ہو چکا تھا وہ مستحکم ہو گیا۔ ملک عسقلان بھی ان سے واپس لے لیا" (تاریخ اسلام ص ۲۴۴) آپ تمام عمر مرض

صرع میں بتایا ہے۔ صالح بن زریک سلہ جو اس عہد میں درحقیقت بادشاہی کر رہا تھا۔ فاضل سخی اہل علم و فضل سے محبت کرنے والا۔ کاتب۔ ادیب اور اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ از روئے فضل و عقل و سیاست و تدبیر اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شخص تھا۔ شکل میں رعب دار۔ اور سطوت میں عظیم بڑا پکا اثنا عشری تھا۔ خلافت جناب امیرؑ میں زبردست کتاب لکھی۔ لوگوں سے مناظرے کئے۔ وزیر ہوتے ہی شیعہ مذہب کا اظہار کیا۔ نہایت خوبی سے حکومت کی۔ آخر عمر تک فرنگیوں سے لڑتا رہا۔ تمام ممالک کے اہل علم اس کے پاس آتے اور سب کی حاجت پوری کرتا۔

(۱۴) ابو محمد عبد اللہ عاضد لدین اللہ بن یوسف بن حافظ — ۲۰ محرم ۵۴۶ ہجری (۱۱۵۱ء) کو پیدا ہوئے ۱۶ رجب ۵۵۵ ہجری (۱۱۶۰ء) کو تخت نشین

ہوئے۔ اور ۱۱ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کر کے ۲۱ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۵۶۷ ہجری (۱۱۷۱ء) کو انتقال کر گئے۔ عباسی صاحب لکھتے ہیں "اس کے وقت میں اہل فرنگ ساحل شرقی و مغربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے۔ غیر مذہب والوں کا مصر پر قابض ہونا نور الدین محمود والی شام کو بہت برا معلوم ہوا اس نے مصریوں کی مدد کو فوج بھیجی جو اہل فرنگ پر غالب آئی اور شامیوں نے اہل فرنگ کو مصر سے نکال دیا لیکن خطبہ میں بجائے عاضد کے مستضیٔ باللہ عباسی کا نام داخل کیا گیا اسی زمانہ میں عاضد بھی مر گیا اور اسکے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسماعیلیہ کا خاتمہ ہو گیا اور بنو مہدی کا نام مٹ گیا" (تاریخ اسلام ص۲۲۷) آپ ۱۰ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے۔ صالح نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور صالح تمام امور سلطنت پر حاوی رہا مگر ۱۹ رماہ رمضان ۵۵۶ھ کو بیچارہ قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ عاضد نے الہند سے ایک شخص صلاح الدین یوسف کو وزیر بنا لیا مگر اس نے تمام امور سلطنت پر حاوی ہو کر خلیفہ کو بے دخل کر دیا۔ اور شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے تمام ملک میں شافعی قاضی مقرر کئے۔ اس وقت سے ملک مصر سے مذہب شیعہ ختم ہونے اور مذہب مالکی و شافعی زور پکڑنے لگا۔ محرم ۵۶۷ ہجری میں صلاح الدین نے خلیفہ عاضد کا خطبہ بھی مصر سے بند کر کے مستضیٔ عباسی کا خطبہ جاری کر دیا۔ خلیفہ العاضد عاشور محرم ۵۶۷ ہجری کو انتقال کیا۔ آپ کی وفات پر سلطنت فاطمیین کا ستارا جو ممالک افریقہ و مصر پر ۲۷۰ سال سے چمک رہا تھا بالکل غروب ہو گیا۔ جو برکتیں ان کے عہد میں مصر کو حاصل ہوئیں کسی بادشاہ

سلہ مذہبی تو ہم اثنا عشری مذہب کا ایک فقیر تھا۔ زیارت جناب امیر المومنین عؑ کے لئے نجف گیا اسکا راست روضہ مقدسہ کے سید ابن معصوم نے حضرت امیر المومنین عؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں طلائع بن زریک جانے کو ہے اس سے کہو کہ مصر جائے ہم نے اسے مصر کا والی بنا دیا ہے۔ سید نے طلائع کو بلا کر خواب بیان کیا۔ طلائع فوراً مصر آ کر سلطنت کا ملازم اور آخر کار مصر کا مالک ہو گیا (کتاب الخطط مقریزی جلد ۳ ص۵۳) اس کا اصلی نام طلائع تھا۔ حکومت مصر میں کارہائے نمایاں کرنے سے ملک صالح خطاب ملا اور پوری سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا ۱۲

کے زمانہ میں نہیں ہوئیں ۔ علوم وفنون ۔ تجارت وحرفت سب کو کمال ترقی ہوئی ۔ شفاخانے ۔ مدرسے ۔ مسجدیں ۔ اور رفاہ عام کی دوسری بے شمار عمارتیں اور اوقاف مدتوں ان کی یادگار رہیں ۔ ان کے خزانے میں ایسی عجیب وغریب چیزیں تھیں جو کبھی دیکھی یا سُنی نہیں گئیں ۔ دنیا ان سے خالی ہے ۔ ایسے جواہر جو کسی کو میسر نہیں کثرت سے تھے ۔ سونے کا زیور ۔ چاندی سونے کے برتن ۔ طاس ۔ آفتابے ۔ پتیلیاں ۔ رکابیاں ۔ خوان فتیل سوز ۔ آبخورے ۔ کھڑاؤں وغیرہ سب سونے کے ۔ ایک لاکھ ۳۰ ہزار قسم کی ۱۶ لاکھ کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویسوں کی لکھی ہوئی اور نہایت نفیس جلدیں بندھی ہوئی ۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات سے تھا ۔ تمام بلاد اسلام میں اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہ تھا ۔ اس میں فقہ ۔ نحو ۔ لغت ۔ حدیث ۔ تواریخ ۔ نجوم ۔ روحانیات ۔ کیمیا اور ہر فرقہ کی مذہبی کتابیں بھری ہوئی تھیں ۔ ابن مقلہ اور ابن البواب کے لکھے ہوئے قطعے اور قرآن شریف جو سب سے بلند جگہ رکھے جاتے تھے ۔ معزالدین اللہ نے ایک توشہ خانہ بنوایا تھا جس میں سے مردوں ۔ عورتوں ۔ بچوں اور ان کے متعلقین سب کو جاڑے گرمی کے کپڑے عمامہ سے لے کر پائے جامہ اور رومال تک تقسیم ہوا کرتے تھے ۔ ۶ لاکھ دینار سے زیادہ کا کپڑا گرمی جاڑے میں تقسیم ہوتا تھا ۔ یہی حالت ختم سلطنت تک قائم رہی ۔ ان کے خزانے میں جو عجائبات تھے ان میں سونے کا ایک مور مرصع بجواہر نفیسہ بھی تھا جس کی آنکھیں یاقوت احمر کی اور پر بالکل مور کے پروں جیسے زجاج ۔ مینا اور سونے سے بنائے تھے اور سونے کا ایک مرغ جس کا بڑا سا تاج یاقوت احمر کا اور جو پورا دُرّ و جواہر سے مرصع تھا ۔ ایک ہرن جو نفیس دُر و جواہر سے مرصع اور اس کا سفید پیٹ بلور اور عمدہ موتیوں سے بنایا گیا تھا ۔ ایک سونے کا کھجور کا درخت جو جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھا سونے کے گملے میں رکھا ہوا تھا ۔ اس کے شگوفے اور کچی پکی کھجوریں اپنے اصلی رنگ و وضع میں مختلف جواہرات کی بنائی گئی تھیں ۔ ایسے جواہرات جن کی کوئی قیمت نہیں لگا سکتا تھا ۔ کافور کا ایک تربوز جس کا وزن ۱۶ ہزار مثقال تھا ۔ ستر ستر مثقال کے یاقوت ازرق کے قطعے ۔ اسّی اسّی درہم کے زمرد کے ٹکڑے ۔ تین تین چار چار سو دینار کا ایک ایک بلوری برتن ۔ کئی صندوق دواتوں کے بھرے ہوئے جن میں سے ہر ایک ہزار ہزار دینار سے زیادہ کی تھی ۔ متعدد چینی کی گولیں کافور قیصوری کی بھری ہوئی ۔ متعدد پیالے عنبر شجری کے ۔ بے شمار نافے مشک تبتی کے اور بہت سا عود ۔

ان کی دارالسلطنت قاہرہ تھا جو نہایت عالی شان عمارتوں سے مزین تھا اور جس میں سڑکیں اور بازار کثرت سے تھے ۔ خلیفہ کا خاص محل جو ۱۲ قبہ دار عمارتوں پر مشتمل تھا قاہرہ کے مشرقی حصہ میں واقع تھا اور قصر الکبیر الشرقی قصر المعزی کے نام سے مشہور تھا ۔ اس کے دس دروازے تھے جن پر پانچ سو سواروں اور پانچ سو پیادوں کا پہرا رہتا تھا ۔ ساکنان محل کی ضروریات بہم پہونچانے کے لئے ۱۲ ہزار خدمت گار رہتے تھے ۔ ایک سرنگ اس سے دوسرے عالی شان محل کا راستہ تھا جو شہر کے مغربی حصہ میں

دریائے نیل پر واقع تھا اور قصر الغربی یا قصر البحر کے نام سے مشہور تھا۔ شہر کے اندر اور باہر خلیفہ کے اور بھی مکان اور تفریح محل تھے جن کو اُس زمانہ کے سب سے اعلیٰ صناعوں اور کاریگروں نے کمال آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا۔ امیروں کے محل بھی شاہی محلوں کی ہمسری کرتے تھے۔ امیروں کے مکانوں کے گرد خوبصورت باغ لگے ہوئے تھے۔ ان باغوں کی عمدگی اور کثرت کو دیکھ کر یورپ کے سیّاح دنگ رہ جاتے تھے۔ چار جامع مسجدیں جامع ازہر۔ جامع معزیہ۔ جامع نور اور جامع حاکم خصوصاً بہت بڑی اور عالی شان و خوبصورت تھیں۔ خلفاء فاطمیین کے عہد میں قاہرہ کی خاص عمارت حسینیہ[1] (امام باڑا) تھی۔ اس میں ایام محرم میں مجالس عزائے امام حسینؑ برپا ہوتی تھیں۔ بادشاہ۔ وزیر۔ امیر سب شریک ہوتے تھے۔ مردوں اور عورتوں کے واسطے جُدا جُدا شہر کے ہر حصہ میں خوبصورت عالی شان حمام بنے ہوئے تھے۔ بازار جن میں ۲۰ ہزار دوکانیں تھیں نہایت بارونق اور عالی شان تھے۔ اور دنیا بھر کی پیداوار سے بھرپور رہتے تھے۔ شہر کے گرد مضبوط و مستحکم فصیل تھی جس کے بعض مشہور دروازوں کے نام یہ تھے۔ باب النصر نیل کی طرف۔ باب الفتوح۔ باب القنطرہ۔ باب الزدیلہ اور باب الخلیج جو جزیرہ کی طرف کھلتا تھا۔

خلفاء فاطمیین علم و سائنس کے بھی بڑے مربی تھے۔ اُنھوں نے کالج۔ کتب خانے اور دار الحکمۃ قائم کئے۔ اُن کو کتابوں اور آلات ریاضی سے مہیا کیا۔ کالجوں[2] میں بکثرت اعلیٰ درجہ کے پروفیسر مقرر کئے۔ ان علمی خزانوں تک ہر شخص کی رسائی تھی۔ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ لکھنے کا سامان بھی مفت ملتا تھا۔ خلیفہ اکثر علمی مجلسیں کرتے جن میں دار العلوم کے پروفیسر یعنی ہر علم کے جدا جدا عالم منطقی۔ ریاضی داں۔ فقیہ۔ طبیب وغیرہ اپنی خلعتیں[3] پہنے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ دو لاکھ ستاون ہزار دینار کالجوں کی سالانہ آمدنی تھی۔

---

[1] جو عمارتیں ہندوستان میں امام باڑہ کہلاتی ہیں۔ مصر میں مشہد کہلاتی تھیں۔ خلفاء فاطمیین کے عہد میں ساحل شام کے تمام شہروں میں مشہد بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک عظیم الشان روضہ بھی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا سر مبارک اس میں مدفون ہے۔ ۱۲

[2] مسٹر امیر علی نے بنجامن آف ٹڈیلہ سے نقل کیا ہے کہ فاطمیوں کے عہد میں صرف اسکندریہ میں فلسفہ کی تعلیم کے واسطے اُس نے ۲۰ سے زیادہ کالج دیکھے تھے۔ قاہرہ میں بے شمار کالج تھے۔ اسی طرح قیروان۔ فاس اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے شہروں میں علم کی ترقی اور رعایا کی تعلیم کے لئے عالی شان مدرسے اور کالج تھے اور ان کے قیمتی کتب خانوں میں بیش بہا کتابیں تھیں۔ اس بات کے ثبوت میں کہ عرب۔ یونانی اور رومی مصنفوں کی تصنیفات سے ہرگز بے خبر نہ تھے یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ فاس کے بڑے کتب خانے میں لاسوی کی تصنیف کا کامل نسخہ عربی زبان میں موجود تھا۔

[3] انگریزی یونیورسٹیوں میں جو گون گریجوایٹوں کو دیئے جاتے ہیں وہ اب تک اسی طرز کے ہیں جیسے کہ عربی خلع (چوغے) ہوا کرتے تھے۔ (امیر علی)

یہ آمدنی پروفیسروں اور عہدہ داروں کی تنخواہوں۔ ضروریات تعلیم اور سائنس سے متعلق دوسری چیزوں کے مہیا کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ ان تعلیم گاہوں میں انسانی علم کے ہر شاخ کی تعلیم ہوتی تھی۔ علم ہیئت کو ترقی دینے کی غرض سے مختلف مقامات میں رصد گاہیں بنائی گئیں اور علم ادب وسائنس کے بڑے بڑے ماہر وکامل استاد ایشیا و اندلس سے بلائے گئے کہ فاطمی بادشاہوں کے عہد حکومت کو مثل ستارہ کے چمکا دیں۔ اپنی رعایا میں عام طور پر علم پھیلانے کی خواہش میں انھوں نے اس پولٹیکل فائدہ کو جو غیر قوموں کے لوگوں کو اپنے فرقے کا مرید بنا لینے سے مرتب ہوسکتا تھا نظر انداز نہیں کر دیا تھا۔ بڑے دار الحکمۃ سے متعلق دار المجالس (گرانڈ لاج) تھا جس میں اسماعیلی مذہب کے مخفی اور باطنی اصول سے واقف ہونے کے خواہشمندوں کو اس مذہب کے عقائد کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہفتہ میں دو دفعہ دوشنبہ اور چہارشنبہ کو دار المجالس کا سب سے اعلیٰ افسر جو داعی الدعاۃ کہلاتا تھا اور جو عموماً بادشاہ کا وزیر یا قاضی القضاۃ ہوا کرتا تھا جلسہ منعقد کرتا تھا۔ اس جلسہ میں مرد و عورت دونوں سفید لباس پہنے ہوئے شریک ہوتے۔ عورتیں مردوں سے جدا بیٹھتیں۔ ان جلسوں کو مجالس الحکمۃ کہتے تھے۔ تعلیمی کارروائی شروع کرنے سے پہلے داعی الدعاۃ امام یعنی خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور جو کچھ لکچر نئے ممبروں کو سنانا ہوتا پہلے خلیفہ کو پڑھ کر سناتا تھا۔ خلیفہ اس کی پشت پر دستخط کر دیتا تھا۔ پھر بعد مرید یا شاگرد داعی الدعاۃ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور خلیفہ کے دست کو تعظیماً ماتھے سے لگاتے تھے۔ مقریزی نے جو اس دار المجالس کے مختلف درجوں کا ذکر لکھا ہے گویا فرامشن (فری میسن) تعلیم کا بیش بہا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اصل بھی یہی ہے کہ عیسائی دنیا میں تمام قسم کے دار المجالس (فرامشن وغیرہ) بعد میں قاہرہ ہی کے دار المجالس کے دیکھا دیکھی بنائے گئے ہیں۔ دار الحکمۃ کے پولٹیکل نشان تو اس کے بانیوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ مگر اس کے علم وسائنس کا شوق مصر کے شہروں کو منور کرتا رہا یہاں تک کہ پچھلے ملوکوں کی افراتفری کے زمانہ میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا مگر اس کی تعلیم کا باطنی اثر باوجود امتداد زمانہ کے اب تک برابر چلا آتا ہے اور مختلف مذہب وملت کے ممالک میں اور ایسے مختلف لوگوں میں جن کی خو خصلت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم دہلوی جلد ۱ ص ۱۳۳)

ساتواں باب

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام

(حضرت امام موسیٰ کاظمؑ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے صاحبزادے۔ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتویں خلیفہ اور مسلمانوں کے ساتویں امام تھے۔ ۷ صفر ۱۲۸ھ ہجری (۷۴۵ء) کو بمقام ابوا (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں امام مقرر ہوئے ۳۵ سال تک ہدایت وارشاد فرماتے رہے۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) کو قید خانہ میں وفات پائی اور مقام کاظمین میں (جو بغداد سے ایک میل پر واقع ہے) دفن ہوئے)۔

والدین حضرتؑ کے والد ماجد جناب امام جعفر صادقؑ اور والدہ ماجدہ جناب حمیدہ تھیں جن کو حمیدہ مصفاۃ بھی کہتے تھے۔ جناب حمیدہ ملک بربر کے ایک بزرگ صاعد کی صاحبزادی تھیں اور جناب حمیدہ کو لوگ لؤلؤۃ (موتی) بھی کہتے تھے۔ (مناقب جلد ۵ ص۷۶)

نام کنیت۔ القاب حضرتؑ کا اسم گرامی موسیٰ۔ کنیت: ابوالحسن۔ ابو ابراہیم۔ ابو علی۔ ابو عبداللہ۔ اور القاب کاظم۔ عبد صالح۔ نفس زکیہ۔ وفی۔ صابر۔ امین۔ زاہر۔ زین المجتہدین۔ باب قضاء الحوائج عنداللہ (خدا کے نزدیک حاجت برآری کے در) تھے۔ مگر زیادہ مشہور کاظم ہے۔ آپ نہایت جلیل القدر اور صاحب خیر کثیر امام تھے۔ شب بھر عبادت میں مصروف رہتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔ آپ کو کاظم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نہایت حلیم تھے۔ اور جو لوگ آپ پر ظلم کرتے ان کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۱ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۲۰ و بحار جلد ۱۱ ص۲۳۳)

بچپن کے کچھ حالات ایک روز حضرتؑ کسی مقام سے گھر پر تشریف لائے، تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا بیٹا لکھو تو ع تنح عن القبیح ولا تردہ (بری باتوں سے ہمیشہ الگ رہو اور کبھی ان کا ارادہ بھی نہ کرنا)۔ آپ نے لکھا تو فرمایا اس پر دوسرا مصرع لگا دو۔ حضرتؑ نے فوراً یہ مصرع لگا دیا۔ ومن اولیتہ حسنا فزدہ (جس سے بھلائی کرو اس کو زیادہ کرو)۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا اس پر مصرع لگاؤ ع ستلقی من عدوک کل کید (تمہارا دشمن تم سے ہر قسم کا مکر و فریب کرے گا) آپ نے فوراً لکھ دیا اذا کادالعدو فلا تکدہ (تمہارا دشمن مکر و فریب کرے تب بھی تم مکر و فریب کے پاس نہ جاؤ) (بحار جلد ۱۱ ص۲۶۶)

آپ تین سال کی عمر میں ایک بکری کے بچے سے (بطور مزاح) فرماتے تھے خدا کو سجدہ کر لیکن وہ کیا سجدہ کرتا۔ تو حضرتؑ کے ایک دوست نے کہا اس سے کہئے کہ مرجائے۔ حضرتؑ نے فرمایا وائے ہو تم پر کیا میں ہی حیات و

موت دیتا ہوں؟ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا آپ کے بعد امام کون ہو گا۔ فرمایا وہ لڑکا جو کھیل کود میں مشغول نہ ہو۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام بکری کا بچّہ لئے نظر پڑے جس سے کہتے تھے اپنے خدا کو سجدہ کر۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا بے شک یہ لہو ولعب میں نہیں رہتا۔ (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶)

حضرتؑ کے فضائل

حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر عابد۔ عالم اور سخی تھے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱) حضرتؑ بلحاظ عبادت، و ریاضت عبد صالح کے لقب سے مشہور تھے (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) کثرت عبادت و ریاضت اور خاص کر شب بھر عبادت میں کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ کو عبد صالح کہتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوتا کہ کوئی شخص آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہے تو آپ کچھ مال اس کے پاس بھیج دیتے۔ (طبقات الحفاظ ذہبی) حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عابد۔ سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی ہاتھ اور بزرگ نفس والے تھے۔ آپ فقراء اہل مدینہ کے حال پر مہربانی فرماتے اور ان کے گھروں میں بکثرت درہم و دینار۔ کھانے کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی پہونچایا کرتے مگر ان لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ کہاں سے یہ آتا ہے جب حضرتؑ نے وفات پائی۔ تب لوگوں پر یہ راز کھلا کہ حضرت ہی اس طرح ان لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔ (فصول مہمہ قلمی)

ابو حنیفہ صاحب کے جوابات

ابو حنیفہ صاحب نے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ میں نے آپ کے صاحبزادے کو دیکھا کہ لوگ اُن کے آگے سے گزر رہے ہیں اور وہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں۔ حضرتؑ نے امام موسیٰ کاظم کو جو بالکل بچّے تھے بلا کر فرمایا کہ دیکھو ابو حنیفہ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں جس کی نماز پڑھتا تھا وہ مجھ سے بہ نسبت ان لوگوں کے جو میرے آگے سے گزر رہے تھے بہت زیادہ قریب ہے جس پر خود اُسی کا کلام شاہد ہے کہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (میں تم لوگوں کی رگ گردن سے بھی زیادہ تم لوگوں سے نزدیک ہوں) یہ جواب سُن کر حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا یہ وہ بچہ ہے جس کو تمام اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں (مناقب صفحہ ۶۹) اس سے زیادہ لطف کا واقعہ یہ ہے۔ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ صاحب اور عبداللہ بن مسلم ساتھ ہی مدینہ میں وارد ہوئے تو عبداللہ نے ان سے کہا "ابو حنیفہ! اس شہر میں خاندان آل رسولؐ کے علماء سے حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف رکھتے ہیں۔ آؤ حضرتؑ کی خدمت میں چلیں تاکہ حضرت کے علوم سے کچھ فیض حاصل کیا جائے" وہ راضی ہو گئے۔ جب دردولت پر پہونچے تو دیکھا کہ حضرتؑ کے شیعوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے اور سب کے سب حضرتؑ کے منتظر ہیں۔ اتنے میں ایک نہایت کمسن صاحبزادے اندر سے باہر تشریف لائے جن کی ہیبت و جلالت قدر سے کل حاضرین سر و قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر ابو حنیفہ صاحب نے متحیر ہو کر عبداللہ سے پوچھا "یہ لڑکا کون ہے؟" انھوں نے کہا "امام جعفر صادقؑ کے صاحبزادے موسیٰؑ"۔ ابو حنیفہ صاحب نے کہا "ہاں! خدا کی قسم دیکھو تو میں ان کو انکے

شیعوں کے سامنے کیسا فضیحت اور ذلیل کرتا ہوں۔" عبداللہ نے کہا "چپ بھی رہو تمہارا منہ نہیں ہے کہ ایسا کر سکو۔" انھوں نے کہا "نہیں خدا کی قسم میں ضرور ان کو رُسوا کروں گا۔" پھر حضرت موسیٰ کاظمؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "صاحبزادے! بتاؤ اگر تمھارے شہر میں کوئی مسافر وارد ہو اور قضائے حاجت کرنی چاہے تو اُس کے لئے کون سی جگہ مناسب ہوگی؟" حضرتؑ نے برجستہ فرمایا "مسافر کو چاہئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے پیچھے ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے۔ نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں ان سے حذر کرے۔ مکانوں کے صحن سے علیحدہ۔ شاہراہوں اور راستوں سے الگ۔ مسجدوں کو چھوڑ کر۔ نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پشت۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے اپنی رفع حاجت کرے۔" ابوحنیفہ صاحب کہتے ہیں کہ "جب میں نے بچے سے یہ جواب باصواب سُنا تو میری نظروں میں ان کی عظمت و جلالت ثابت ہوگئی اور میں نے کہا میں آپ پر فدا ہوں۔" اور عبداللہ کا بیان ہے کہ "امام موسیٰ کاظمؑ کا جواب سُن کر ابوحنیفہ صاحب ایسے مبہوت ہوگئے کہ معلوم ہوتا تھا ان کے مُنہ میں پتھر بھر دیئے گئے ہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ خاندانِ رسولؐ کے بچوں کو نہ چھیڑو!"

یہ واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ ابوحنیفہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بعض مسائل دریافت کروں۔ وہاں معلوم ہوا کہ حضرتؑ آرام فرماتے ہیں۔ میں آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ کے پانچ چھ سال کے صاحبزادے موسیٰؑ باہر آئے۔ میں نے انھیں سلام کرکے کہا "اے فرزند رسولؐ! انسان کے افعال کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ان کا فاعل خود انسان ہے یا خدا؟" یہ سُن کر صاحبزادے دو زانو ہو بیٹھے اور فرمایا "ابوحنیفہ! جو پوچھا اس کا جواب سُنو اور اسے یاد بھی کر لینا اور اس کے مطابق عمل بھی کرنا۔ بندوں کے افعال تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے یا ان کو صرف خدا کرتا ہے اور بندے بالکل مجبور ہیں۔ یا دونوں کرتے ہیں۔ یا صرف بندے کرتے ہیں اور خدا کی مطلق شرکت نہیں ہوتی۔ اگر پہلی صورت ہو تو یہ کیسا خدا ہے جو باوجود عادل، رحیم اور حکیم ہونے کے اپنے بندوں کو اُن اعمال کا عذاب دے گا جن کو انھوں نے بالکل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے کیا ہے۔ اور اگر خدا اور بندوں کی شرکت سے ہوتے ہیں تب بھی یہ کیسا خدا ہے کہ باوجودیکہ وہ بندوں کے افعال میں شریک قوی ہے اور بندے ضعیف ہیں لیکن اُنھیں بندوں کو اُن اعمال کے عوض عذاب کرے گا جن میں خود شریک ہے اور بندوں کی اعانت کی ہے۔ تو یہ دونوں صورتیں محال ہوئیں یا نہیں؟" میں (ابوحنیفہ) نے کہا بے شک یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ تب حضرتؑ نے فرمایا پس اب تیسری صورت کے سوائے کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ بندوں کے افعال کا فاعل تنہا بندے ہی ہیں۔ اس کے بعد حضرتؑ نے یہ چند اشعار ارشاد فرمائے ؎

لم تخل افعالنا التی نذم بها — احدی ثلٰث خصال حین نبدیها
اما تفرد بارینا بصنعتها — فیسقط اللوم عنا حین نأتیها

اوکان یشرکنا فیھا فیلحقہ ما کان یلحقنا من لائمہ فیھا
اولم یکن لالھی فی جناتیھا ذنب فما الذنب الا ذنب جانیھا

جن افعال کی وجہ سے ہم لوگوں کی مذمت کی جاتی ہے وہ واقع ہوتے وقت تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے۔ یا صرف خدا نے ان کو کیا ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ بھی فسق و فجور ہم کریں ہمیں کوئی ملامت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ نہ ہوا اور خدا بھی ہمارے برے کاموں میں شریک قرار دیا جائے تو جو ملامت خلق کی طرف سے ہماری کی جاتی ہے وہ ملامت خدا کی بھی ہوئی۔ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو اور ان برے اعمال کے بجالانے میں خدا کا کوئی گناہ اور جرم نہ سمجھا جائے نہ کسی قسم کی شرکت ہو تو پھر وہ گناہ بندوں ہی کا ہے کیونکہ بندے ہی اس کے فاعل ہیں" (بحار جلد ۱۱ ص۲۸۵ و احتجاج طبرسی و مناقب وغیرہ)

حضرتؑ کی مناجات علامہ خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو لوگ آپ کی کثرت عبادت و زیادتی ریاضت و شدت تعب فی طاعۃ اللہ کے سبب سے العبد الصالح کہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؑ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز مغربین سے فارغ ہو کر سجدہ میں تشریف لے گئے اور مناجات کرنی شروع کی۔ لوگوں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ فرماتے ہیں اے خدا میں اپنے کو تیرا بڑا گنہگار بندہ سمجھتا ہوں لہذا تیری مغفرت بھی بڑی ہی ہونی چاہیے کیونکہ تو ہی اہل تقویٰ اور تو ہی اہل مغفرت ہے۔ صبح تک آپ اسی طرح سجدے میں پڑے فرماتے رہے (دفیات الاعیان جلد ۲ ص۱۳۱)

علامہ شبلنجی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کاظمؑ امام جلیل القدر۔ اپنے زمانہ کے بے مثل و نظیر حجت خدا اور علامۂ دہر تھے ہمیشہ شب بھر بیدار رہ کر عبادت خدا میں مشغول رہتے اور دنوں کو برابر روزہ رکھتے (نور الابصار ص۱۳۵)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کی سلطنت شباب پر تھی۔ ابو منصور دوانیقی۔ پھر اس کا فرزند مہدی۔ پھر اس کا فرزند ہادی۔ پھر اس کا بھائی ہارون الرشید خلیفہ ہوتا رہا۔ اسی ہارون کے زمانہ میں آپ شہید کئے گئے۔

خلیفہ ہادی کا حضرتؑ کو قید کر کے چھوڑنا خلیفہ ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو ایک دفعہ قید کیا پھر حضرتؑ کو رہا کر دیا۔ کیونکہ اس نے خواب میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ اس سے فرماتے ہیں کیا تم لوگ اسی لئے خلافت چاہتے تھے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحم کرو؟ خلیفہ ہادی خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ حضرت علیؑ کا اشارہ امام موسیٰ کاظم کی طرف ہے۔ پس اس نے حضرتؑ کو رات ہی کے وقت آزاد کر دیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۲)

خلیفہ ہارون کا حضرتؑ کو قید کرنا ۱۷۳ھ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے حج کیا۔ جب وہ مکہ معظمہ میں پہنچا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں چغلی کھائی کہ ان کے پاس ہر طرف سے مال آیا کرتا ہے۔ اتفاق سے ایک روز خانہ کعبہ کے پاس ہارون الرشید

اور حضرتؑ میں ملاقات ہوگئی تو اس نے پوچھا کیا آپ ہی وہ ہیں جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہم دلوں کے امام ہیں اور تم جسموں کے (یعنی سب لوگ دل سے ہمیں کو امام جانتے ہیں لیکن اپنے بدن کی ہلاکت کے خوف سے بظاہر تمہاری خلافت کا اقرار کرتے ہیں)۔ لوگوں نے یہ بھی اس سے کہا کہ حضرتؑ نے تیس ہزار دینار کی زمین خریدی ہے۔ رشید نے یہ سب سُنا تو اس زمین پر قبضہ کرلیا اور عیسیٰ بن جعفر منصور کو حکم بھیج کر حضرتؑ کو قید کر دیا۔ ایک سال تک آپ اس کی قید میں رہے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۲)

خلیفہ کے سوال کا بے مثل جواب دینا

خلیفہ ہارون رشید نے حضرتؑ سے پوچھا کہ آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی ذریت ہیں حالانکہ آپ حضرت علیؑ کی اولاد ہیں اور ہر شخص اپنے دادا کی اولاد کہا جاتا ہے نانا کی اولاد نہیں پکارا جاتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم و من ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب الی ان قال و عیسیٰ ولیس لہ اب۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے جناب داؤدؑ و سلیمانؑ تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے نام تک پہونچے۔ تب فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے تو کوئی باپ نہ تھے (پھر خدا نے ان کو ابراہیمؑ کی اولاد میں کیوں کہا؟ ماں ہی کی وجہ سے تو آپ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں قرار پائے) پھر دوسری آیۃ مباہلہ پڑھ کر فرمایا کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوا تو مباہلہ کے وقت پیغمبر خدا نے سوائے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کسی کو نہیں بلایا اور بمضمون ابناءنا حضرت حسنؑ و حسینؑ ہی رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے۔

ہارون الرشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لئے روضۂ مقدسہ نبوی پر حاضر ہوا۔ اُس وقت اس کے گرد قریش اور دوسرے قبائل عرب جمع تھے۔ حضرتؑ بھی تھے۔ ہارون نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لئے قبر رسولؐ کی طرف خطاب کر کے کہا السلام علیک یا رسول اللہؐ یا ابن عم۔ اے رسول اللہ اے میرے چچا کے فرزند آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا السلام علیک یا ابت۔ اے پدر بزرگوار! آپ پر میرا بھی سلام ہوا۔ یہ سُن کر ہارون رشید کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور اس کو ایسی ذلت محسوس ہوئی جس کو برداشت نہ کرسکا اس سبب سے اُس نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ لے جا کر قید کر دیا۔

(صواعق محرقہ ص ۱۲۲ و ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۳۱)

حضرتؑ کی عفت

جس زمانہ میں آپ ہارون کے قید خانہ میں تھے ہارون نے ایک حسینہ و جمیلہ لونڈی آپ کی خدمت کے لئے بھیجی جس سے مقصود یہ تھا کہ آپ کی عفت کا امتحان لے۔ حضرتؑ کو جب معلوم ہوا تو جناب سلیمانؑ نے ہدیہ بلقیس کو دیکھ کر جو کلمہ فرمایا تھا وہی کلمہ ارشاد فرمایا کہ ہارون سے کہہ دینا بل انتم بھدیتکم تفرحون (بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہو) یہ سُن کر ہارون کا غصہ اور تیز ہوگیا اور اس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ نہ میں نے آپ کی مرضی سے آپ کو قید کیا نہ آپ کی خوشی مجھے اس جاریہ کے بارے میں منظور ہے۔ اور جس شخص کی معرفت یہ پیام بھیجا تھا اُس سے کہا کہ اس

کنیز کو وہیں چھوڑ آنا۔ وہ شخص اسے لے جا کر قید خانہ میں چھوڑ آیا۔ ادھر ہارون نے اپنی صحبت برخواست کی۔ اور ایک شخص کو اُس عورت کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اُس نے جا کر دیکھا کہ فیضِ عبادتِ امام اُس کنیز میں بھی اثر کر گیا اور وہ سجدہ میں سر جھکائے ہوئے قدوس قدوس سبحانک سبحانک کہہ رہی ہے۔ یہ حال ہارون کو معلوم ہوا تو کہا موسیٰ ابن جعفر نے اس کنیز پر جادو کر دیا ہے اور حکم دیا کہ وہ عورت سامنے حاضر کی جائے۔ جب وہ آئی تو اُس پر ایک عجیب حالت طاری تھی سارے جسم میں بید کی طرح رعشہ تھا اور آسمان کی جانب آنکھیں عالم تحیر میں اُٹھ کر رہ گئی تھیں۔ ہارون نے کہا یہ کیا حال ہے؟ کہا کہ میرا ایک تعجب خیز حال ہے میں خدمتِ امام میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ جناب شب و روز نماز میں مشغول تھے جب نماز سے فارغ ہوئے اور آپ نے تسبیح و تقدیس الٰہی شروع کی تب میں نے عرض کی کہ اے میرے سیّد و آقا۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو میں اس کے بجا لانے کے لئے موجود ہوں۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا مجھے تیری حاجت بالکل نہیں ہے میں نے پھر عرض کی کہ میں حضور ہی کی خدمت کے لئے یہاں بھیجی گئی ہوں۔ تب حضرتؑ نے ایک جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ پھر یہ لوگ کس لئے ہیں؟ میں نے جب اُدھر نظر کی تو ایک وسیع باغ نظر آیا جس کے پھول اور شگوفے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس قدر وسیع تھا کہ نظر نہ اس کے اول سے آخر تک جا سکتی تھی نہ آخر سے اول تک آ سکتی تھی۔ اس میں بے مثل نشست گاہیں تھیں جن میں دیبا و حریر کا منقش فرش بچھا ہوا تھا اس میں غلام اور لونڈیاں نہایت حسین و جمیل تھیں جن کا مثل حسن و جمال میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ نہ ان کا سا لباس مجھے کہیں دکھائی دیا۔ یہ حالت دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی یہاں تک کہ اس خادم نے مجھے اٹھایا تب مجھے محسوس ہوا کہ میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھی۔ ہارون نے کہا شاید تو نے سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں سو گئی ہو تو تجھے اس طرح کا خواب نظر آیا ہو۔ اس نے کہا نہیں میں نے یہ عجائب دیکھ کر سجدہ کیا تھا۔ رشید نے حکم دیا کہ لوگ اس عورت کی دیکھ بھال کرتے رہیں تاکہ یہ کسی اور سے اس حکایت کو نہ بیان کرنے پائے۔ وہ عورت یہ فضائل بیان کر کے پھر عبادت کی طرف متوجہ ہوئی۔ جب اُس سے کوئی نمازوں کے بارے میں پوچھتا تو کہتی تھی کہ میں نے حضرت عبد صالح کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے عبد صالح کیونکر معلوم ہوا؟ اس نے کہا اسی باغ (بہشت) کی کنیزوں (حوروں) نے یہ نام لے کر کہا تھا کہ حضرت عبد صالح کے پاس سے ہٹ جا کیونکہ ہم لوگ خود حضرتؑ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ اس عورت کا یہ حال عبادت برابر اسی طرح رہا یہاں تک کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی رحلت سے کچھ دنوں پہلے ہی وہ انتقال کر گئی"۔

(مناقب جلد ٥ ص٦٣)

غیبت کا عوض انعام ایک دفعہ حضرتؑ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص برابر حضور کی غیبت کرتا اور حضور کی برائی کے بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سن کر حضرتؑ نے فوراً ایک ہزار اشرفی اس کے پاس بھیج دی۔ (روائح المصطفٰی ص٢٦٤)

حضرتؑ کا علمِ غیب

خلیفہ ہارون نے اپنے وزیر علی بن یقطین کو بہت سے قیمتی کپڑے بطور خلعت بخشے۔ وہ باطنی طور پر حضرتؑ کے شیعہ تھے۔ انھوں نے وہ سب کپڑے حضرتؑ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرتؑ نے وزیر کے پاس واپس کر دیا اور فرمایا اس کو حفاظت سے رکھنا کہ تم کو کام دے گا۔ اس کے چند دنوں کے بعد وزیر اپنے ایک غلام پر غضب ناک ہوا اور اس کو نکال دیا۔ اس غلام نے ہارون سے جا کر کہہ دیا کہ وزیر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا شیعہ ہے اور ثبوت میں انھیں کپڑوں کا حوالہ دیا۔ ہارون کو بڑا غصہ ہوا فوراً وزیر کو بلا کر پوچھا کہ وہ کپڑا کیا کیا؟ کہا میرے پاس ہے۔ کہا ابھی منگاؤ۔ وزیر نے وہیں ایک آدمی کو بلایا اور کہا میرے گھر جا اور میری لونڈی سے کنجی لے کر اس کا فلاں صندوق کھول اور مُہر کیا ہوا ڈبا نکال لا۔ غلام جا کر اسی طرح لے آیا۔ جب ہارون نے دیکھا کہ وہی کپڑا ہے تو اس کا غضب مٹا۔ اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میری سو اشرفیاں لے جا کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دے دینا۔ اس نے لے لیں مگر اشرفیاں گنیں نہیں۔ جب مدینہ پہونچا تو اس شخص کی سو اشرفیاں علیحدہ کیں مگر ان کو گنا تو صرف ننانوے تھیں۔ مجبوراً اس نے اپنے پاس سے ایک اشرفی ملا کر سو کی تعداد پوری کی اور رات کے وقت حضرتؑ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرتؑ نے وہ اشرفی جو اس شخص نے اپنے پاس سے ملادی تھی نکال کر اس کو دے دی اور ۹۹ خود رکھ لیں۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ اشرفیاں بھیجی ہیں اُس نے اتنی ہی دی تھیں مگر اس نے گنی نہیں تھیں بلکہ صرف تول لی تھیں (اس وجہ سے ۹۹ کو ۱۰۰ سمجھا اور یہی کہا۔ (روائح المصطفیٰ ص ۱۶۲ و ۱۶۳)۔

حضرتؑ کی مصنفات

علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی مشہور تصنیفات سے آپ کی مسند (مسند امام موسیٰ کاظمؑ) ہے جس کو حافظ ابو نعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الابرار نے آپ سے روایت کی ہے (کشف الظنون ص ۴۳۳)

حضرتؑ کی وفات

ہارون رشید نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ مدینہ سے لا کر اپنے والی عیسیٰ کے پاس بصرہ روانہ کر دیا۔ وہاں حضرتؑ سال بھر تک قید میں رکھے گئے پھر ہارون نے حاکم بصرہ کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دو۔ اس نے جواب میں لکھا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ مجھے معاف رکھے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ حضرت موسیٰ کاظمؑ تو بادشاہ کے خلاف کسی بات کا دعویٰ نہیں کرتے۔ تب ہارون نے اس کو لکھا کہ حضرتؑ کو سندی بن شاہک کے حوالہ کر دو۔ اور سندی کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دے۔ اس نے حضرتؑ کے کھانے میں زہر ملا دیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کھجوروں میں زہر دے دیا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۲)

مورخ ابوالفدا وغیرہ نے لکھا ہے کہ ۱۸۳ھ ہجری میں امام موسیٰ کاظمؑ نے بمقام بغداد قید خانہ ہارون رشید میں وفات پائی (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ ص ۱۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون رشید کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کو رطب میں زہر دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۳۲) غرض زہر کھانے کے تیسرے روز ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری (۷۹۹ء) کو حضرتؑ نے قید خانہ میں وفات پائی۔ اسی طرح

حضرتؑ کی لاش نکال کر بغداد کے پُل پر رکھ دی گئی ۔ ایک منادی ندا کرتا تھا کہ دیکھو یہ موسیٰ بن جعفر ہیں جنہیں رافضی سمجھتے تھے کہ کبھی نہ مریں گے ۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنے غلاموں کو تجہیز و تکفین کا حکم دیا ۔ اور ایک کفن بردیمانی کا نہایت عمدہ دیا جو ڈھائی ہزار کا تھا ۔ اس پر پورا قرآن مجید لکھا تھا اور کاظمین میں (جو بغداد سے ملا ہوا ہے) حضرتؑ دفن کر دیئے گئے ۔ حضرتؑ سات یا چودہ[۱۴] سال تک قید خانہ میں پڑے رہے اور بعد وفات آپ کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کٹوا کر نکالی گئیں ۔

حضرتؑ کی اولاد

حضرتؑ نے ذکور و اناث سے ۳۷ اولاد چھوڑ کر انتقال فرمایا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) ۱۹ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں ۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) امام علی رضا (۲) جناب ابراہیم (۳) جناب عباس (۴) جناب قاسم یہ مختلف ماؤں سے (۵) جناب اسمٰعیل (۶) جناب جعفر (۷) جناب ہارون (۸) جناب حسن یہ سب ایک ماں سے (۹) جناب احمد (۱۰) جناب محمد (۱۱) جناب حمزہ یہ سب بھی ایک ماں سے (۱۲) جناب عبداللہ (۱۳) جناب اسحاق (۱۴) جناب عبیداللہ (۱۵) جناب زید (۱۶) جناب حسن (۱۷) جناب فضل (۱۸) جناب حسین (۱۹) جناب سلیمان مختلف ماؤں سے ۔ صاحبزادیاں حسب ذیل تھیں :- (۱) جناب فاطمہ کبریٰ (۲) جناب فاطمہ صغریٰ (۳) جناب رقیہ (۴) جناب حکیمہ (۵) جناب رقیہ صغرےٰ (۶) جناب کلثوم (۷) جناب ام جعفر (۸) جناب لُبابہ (۹) جناب زینب (۱۰) جناب خدیجہ (۱۱) جناب علیہ (۱۲) جناب آمنہ (۱۳) جناب حسنہ (۱۴) جناب بریہۃ (۱۵) جناب ام سلمہ (۱۶) جناب میمونہ (۱۷) جناب ام کلثوم (۱۸) جناب ام ابیہا (ارشاد صفحہ ۳۳۳ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۱)

حضرتؑ کا اب تک باب قضاء الحوائج ہونا

حضرتؑ کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا ۔ حضرتؑ کی زندگی میں بھی حضرتؑ سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں اور حضرتؑ کی شہادت کے بعد آپ کے روضہ پر بھی جو کاظمین میں ہے برابر حاجتمندوں کی دعائیں قبول ہوتی رہتی ہیں ۔ تھوڑا زمانہ ہوا بعض انگریزی زبان کے معزز اخباروں میں ایک خبر شائع ہوئی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے :- "امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی ۔ حال ہی میں روضۂ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا سیّد نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ کے تعویذ کو اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ فوراً چلاتا ہوا باہر کی طرف دوڑا کہ "مجھے بینائی مل گئی ۔ مجھے بینائی مل گئی ۔ میں دیکھنے لگا ہوں " اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا ، اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کر لے گئے ۔ اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لوگوں کے ہاتھوں تک پہونچ گئے آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بوڑھے سیّد کے بدن کو نقصان نہ پہونچے اس کو اس کے گھر پہونچا دیا جہاں پر سیکڑوں لوگ

اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے ہسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کراتا تھا مگر ڈاکٹروں نے کہا کہ میرا مرض لاعلاج ہے۔ تب میں مایوس ہو کر روضہ اقدس پر آیا کہ خدا سے بینائی واپس لانے کی دعا کروں جیسے ہی میں نے روضہ کے تعویذ کو مس کیا میری آنکھوں کے سامنے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ میری آنکھیں چوندھیا گئیں اور آواز آئی کہ "جاؤ تمھیں پھر سے آنکھ کی روشنی دے دی گئی۔ یہ سن کر میں بھاگا اور ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بوڑھا سیّد پورے طور پر اندھا تھا اور اب دیکھنے لگا ہے" (اخبار انقلاب لاہور و اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۲۸ء و اخبار پائنیر الہ آباد مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۲۸ء)

یعقوب وزیر

چونکہ حضرتؑ ہی کے زمانہ میں ایک قابل قدر شیعہ وزیر مصائب میں گرفتار رہے اس وجہ سے ان کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ کے زمانہ میں منصور دوانیقی بادشاہ تھا۔ اس نے امام حسنؑ کے پوتوں جناب ابراہیم و جناب نفس زکیہ کو بڑے ظلم سے قتل کیا اور جناب ابراہیم کے منشی یعقوب کو جو بڑی عقل و فضل کے مالک تھے قید کر دیا مگر منصور کے مرنے پر اس کے بیٹے مہدی نے یعقوب کے حسن انتظام و اعلیٰ تدبر سے ان کو قید سے نکال کر اپنا وزیر بنا لیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ سفید و سیاہ کے مالک ہو گئے۔ مگر حاسدوں سے ان کی ترقی دیکھی نہ گئی بادشاہ سے چغلیاں کھانی شروع کیں۔ یہ بھی کہا کہ یہ شیعہ اور اولاد حضرت علیؑ کے جان نثار ہیں۔ یہ جادو چل گیا۔ بادشاہ نے یعقوب کا امتحان لینے کے لئے ان سے کہا میں تم کو اپنا فلاں خاص اعلیٰ درجہ کا باغ اور اپنی فلاں نہایت خوبصورت لونڈی اور ایک لاکھ درہم انعام دیتا ہوں۔ ان سب کے بدلہ تم میری ایک آرزو پوری کر دو۔ انھوں نے بے جانے وعدہ کر دیا۔ بادشاہ نے کہا تین مرتبہ قسم کھاؤ۔ انھوں نے قسم بھی کھا لی۔ بادشاہ نے کہا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے یہ بھی کیا۔ تب بادشاہ نے حضرت علی علیہ السلام کی نسل کے ایک سیّد کو جو اس کے ہاں قید تھے طلب کر کے یعقوب کے حوالہ کیا کہ ان کو قتل کر کے میری آرزو پوری کرو۔ پھر اس نے انعام کا کل مال و اسباب اور وہ لونڈی بھی یعقوب وزیر کے گھر پہنچوا دی۔ یعقوب نے ان سیّد کو بھی اپنے ہاں لا کر رکھا۔ اس بیچارے نے کہا "اے یعقوب کیا تم دنیا سے اس طرح جانا چاہتے ہو کہ تمھارے دامن پر حضرت رسول خدا صلعم کی بیٹی جناب سیدہ کی اولاد سے ایک سیّد کے خون کا دھبا لگا ہو؟" یعقوب تو ساداتؑ کے جاں نثار تھے وہ ایسا ظلم کیسے کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس سیّد کو قتل کرنے کے عوض وہ سب مال جو بادشاہ نے ان کو بطور انعام دیا تھا دے کر چھوڑ دیا اور کہا جہاں دل چاہے چلے جائیے۔ وہ بیچارے ایک طرف نکل گئے مگر بادشاہ کی اسی لونڈی نے جو یعقوب کو بطور انعام ملی تھی کسی طرح بادشاہ کے ہاں خبر کر دی کہ یعقوب نے آپ نے جس سیّد کے قتل کا وعدہ کیا تھا اسے انھوں نے چھوڑ دیا اور حضور کا کل مال بھی اس سیّد کو دے دیا۔ بادشاہ نے پیادے بھیج کر اس سیّد کو گرفتار کر منگایا۔ پھر یعقوب سے باز پرس کی۔ یہ بیچارے جواب ہی کیا دیتے۔ بادشاہ نے کہا اب تو تمھارا خون حلال ہو گیا۔ میں تم کو قتل کر دیتا مگر خیر۔ (پھر پیادوں سے کہا) ان کو قید کر دو۔

بیچارے ایسے اندھیرے کنوئیں میں قید کئے گئے جس میں آفتاب کی روشنی تک نہیں پہونچتی تھی۔ وقت تک کا پتا نہیں چلتا تھا۔ کیونکہ ان کو اس کنوئیں میں قید کر کے اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا اور صرف ایک سوراخ چھوڑ دیا گیا تھا جس سے ہر روز ایک روٹی اور ایک کوزا پانی رسی میں باندھ کر لٹکا دیا جاتا۔ اس کو لے کر بیچارے کھا پی لیتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک شخص اس کنوئیں پر آ کر پکار جاتا کہ نماز کا وقت ہو گیا پڑھ لو۔ تب بیچارے نماز پڑھتے۔ پندرہ برس تک یعقوب اسی طرح اس کنوئیں میں قید رہے۔ آخر بادشاہ ہارون نے ان پر رحم کھا کر اس قید سے نکالا تو اتنی مدت تک اس اندھیرے کنوئیں میں رہنے کی وجہ سے ان کی آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ اور وہ بالکل اندھے ہو کر اس سے نکلے۔ پھر ہارون کی اجازت سے مکہ معظمہ چلے گئے وہیں رہے یہاں تک کہ ۱۸۲ھ ہجری میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (مراۃ الجنان علامہ یافعی مطبوعہ حیدرآباد جلد ا صفحہ ۴۱۹)

وفیات حضرت کے زمانہ میں اسلام کے متعدد مشہور لوگوں نے انتقال کیا۔ مثلاً ۱۵۰ھ ہجری میں مجتہد زمانہ ابو حنیفہ صاحب نے۔ ان کے دادا زوطا تیم اللہ بن ثعلبہ کے موالی میں سے تھے۔ بعد ازاں غلامی سے آزاد کر دیئے گئے۔ ۱۵۸ھ ہجری میں خلیفہ منصور دوانیقی نے ۱۶۱ھ ہجری میں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم نے ۱۷۰ھ ہجری میں خلیفہ ہادی نے انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ خلیفہ ہارون الرشید ہوا جو اپنے باپ کی مدخولہ عورت پر عاشق ہوا اور آخر اس سے اپنی خواہش پوری کی جو عہد اسلام کا نہایت ہی شرمناک اور اس مذہب کا رسوا کرنے والا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱)

آٹھواں باب

حضرت امام رضا علیہ السّلام

(حضرت امام علی رضاؑ حضرت رسول خدا صلعم کے آٹھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے آٹھویں امام تھے۔ ۱۱ ذیقعدہ ۱۵۳ھ ہجری (۷۷۰ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۲۳ ذیقعدہ ۲۰۳ھ ہجری (۸۱۸ء) کو شہر طوس (صوبہ خراسان) میں زہر سے شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے۔ خراسان میں حضرت کا روضہ نہایت عالی شان اور جلیل القدر ہے۔ ۳۰ سال تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے ۱۸۳ھ ہجری میں امام مقرر ہوئے اور ۵۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی)

والدین حضرتؑ کے والد ماجد کا نام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور والدہ ماجدہ کا نام نجمہ مکتّم ام البنین خیزران تھا۔

نام۔ القاب

حضرتؑ کا اسم گرامی علی۔ کنیت ابوالحسن اور القاب رضا۔ صابر۔ زکی اور ولی تھے (تذکرہ خواص الامہ ص۱۹۵)

فضائل

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ۳۷ اولاد میں از روئے قدر و مرتبہ حضرت علی رضاؑ سب سے افضل و اعلیٰ تھے (صواعق محرقہ ص۱۲۲) افضل اولاد امام موسیٰ کاظمؑ بلکہ اشرف مخلوق زمانہ حضرت امام علی رضاؑ تھے (حبیب السیر) حضرتؑ کو علم گزشتہ و آئندہ حضرتؑ کے آباء و اجداد سے وراثت کے طور پر پہونچا تھا (وسیلۃ النجاۃ ص۳۷۶) امام علی رضاؑ ہر زبان اور لغت میں فصیح و دانا ترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا اسی زبان میں حضرتؑ اس کو جواب دیتے تھے (روضۃ الاحباب) ملا مبین صاحب نے جامع الاصول ابن اثیر جزری سے نقل کیا ہے کہ دوسری صدی کے آغاز پر مذہب امامیہ کے مجدد حضرت امام علی رضاؑ تھے۔ (وسیلۃ النجاۃ ص۳۷۶)

مامون کی ولیعہدی

حضرتؑ کے زمانہ میں خاندان بنی عباس کا مشہور مامون الرشید بادشاہ وقت تھا۔ اس نے سنہ ۲۰۱ ہجری میں حضرت امام علی رضاؑ کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس کیلئے حضرتؑ کو مدینہ سے خراسان میں بلایا تھا شمس العلماء مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " اس زمانہ میں حضرت علی رضاؑ امام ہفتم موجود تھے جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا[۱] اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ اُن کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایاں تھا مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے سنہ ۲۰۰ ہجری میں اُس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانۂ خلافت میں حاضر ہوں عیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ دو ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار زن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے دس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثناء میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا اور یہ قطعی رائے قائم کرلی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بارگراں سنبھال سکے۔ اب سنہ ۲۰۱ ہجری میں اس نے ایک دربار (جس میں تمام سلطنت وارکین دربار موجود تھے) منعقد کیا اور سب سے خطاب کرکے کہا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں میں اُن کی لیاقت کا صحیح اندازہ کرچکا ہوں۔ نہ اُن میں اور نہ آل علیؑ میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضاؑ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرسکے۔ اس کے بعد اُس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضاؑ کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیرالمومنین مامون کے

---

[۱] کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ مولوی شبلی صاحب ایسے مشہور اسلامی مورخ بھی دوازدہ امام سے اس درجہ ناواقف تھے کہ امام علی رضاؑ کو جو امام ہشتم تھے امام ہفتم لکھا ہے (حالانکہ امام ہفتم تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے) افسوس !!! سچ ہے این خانہ تمام آفتاب است ۱۲

بعد علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں اور اُن کا لقب الرضا من آلِ محمدؐ ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ اُن کے لئے بیعت عام لی جاوے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل ڈال دی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ بعضوں نے بہ جبر اس حکم کی تعمیل کی مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی۔" (المامون ص۹۲)

حضرت رسولؐ خدا کی تعبیر امام علی رضاؑ

حاکم نے محمد بن عیسیٰ سے اور اس نے ابو حبیب سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو اپنے شہر کی اُس منزل میں دیکھا جہاں حاجی اُترتے ہیں۔ میں نے حضرتؐ کو سلام کیا اور حضرتؐ کے پاس ایک طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سلام پر حضرتؐ نے مجھے ۱۸ دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف ۱۸ سال اور زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بیس دن کے بعد حضرت امام علی رضاؑ مدینہ سے تشریف لائے اور اسی مسجد میں اُترے جس میں حضرت رسول خدا صلعم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرتؑ کے سامنے بھی ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں لوگ حضرتؑ کے سلام کو دوڑے۔ میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرتؑ ٹھیک اسی جگہ تشریف فرما ہیں جہاں میں نے خواب میں حضرت رسولؐ خدا کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے حضرتؑ کو سلام کیا تو حضرتؑ نے جواب دیا اور اپنے قریب بُلا کر ایک مٹھی کھجوریں مرحمت فرمائیں۔ میں نے گنیں تو یہ بھی صرف ۱۸ تھیں اسی قدر جتنی رسول خدا صلعم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی حضور اور کچھ مرحمت ہو۔ تو فرمایا اگر حضرت رسول خدا صلعم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیئے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا (صواعق محرقہ ص۱۲۱) قابل غور یہ امر ہے کہ حضرتؑ کو کیسے خبر ہوگئی کہ حضرت رسول خدا صلعم نے خواب میں اس شخص کو ۱۸ کھجوریں دی تھیں۔ بس خدا ہی ان حضرات کو ہر بات کی خبر کر دیتا تھا۔

نیشاپور میں حضرتؑ کا داخلہ

حضرتؑ کی یہ عزت و شان تھی کہ جب مامون نے ولیعہدی کے لئے حضرتؑ کو مدینہ سے ملک خراسان میں بلایا اور حضرتؑ کی سواری نیشاپور میں پہونچی تو زائرین کے اژدہام سے چلنا دشوار تھا۔ بازار کے رستے بند ہوگئے تھے۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے اور آپ پر ایک چھاتا لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ کے مشہور حافظان حدیث ابو زرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی نے آگے بڑھ کر حضرتؑ کی سواری کی باگ تھام لی۔ طلبہ علم اور محدثین کی جماعت کثیرہ اُن دونوں کے ہمراہ تھی جو شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ دونوں بزرگوں نے نہایت عجز سے عرض کی کہ ہم لوگوں کو حضور اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں اور اپنے آبا کرام کی کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے خچر کو ٹھہرا دیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ چھتری کو اُتار دیں۔ آپ کی طلعت مبارک کو دیکھ کر خلقت کی آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ دو گیسو آپ کے کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ لوگ روتے اور چلاتے اور مٹی میں لوٹتے اور خچر کے پاؤں کو چومتے تھے۔

علماء نے پکار کر کہا اے لوگو خاموش ہو جاؤ۔ تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ اور حافظان حدیث کی التماس پر آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ امام موسیٰ کاظمؑ نے بیان کیا ہے اور اُن سے اُن کے والد ماجد امام جعفر صادقؑ نے کہا ہے۔ اور اُن سے اُن کے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ نے روایت کیا ہے۔ اور اُن سے اُن کے اب مکرم امام زین العابدینؑ نے نقل کیا ہے۔ اور وہ اپنے باپ امام حسینؑ سے ناقل ہیں۔ وہ اپنے والد ماجد ابن جناب علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ابوالقاسم رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیلؑ نے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے اور جو میرے حصن میں داخل ہوا میرے عذاب سے بے خوف ہوا۔ یہ کہہ کر جناب امام نے پردہ چھوڑ دیا اور تشریف لے گئے۔ جو لوگ کہ دوات اور قلم لے کر اس حدیث کو لکھ رہے تھے ان کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہونچ گئی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ جناب امام نے اس حدیث کو بیان فرمایا تھا کہ ایمان قلب کی معرفت حاصل ہونے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور ارکان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ شاید یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہوئے ہوں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو انھیں اسناد کے ساتھ پڑھ کر دیوانہ پر پھونکا جائے تو البتہ اس کی دیوانگی جاتی رہے گی۔ اور تندرست ہو جائیگا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) اکثر کتابوں میں ہے کہ جب اس کے بعد حضرتؑ کی سواری چند قدم آگے بڑھی تو حضرتؑ نے اُسے روک کر فرمایا میں نے جو کہا وہ ایک شرط اور پھر کئی شرطوں کے ساتھ ہے اور میں بھی انھیں شرطوں سے ایک ہوں (مطلب یہ کہ جو یہ کلمہ کہے اور حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت اور ہم بارہ اماموں کی امامت کا بھی اقرار کرے وہ خدا کے عذاب سے محفوظ رہے گا)۔

ولیعہدی کی تفصیل

پہلے مامون نے ارادہ کیا تھا کہ خود امر خلافت سے معزول ہو کر منصب خلافت حضرت علی رضاؑ کو سپرد کر دے اور جب اس نے اس بات کا اظہار حضرت علی رضاؑ سے کیا تو انھوں نے مامون سے فرمایا کہ اگر تیری خلافت من جانب اللہ ہے تو یہ کب جائز ہو سکتا ہے کہ تو اسے دوسرے کو بخشے۔ اور اگر خلافت تیرا حق نہیں ہے تو تیری تفویض سے کیا ہوتا ہے۔ مامون نے کہا یا ابن رسولؐ اللہ میری درخواست قبول فرمائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا میں اپنی مرضی سے ہرگز قبول نہ کروں گا چنانچہ دو مہینے تک یہی مباحثہ پیش رہا کہ مامون اصرار کرتا تھا اور حضرت علیؑ رضا انکار فرماتے تھے۔ مامون نے کہا اچھا اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کرتے تو ولیعہد ہونا منظور کیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ میں زہر دیا جاؤں گا اور تم سے پہلے اس جہان فانی سے رحلت کر جاؤں گا پھر ولیعہد ہونا کیونکر منظور کروں۔ آخر کار حضرتؑ نے فرمایا کہ خیر تمھارے اصرار پر میں اس شرط سے ولیعہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ کسی کو مقرر کروں نہ کسی کو معزول بلکہ بساط حکومت پر دور ہی سے نظر کروں اس کے قریب نہ جاؤں۔ مامون رشید ان شرطوں پر راضی ہو گیا۔ اور حضرتؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا

اے خدا تو جانتا ہے کہ میں اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہوں اور بہ ضرورت اس کو منظور کرتا ہوں۔ اے اللہ مجھ سے اس بارے میں کوئی مواخذہ نہ فرمانا جس طرح تو نے اپنے دو پیغمبر بندوں حضرت یوسفؑ و دانیال سے مواخذہ نہیں کیا جبکہ انھوں نے اپنے زمانے کے بادشاہوں کی جانب سے ولیعہد ہونا قبول کیا تھا۔ اے اللہ کوئی عہد نہیں ہے مگر تیرا عہد۔ اور کوئی ولایت نہیں ہے مگر تیری جانب سے۔ یہ کہہ کر حضرتؑ نے بادل ناخواستہ ولیعہد ہونا قبول کیا (وسیلۃ النجاۃ ص۳۶۹)۔ علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضاؑ نے مامون کو لکھی اس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کرلیا ہے جن کو اُس کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا لہٰذا میں نے اس کی درخواست ولیعہدی کو قبول کیا۔ اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔ جفر و جامعہ حضرت علیؑ کی دو کتابیں ہیں جن میں بطریق علم الحروف اُن تمام حوادث کا ذکر ہے جو دُنیا تمام ہوتے وقت تک واقع ہونے والے ہیں۔ جو ائمہؑ حضرت علیؑ کی اولاد سے تھے وہ جفر و جامعہ کو جانتے تھے اور اُن دونوں کے موافق حکم دیتے تھے۔ (شرح مواقف قلمی)

نمازِ عید کے لئے حضرتؑ کا جانا

ایک دفعہ جب عید کا دن آیا تو مامون نے حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جاکر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے پہلے یہ تم سے شرط کرلی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا۔ اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف رکھو مگر مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر تم معاف کردو تو بہتر ہے ورنہ میں نماز عید کے لئے اُسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد جناب رسول خدؐ اتشریف لے جاتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں جائیں۔ اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرتؑ کے دروازے پر حاضر ہوں۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرتؑ کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہوگئے۔ ایک بھیڑ لگ گئی۔ عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرتؑ کی زیارت کریں۔ ادھر آفتاب نکلنے کے بعد حضرتؑ نے غسل کیا اور کپڑے بدلے۔ سفید عمامہ سر پر باندھا عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لے کر عیدگاہ جانے پر آمادہ ہوئے۔ اس کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کرکے کپڑے بدل لو اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرتؑ گھر سے باہر نکلے۔ پائجامہ آدھی پنڈلی تک اُٹھالیا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ ننگے پاؤں ہوئے۔ پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہوگئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کرکے کہا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ حضرتؑ کے ساتھ نوکروں۔ غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضاؑ تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان سے حضرتؑ کی تکبیر کا جواب سُنائی دیتا ہے۔ اس ہیئت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے۔ سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے

کُل تسمے کاٹ دیئے اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے ایک کہرام بپا ہو گیا۔ اس کی خبر مامون کو بھی ہو گئی۔ اس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضاؑ اسی حالت سے عیدگاہ پہونچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حضرتؑ کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو آپ سے عیدگاہ جانے کو کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس آئیں اور عیدگاہ جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہی پڑھائے گا۔ پس حضرت واپس آئے اور نماز عید نہیں پڑھائی۔ (وسیلۃ النجاۃ صـ۳۸۲)

ابو نواس کے اشعار دربار بنی عباس کا مقبول شاعر ابو نواس بہت کامل اور مشہور تھا۔ اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم کیسے بیہودے ہو کہ ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ اشعار تم نے ضرور کہے مگر یہ حضرت امام علی رضاؑ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں حضرتؑ کی شان میں تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ ابو نواس نے کہا خدا کی قسم حضرتؑ کی عظمت و جلالت ہی کی وجہ سے مجھے جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ کہہ سکوں۔ بھلا میرے ایسا شخص حضرتؑ کی مدح میں کوئی شعر کہہ سکتا ہے؟ پھر کچھ دیر کے بعد یہ چند شعر کہے ؎

قیل لی انت احسن الناس طرا — فی فنون من الکلام النبیہ
لک من جید القریض مدیح — یثمر الدر فی یدے مجتنیہ
فعلی ما ترکت مدح ابن موسیٰؑ — والخصال التی تجمعن فیہ
قلت لا استطیع مدح امام — کان جبریل خادما لابیہ

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو۔ بلکہ اچھے اشعار میں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے رہتے ہیں۔ پھر تم نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کے فرزند (حضرت علی رضاؑ) کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں کہا؟ تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیو جن جلیل الشان امامؑ کے آباء کرام کے خادم جناب جبریلؑ ایسے فرشتے ہیں ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔ (ابن خلکان جلد ا صـ۳۲۱)

شاعر مذکور ہی نے ان حضراتؑ کی شان میں یہ چند شعر بھی کہے ہیں ؎

مطہرون نقیات جیوبہم — تجری الصلوٰۃ علیہم این ما ذکروا
من لم یکن علویا حین تنسبہ — فما لہ فی قدیم الدھر مفتخر
اللہ لما برا خلقا فاتقنہ — صفاکم واصطفاکم ایھا البشر
فانتم الملاء الاعلیٰ وعندکم — علم الکتاب وما جاءت بہ السور

یہ حضرات (ائمہ طاہرینؑ) خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے اور ان کے لباس بھی طیب و طاہر ہیں۔ جہاں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں ان پر درود کا نعرہ بلند ہوجاتا ہے۔ جب حسب نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا ہر طرح اس کو ہر طرح استوار کیا تو اسے (خدا کے برگزیدہ) حضرات آپ لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر تفضیلت بھی دی۔ پس آپ حضرات ہی ملاء اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سوروں کے مطالب ہیں (وفیات الاعیان جلد ١ صفحہ ٣٢٢)

حضرتؑ کی وفات

ایک روز مامون نے حضرت کو بلایا اور گلے لگ کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے پاس ایک طبق میں بہت سے انگور رکھے تھے اور اس کے ہاتھ میں بھی انگور کا ایک خوشہ تھا۔ جس کے چند دانوں میں زہر بھرا تھا۔ ان دانوں کو حضرتؑ کی طرف بڑھا کر مامون نے کہا کھائیے۔ دیکھئے کیسے اچھے انگور ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا بہشت کے انگور ان سے کہیں زیادہ عمدہ ہیں۔ میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے ضد کی مگر حضرتؑ انکار ہی کرتے رہے۔ آخر وہ بولا کہ میں تو آپ سے عزت و احترام کا برتاؤ کرتا ہوں اور آپ مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ مجبوراً حضرتؑ نے وہ خوشہ لیا اور اس سے تین دانے کھالئے۔ آہ آہ۔ اُن دانوں کا کھانا تھا کہ فوراً زہر اثر کرنے لگا۔ حضرتؑ کا حال بدل گیا۔ باقی انگور کو پھینک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون بولا کہاں چلے؟ فرمایا جہاں تم نے بھیجا اب وہیں جاتا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی منزل میں تشریف لائے اور فرش پر لیٹنے لگے؟ آخر تڑپ تڑپ کر ٢٣ ذیقعدہ ٢٠٢ھ ہجری (٨١٨ء) کو انتقال فرمایا اور طوس میں دفن کئے گئے جو ملک خراسان کا ایک شہر ہے۔ وہاں حضرتؑ کا نہایت عالی شان روضہ بنا ہے جہاں مومنین برابر زیارت کو جاتے رہتے ہیں۔

حضرتؑ کو کس نے زہر دیا؟

یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ مامون نے حضرتؑ کو زہر دیا یا نہیں بعض علماء اہلسنت اس سے انکار کرتے ہیں مگر علماء شیعہ کا یقین ہے کہ مامون ہی نے حضرتؑ کو زہر دیا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات اخیر صفر ٢٠٣ھ ہجری۔ اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہونچ کر دفعتہً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون رشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضاؑ نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اُکھڑوا کر حضرت علی رضاؑ بھی اُسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضاؑ کی برکت سے مستفید ہو مامون کو حضرت علی رضاؑ کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو کر کہتا تھا اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں؟ تین دن تک قبر پر مجاور رہا اور صرف ایک روٹی دن تک روزانہ اُس کی خوراک رہی۔ اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہلبیت کا مداح اور خلفاء بنی العباس کا نہایت دشمن تھا ایک

ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

ما ینفع الرجس من قرب الزکی ولا علی الذی یقارب الرجس من ضرر

یعنی ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا۔ اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضاؑ کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے شیعہ بلا استثنا، اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا۔ افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انھیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کو لگانے کی جرأت نہیں کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہوسکتی ہے ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے۔ یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات اُن لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اُس نے مامون کی بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ مامون نے حضرت علی رضاؑ کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اُس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضاؑ کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہلبیتؑ کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ حضرت علی رضاؑ کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اسی خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضاؑ کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتادیگا کہ مامون پر یہ ایک غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضاؑ کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ اُنھیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی۔ حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشر میں ہیں اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ ہجری میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقیائے روزگار

۱؎ مولوی شبلی صاحب نے اسی کتاب میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے" مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُس کا دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علیؑ افضل تر ہیں بڑے معرکہ کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ ادھر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی۔ صبح سے قریبًا دوپہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقد میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر۔ جودت ذہن۔ کثرت معلومات حسن بیان۔ اور زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے" (المامون صفحہ ۱۹۹) یہ پورا مناظرہ کتابی شکل ورار و ترجمہ کے ساتھ دفتر اصلاح سے کئی مرتبہ شائع ہوچکا ہے چوتھا ایڈیشن قیمت ۸ ر

میں سے تھے ۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا ۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضاؑ جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے ۔ اُس نے جواب دیا کہ اُن کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے ۔ چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا ۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا" (المامون صـ۹۲)

مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے سخت حیرت ہوتی ہے ۔ کیونکہ ممدوح مختلف زمانوں کی تاریخ اسلام سے واقف اور بادشاہوں کے حالات اور سیاسی انتظامات سے باخبر تھے جن کے حالات میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں ۔ کیا ممدوح نہیں جانتے کہ اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا ۔ بنی امیہ کا بادشاہ مروان جب رات کو اپنے محل میں سونے گیا تو اس کی بیوی نے اُس پر بھاری گدا ڈلوا کر اس پر لونڈیوں کو بٹھا دیا اور اُس کا گلا گھونٹوا دیا ۔ خود مامون کے باپ دادا نے کیا کیا ۔ مردوں کا کیا ذکر ہے عورتوں کا طرز عمل دیکھئے کہ خلیفہ ہادی کی ماں خیزران نے جو مامون کی دادی تھی اپنے بیٹے بادشاہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دے کر ختم کر دیا ۔ مامون کے باپ ہارون الرشید نے اپنے خاص وزیروں کے خاندان برامکہ کو جس طرح تباہ و برباد کر دیا اس کو خود مولوی شبلی صاحب اس طرح لکھتے ہیں " اگر اُس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اُس کے ہوتے" (المامون صـ۲۰) اب مامون کو دیکھو کہ اپنے بھائی امین کو کس بے دردی سے قتل کیا ۔ پھر اپنے بڑے محسن و وزیر جنگ فضل بن سہل کو جس کی کوششوں سے وہ بادشاہ ہوا تھا قتل کرا دیا ۔ ایسے شخص کا حضرت امام علی رضاؑ کو قتل کرانا کیوں باعث حیرت ہو سکتا ہے ؟ ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم نے لکھا ہے " مامون کو جب باغیوں اور مفسدوں کی کثرت اور اہلبیتؑ کے طلب خلافت میں اُٹھنے کی خبر پہونچی تو گھبرا گیا اور یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنا لے ۔ چنانچہ اُن کو مدینہ سے بلا کر ۲ رمضان ۲۰۱ھ ہجری (۸۱۶ء) کو باوجود اُن کے سخت انکار کے اپنا ولی عہد بنا لیا ۔ اُن سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا ۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کر کے بنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا ۔ امام رضاؑ کی ولیعہدی کی خبر سُن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی کمال سوختہ ہوئے اور انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا ۔ اور محرم ۲۰۲ھ ہجری میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا ۔ بغداد اور اُس کے نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی ۔ لُچے ۔ غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی ۔ فضل سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا ۔ مگر امام رضاؑ نے اسے خبردار کر دیا ۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا ۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا ۔ سرخس میں پہونچ کر اس نے فضل کو حمام میں قتل کرا دیا

(۲۰۲ھ ہجری)۔ پھر جب طوس میں پہونچا تو امام رضاؑ کو بھی جن کو ولیعہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا (۲۰۳ھ ہجری مطابق ۸۱۸ء) (مولوی امیر علی اور ابن خلدون مامون کو امام رضاؑ کو زہر دینے کے الزام سے بری کرتے ہیں مگر یہ اُن کا مامون کے ساتھ صرف حُسن ظن ہے کیونکہ بڑے بڑے مورخین نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ دیکھو کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ مروج الذہب مسعودی جلد ۹ صفحہ ۳۳۔ کتاب الفخری صفحہ ۱۱۹۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۴۔ مطالب السئول صفحہ ۲۵۹۔ حبیب السیر جلد ۲ جزو اول صفحہ ۵۱ روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۱۶۔ شواہد النبوۃ صفحہ ۲۰۲۔ تاریخ آل محمدؐ صفحہ ۶۴۔ روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۴۴)

مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امام کی وفات کا حال بغداد لکھ بھیجا جس سے وہاں امن و امان قائم ہوگیا" (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۶۱) غرض مشہور مثل ہے الملک عقیم۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "الملک عقیم بادشاہت بانجھ ہے یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے باپ بیٹے کی پروا نہیں کرتا۔ نہ بیٹا باپ کی۔ بلکہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بنتا ہے" (انوار اللغۃ پ ۱ صفحہ ۱۳۳)۔ پس جب باپ بیٹے میں بلکہ ماں بیٹے میں بھی یہ باتیں موجب حیرت نہیں بلکہ واقع ہوئیں تو مامون کے متعلق انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مامون نے دیکھا کہ حضرت امام علی رضاؑ کی وجہ سے اس کو اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اس کی بادشاہت بے خوف نہیں ہوسکتی۔ وہ آرام کی زندگی نہیں بسر کرسکتا۔ اس وجہ سے اس نے بھی حضرتؑ کے ساتھ وہی کیا جو اس کے باپ ہارون نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ اور جو اسکے بزرگ منصور دوانیقی نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کیا تھا (کہ دونوں بادشاہوں نے دونوں بزرگوں کو شہید کر دیا) رہا یہ خیال کہ مامون حضرت امام رضاؑ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ وہ کیسے شہید کرتا۔ تو بادشاہت کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کو غدیر خم میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو خلیفۂ رسولؐ مان کر کس جوش سے مبارکباد دی تھی کہا تھا۔ بخ بخ لک یا ابن ابی طالب فقد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔ اے فرزند ابو طالب مبارک ہو مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہوگئے۔ باوجود اس کے خلافت کے لئے حضرتؑ پر جو سختیاں کیں وہ آج تک تاریخی اوراق پر خون کے حرفوں سے موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کو ہر مسلمان کا ماننا اور اس کی عزت کرنا فرض ہے مگر خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے ایک روز قرآن مجید بطور فال لینے کے جو کھولا تو پہلے ہی یہ آیت نکلی۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔ لوگوں نے کھولنا چاہا اور ہر جبار سرکش خائب و خاسر رہا۔ (پ ۱۳ ع ۱۵) یہ دیکھتے ہی ولید غصہ میں آکر بولا کہ کیا تو مجھے ڈراتا ہے؟ یہ کہہ کر قرآن کو بند کر دیا اور اس پر تیر کی ضرب لگانے لگا یہاں تک کہ اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵) مختصر یہ کہ بادشاہوں کا ہر اس محترم بزرگ کے ساتھ جو ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یا جن کا وجود ان کی عیش کے خلاف ظاہر ہو دشمنی کرنا اور ان کو معدوم کرنے کی کوشش کرنا بدیہیات سے ہے۔ اس سے نہ ہارون بچا نہ مامون۔ خود مولوی صاحب کے قلم سے وہ

جملہ نکل گیا ہے جس پر اگر وہ غور کرتے تو آسانی سے مامون کو امام کا قاتل تسلیم کر لیتے ممدوح نے لکھا ہے "چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" (المامون صـ۹۲) معلوم ہوا کہ اہل بغداد کی بغاوت کا اصلی باعث ذوالریاستین (فضل بن سہل) کا تسلط اور امام رضاؑ کا ولیعہد ہونا تھا۔ اور مامون ان کی بغاوت سے بدحواس ہو کر اس کے رفع کرنے کی کوشش کرنے لگا تو اس نے اس بغاوت کے رفع کرنے کا علاج اسی میں دیکھا کہ فضل بن سہل کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسے قابل قدر وزیر کو اس نے قتل کرا دیا۔ پس دوسرے جزو یعنی امام رضاؑ کے وجود کا دنیا سے اٹھانا بھی اسکے سوائے کسی کا فعل نہیں ہو سکتا۔ جب دونوں کو اس نے قتل کر دیا تو اب اہل بغداد کو لکھا کہ "اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" اس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ دو شخصوں کی وجہ سے تمہاری بغاوت تھی اور دونوں کو میں نے قتل کر دیا۔ اب کیا چیز ہے جسکی شکایت کر سکتے ہو۔ مامون کو ایک عجیب و غریب بہادر طاہر مل گیا تھا جو چند آدمیوں کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کو شکست دے دیتا تھا۔ اور اس کی بہادری سے مامون بادشاہ ہو سکا کہ یہ مثل طوفان کے ہر جگہ کو فتح کرتا ہوا بغداد تک پہونچ گیا اور مامون کے بھائی امین کو شکست عظیم دے کر اس سے سلطنت چھین لی اور مامون کو کل سلطنت بنی عباس کا تنہا مالک بنا دیا۔ جب اس کے ذریعہ سے مامون ہر طرح بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تو اس نے اپنے اس محسن کو بھی زہر دلوا کر ختم کرا دیا۔ (المامون صـ۹۹) ایسے شخص سے کس کو امید خیر ہو سکتی تھی؟ پھر وہ امام علی رضاؑ کو کیوں چھوڑتا؟

ازواج و اولاد

مامون نے حضرتؑ کی شادی اپنی بیٹی ام حبیب سے کر دی تھی۔ آپ کی ایک اور بیوی کا نام سبیکہ یا درہ تھا جن کا دوسرا نام حضرتؑ نے خیزران رکھا تھا (اعلام الوریٰ صـ۹۹) اس کے علاوہ بھی آپ کی چند بی بیاں تھیں جن کے نام نہیں ملتے۔ ام حبیب سے کسی اولاد کا پتہ نہیں ملتا۔ دوسری بی بیوں سے تعداد اولاد میں اختلاف ہے بعض کتابوں میں یہ نام ہیں امام محمد تقیؑ۔ محمد قانع۔ جعفر۔ حسن۔ ابراہیم۔ حسن اور ایک بیٹی (کتاب موالید اہل البیت و نور الابصار مطبوعہ مصر صـ۱۶۱) اور بعض کتابوں میں صرف ایک فرزند امام محمد تقیؑ کا ذکر ہے (عمدۃ الطالب صـ۱۸۶) علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے بتصریح لکھا ہے کہ حضرتؑ کے صرف ایک بیٹے محمد تقیؑ تھے دوسرا کوئی نہیں تھا (اعلام الوریٰ صـ۱۹۹) اور علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرتؑ نے اپنے بعد ایک فرزند امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی لڑکے کو چھوڑا ہو۔ (ارشاد صـ۳۴۵) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے دونوں قول لکھا ہے بلکہ یہ قول بھی لکھا ہے کہ حضرتؑ کے دو بیٹے تھے امام محمد تقیؑ اور موسیٰ ان دونوں کے سوائے حضرتؑ نے کسی لڑکے کو نہیں چھوڑا۔ (بحار جلد ۱۲ صـ۲۶) ان وجوہ سے اس کی تحقیق مشکل ہے کہ واقعاً حضرتؑ نے کتنے لڑکے چھوڑے۔

نواں باب ۹

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام

(حضرت امام محمد تقیؑ حضرت رسول خدا صلعم کے نویں خلیفہ اور مسلمانوں کے نویں امام تھے۔ ۱۰ رجب ۱۹۵ھ (۸۱۱ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور صرف ۲۵ سال زندہ رہ کر ۲۹ یا ۳۰ ذیقعدہ ۲۲۰ہجری (۸۳۵ء) کو زہر سے شہید ہو کر کاظمین میں دفن کئے گئے)

والدین آپ کے والد حضرت امام علی رضاؑ اور والدہ ماجدہ ایک نوبیہ بیوی تھیں جن کے نام میں اختلاف ہے کہ سبیکہ تھا یا خیزران یا ریحانہ۔

نام و کنیت و القاب حضرتؑ کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابو جعفر اور القاب تقی۔ جواد۔ قانع اور مرتضیٰ تھے۔

فضائل علامہ شبلنجی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت اگرچہ صغیر السن تھے مگر آپ کی قدر بہت بڑی۔ آپ کی عزت بلند اور آپ کے فضائل کثرت سے تھے۔ (نور الابصار ص۱۶۱) محدث جمال الدین نے لکھا ہے کہ امام علی رضاؑ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ محمد تقی۔ حسن۔ جعفر۔ ابراہیم۔ حسین (روضۃ الاحباب) اور ان سب میں اجل اور افضل حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۳)

مامون کی سواری اور حضرت کا اطمینان حضرت امام رضاؑ کی وفات سے ایک سال بعد (۲۰۴ہجری مطابق ۸۱۹ء) کا ذکر ہے کہ جب حضرت امام محمد تقیؑ بغداد کے کسی گزرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے بھی وہاں کھیل رہے تھے۔ ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی۔ سب لڑکے ڈر کر بھاگ گئے مگر حضرت محمد تقیؑ اسی طرح پورے اطمینان کے ساتھ کھڑے رہے۔ حضرتؑ کی عمر اس وقت صرف ۹ سال کی تھی۔ جب مامون کی سواری وہاں پہونچی تو اس نے حضرتؑ سے مخاطب ہو کر کہا اے بچے تم کیوں نہیں بھاگے؟ حضرتؑ نے بے ساختہ جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے یہ راستہ تنگ نہ تھا جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا۔ اور میں نے تمہارا کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ اس سے ڈرتا۔ نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہونچاتے۔ مامون کو حضرتؑ کا انداز بیان بہت پسند آیا اور اس نے پوچھا کہ صاحبزادے تمہارا نام کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا محمد بن علی الرضا۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے۔ جب وہ شہر سے باہر نکل گیا تو اس نے باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت خوش ہوا۔ تھوڑی دیر میں جب وہ

اُسی طرف سے لوٹا تو اُس نے حضرت محمد تقیؑ کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے۔ لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر بھاگ گئے لیکن حضرت امام محمد تقیؑ بدستور سابق کھڑے رہے۔ جب مامون حضرتؑ کے قریب آیا تو (مٹھی بند کرکے) حضرتؑ سے کہا صاحبزادے! بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازوں سے اُن مچھلیوں کا شکار کرکے اہلبیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سُن کر مامون بولا کہ بیشک تم علی بن موسیٰؑ الرضاؑ کے فرزند ہو۔ پھر حضرتؑ کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور نہایت عزت سے پیش آیا۔ جس قدر اس پر آپ کے علم وفضل اور کمال عقل اور ظہور برہان کی حقیقت کھلتی گئی اسی قدر وہ آپ کی تعظیم وتکریم میں مبالغہ کرتا گیا۔ آخر اس نے حضرتؑ سے اپنی بیٹی ام الفضل کے نکاح کرنے کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع ہوئے کہ حضرتؑ کے باپ کی طرح کہیں حضرتؑ کو بھی ولیعہد نہ بنائے۔ مامون نے عباسیوں سے کہا میں نے باوجود اس صغر سنی کے تمام اہل فضل پر علم وفضل اور حلم میں ان کے ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کو اس غرض کے لئے منتخب کیا ہے۔ بنی عباس آپ کے ان اوصاف میں اختلافات ونزاع کرنے لگے۔ اور ان لوگوں نے تجویز کی کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائیں گے جو ان چیزوں میں حضرتؑ کا امتحان لے۔ اس امر کے لئے انھوں نے اُس زمانے کے زبردست عالم اور بے نظیر مناظر علامہ یحییٰ بن اکثم کو پیش کیا اور اس کی رشوت مقرر کی کہ اے قاضی اگر آپ اس لڑکے کو فیل کردیں تو ہم لوگ آپ کو بڑی دولت دیں گے۔ پھر سب ارکین دولت جمع ہوئے خلیفہ نے حضرتؑ کے لئے ایک پرتکلف مسند بچھانے کا حکم دیا۔ حضرتؑ اس پر تشریف فرما ہوئے تو یحییٰ نے حضرتؑ سے چند مسائل پوچھے حضرتؑ نے دلائل واضح سے جواب دیا۔ امتحان شروع ہونے پر قاضی صاحب نے پوچھا اے صاحبزادے آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک شکار کیا۔ حضرتؑ نے برجستہ پوچھا کہ اُس شخص نے وہ شکار حل میں کیا ہے یا حرم میں۔ عالم تھا یا جاہل۔ جان کر کیا یا غلطی سے۔ آزاد ہے یا غلام۔ کمسن ہے یا بڑا۔ پہلے پہل قتل کیا ہے یا دوبارہ۔ وہ شکار پرندہ ہے یا اور کوئی جانور۔ چھوٹا شکار ہے یا بڑا شکار کرنے والا اپنے اس فعل پر نادم ہے یا اس پر اصرار کر رہا ہے۔ رات کو شکار کیا یا دن کو۔

ان جرحوں کو سُن کر قاضی یحییٰ مبہوت ہوگئے معلوم ہوتا تھا ان کے مُنہ میں پتھر بھر دیئے گئے کسی بات کا جواب نہیں چلا۔ بالکل چُپ ہوگئے اور بُت بن کر حضرتؑ کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ جب سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے قاضی ہی کو بالکل جاہل ثابت کردیا۔ تو مامون بہت خوش ہوا اور چیخ اُٹھا احسنت احسنت یا اباجعفر۔ اے امام محمد تقیؑ! شاباش۔ واہ واہ۔ آپ کا کیا کہنا۔ پھر مامون نے حضرتؑ سے کہا آپ بھی قاضی یحییٰ سے کوئی بات پوچھیں کہ دیکھا جائے وہ جواب دیتے ہیں یا نہیں۔ قاضی نے کہا ہاں آپ مجھ سے بھی پوچھیں اگر معلوم ہوگا تو میں جواب دوں گا ورنہ آپ ہی سے اس کا جواب بھی سیکھوں گا۔ حضرتؑ نے پوچھا اے قاضی بتاؤ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی

دن چڑھے حلال ہو گئی۔ پھر ظہر کے وقت حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہو گئی۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو حرام ہو گئی۔ صبح کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام اور حلال ہوتی رہی۔

قاضی کی حالت اس سوال پر اور بُری ہو گئی۔ سخت پریشان ہوئے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مجبوراً کہہ دیا کہ یا حضرتؑ میری سمجھ میں نہیں آتا حضور ہی فرما دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ عورت کسی کی لونڈی تھی۔ اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی تو وہ حرام تھی۔ دن چڑھنے پر اس نے وہ لونڈی خرید لی۔ حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت اس سے نکاح کر لیا پھر حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت اس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہو گئی۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی جس سے پھر حرام ہو گئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کر لیا حلال ہو گئی۔ یہ تفصیل سُن کر قاضی کی حیرت اور بڑھ گئی اور کچھ نہ بول سکے۔ تمام مجمع پر ان کی عاجزی اور بے بسی کھل گئی۔ مامون کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے پھولے نہیں سماتا تھا۔ اس کے بعد اپنے خاندان والوں اور درباریوں سے پوچھا کہ اب بھی تم لوگ حضرتؑ کو مانو گے؟ وہ کیا جواب دیتے۔ غرض بادشاہ نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی حضرتؑ کے ساتھ کر دی۔ (رواسخ المصطفےٰ صفحہ ۱۹۱ وصواعق صفحہ ۱۲۳ ونورالابصار صفحہ ۱۶۱)

قاضی کے سوال پر حضرتؑ نے جو جرحیں کیں اور قاضی جواب نہ دے سکے۔ ان کا جواب بھی مامون نے حضرتؑ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر احرام باندھنے کے بعد حل میں شکار کرے اور وہ شکار پرند اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے۔ اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں۔ اور اگر کسی چھوٹے پرندے کو حل میں شکار کیا تو دُنبے کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ دے گا۔ اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اس پرندے کی قیمت اور ایک دُنبہ کفارہ دے گا۔ اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے۔ اور اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ۔ اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو لیکن اگر حرم میں کیا ہو تو یہی کفارے دُگنے دینے ہوں گے۔ اور ان جانوروں کو جنھیں کفارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا تو خانہ کعبہ تک پہونچائے گا اور مکہ میں قربانی کرے گا۔ اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا۔ اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں۔ اور ارادے سے شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گنہگار بھی ہوگا۔ ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا۔ اور غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا۔ اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے۔ اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔ حضرتؑ کا یہ کلام سُن کر سب آپ کی مدح کرنے لگے۔ جب مامون نے ام الفضل کی شادی حضرتؑ سے کر دی اس کے کچھ دنوں بعد حضرتؑ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔ وہاں سے ام الفضل نے مامون کے پاس شکایت بھیجی کہ امام محمد تقیؑ کنیزیں بھی

رکھتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے تیرا نکاح اُن سے اس لئے نہیں کیا کہ تو ان پر خدا کے حلال کو حرام کرے۔ ہرگز ایسی باتیں پھر نہ کرنا (صواعق ص۱۲۳)

حضرتؑ کی وفات جب مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ بادشاہ ہوا اور اس نے امام محمد تقیؑ کے فضائل کا آوازہ سُنا تو براہ بغض و عناد حضرتؑ کو مدینہ منورہ سے بمقام بغداد طلب کیا۔ حضرتؑ جب مدینہ سے چلنے لگے تو اپنے فرزند حضرت علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دے کر کتب الٰہی کے علوم اور جناب رسالت مآبؐ کے آثار سپرد فرمائے۔ بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہو کر ۹ محرم ۲۲۰ھ ہجری کو بغداد میں پہونچے اور معتصم نے اسی سال حضرتؑ کو شہید کردیا۔ اور حضرت کاظمین میں اپنے جد امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ (وسیلۃ النجاۃ ص۳۹۷ و نور الابصار ص۱۶۳ و صواعق محرقہ ص۱۲۳) حضرتؑ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بی بی ام الفضل نے زہر دیا تھا (نور الابصار ص۱۶۳)

بادشاہ وقت حضرتؑ کے زمانے میں مامون بادشاہ وقت تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی معتصم بادشاہ ہوا جس کے زمانے میں حضرتؑ شہید ہوئے۔

ازواج و اولاد حضرتؑ نے چار اولاد چھوڑی۔ امام علی نقیؑ و جناب موسیٰ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور امامہ (ارشاد ص۳۵۷)۔ ازواج میں ایک ام الفضل شاہزادی اور چند دوسری بیبیاں تھیں۔

دسواں باب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

(حضرت امام علی نقی علیہ السلام حضرت رسول خدا صلعم کے دسویں خلیفہ اور مسلمانوں کے دسویں امام تھے۔ ۵ رجب ۲۱۴ھ ہجری (۸۲۹ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۳ رجب ۲۵۴ھ (مطابق ۸۶۸ء) کو زہر سے شہید ہوئے اور بمقام سرمن رائے دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر صرف ۴۰ سال تھی (نور الابصار ص۱۶۶ وغیرہ)

والدین حضرتؑ کے والد حضرت امام محمد تقیؑ تھے اور والدہ کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ یا سوسن یا درہ تھا۔ (ارشاد ص۳۵۸)

نام کنیت و القاب حضرتؑ کا اسم گرامی علی۔ کنیت ابو الحسن اور القاب ہادی۔ متوکل۔ ناصح۔ مرتضیٰ۔ فقیہ۔ امین۔ طیب۔ نقی اور عسکری تھے۔

فضائل حضرت امام علی نقیؑ اپنے زمانے میں سب سے اجل و افضل تھے جو ازروئے علم و فضل اپنے

والد کے وارث ہوئے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۳)

سر من رائے میں جانا ۲۴۳ھ ہجری میں آپ کے زمانے کے بادشاہ متوکل عباسی نے حضرتؑ کو مدینہ سے شہر سر من رائے میں بلا کر قید کر دیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۳)

حضرتؑ کا زہد و عبادت جب حضرتؑ سر من رائے میں بحالت قید بسر کرتے تھے بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ حضرت علی نقیؑ کے گھر میں ہتھیار اور کتابیں وغیرہ جمع ہیں جو ان کو ان کے ہوا خواہ پہونچایا کرتے ہیں اور متوکل کو یہ بھی وہم دلایا گیا کہ حضرت علی نقیؑ اپنے لئے امر خلافت کے طالب ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کئے کہ رات کے وقت حضرتؑ کو گرفتار کر لائیں۔ سپاہیوں نے شب کو اچانک حضرت علی نقیؑ کے گھر میں پہونچ کر دیکھا کہ وہ بالوں کا کرتا پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ سپاہیوں نے حضرتؑ کو اسی حالت سے لے جا کر متوکل کے روبرو پیش کیا۔ متوکل اُس وقت ہاتھ میں جام شراب لئے ہوئے مے نوشی کر رہا تھا حضرتؑ کو دیکھ کر تعظیم دی اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ کے گھر میں کوئی چیز از قسم اسلحہ وکتب وغیرہ نہیں ملی اور نہ ایسی کوئی بات پائی گئی جس سے حضرتؑ پر شک یا الزام قائم ہو۔ یہ سن کر متوکل نے وہ جام شراب جو اُس کے ہاتھ میں تھا حضرتؑ کی طرف بڑھایا۔ حضرتؑ نے فرمایا میرا گوشت اور خون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھ۔ اس پر

حضرتؑ کے ناصحانہ اشعار متوکل نے کہا اچھا اگر شراب نہیں پیتے تو کچھ اشعار پڑھئے حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے شعر گوئی میں چنداں مداخلت نہیں ہے۔ متوکل نے حضرتؑ کا عذر قبول نہیں کیا۔ اور کہا ضرور کچھ سنائیے۔ حضرتؑ نے مجبور ہو کر چند شعر پڑھے جن میں سے یہ ہیں ؎

باتوا علی قلل الجبال تحرسهم — غلب الرجال فما اغنتهم القلل

واستنزلوا بعد عز عن معاقلهم — فاودعوا حفرا یا بئس ما نزلوا

ناداهم صارخ من بعد ما قبروا — این الاسرة والتیجان والحلل

این الوجوه التی کانت منعمة — من دونها تضرب الاستار والکلل

فافصح القبر عنهم حین ساءلهم — تلك الوجوه علیها الدود تنتقل

قد طال ما اکلوا دهرا وما شربوا — فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

(دنیا کے بڑے زبردست بادشاہ) پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر شاندار محلوں میں عیش ونشاط کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس اہتمام سے کہ قوی ہیکل دربان ان کے قصروں پر پہرے دیتے رہتے تھے مگر افسوس (جب موت آئی تو) وہ عالی شان محل اور اونچے پہاڑ ان بادشاہوں کو کچھ بھی نفع نہ پہونچا سکے بلکہ وہ اپنے پورے غلبہ اور حکومت کے بعد اپنے قلعوں سے نیچے نکال پھینکے گئے۔ ان کو بھی موت نے نہ چھوڑا۔ اور عزت کی بلندی سے

خاک مذلت میں گرا کر کشاں کشاں قبروں میں پہونچا دیا۔ ہائے افسوس وہ زمین کے گڈھوں میں کیسی بری جگہ ڈال دیئے گئے تو (گویا بزبان حال) ایک ہاتف نے ان سے پکار کر پوچھا کہ اے قبر والو وہ تمھارے تخت و تاج اور زریں حلّے کیا ہوئے۔ تمھارے وہ چہرے کہاں گئے جو ہر وقت ناز و نعم ہی میں رہتے تھے اور جن کی حفاظت کے لئے پردے اور مسہریاں آراستہ کی جاتی تھیں۔ ہاتف کی اس صدا اور سوال پر (گویا زبان حال سے) قبر بولی کہ ان چہروں پر تو اب کیڑے بھر گئے اور وہی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں خوب ہی کھانے پینے میں اڑاتے رہے مگر ان سب کے بعد اب ان کی حالت یہ ہوگئی کہ کیڑے خود انھیں کو کھا رہے ہیں اور انھیں کے بدن نوچتے رہتے ہیں۔)

یہ اشعار سن کر تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا اور سب نے گمان کیا کہ متوکل حضرتؑ کو ستائے گا مگر اس پر ایسا اثر ہوا کہ ہچکیاں لے کر روتا تھا آنسوؤں سے اس کی پوری داڑھی تر ہوگئی۔ اس کے دربار کے سب لوگ بھی رو رہے تھے۔ متوکل نے فوراً شراب ہٹوا دی اور دوسری باتیں کرنے لگا۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۳۱۲)

مومنین کی حاجت روائی کے لئے اپنی عزت کی پروا نہ کرنا

حضرت کو دوسرے لوگوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کی حاجت روائی کے لئے اپنی بے عزتی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت سرمن رائے میں قید کی زندگی بسر کرتے اس وقت بھی دور دور سے لوگ حضرتؑ کے پاس اپنی حاجتیں لے کر پہونچتے تھے۔ ایک دفعہ کوفہ کا ایک اعرابی بھی حضرتؑ کو تلاش کرتا وہاں آیا تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ قریب ہی ایک دیہات میں تشریف لے گئے ہیں۔ اعرابی وہیں پہونچا۔ حضرتؑ نے پوچھا کیا حاجت ہے۔ عرض کی میں بہت پریشان حال ہوں۔ مجھ پر اتنا قرض ہوگیا ہے کہ میری کمر ٹوٹی جاتی ہے اور حضور کے سوائے کوئی نظر نہیں آتا جس سے اس مصیبت کو رفع کراؤں۔ حضرتؑ نے پوچھا کتنا قرض ہے؟ کہا دس ہزار۔ فرمایا گھبراؤ نہیں خدا سامان کرے گا۔ دیکھو جو میں کہتا ہوں بالکل ایسا ہی کرنا خبردار اس کے خلاف نہ کرنا۔ پھر ایک رقعہ لکھ کر اس کو دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے اس اعرابی کو دس ہزار دینا ہے جس کو میں عندالطلب ادا کرونگا۔ یہ رقعہ اسے دے کر فرمایا کہ کل جب میں سرمن رائے میں اپنے مکان کے اندر رہوں تم آکر اور یہ رقعہ دکھا کر مجھ پر سخت تقاضے کرنا۔ اس نے پہلے عذر کیا کہ یہ بڑی بے ادبی ہے اور اس سے حضور کی ذلت ہوگی مگر حضرتؑ نے تاکید کی کہ تم ایسا ہی کرنا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور جب حضرت سرمن رائے میں آئے اور لوگوں کا مجمع تھا تو وہ اعرابی آیا اور حضرتؑ کی تعلیم کے مطابق حضرتؑ سے روپئے کا تقاضا کیا۔ حضرتؑ نے اس سے تین دن کی مہلت لی۔ یہ خبر متوکل کو پہونچی کہ ایک اعرابی کا اتنا قرض حضرت پر ہے جس کا تقاضا کرکے وہ حضرتؑ کو تنگ کرتا ہے۔ متوکل اس سے بہت شرمندہ ہوا اور تیس ہزار درہم حضرتؑ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرتؑ نے وہ پوری رقم اس اعرابی کو دیدی۔ اس نے عرض کی یا حضرتؑ میں نے تو صرف دس ہزار کی ضرورت بیان کی تھی اسی سے میرا قرض ادا ہوجائے گا باقی حضور لے لیں۔ مگر حضرت نے انکار کیا اور ایک درہم بھی اس سے نہیں لیا۔ اعرابی یہ کہتا ہوا روانہ ہوگیا

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (صواعق ص ۱۲۳)

خلیفہ متوکل کا علاج

جب حضرتؑ شہر سرمن رائے میں (جس کا دوسرا نام سامرہ بھی ہے) خلیفہ متوکل کے ہاں قید میں تھے۔ متوکل کے ایسا زہریلا زخم نکلا جس کے علاج سے کل حکیم اور جراح عاجز آگئے وہ قریب بہ ہلاکت پہونچ گیا۔ اس کی ماں نے نذر کی کہ اگر متوکل اچھا ہو جائیگا تو بہت مال بطور نذرانہ امام علی نقیؑ کی خدمت میں بھیجے گی۔ پھر وزیروں نے حضرتؑ سے کہا کہ حضور کوئی دوا بتائیں تو وہ بھی لگادی جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں دوا لگاؤ اللہ سے انشاء اللہ نفع ہوگا۔ اس دوا کو دیکھ کر دربار کے لوگ ہنس دیئے کہ اس سے کیا ہوگا مگر وہ دوا لگائی گئی تو فوراً زخم پھٹ گیا اور چند دنوں میں متوکل اچھا ہو گیا۔ اس کی ماں نے اپنی نذر کے مطابق دس ہزار اشرفیاں تھیلی میں بند اس پر مہر کر کے حضرتؑ کے پاس بھیج دیں۔ کچھ دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ حضرتؑ کے گھر میں مال اور ہتھیار بھرے ہوئے ہیں۔ متوکل نے اپنے دربان سعید کو حکم دیا کہ نصف شب میں حضرتؑ کے مکان میں گھس کر کل مال اور ہتھیار اٹھا لاؤ۔ سعید ایک سیڑھی لے کر گیا اور حضرتؑ کے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے نیچے اتر کر حضرتؑ کی کوٹھری یا کمرا تلاش کرنے لگا۔ رات بہت اندھیری تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا تو حضرتؑ ہی نے آواز دی اے سعید ٹھہر میں شمع بھیجتا ہوں۔ شمع کی روشنی میں سعید حضرتؑ پاس پہونچا تو دیکھا حضرتؑ موٹے بالوں کا ایک کپڑا پہنے اور بالوں ہی کی ایک ٹوپی سر پر رکھے بوریئے پر قبلہ رخ بیٹھے ہیں۔ سعید نے ہر جگہ تلاش کی مگر نہ کوئی مال ملا نہ ہتھیار۔ وہی مادر متوکل کی تھیلی ملی جس کی مہر تک نہیں توڑی گئی تھی۔ خلیفہ نے وہ تھیلی دیکھ کر اس کی اصلیت پوچھی۔ جب سنا کہ اس کی ماں ہی نے نذر کی رقم بھیجی ہے تو اس نے اتنی ہی اشرفیوں کی ایک اور تھیلی اس کے ساتھ کر کے حضرتؑ کے ہاں واپس کر دی۔ (روائح المصطفےٰ صہ ۱۹۹)

حضرتؑ کا رعب

ایک دفعہ پھر لوگوں نے حضرتؑ کی چغلی کھائی تو متوکل نے غضبناک ہو کر جلادوں کو حکم دیا کہ جب وہ میرے پاس آئیں تو قتل کر دینا یہ کہہ کر حضرتؑ کو بلایا۔ حضرتؑ آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھتے پہونچے مگر حضرتؑ کا ایسا رعب چھا گیا کہ متوکل کا سب غیظ و غضب غائب ہو گیا۔ حضرتؑ کی تعظیم کے لئے تخت سے اتر گیا۔ حضرتؑ کا استقبال کیا۔ مصافحہ کر کے ہاتھ چومے۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور نہایت عزت و تعظیم سے پیش آیا۔ پھر پوچھا اے میرے آقا۔ اے فرزند رسولؐ۔ اے بہترین مخلوق خدا۔ اے مولا۔ اے میرے پیشوا و ہادی کیوں زحمت فرمائی۔ فرمایا تمہارا قاصد پہونچا تو میں آیا۔ اس نے کہا قاصد نے غلط کہا ہے حضور تشریف لے جائیں۔ (روائح المصطفےٰ صہ ۲۰۰)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

خلیفہ معتصم باللہ۔ اسکے بعد واثق باللہ۔ اسکے بعد متوکل علی اللہ۔ اسکے بعد منتصر باللہ۔ اسکے بعد معتز باللہ ہوتے رہے اور اسی کے زمانہ میں حضرتؑ شہید ہوئے۔

ابن سکیت شاعر کا واقعہ

خلیفہ متوکل کو حضرت امیر المومنینؑ اور اہلبیتؑ طاہرین سے شدید عداوت تھی۔ ایک روز اس نے یعقوب ابن سکیت شاعر سے جو اسکے بیٹوں کو پڑھاتا تھا اور علوم عربیہ کا بڑا ماہر تھا پوچھا کہ تم کو میرے دونوں بیٹے معتز اور موید زیادہ محبوب ہیں یا حضرت علیؑ کے فرزندان (امام) حسنؑ و (امام) حسینؑ؟ ابن سکیت نے کہا خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کے غلام قنبر بھی آپ سے اور آپ کے

شاہزادوں سے (لاکھ درجہ) اچھے تھے۔ یہ سُن کر متوکل نے ابن سکیت کی زبان گدی سے کھنچوا لی اور وہ اُسی وقت مر گئے۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ ص۲۴۱)

روضۂ امام حسینؑ کے مٹانے کی کوشش

صاحب حبیب السیر وغیرہ لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ ہجری (۸۵۰ء) میں متوکل نے حکم دیا کہ کوئی شخص مزار حیدر کرّار اور انکی اولاد بزرگوار کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے روضے ہموار کر کے اُن پر زراعت کیلئے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ میں ہے کہ ہر چند فرمان بردن نے کوشش کی مگر پانی امام انام اور تمام شہدائے عترت طاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اُس وقت سے اور اس سبب سے اس مشہد مقدس کو حائر کہنے لگے۔ متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں اور ہجویں کیں (تاریخ اسلام ص۶۵ و تاریخ الخلفاء ص۲۴۷) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۳۶ ہجری میں متوکل عباسی نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا مزار اور اسکے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے۔ اور لوگوں کو اُس مقام میں جانے کی ممانعت کر کے یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دیگا وہ قید کیا جائیگا۔ چنانچہ اس منادی سے لوگ اس قدر خائف ہوئے کہ انھوں نے قبر امام حسینؑ کی زیارت ترک کر دی (تاریخ کامل جلد ۷ ص۱۸) متوکل کے اس فعل پر شاعروں نے خوب خوب ہجویں کیں۔ ایک شخص نے کہا ؎

باللہ ان کانت امیہ قد اتت   قتل ابن بنت نبیہا مظلوما
فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ   ھذا لعمری قبرہ مھدوما
اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا   فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

(خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے اپنے رسولؐ کے نواسہ کو ظلم و غداری سے قتل کر دیا تو بنی عباس نے بھی حضرتؑ کی قبر منہدم کرا کے ویسا ہی ظلم کیا۔ ان کو اس بات کا افسوس ہوا کہ وہ بھی امام حسینؑ کے قتل میں شریک کیوں نہیں ہوئے اسی وجہ سے انھوں نے حضرتؑ کی ہڈیوں ہی پر دھاوا بول دیا)۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۰۲)

درندوں کا مطیع ہونا

بعض حافظانِ اخبار بیان کرتے ہیں کہ متوکل کے سامنے ایک عورت نے سیدانی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ متوکل نے دریافت کیا کہ کوئی ایسی صورت ہے جس سے اس عورت کی اس دعوے میں آزمائش کی جائے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت امام علی نقیؑ سے دریافت کیا جائے۔ اس پر متوکل نے حضرتؑ کو بلوا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور اُس عورت کے دعوے سیادت میں امتحان کرنے کی صورت پوچھی۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا نے درندوں پر حضرت امام حسینؑ کی اولاد کا گوشت حرام کیا ہے۔ تم درندوں کو اسکے پیچھے ڈال دو۔ یہ سُن کر اُس عورت نے اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیا۔ تب لوگوں نے متوکل سے کہا کہ تم خود حضرتؑ کا امتحان بھی اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟ متوکل نے تین درندے (شیر وغیرہ) قصر کے صحن میں چھڑوا دیئے۔ پھر حضرتؑ کو بلوایا اور اسی قصر میں داخل کر کے دروازہ بند کرا دیا اور خود چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی تو خاموش ہو گئے اور

جب آپ صحن میں پہونچکر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل چھت پر تھا اور حضرتؑ نیچے صحن میں تھے۔ متوکل اوپر ہی سے حضرتؑ سے باتیں کرتا رہا اس کے بعد اُتر آیا۔ پھر حضرتؑ صحن سے باہر تشریف لائے۔ اس کے بعد لوگوں نے متوکل سے کہا تم بھی ایسا کرکے دکھاؤ۔ متوکل نے جواب دیا واہ اس طرح تم لوگ مجھے ہلاک کرانا چاہتے ہو؟ (صواعق محرقہ ص۱۲۴)

حضرتؑ کی وفات حضرت امام علی نقیؑ ۳ رجب ۲۵۴ھ ہجری میں خلیفہ معتز باللہ کے زمانہ میں زہر سے شہید کئے گئے (تذکرہ خواص الامہ) حضرتؑ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آپ بھی زہر سے شہید کئے گئے۔ ۲۴۳ھ ہجری میں متوکل نے آپ کو مدینہ سے بلاکر سامرہ میں قید کیا تھا۔ ۱۱ سال[1] کے بعد حضرتؑ کی شہادت ہوئی اور سامرہ ہی میں حضرتؑ دفن کئے گئے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴)

حضرتؑ کی ازواج واولاد آپ کی کئی بی بیاں تھیں جن سے ۴ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئیں (۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۲) حسین (۳) محمد (۴) جعفر (۵) دختر۔ (ارشاد ص۳۶۵)

گیارھواں باب ۱۱

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

(آپ حضرت رسول خدا صلعم کے گیارھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے گیارھویں امام تھے جمعہ ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۲۳ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہے اور رجب ۲۵۴ھ ہجری میں حضرتؑ کا انتقال ہوگیا تو مسلمانوں کے امام قرار پائے اور صرف ۶ سال امام رہنے کے بعد ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ ہجری (۸۷۴ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے)

نام کنیت اور القاب حضرتؑ کا اسم گرامی حسن کنیت ابو محمد۔ اور القاب مخصوص خالص۔ ہادی۔ صامت۔ رفیق۔ زکی۔ سراج مضی۔ شافی مرضی عسکری اور ابن رضا تھے۔ حضرت عسکریؑ اس سبب سے مشہور ہوئے کہ شہر سرمن رائے (سامرہ) کے جس محلہ میں حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ مقیم تھے اس کا نام عسکر تھا اسی کی طرف منسوب ہوکر دونوں بزرگ عسکری مشہور ہوئے۔ (بحار جلد ۱۲ ص۱۵۴) یا اس سبب سے کہ آپ سرمن رائے کی طرف منسوب ہیں کیونکہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے شہر سرمن رائے کو آباد کیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ اس میں اقامت کی تو اس شہر کو عسکر (لشکر) کہنے لگے۔ امام حسن عسکریؑ اسی شہر کی طرف منسوب ہیں اسلئے کہ خلیفہ متوکل نے حضرتؑ کے پدر بزرگوار امام علی نقیؑ کو وہیں بھیج دیا تھا جہاں حضرتؑ ۲۰ سال ۹ ماہ مقیم رہے۔ پس حضرتؑ اور آپ کے صاحبزادے

[1] اوپر صواعق محرقہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت سامرہ میں ۱۱ سال رہے ۱۲

اسی شہر کی طرف منسوب ہونے سے عسکری مشہور ہو گئے۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۳۵)

والدین

حضرتؑ کے والد امام علی نقیؑ تھے اور والدہ ماجدہ کے نام میں اختلاف ہے کہ حدیث یا حدیثہ۔ یا سوسن۔ یا حربیہ۔ یا ام حبیب یا سلیل تھا۔

حضرت کے فضائل

علامہ قرمانی نے لکھا ہے حضرتؑ کے فضائل و مناقب کا کیا ذکر کیا جائے۔ آپ دنیا میں اتنے دنوں رہے ہی نہیں جس سے آپ کے فضائل و مناقب اور علوم و حکم لوگوں پر ظاہر ہوتے (اخبار الدول ص ۱۱۷)

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

آپ کی ولادت کے وقت واثق باللہ بادشاہ تھا۔ اسکے بعد متوکل ہوا جس نے حضرتؑ کو بھی کمسنی میں قید خانہ میں رکھا پھر منتصر باللہ کا زمانہ دیکھا۔ اسکے بعد مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ اسکے بعد معتز باللہ کا عہد آیا۔ اسکے بعد مہدی باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ اسکے بعد معتمد علی اللہ کا تسلط ہوا جس کے زمانہ میں زہر سے حضرتؑ کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح سات خلفاء عباسیہ کے جبر و ظلم سے آپ کو سامنا رہا۔

بچپن کی معرفت

حضرتؑ ایک روز بچپن میں چند لڑکوں کے قریب کھڑے رو رہے تھے اور سب لڑکے کھیل میں مشغول تھے۔ اتفاقاً اُدھر سے بہلول کا گزر ہوا۔ اُنھوں نے حضرتؑ کو روتا دیکھ کر کہا آپ افسوس نہ کریں میں آپ کے کھیلنے کے لئے بھی کوئی کھلونا خرید لاتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اے کم عقل ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ بہلول نے پوچھا پھر کس لئے پیدا کئے گئے؟ فرمایا علم و عبادت کے لئے۔ بہلول نے کہا یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا قول خدائے عز وجل سے جس نے فرمایا ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو عبث کھیل کود کے لئے پیدا کیا اور تمھاری بازگشت ہماری طرف نہ ہوگی (پ ۱۸ ع ۶) اس جواب سے بہلول نے یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں بلکہ ہادی خلق ہے۔ عرض کی مجھے کچھ وعظ فرمایئے۔ حضرتؑ نے چند اشعار وعظ و پند سے بھرے ہوئے بیان فرمائے جس کے بعد خود غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو بہلول نے عرض کی "یہ وعظ فرماتے ہوئے آپ کو کیا ہو گیا تھا جو غش کھا کر گر گئے۔ خوفِ خدا کا اثر تو ہو نہیں سکتا اسلئے کہ ابھی آپ بالکل بچے ہیں گناہ کا نام تک نہیں جانتے"۔ حضرتؑ نے فرمایا "بہلول کیا کہتے ہو میں والدہ کو دیکھتا ہوں کہ چولھا جلاتی تو بڑی لکڑیوں سے ہیں لیکن وہ بڑی لکڑیاں بغیر چھوٹی لکڑیوں کے روشن نہیں ہوتیں۔ اسی طرح میں ڈرتا ہوں کہ جہنم کے بڑے ایندھن کو روشن کرنے کیلئے جو چھوٹی چیزیں ایندھن بنیں گی اُن میں میرا شمار بھی نہ ہو" (صواعق محرقہ ص ۱۲۴ و نور الابصار ص ۱۵۱)

کنویں میں گر جانا

امام حسن عسکری جب بچے تھے دفعتاً کنویں میں گر گئے۔ اُس وقت آپ کے پدر بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام نماز میں مشغول تھے۔ عورتیں چیخنے لگیں۔ مگر حضرتؑ نے نماز قطع نہیں کی۔ جب سلام سے فارغ ہوئے تو فرمایا ڈرو نہیں خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کنویں میں نظر کی تو دیکھا قدرتِ خدا سے آپ پانی میں کھیل رہے ہیں۔ (خرائج)

حفاظت قرآن

اسحاق کندی اپنے زمانہ میں عراق کا سب سے بڑا فلسفی شخص تھا۔ اُس نے کلام مجید میں تناقض

(ایک آیت کے خلاف دوسری آیت۔ ایک مضمون کے برعکس دوسرے مضمون کا ہونا) ثابت کرنا چاہا جس کے لئے کتاب تناقض القرآن لکھنی شروع کی۔ اس میں وہ ہمہ تن مشغول ہوگیا حتیٰ کہ اپنے مکان سے نکلنا یا دوسروں سے ملنا ترک کر دیا۔ اس اثناء میں اُسکا ایک شاگرد امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے اُس سے فرمایا کیا تمھاری جماعت میں کوئی ایسا سمجھدار شخص نہیں ہے جو اپنے استاد کندی کو اس کام (کتاب تناقض القرآن لکھنے) سے روک سکے؟ اس شاگرد نے کہا میں تو اُسکے شاگردوں سے ہوں کیونکر اُس پر اعتراض کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں جو کہوں اُسے اُس تک پہونچا دو؟ اُس نے کہا ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ فرمایا تو جاؤ پہلے اُسکے ہمراہ نہایت نرمی اور سہولت کے ساتھ بسر کرکے موانست پیدا کرو اور اُسکے کام میں اُسکی مدد کرو۔ اس طرح جب وہ مانوس ہوجائے اور تم پر اُس کا پورا اعتماد ہوجائے تو اُس سے کہو کہ یہاں مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے اُس کا جواب بتا دو۔ اس پر وہ دریافت کرے گا تو کہنا کہ صاحب قرآن (خدا) اگر اس کتاب کو تمھارے پاس لائے تو کیا ہوسکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اُس کا ہو وہ تمھارے سمجھے ہوئے مطلب و معانی کے خلاف ہو۔ جب وہ اس سوال کو سُنے گا تو چونکہ ذہین شخص ہے فوراً کہہ دے گا کہ ہاں ضرور ہوسکتا ہے۔ جب وہ یہ کہے تو تم اُس سے کہنا کہ پھر اس کتاب کے لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ ممکن ہے تم اس کا جو معنے سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے ہو وہ خدائی مقصود و معنے کے خلاف ہو۔ اس صورت میں تمھاری محنت ضائع جائے گی۔ کیونکہ تناقض تو جب ثابت ہوتا کہ تمھارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خدا کے مطابق ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں تو تناقض کہاں؟ غرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور کچھ دنوں موانست پیدا کرلینے کے بعد اس اعتراض کو پیش کیا جسے سُن کر وہ متحیر ہوگیا اور کہا پھر سے بیان کرو۔ شاگرد نے دوبارہ بیان کیا۔ اب کچھ دیر تک کندی نے غور و فکر کی اور سمجھا کہ بیشک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور فکر کے ہوسکتا ہے۔ پھر اس شاگرد کی طرف متوجہ ہوکر کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں بتاؤ کہ یہ اعتراض تم کو کس نے سکھایا؟ اُس نے کہا میرے ہی ذہن میں خطور کیا۔ کندی نے کہا ہرگز نہیں۔ تمھارے ایسے علم والے تو کبھی بھی ایسا دقیق اعتراض نہیں پیدا کر سکتے۔ سچ بتاؤ یہ بات کس نے سکھائی۔ اس نے کہا امام حسن عسکریؑ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ اس پر اسحاق کندی بول اُٹھا الآن جئت به وما کان لیخرج مثل هذا الا من ذلك البیت۔ ہاں اب تم نے صحیح بات بتائی اسلئے کہ ایسے دقیق اور مشکل علمی مسئلے تو اس خاندان (رسالت) کے سوائے اور کہیں سے پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔ پھر اس نے آگ منگائی اور تناقض القرآن کا پورا مسودہ جلا دیا (بحار جلد ۱۲ صـ۱۷۲ و مناقب صـ۱۲۷)

اسلام کی زبردست حمایت

ایک دفعہ سامرہ میں سخت قحط پڑا تو خلیفہ وقت معتمد نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہیں برسا۔ چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور اُن میں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اُس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا۔ اُسی طرح اُس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اس دن بھی باران رحمت کا نزول ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا یہاں تک کہ اکثر اشخاص کے دلوں میں شک پیدا ہوگیا۔ بلکہ بعض اُن میں سے اُسی وقت مرتد ہوگئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت ہی شاق گزرا اور اُس نے حضرت امام حسن عسکریؑ کو

طلب کرکے کہا کہ اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گویوں کی خبر لیجئے اور ان کو اس مصیبت عظمیٰ سے بچائیے۔ حضرتؑ نے واقعہ دریافت کرکے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آکر دعائے باران کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کردوں گا۔ پس جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کے لئے جمع ہوئے تو اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسن عسکریؑ نے ایک شخص سے فرمایا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز اس کے ہاتھ میں ہو لے لو۔ اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اس سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؑ نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کرو۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہوگیا اور دھوپ نکل آئی۔ لوگ متحیر ہوئے اور خلیفہ معتمد نے حضرتؑ سے پوچھا کہ اے ابو محمد اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا یہ کسی نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مدعا میں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائیگی تو باران رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سن کر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اسکی وہی تاثیر دیکھی جو حضرتؑ نے بیان کی تھی۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوگئے تھے مطلقاً زائل ہوگئے اور حضرتؑ اس ہڈی کو لے کر اپنے قیام گاہ پر واپس آئے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴) پھر حضرتؑ نے اس متبرک ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا۔ (اخبار الدول صفحہ ۱۱۱)

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو خلیفہ معتمد علی اللہ نے زہر دلوادیا جس سے حضرتؑ نے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری (۸۷۳ء) کو صرف ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ انتقال فرمایا اور وہیں اپنے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ جب حضرتؑ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ پورا شہر سامرہ ہلنے لگا رونے پیٹنے کا شور برپا ہوگیا۔ سب بازار معطل ہوگئے۔ دکانیں بند کردی گئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ کل بنی ہاشم۔ اور قصاص کا حکم دینے والے منشی۔ قاضی۔ ارکان عدالت۔ اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرتؑ کے جنازے میں شرکت کے لئے دوڑے۔ شہر سامرہ اس روز قیامت کا نمونہ ہوگیا تھا۔ جب لوگ حضرتؑ کی تجہیز سے فارغ ہوئے تو حضرت حجۃ خدا امام عصر علیہ السلام نے حضرتؑ کے جنازے کی نماز پڑھی اور اسی گھر میں دفن کیا جس میں حضرتؑ کے والد ماجد مدفون تھے (فصول مہمہ نسخہ قلمیہ و نورالابصار صفحہ ۱۶۸)

ازواج واولاد

حضرتؑ کی بیبیاں کئی تھیں مگر سوائے جناب نرجس خاتون یا سوسن یا ریحانہ یا مریم کے کسی کا نام معلوم نہیں ہوتا۔ اور حضرتؑ کی اولاد میں صرف حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کا نام ملتا ہے۔

بارھواں باب ۱۲

حضرت صاحب العصر والزمان علیہ السلام

اسم گرامی وکنیت والقاب

حضرتؑ کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابوالقاسم اور القاب حجۃ اللہ۔ مہدی۔ خلف صالح۔

قائم منتظر اور صاحب الزمان ہیں ۔

تاریخ ولادت ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ ہجری (۸۶۹ء) کو حضرت شہر سر من رائے میں پیدا ہوئے ۔

والدین حضرتؑ کے والد ماجد امام حسن عسکری علیہ السّلام تھے اور والدہ ماجدہ کا نام نرجس خاتون تھا ۔ سوسن یا ریحانہ یا مریم بھی کہا جاتا ہے ۔

بادشاہ وقت حضرتؑ کی ولادت کے وقت بنی عباس کا خلیفہ معتمد علی اللہ بن متوکل بادشاہ زمانہ تھا ۔

حضرتؑ کا فضل وکمال علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن آتاہ اللہ فیہا الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر قیل لانہ ستر بالمدینۃ وغاب فلم یعرف این ذھب وقول الرافضۃ فیہ انہ المھدی حضرتؑ کی عمر آپ کے والد کے انتقال کے وقت پانچ سال کی تھی لیکن اسی عمر میں خدا نے حضرتؑ کو کمال علم وحکمت مرحمت فرمایا تھا ۔ آپ کا نام قائم اور منتظر بھی ہے ۔ اس لئے آپ کا نام قائم اور منتظر رکھا گیا کہ آپ پوشیدہ ہو گئے اور نہ معلوم ہو سکا کہ کہاں تشریف لے گئے شیعوں کا قول ہے کہ وہی مہدی موعود ہیں (صواعق محرقہ ص۱۲۴)

حضرتؑ کا موجود ہونا مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرتؑ پیدا ہو چکے ہیں اور کوئی قول اس کا نہیں ملا کہ حضرتؑ نے دنیا سے انتقال کیا ۔ پس جب تک کسی شخص کا مرنا معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو زندہ ماننا ضروری ہے ۔ حضرتؑ کی پیدائش کو کل علماء تسلیم کرتے ہیں اور موت کا ایک شخص بھی دعویٰ نہیں کرتا ۔ اس سبب سے عقل کا فیصلہ ہے کہ حضرتؑ موجود ہیں ۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیعوں کے اعتقاد کے مطابق آپ ہی بارہ امام کے بارھویں بزرگ ہیں اور آپ حجت کے لقب سے مشہور ہیں ۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ منتظر ۔ قائم اور مہدی ہیں اور آپ ہی صاحب سرداب ہیں شیعہ حضرتؑ کے ظاہر ہونے کا انتظار آخر وقت تک کرتے رہیں گے ۔ حضرت روز جمعہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو پیدا ہو چکے ہیں ۔ اور جب حضرتؑ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ۵ سال کے تھے ۔ آپ کی والدہ کا نام خمط یا نرجس تھا ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرتؑ جب ۹ سال کے تھے ۲۶۵ھ ہجری میں سرداب میں تشریف لے گئے اس سے اب تک نہیں نکلے (وفیات الاعیان جلد ۲ ص۴۵۱) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے حضرت امام حسن عسکریؑ کے خداداد شرف کے لئے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے امام مہدیؑ کو ان کے نسب سے قرار دیا اور ان کے صلب سے پیدا کیا اور ان کی اولاد سے گردانا اور امام حسن عسکریؑ سوائے حضرت محمد مہدیؑ کے اولاد ذکور میں سے کوئی فرزند نہیں رکھتے تھے پس قطع نظر دیگر مناقب کے ایک یہی امر حضرت حسن عسکریؑ کی منقبت کو کافی ہے (مطالب السئول ص۲۲۹) اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے محمد بن حسن عسکریؑ ۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ وابو القاسم ہے اور آپ کے القاب یہ ہیں ۔ الخلف الحجۃ ۔ صاحب الزمان ۔ القائم ۔ المنتظر ۔ الباقی (تذکرہ خواص الامہ ص۲۰۴) اور علامہ قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی بسلسلہ ذکر ظہور امام مہدی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی آخر الزمانؑ حضرت امام حسن عسکری کے فرزند ہیں ۔

جو کہ شب ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ ہجری کو پیدا ہوئے اور وہ قائم رہیں گے تا اینکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوں پس اس حساب سے ہمارے وقت یعنی ۹۵۸ھ ہجری تک آپ کی عمر شریف ۷۰۶ برس کی ہوئی (کتاب الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۱۴۵) اور علامہ محمد بن یوسف کنجی شافعی نے خاص اسی باب میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ چنانچہ علامہ چلپی نے لکھا ہے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبد اللہ محمد بن یوسف کنجی شافعی (المتوفی ۶۵۸ھ ہجری) کی تالیف ہے (کشف الظنون ص ۲۰۸) کتاب مذکور یعنی البیان فی اخبار صاحب الزمان میں موصوف نے اس مقام پر جہاں انھوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی رہنے کے دلائل لکھے ہیں ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ مثل عیسیٰ ابن مریم اور خضر اور الیاسؑ کے جو خدا کے اولیاء ہیں اور اعور دجال اور ابلیس لعین کی بقا کے جو دشمنانِ خدا میں سے ہیں جناب مہدیؑ کے بقا میں بھی کوئی مانع نہیں اور ان لوگوں کا باقی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے (ارجح المطالب ص ۳۷۷) اور علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد کنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی خلف امام حسن عسکریؑ اپنے زمانۂ غیبت سے اب تک زندہ و قائم موجود ہیں (ینابیع المودۃ ص ۴۹۳) اور علامہ ابن خشاب نے لکھا ہے شیخ محمد بن یوسف کنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ کے زمانۂ غیبت سے اب تک زندہ اور قائم ہونے پر یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ممتنع نہیں ہے ان کی بقا مثل بقائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کتاب موالید اہل البیت)۔ اور علامہ شیخ شبلنجی نے لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد بن کنجی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ کے زمانۂ غیبت سے اس وقت تک حی اور قائم ہونے پر منجملہ دیگر دلائل کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی بقا ممتنع نہیں ہے مثل بقائے عیسیٰ ابن مریم اور خضر و الیاس علیہم السلام کے (نور الابصار ص ۱۷۱)۔ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ حضرتؑ ابھی پیدا نہیں ہوئے آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے۔ مگر خدا دنیا کو ایک سکنڈ کے لئے بھی اپنی حجت یعنی امام اور خلیفہ سے خالی نہیں چھوڑ سکتا معتبر حدیث میں ہے کہ زمین کبھی خدا کی حجۃ قائم سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اب وہ حجۃ خدا مشہور و معروف ہو کہ سب لوگ اسکو پہچانتے ہو یا لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو۔ غرض اس کا وجود ہر زمانہ کے لئے ضروری ہے تاکہ اللہ کی حجتیں اور اسکی نشانیاں مٹنے نہ پائیں (منتخب کنز العمال جلد ۴ ص ۱۸۳) مختصر یہ کہ حضرتؑ یقیناً موجود ہیں اور جب تک ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے نہیں بھر دیں گے قیامت نہیں آ سکتی۔ اسلئے کہ حضرت رسول خدا صلعم کا قول غلط نہیں ہو سکتا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہے اگر دنیا کا پورا زمانہ ختم ہو جائے اور صرف ایک دن باقی رہ جائے جب بھی خدا اسی روز کو اتنا بڑھا دیگا کہ اس میں میرے خاندان کے اس شخص (حضرت مہدیؑ) کو ضرور بھیجے گا جس کا نام بھی میرا ایسا (محمد) ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی (ترمذی ص ۲۷۰)

حضرت رسول خدا صلعم کی یہ بھی مشہور حدیث ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ جو شخص مر جائے مگر اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ کافروں کی موت مرے گا (کنز العمال و شرح عقائد و شرح فقہ اکبر وغیرہ)۔ اس قول کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا ایک امام رہے جس کی

معرفت لوگ حاصل کرتے رہیں اور وہی امام حضرت محمد مہدی علیہ السلام ہیں جو حضرت رسول خدا صلعم کی مسلم بین الفریقین حدیث (کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہوں گے) کے مطابق بارھویں خلیفہ ہیں اور حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد سے ہیں۔ آپ ظلم و جور کو دنیا سے دور کرکے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ شرک و کفر کو دنیا سے نابود کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر آپ کی مدد کریں گے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار میں شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں۔ خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ائمہ اطہار میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں۔ ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے فضل مبین میں اور دوسرے بکثرت علماء نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت امام مہدیؑ پیدا ہو کر غائب ہو چکے اور اب تک زندہ ہیں۔ اور جو لوگ حضرتؑ کے اتنے دنوں تک غائب اور زندہ رہنے میں شک و شبہ کرتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کہ خدا جس کو زندہ رکھے اس کو موت کسی طرح نہیں آسکتی اور جس کو وہ موت دے اس کو کوئی شخص زندگی نہیں بخش سکتا۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت خضرؑ و الیاسؑ و ادریسؑ و عیسیٰؑ کو اب تک زندہ رکھا ہے۔ وہی خدا اگر حضرت امام مہدیؑ کو بھی دنیا میں حجۃ قائم رکھنے کے لئے زندہ رکھے تو کیوں تعجب کیا جائے۔

تیرھواں باب ۱۳

حضرات ائمہ اثنا عشرؑ کے مختصر فضائل اور ان کے ائمہ حق ہونے کے مختصر دلائل

اس باب میں فضائل و دلائل مذکورہ کی طرف مختصر اشارہ کیا جاتا ہے تفصیل دوسری کتابوں میں ہے۔

حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے (۱) جب تک اس دین اسلام میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے یہ دین غالب اور مستحکم ہی رہے گا (۲) جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے اسلام غالب ہی رہے گا۔ (۳) اس امت کے سردار بارہ خلیفہ ہوتے ہیں گے جس طرح بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ ہوئے تھے (۴) اس امت کے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو شخص ان کا ساتھ چھوڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ انکا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بارہ خلیفہ سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے (۵) میرے بعد میرے خلفاء اسی عدد کے مطابق (بارہ) ہوں گے جو حضرت موسیٰؑ کے نقیبوں کا عدد تھا (۶) ہمیشہ دین اسلام قائم ہی رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔ پھر جب

سب ہلاک ہوجائیں گے تو زمین میں زلزلہ پیدا ہوجائیگا قیامت آجائیگی (یہ حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹ میں ہیں) (۷) ہمیشہ یہ دین قائم رہے گا جب تک قیامت نہ آجائے۔ یا جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ گزر جائیں جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔ اس حدیث پر اتفاق ہے (مشکوٰۃ باب مناقب قریش جلد ۲ صفحہ ۹۳) (۸) جب تک تم لوگوں میں میرے بارہ خلیفہ (امامت کرتے) رہیں گے یہ دین قائم رہے گا (سنن ابی داؤد صفحہ ۵۷۹) (۹) میرے بعد بارہ سردار اور پیشوا ہوں گے۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (جامع ترمذی صفحہ ۲۶۹) (۱۰) جابر بن سمرہ روایت کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرماتے ہیں اس دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے یہ مٹ نہیں سکتا۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (جامع ترمذی صفحہ ۲۶۹) (۱۰) جابر بن سمرہ روایت کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرماتے ہیں اس دین اسلام میں جبتک بارہ خلیفہ رہیں گے یہ مٹ نہیں سکتا۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۹) (۱۱) حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اسلام کے بارہ سردار اور حاکم ہوں گے اور وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (صحیح بخاری کتاب الفتن باب الاستخلاف پ ۲۹ صفحہ ۶۲۸) (۱۲) جب تک ان مسلمانوں کے مولا اور پیشوا بارہ رہیں گے اس وقت تک ان لوگوں کا ایمان قائم رہے گا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پ ۲۹ صفحہ ۶۲۹) (۱۳) مسلمانوں کے امام بارہ ہوں گے جو سب ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اسی وقت روح اللہ نازل ہوں گے تو دجال قتل کیا جائیگا۔ اور بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی پوری مدت میں قیامت تک بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو حق کے مطابق عمل کریں گے اگرچہ ان کے زمانے یکے بعد دیگرے آتے رہیں۔ اور اس مطلب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو مسدد نے اپنی مسند کبیر میں ابو بحر کے طریقہ سے درج کی ہے۔ وہ یہ کہ ابو الجلد نے ان سے حدیث بیان کی کہ جب تک اس امت اسلام میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب ہدایت اور دین حق کے مطابق عمل کریں گے اس وقت تک یہ ہلاک نہیں ہوسکتی (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۵) ان حدیثوں سے واضح ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے بعد مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ صرف بارہ امام یا بارہ خلیفہ کی پیروی قرار دی ہے۔ اور جو لوگ ان حضرات کی پیروی کریں گے وہ ضرور ہدایت یافتہ ہوجائیں گے۔

بارہ اماموں کے نام کی تصریح

آں حضرت نے اُن حضرات کے نام کی تصریح بھی فرمادی ہے (۱) حضرت رسول خدا صلعم جناب امام حسینؑ سے فرماتے تھے تم امام ابن امام حجۃ فرزند حجۃ اور ۹ حجتوں کے باپ ہو جن کے نویں بزرگ قائم ہوں گے (مودۃ القربیٰ صفحہ ۳۴) (۲) حضرتؐ نے فرمایا میرے کل وصی بارہ ہوں گے۔ پہلے علیؑ اور آخر قائم مہدی ہوں گے (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۴۵) (۳) جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے رسول خدا صلعم سے اولی الامر کی تفصیل پوچھی تو فرمایا وہ میرے بارہ خلیفہ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ اس طرح پہلے علیؑ۔ پھر حسنؑ۔ پھر حسینؑ۔ پھر علی بن الحسینؑ۔ پھر محمد باقرؑ۔ پھر جعفر صادقؑ۔ پھر موسیٰ کاظمؑ پھر علی بن موسیٰؑ۔ پھر محمد بن علیؑ۔ پھر علی بن محمدؑ۔ پھر حسن بن علیؑ۔ پھر محمد مہدیؑ (روضۃ الاحباب مع نسخہ قلمیہ ینابیع المودۃ صفحہ ۴۶۹ و صفحہ ۴۶۴)

چودھواں باب ۱۴

فرقۂ اثنا عشریہ کے ناجی اور برحق ہونے کے ادلۂ قاطعہ

ادلۂ مذکورہ بھی کثرت سے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی ان سے صرف ایک فرقہ نجات پائیگا باقی سب گمراہ ہوں گے (مشکوٰۃ شریف جلد ا صفحہ ۵) اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ تحقیق کرے وہ ناجی فرقہ کون ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو سوائے فرقہ اثنا عشریہ کے کوئی فرقہ ناجی نہ نکلے اسلئے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے میرے بعد ۱۲ خلیفہ ہوں گے پس جو فرقہ آں حضرتؐ کے بعد صرف ۱۲ حضرات کو حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ مانے اور یقین رکھے کہ حضرتؐ کے خلفاء نہ بارہ سے کم تھے نہ زیادہ وہی ناجی فرقہ ہے۔ اور ایسا اعتقاد رکھنے والے صرف اثنا عشری شیعہ ہیں کہ یہ حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک کو آں حضرتؐ کا خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ اس فرقہ کے علاوہ جس قدر فرقہ ہیں انکے یہاں رسولؐ کے خلفاء کسی طرح بارہ نہیں ثابت ہوتے مثلاً سواد اعظم کہتا ہے کہ حضرت صلعم کے خلفاء راشدین ۴ تھے۔ جو یقیناً ارشاد رسول خدا صلعم کے خلاف ہے پھر وہ لوگ بادشاہان بنی امیہ کو خلفاء رسول مانتے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۱۰ تھی۔ پھر بادشاہان بنی عباس کو مانتے ہیں انکی مجموعی تعداد ۳۶ تھی۔ اس طرح صرف خلفاء بنی عباس تک کی تعداد ۵۰ تک پہونچ جاتی ہے حالانکہ رسول خدا صلعم نے فرمادیا تھا کہ آپ کے خلفاء ۱۲ ہوں گے پس یقیناً ناجی فرقہ وہی ہوسکتا ہے جو صرف بارہ اماموں کو مانتا ہے۔ اسی وجہ سے خاص خاص موقع پر خواب کے ذریعہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے بعض مسلمانوں کو اسی مذہب کے اختیار کرنے کی تاکید کی۔ مثلاً ایک تاریخی واقعہ ہے کہ برہان نظام شاہ والی احمد نگر کا پیارا بیٹا عبدالقادر سخت بیمار ہوا۔ بادشاہ نے کل حکیموں سے علاج کرڈالے۔ برہمنوں کے بت خانوں میں صدقے بھجوائے ہندو مسلمان سب سے دعا کرائی مگر سب بے سود۔ اس وقت مذہب شیعہ اثنا عشری کے ایک زبردست عالم شاہ طاہر نے جو ایران سے آئے اور تقیہ میں بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور نذر کریں کہ اگر شاہزادے کو آج شفا ہوجائے تو زر خطیر حضرات ائمہ معصومینؑ کی اولاد سادات کو پہونچائیں گے اور خطبہ ائمہ اثنا عشر پڑھوا کر ان کے مذہب (شیعہ اثنا عشری) کی ترویج میں کوشش کریں گے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسی وقت شاہ طاہر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد وپیمان بجا لایا۔ پھر بادشاہ اس رات کو شاہزادے کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ ہرچند شاہزادے کو لحاف اڑھانے کی کوشش کی جاتی مگر وہ بےچینی سے ہاتھ پاؤں مار کر لحاف پھینک دیتا تھا۔ بادشاہ نے ناچار لحاف اڑھانے سے منع کردیا اور کہا اسی رات کا مہمان معلوم ہوتا ہے اسے اور تھوڑی دیر دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ صبح ہوتے بادشاہ پٹی پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ نورانی صورت اسکے سامنے آئے اور انکے داہنے بائیں ۱۲ دوسرے بزرگ بھی ہیں۔ برہان نظام شاہ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرتؐ کے داہنے بائیں بارہ امام ہیں۔ پھر آں حضرتؐ نے بادشاہ سے فرمایا کہ خدا نے علیؑ اور ان کے فرزندوں کی برکت سے عبدالقادر کو شفا بخشی۔ اب تم پر لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے سے تجاوز نہ کرنا۔ برہان نظام شاہ بیدار ہوا تو شاہزادے کو بالکل اچھا پایا بس فوراً مذہب اثنا عشری اختیار کرکے اس کو خوب پھیلا۔ (تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۵ و فتاوی عزیزی جلد ا صفحہ ۱۴۲ وغیرہ)۔

تمت

بفضلہٖ تعالیٰ

حضرت امام حسنؑ کی تحقیقی سوانح عمری

سبطِ اکبر

جس میں حضرتؑ کے عہدِ طفولیت اور ایّام شباب کے تفصیلی حالات لکھنے کے بعد آپ کے عہدِ خلافت اور زندگی کے دیگر پہلوؤں پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھ ماہ کی مختصر مدتِ خلافت میں آپ پر کیا کیا بیتی، مملکتِ اسلامیہ کو سدھارنے کے لئے آپ نے کیا کیا جانکاہ کوششیں کیں، دشمنوں کے مکر و فریب اور دوستوں کی منافقت کا کیا عالم تھا، حقیقی جاں نثارانِ امام کن کن ہولناک مصائب میں مبتلا ہوئے۔ کن اسباب کے تحت آپ نے صلح کی تجویز منظور کر لی۔ صلح کی تحریک خود معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی یا امام حسنؑ کی طرف سے۔ امام معصوم کی اس سوانح عمری میں تمام مباحث پر موجودہ دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ان تمام شکوک و شبہات کا تحقیقی اور تشفی بخش طریقہ سے ازالہ کیا گیا ہے جو آپ کی صلح کے متعلق کئے جاتے ہیں، ان کے علاوہ آپ کے اسلامی خدمات، عہد ابی بکر و عمر اور عثمان میں آپ کی اہمیت و عظمت، عہد امیر المومنین میں آپ کے شاندار کارنامے، حضرت رسول خداؐ کے مثل اخلاق و کمالات، غرض کوئی موضوع تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ امام حسنؑ کی ایسی تحقیقی سوانح عمری اردو زبان میں آج تک شائع نہیں ہوئی۔

قیمت آٹھ روپیہ

ملنے کا پتہ

مینیجر اصلاح کھجوا ضلع سارن (صوبہ بہار)

مولانا محمد باقر صاحب کے حکم سے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپکر شائع ہوئی